تاریخ جہانگیر

بینی پرشاد

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

تاریخ جہانگیر

تاریخ جہانگیر

بینی پرشاد

مترجم
رحم علی الہاشمی

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان
وزارت ترقی انسانی وسائل، حکومت ہند
فروغ اردو بھون، FC-33/9، انسٹی ٹیوشنل ایریا، جسولہ، نئی دہلی۔ 110025

© قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

پہلی اشاعت	:	1979
چوتھی طباعت	:	2010
تعداد	:	550
قیمت	:	-/82روپے
سلسلۂ مطبوعات	:	858

Tareekh-e-Jahangeer
by
Beni Prasad

ISBN :978-81-7587-385-8

ناشر: ڈائرکٹر، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، فروغ اردو بھون، FC-33/9، انسٹی ٹیوشنل ایریا، جسولہ، نئی دہلی-110025 فون نمبر: 49539000، فیکس 49539099

شعبۂ فروخت: ویسٹ بلاک-8، آر کے پورم، نئی دہلی-110066، فون نمبر 26109746
فیکس نمبر 26108159

ای-میل urducouncil@gmail.com، ویب سائٹ www.urducouncil.nic.in

طابع: ہائی ٹیک گرافکس، 167/8، سوناپریا چیمبرس، جولینا، نئی دہلی-110025

اس کتاب کی چھپائی میں 70GSM, TNPL Maplitho کاغذ استعمال کیا گیا ہے۔

پیش لفظ

انسان اور حیوان میں بنیادی فرق نطق اور شعور کا ہے۔ ان دو خداداد صلاحیتوں نے انسان کو نہ صرف اشرف المخلوقات کا درجہ دیا بلکہ اسے کائنات کے ان اسرار و رموز سے بھی آشنا کیا جو اسے ذہنی اور روحانی ترقی کی معراج تک لے جاسکتے تھے۔ حیات و کائنات کے مخفی عوامل سے آگہی کا نام ہی علم ہے۔ علم کی دو اساسی شاخیں ہیں باطنی علوم اور ظاہری علوم۔ باطنی علوم کا تعلق انسان کی اخلی دنیا اور اس دنیا کی تہذیب و تطہیر سے رہا ہے۔ مقدس پیغمبروں کے علاوہ، خدا رسیدہ بزرگوں، سچے صوفیوں اور سنتوں اور فکر رسا رکھنے والے شاعروں نے انسان کے باطن کو سنوارنے اور کھارنے کے لیے جو کوششیں کی ہیں وہ سب اسی سلسلے کی مختلف کڑیاں ہیں۔ ظاہری علوم کا تعلق نسان کی خارجی دنیا اور اس کی تشکیل و تعمیر سے ہے۔ تاریخ اور فلسفہ، سیاست اور اقتصاد، سماج اور ائنس وغیرہ علم کے ایسے ہی شعبے ہیں۔ علوم داخلی ہوں یا خارجی ان کے تحفظ و ترویج میں بنیادی کردار لفظ نے ادا کیا ہے۔ بولا ہوا لفظ ہو یا لکھا ہوا لفظ، ایک نسل سے دوسری نسل تک علم کی منتقلی کا سب سے موثر وسیلہ رہا ہے۔ لکھے ہوئے لفظ کی عمر بولے ہوئے لفظ سے زیادہ ہوتی ہے۔ اسی لیے نسان نے تحریر کا فن ایجاد کیا اور جب آگے چل کر چھپائی کا فن ایجاد ہوا تو لفظ کی زندگی اور اس کے حلقۂ اثر میں اور بھی اضافہ ہو گیا۔

کتابیں لفظوں کا ذخیرہ ہیں اور اسی نسبت سے مختلف علوم و فنون کا سرچشمہ۔ قومی کونسل رائے فروغ اردو زبان کا بنیادی مقصد اردو میں اچھی کتابیں طبع کرنا اور انھیں کم سے کم قیمت پر لم و ادب کے شائقین تک پہنچانا ہے۔ اردو پورے ملک میں سمجھی جانے والی، بولی جانے والی اور

پڑھی جانے والی زبان ہے بلکہ اس کے سمجھنے، بولنے اور پڑھنے والے اب ساری دنیا میں پھیل گئے ہیں۔ کونسل کی کوشش ہے کہ عوام اور خواص میں یکساں مقبول اس ہر دلعزیز زبان میں اچھی نصابی اور غیر نصابی کتابیں تیار کرائی جائیں اور انھیں بہتر سے بہتر انداز میں شائع کیا جائے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے کونسل نے مختلف النوع موضوعات پر طبع زاد کتابوں کے ساتھ ساتھ تنقیدیں اور دوسری زبانوں کی معیاری کتابوں کے تراجم کی اشاعت پر بھی پوری توجہ صرف کی ہے۔

یہ امر ہمارے لیے موجب اطمینان ہے کہ ترقی اردو بیورو نے اور اپنی تشکیل کے بعد قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان نے مختلف علوم وفنون کی جو کتابیں شائع کی ہیں، اردو قارئین نے ان کی بھر پور پذیرائی کی ہے۔ کونسل نے ایک مرتب پروگرام کے تحت بنیادی اہمیت کی کتابیں چھاپنے کا سلسلہ شروع کیا ہے، یہ کتاب اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے جو امید ہے کہ ایک اہم علمی ضرورت کو پورا کرے گی۔

اہل علم سے میں یہ گزارش بھی کروں گا کہ اگر کتاب میں انھیں کوئی بات نادرست نظر آئے تو ہمیں لکھیں تا کہ جو خامی رہ گئی ہو وہ اگلی اشاعت میں دور کردی جائے۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ بھٹ
ڈائرکٹر

فہرست مضامین

نمبر شمار	باب	صفحات نمبر
1۔	بچپن	10
2۔	عہد شباب	29
3۔	سلیم کی بغاوت	41
4۔	مغلیہ حکومت۔ خصوصاً جہانگیر کے عہد سلطنت میں	64
5۔	جہانگیر کی تخت نشینی	100
6۔	شہزادہ خسرو کی بغاوت	108
7۔	قندھار۔ جہانگیر کی کابل کو روانگی۔ جہانگیر کے قتل کی سازش۔ پٹنہ کی شورش۔	120
8۔	نور جہاں	131
9۔	ہنگامے اور شورشیں	153
10۔	میواڑ	168
11۔	دکن	192
12۔	جہانگیر گجرات میں وبائیں	218
13۔	چھوٹی چھوٹی فتوحات اور سلطنت میں الحاق	231
14۔	نور جہاں کے گروہ میں پھوٹ	240
15۔	دوبارہ دکن میں سلطان خسرو کی وفات	251
16۔	قندھار میں شاہجہاں کی بغاوت	260
17۔	شاہجہاں کی بغاوت	269
18۔	شاہجہاں کا گولکنڈہ اور تلنگانہ سے گزر شمالی ہند میں فوجی کارروائیاں	280
19۔	دکن	290
20۔	مہابت خاں کی یورش	296

21۔	دکن میں شاہجہاں کی نقل و حرکت	313
22۔	جہانگیر کے آخری ایام...... جانشینی کے لیے جدوجہد	319
23۔	خلاصہ	326
24۔	ضمیمہ (الف)۔ پہلے باب کے متعلق نوٹ	332
25۔	ضمیمہ (ب)۔ پہلے باب کے متعلق نوٹ	332
26۔	ضمیمہ (ج) اسناد	333

پہلے اڈیشن کے پیش لفظ کا خلاصہ

اس کتاب کا مقصد ہندوستانی تاریخ میں ایک خلا کا پر کرنا ہے۔ بہت دن ہوئے 1788ء میں فرانسیس گلیڈون نے "جہانگیر کے عہدِ حکومت کی ایک مختصر تاریخ شائع کی تھی مگر یہ عملاً تاثر جہانگیری کا خلاصہ تھی۔ الفسٹن نے چند یوروپین سیاحوں کے لکھے ہوئے حالات سے استفادہ کیا اور نیز پرایس کے فرضی میموایرس آف ایمپرر جہانگیر" کا مگر وہ اٹھارہویں صدی کے اعلیٰ مورخ خافی خان کا خلاصہ کرنے پر قانع رہا۔ بعد کے بیشتر مورخین نے الفسٹن ہی سے استفادہ کیا۔

اس کتاب میں پہلی مرتبہ فارسی تواریخ مثلاً توزک جہانگیری، معتمد خان کے اقبال نامہ، کامگار حسین کی تاثر جہانگیری، فتح کانگڑہ، مخزن افغانی اور دوسری تواریخوں کی چھان کی گئی اور استفادہ کیا گیا۔ کئی معاصر یوروپیوں کے سفر نامے اور خطوط جو ہزاروں صفحوں پر مشتمل ہیں ان کی ناقدانہ نظر سے جانچ کی گئی اور جو کچھ بھی ان سفر ناموں سے حاصل ہو سکا وہ حاصل کیا گیا اسی طرح راجپوت تاریخوں سے بھی مواد حاصل کیا گیا اور بعد کے ہندوستانی اور یوروپین مورخین کو بھی نظر انداز نہیں کیا گیا۔ شہنشاہ جہانگیر کے بعض فرامین دستیاب ہوئے جنھیں تصدیق کے لیے استعمال کیا گیا۔

اس طرح یہ ممکن ہو سکا کہ جہانگیر کے عہدِ حکومت کے تمام اہم سیاسی اور فوجی کارناموں کا تسلسل کے ساتھ بیان کیا جا سکے۔ اصل مآخذ کے ناقدانہ مطالعہ کے بعد جہانگیر کا کیریکٹر اس سے بہت مختلف نظر آتا ہے جیسا عام طور پر سمجھا جاتا ہے۔ نور جہاں بیگم کے پہلے شوہر شیر افگن کے موت کی ذمہ داری کے متعلق میں نے جو نتیجہ نکالا ہے وہ ناظرین کو انوکھا معلوم ہو گا لیکن میں یہ ظاہر کرنے کی اجازت چاہوں گا کہ یہ جتنی شہادتیں بہم ہو سکیں ان کے ناقدانہ مطالعہ پر مبنی ہے۔ اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے کہ جہانگیر نے نور جہاں کو (یا مہر النساء کو جو شادی سے پہلے اس کا نام تھا) کبھی اس کی پہلی شادی سے پیشتر دیکھا تھا۔ برخلاف اس کے یہ یقین کرنے کی معقول وجہ ہے کہ اس نے نہ شیر افگن کے جان لینے کی کبھی خواہش کی اور نہ ان کی بیوی کو حاصل کرنے کی۔ شیر افگن کی بیوہ سے جہانگیر کی شادی ویسے ہی حالات میں ہوئی جیسے حالات میں اور شادیاں ہوتی ہیں۔ نور جہاں کے اقتدار کی نوعیت صورت اور نتائج کی تشریح کی گئی ہے۔

چوتھے باب میں مغل سلطنت کی نوعیت اور طریق کار کو کسی حد تک نظریہ سیاست سے ایک نئے زاویہ نظر سے بیان کیا گیا ہے۔ میں نے جو نتائج نکالے ہیں ممکن ہے کہ وہ عام طور پر قابل قبول نہ ہوں

مگر میں یہ ظاہر کرنے کی اجازت چاہوں گا کہ یہ وسیع مطالعہ پر مبنی ہیں۔

میرا خیال شروع سے آخر تک سلیس عبارت لکھنے کا رہا۔ صرف چند موقعوں پر جیسے فتح پور سیکری کی عمارتوں کی تفصیل میں مجھے اپنے ارادہ کے برخلاف گبن کا اسلوب اختیار کرنا پڑا جس کا میں مطالعہ کر رہا تھا مگر مجھے یقین ہے کہ میں نے تمام لفاظی اور لمبے چوڑے الفاظ سے پرہیز کیا ہے۔

میں خدابخش اورینٹل پبلک لائبریری، بانکی پور، امپریل لائبریری کلکتہ، سینٹ زیویر لائبریری کلکتہ، جین سدھانت بھون آرہ، موزیم قلعہ دہلی، ہز ہائینس مہاراجہ جودھپور و بنارس و چھتر پور، و نواب صاحب رام پور و لالہ سری رام کا ممنون ہوں کہ انھوں نے براہ کرام بڑی فیاضی سے مجھے اپنے یہاں کی تاریخی تصاویر اور مخطوطات کی نقلیں بہم پہنچائیں۔

بینی پرشاد الہ آباد

تاریخوں کی تشریح

مسلم یا ہجری سنہ میں حسب ذیل مہینے ہیں۔ محرم، صفر، ربیع الاول، ربیع الآخر، جمادی الاول، جمادی الآخر، رجب، شعبان، رمضان، شوال، ذی القعدہ، ذی الحجہ۔

چونکہ ہجری مہینہ چاند دیکھنے پر شروع ہوتا ہے اس لیے کسی مہینہ میں تیس دن ہوتے ہیں۔ اور کسی میں انتیس، پورا سال 354 دن کا ہوتا ہے۔ ہجری سنہ 622ء سے شروع ہوتا ہے۔

سنہ الٰہی کے حسب ذیل مہینے ہیں۔ ہر مہینے کے ساتھ بریکٹ میں اس مہینے کے دن لکھ دیے گئے ہیں۔ فروردین (31) اُردی بہشت (31) خورداد (32) تیر (31) امرداد (31) شہریار (31)، مہر (30)، آبان (30)، آذر (29)، دے (29) بہمن (30)، اسفندرموز (30)، سال میں کل دنوں کی تعداد 365۔

پہلا باب

بچپن

پیدائش

جہانگیر 30/ اگست 1569ء[1] کو دوپہر کے وقت پیدا ہوا۔ اس کے والد، بانی سلطنت مغلیہ کے پوتے اس وقت اپنی عمر کے 27 سال اور اپنی تخت نشینی کے 13 سال اور حکومت سنبھالنے کے نو سال پورے کر چکے تھے۔

1569ء کی مغل سلطنت

اکبر کی ذہانت اور جرأت نے جس کی تربیت سلطنت مغلیہ کے اصلی بحال کرنے والے پرانے جنگ آزما اور مدبر بیرم خاں (1553ء تا 1560ء) نے کی تھی، ہمایوں (1542ء تا 1553ء و 1553ء تا 1556ء) کی چھوڑی ہوئی چھوٹی سی ریاست کو ہمالیہ کے جنوب میں سب سے بڑی اور سب سے طاقتور سلطنت بنا دیا۔ بنگال کے علاوہ جو شمالی ہند میں شورہ پشت عناصر اور تخت سے اتارے ہوئے حکمرانوں کا اڈہ تھا اکبر کی براہ راست حکومت سارے ہند گنگائی میدانی سرزمین پر تھی۔ اس کی برائے نام حکومت کابل پر تھی اور نیز غیر ترقی یافتہ گونڈوانہ پر جو آجکل کم و بیش بندیل کھنڈ اور صوبہ متوسط ہے۔ لیکن اکبر کی جنگ آزمائی حکمت عملی اور تدبر کے سب سے زیادہ نمایاں کارناموں کا میدان راجپوتانہ تھا۔ فنکاری اور قدرت نے مل کر چتوڑ کے قلعہ کو تقریباً ناقابل تسخیر بنا دیا تھا اور تاریخ میں بے مثال بہادری اور مافوق البشر مردانگی کے سارے وسائل اس کی حفاظت میں استعمال کیے گئے تھے مگر مغلوں کی فنی مہارت حسن تدبیر اور شجاعت نے 1568ء میں دھاوا کر کے اُسے تسخیر کر لیا جس کی گونج سارے ہندوستان میں سنی گئی۔ رنتھمبور اور کالنجر جو استحکام میں چتوڑ سے دوسرے ہی درجہ پر راجپوتوں کے گڑھ تھے وہ بھی اس کے بعد تسخیر ہو گئے۔ مصالحت اور میل ملاپ کی پالیسی جو ہوش مندی اور فراخ دلی کی پیداوار تھی پورے زوروں پر

---

(1) ابوالفضل (ترجمہ بیورتج) جلد دوم صفحہ 503 میں سنہ الٰہی کی تاریخ 18/ شہر یور دی ہے۔ جو حساب سے 30/ اگست ہوتی ہے نہ کہ 31/ اگست جیسا کہ راجرس و بیورتج نے توزک جہانگیری کے ترجمہ (جلد اول صفحہ 2) میں دی ہے اور نیز کین کی ہسٹری آف ہندوستان جلد اول صفحہ 104 میں ہجری تاریخ 17/ ربیع الاول 977ھ ہے۔ دیکھو فرشتہ (برگس) جلد دوم صفحہ 233۔ بدایونی (لو) جلد دوم صفحہ 124، محمد ہادی صفحہ 4۔ مآثر الامرا صفحات 553 تا 555، عارف قندھاری مخطوطہ رام پور صفحات 94، 95، جہانگیر (راجرس و بیورتج) جلد اول صفحہ 3، مآثر جہانگیری (مخطوطہ خدا بخش) صفحہ 3 نظام الدین احمد (راجرس و بیورتج) جلد پنجم صفحہ 334 میں 18/ ربیع الاول ہے جو ایک محقق مورخ کے لیے عجیب سی بات ہے۔ گلیڈون (صفحہ 1) نے 15/ اگست لکھا ہے اور پرایس (صفحہ 6) نے 878ھ لکھا ہے جو ایک سال کی غلطی ہے۔

کار فرما ہو گئی حکمرانوں کے درمیان سب سے نازک رشتہ حسب معمول حکومت کے کاموں میں لگایا گیا۔ قرون وسطیٰ کے ہندوستان میں کوئی رشتہ اتنا خوشگوار اور بار آور نہ تھا جتنا جنوری 1563ء(2) میں امبیر کے راجہ بھارامل کی لڑکی سے اکبر کی شادی جس نے ہندوستان کی سیاست میں ایک نئے باب کا افتتاح کیا اور ملک کو کئی ممتاز فرمانروا دیے اور مغل بادشاہوں کی چار نسلوں کو قرون وسطیٰ کے بعض بہترین جنگ آزما اور مدبرین کی خدمات حاصل ہو گئیں۔

اکبر کی اولاد کی پیدائش اور موتیں 1563ء تا 1568ء

اب تک اکبر کے جو بچے پیدا ہوئے ان کا نصیب کھوٹا تھا۔ 1562-63ء میں ایک لڑکی فاطمہ بانو بیگم پیدا ہو کر مر گئی جس کے بعد 1564ء میں جوڑواں بچے پیدا ہوئے اور لفاظ درباری مورخ لکھتا ہے کہ "ساحل سے ساحل تک مسرت کے قالین بچھا دیے گئے۔ اور ساری انسانیت کو پیام مسرت دیا گیا"۔ ان کے نام پیغمبر اسلام کے نواسوں کے نام پر مرزا حسن اور مرزا حسین رکھے گئے لیکن ایک مہینہ کے اندر ہی یہ دونوں در شہوار عالم بالا کو چل بسے(3)۔ اگلے چار برسوں میں جو بچے پیدا ہوئے ان کا بھی یہی انجام ہوا۔(4)

اکبر نے اپنے وارث کی دُعا مانگی

اگرچہ پبلک سرگرمیوں اور درخشاں فتوحات نے اکبر کے قدم چومے مگر خانگی حادثوں سے اس کے دماغ کو بے چینی تھی اس کی عمر اگرچہ صرف پچیس ہی سال کی تھی مگر اس کی قبل از وقت ہوشمندی نے اس میں پدری شفقت کا جذبہ جوش و خروش سے سرگرم عمل کر دیا تھا۔ رب العالمین سے دعائیں کرنے سے اس کا دل نہ بھرا تو اس نے زندہ اور مردہ بزرگوں کا سہارا لیا اور شیخ معین الدین چشتی(5) کے مزار پر ہر سال حاضری دی اور قسم کھائی کہ جیسے ہی اس کی مراد حاصل ہوئی وہ ہندوستان کی متبرک ترین درگاہ کا پیدل سفر کرے گا۔(6)

(2) اکبر نامہ (بیورتج) جلد دوم صفحہ 242۔ نظام الدین (ایلیٹ وڈاوسن) جلد پنجم صفحات 473,474 مآثر الامرا جلد دوم صفحہ 113۔ بھارامل کو غلطی سے بہارامل یا بہاری مل کہا جاتا ہے۔ امبیر کے خانگی جھگڑوں نے متحارب فریقوں کو مغلوں کی مدد حاصل کرنے پر آمادہ کیا اور کسی حد تک یہی وجہ اس رشتہ کی ہوئی۔ دیکھو ہلالی مخلوطہ جے پور صفحہ 62۔

(3) اکبر نامہ (بیورتج) جلد دوم صفحات 356,357۔

(4) اکبر نامہ (بیورتج) جلد دوم صفحہ 5,3 نظام الدین (ایلیٹ وڈاوسن) صفحہ 332۔ فرشتہ (برگس) جلد دوم صفحہ 233۔ بدایونی جلد دوم صفحہ 108 (لو) صفحہ 112۔ پرائس صفحہ 3و4۔

(5) معین الدین چشتی شیخ مودود کے پوتے اور سیستان کے خواجہ حسن کے لڑکے تھے۔ انھوں نے وسطی اور مغربی ایشیا کی وسیع سیاحت کی اور بیس سال تک شیخ عثمان ہارونی کے پاس بطور شاگرد رہے۔ ان کی علمی فضیلت اور تقدس کا بہت بلند درجہ تھا دیکھو بدایونی جلد سوم (ہیگ) صفحہ 87۔

(6) اکبر نامہ (بیورتج) جلد دوم صفحات 502و503 نظام الدین ایلیٹ وڈاوسن جلد پنجم صفحات 333و334۔ بدایونی (لو) جلد دوم صفحہ 127 جہانگیر (راجرس بیورتج) جلد اول صفحہ 1۔2 محمد ہادی صفحہ 3۔

شیخ سلیم چشتی 1479ء تا 1570ء

شیخ سلیم چشتی جو ہندوستان میں اس زمانہ کے مشہور ترین بزرگوں میں تھے اُن کے پاس وہ بار بار گیا اور ہفتوں قیام کیا۔ شیخ سلیم ایک اونچے اور نامور خاندان کے تھے جو اپنا نسب فرخ شاہ بادشاہ کابل سے ملاتے تھے۔ ان کے قریبی اجداد دہلی میں آباد ہو گئے تھے اور وہیں 1479ء میں وہ پیدا ہوئے۔ انھوں نے خواجہ فضیل بن ایاز کے روحانی جانشیں خواجہ ابراہیم کے سامنے زانوئے ادب تہ کیا اور یہ دونوں اس عہد کے نامور بزرگ تھے۔ دو مرتبہ وہ ہندوستان سے باہر گئے اور بائیس سال عرب، شام، ایشیائے کوچک اور عراق کے مسلم بزرگان کے مزاروں اور خانقاہوں میں صرف کیے۔ باہر رہ کر وہ ہر سال بلاناغہ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ جاتے رہے اور ان دونوں مقامات مقدسہ میں سب ملا کر آٹھ سال صرف کیے۔ انھوں نے اسلامی دینیات کے تمام مکاتب خیال کے ادب پر عبور حاصل کیا اور سخت ریاضتیں کیں، لیکن طویل، مراقبوں کے بعد وہ صوفیت کی طرف راغب ہو گئے، یعنی ایک حی و قیوم خدا پر شخصی اعتقاد اور اس سے براہ راست ربط کا ذوق۔ کچھ دنوں بعد جب پانی پت کے شیخ امان نے اُن سے پوچھا کہ "آپ کا مقصد عقلی دلیل سے حاصل ہوا یا الہام سے" تو انھوں نے جواب دیا "دل کی دل کی راہ سے"۔ مغربی ایشیا میں ان کی شہرت دور دور پھیل گئی اور ان کے شیخ الہند کے خطاب نے انھیں تمام زائرین میں جو ہندوستان سے آئے تھے اوّل درجہ کا رتبہ دے دیا۔ بالآخر 1564ء میں جب وہ اپنے وطن واپس آئے تو مذہبی حلقوں میں جوش بھڑک اٹھا۔ انھوں نے شادی کر لی تھی اور کئی اولادیں تھیں۔ ان سب کو لے کر وہ آگرہ سے چوبیس میل کے فاصلہ پر موضع سیکری کی پہاڑی پر مقیم ہو گئے۔ یہاں وہ سچے ولی اللہ کی طرح زہد و تقویٰ میں بسر کرتے تھے۔ دن میں دو بار ٹھنڈے پانی سے نہاتے تھے اور اپنی ضعیفی کے زمانے میں بھی پہاڑی کی شدید گرمی اور سردی میں وہ بجز ایک باریک کرتے اور باریک اچکن کے کچھ اور نہیں پہنتے تھے۔ ان کی ریاضت کی جگہ چلہ گاہ کے نام سے آج بھی موجود ہے اور پہاڑی کی دوسری عمارتوں میں گھری ہوئی ہے۔ وہ اتنے روشن خیال تھے کہ انھوں نے ابوالفضل اور فیضی کے والد شیخ مبارک کو پناہ دی اور ان کی مدد کی حالانکہ انھیں مذہبی جنونیوں نے آگرہ سے نکال دیا تھا۔ انھوں نے کئی مریدوں کی تربیت کی جیسے الور کے کمال، بنگال کے پیارا، حسین خادم، سنبھل کے فتح اللہ طارم اور اجودھن کے رکن الدین۔ ان مریدوں نے اپنے پیر کے پیام حق کی روشنی وفاداری کے ساتھ بعد کی نسلوں تک پھیلائی۔ (7)

اکبر کی سیکری میں

درویشوں اور عالموں کے ان مقتدا کی عمر اب نوے سال ہو چکی تھی اور عوام میں ان کے بہت سے معجزے مشہور ہو گئے تھے جس وقت ہندوستان کا طاقتور حکمراں ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور اُن سے استدعا کی کہ اُس کے وارث تاج و تخت کے لیے دعا فرمائیں تو بزرگ درویش نے تعمیل کی اور مستدعی

(7) بدایونی جلد سوم (ہیگ) صفحات 18 تا 27۔ دربار اکبری صفحات 790 تا 796۔ اکبر نامہ (بیورج) جلد دوم صفحہ 503۔ مآثر الامرا (بیورج) جلد اول صفحات 169، 170۔ بلوک مین کا بیان (539) بہت مختصر ہے۔ مانسیرات (کمنیز س صفحہ 642) کے دامن پر بدایونیوں اور اسلامی نقطہ نظر سے شرمناک افعال کے دھبے ہیں قطعی متعصبانہ ہے۔

بادشاہ کو جلد ہی اس کی مراد پوری ہونے کی خوشخبری دی۔ شہنشاہ نے قسم کھائی کہ شاہزادہ جب پیدا ہوگا تو اُسے وہ ان کی حفاظت میں دے گا اور شیخ نے اُس کا نام اپنے نام پر رکھنا منظور کر لیا۔ سیکری میں شہنشاہ کے بار بار آنے اور قیام کرنے سے اس گاؤں کی حالت بدل گئی۔ پرانی چھوٹی سی خانقاہ کی جگہ خوبصورت خانقاہ اور اس سے بھی خوبصورت مسجد بن گئی۔ پہاڑی کی بلندی پر شہنشاہ کا عالی شان محل تعمیر ہو گیا اور امراء نے بھی جلد ہی اس کی تقلید کی اور اپنے قیام کے لیے خوبصورت محلات تعمیر کر لیے۔ (8)

مریم الزمانی سیکری میں

شروع 1569ء میں راجپوت ملکہ میں جو مریم الزمانی کہلاتی تھی حمل کے آثار پیدا ہوئے اور اُسے معہ اس کے متعلقین کے "منحوس" شہر آگرہ سے بوڑھے درویش کے قرب میں منتقل کر دیا گیا۔ شہنشاہ باری باری آگرہ اور سیکری میں قیام کرتا رہا اور اس درمیان میں بے چینی سے انتظار کرتا رہا۔ ایک جمعہ کو جب وہ چیتے کا شکار کر رہا تھا تو اُسے اطلاع ملی کہ بچہ ماں کے پیٹ میں حرکت نہیں کر رہا ہے تو اُس نے فوراً قسم کھائی کہ وہ آئندہ سے کبھی جمعہ کو چیتے کا شکار نہیں کرے گا اور اس کا پابند رہا۔ (9)

شہزادہ سلیم کی پیدائش

تھوڑے ہی دن بعد شہزادہ سلیم تولد ہو گیا۔ (10)۔ اکبر کو آگرہ میں خبر ملی۔ پرانی رسم کے

(8) نظام الدین (ایلیٹ وڈاوسن جلد پنجم صفحات 432، 433۔ بدایونی (لو) جلد دوم صفحہ 1، 2 فرشتہ (برگس) جلد دوم صفحہ 233 ماثر الامرا (بیورتج) جلد اول صفحہ 169۔ تاثر جہانگیری صفحات 3، 4۔ جہانگیر (راجرس دبیورتج جلد اول صفحہ 2 نے اس معمولی واقعہ کو بڑھا چڑھا کر بیان کیا ہے وہ لکھتا ہے: ایک روز شیخ سلیم کی خدمت میں وہ (اکبر) پریشان بیٹھا تھا اور اس نے شیخ سے دریافت کیا کہ اس کے کتنے بچے ہوں گے؟ شیخ نے جواب دیا "دینے والا بلا مانگے ہوئے آپ کو تین لڑکے عطا کرے گا"۔ میرے والد نے کہا میں نے قسم کھائی ہے کہ میرا پہلا بچہ جب پیدا ہوگا تو اسے آپ کے دامن میں لا کر ڈال دوں گا۔ آپ کی شفقت و عنایت کو میں اس کا نگہبان بناؤں گا۔ شیخ نے اس خیال کو پسند کیا اور فرمایا "میں آپ کو مبارکباد دیتا ہوں اور میں اسے اپنا نام دوں گا"۔

(9) جہانگیر کی ماں کا راجپوتی نام کسی مورخ نے نہیں لکھا ہے۔ سجان رائے (خلاصۃ التواریخ مطبوعہ دہلی 1913ء صفحہ 374) نے صرف سرکاری نام لکھا ہے۔ ابوالفضل (بیورتج جلد دوم صفحہ 3۔5) نے صرف "خوش طالعی کے سورج کی کوکھ" لکھا ہے۔ فرشتہ (برگس جلد دوم صفحہ 33) نے "منظور نظر سلطانہ" لکھا ہے۔ نظام الدین (راجرس وڈاوسن) جلد پنجم صفحہ 334 اور بدایونی (لو جلد دوم صفحہ 113) نے شہنشاہ کی ایک ملکہ لکھا ہے۔ بلوکمین (صفحہ 310) نے پہلے اسے جودھابائی خیال کیا لیکن بعد کو (صفحہ 619) میں اس کی تردید کر دی۔ بیورتج (جرنل آف ایشیاٹک سوسائٹی بنگال 1887ء جلد اول صفحات 164 تا 167) نے ایک جگہ بیرم خاں کی بیوہ سلطانہ سلیمہ بیگم لکھا ہے مگر یہ نہ قابل یقین ہے کہ۔ کین (ہینڈ بک گائڈ، آگرہ صفحہ 58) جس کی تقلید جی ڈبلیو فارسٹ نے سٹیز آف انڈیا پاسٹ اینڈ پریزنٹ (صفحہ 195) نے بھی کی ہے سراسر غلطیوں سے بھرے ہیں اور اسی طرح آگرہ ڈسٹرکٹ گزیٹیر صفحات 147 و 148 خافی خاں، بختاور خاں وغیرہ کی فارسی تاریخوں میں بھی کوئی نئی بات نہیں ہے۔

(10) پیدائش کے حالات نے افسانوی رنگ اختیار کر لیا۔ "کہا جاتا ہے کہ شہنشاہ کی آمد کے وقت درویش کے ایک چھ ماہ کا دودھ پیتا ہوا بچہ تھا جو ایک دن باپ کو دیکھ کر گھبرے مراقبہ میں چلا گیا اور شہنشاہ کی آمد پر بول اٹھا کہ "آپ نے فاتح عالم کو مایوس کیوں واپس کر دیا"۔ مشاہدات کے بموجب درویش نے جواب دیا کہ "بادشاہ کے بچے شیر خوارگی ہی میں فوت ہو جائیں گے جب تک کوئی خود اپنا بچہ ان کی جگہ مرنے کے لیے نہ پیش کرے۔" بچے نے برجستہ مگر ادب سے کہا "آپ کی اجازت سے میں مر جاؤں گا تاکہ جہاں پناہ وارث سے محروم نہ رہیں"۔ اور اپنے والد کی ممانعت کا انتظار کیے بغیر وہ مر گیا۔ نو ماہ بعد شہزادہ پیدا ہوا (ایچ جی کین۔ گائیڈ بک آگرہ (صفحہ 39) اس افسانہ کی بنیاد پر کین نے شبہ ظاہر کیا ہے کہ بادشاہ کے مرا ہوا بچہ پیدا ہونے پر درویش نے اپنا بچہ اس کی جگہ کر دیا (ایضاً) مگر یہ تمام مستند مورخین کے بیان کے بالکل خلاف ہے اور اس سے کم فیاضانہ خیال جس کا بیان

باقی حاشیہ آگلے صفحہ پر . . .

مطابق کہ جو بچہ بڑی تمنا سے پیدا ہو اُسے کچھ دنوں تک اُس کے والد کو نہ دیکھنا چاہئے اکبر نے سیکری کی روانگی ملتوی کردی لیکن حکم دیا کہ ایک ہفتہ تک جشن منایا جائے۔ تحفے اور خیرات پوری سخاوت سے تقسیم ہوئی۔ لنگر خانہ کھول دیا گیا اور قیدی رہا کیے گئے۔ بقول ابوالفضل وہ زمانہ کے دماغ میں مسرت بھر گئی"۔ شاعر اور نظم کہنے والے قصیدے اور مبارکباد سنانے کے لیے دور دور سے آکر جمع ہو گئے۔ استادانہ شاعری اور محض لفاظی پورے جوش وخروش سے دکھائی گئی۔ مرد کے خواجہ حسن کی نظم سب پر فوقیت لے گئی جس کے ایک مصرع سے شہنشاہ کی تاج پوشی کا اور دوسرے مصرع سے شہزادے کی پیدائش کا مادہ تاریخ نکلتا تھا اور شاعرانہ کمال بھی تھا۔ چنانچہ انھیں دو لاکھ ٹنکہ انعام دیا گیا۔ (11) اس سے کم قیمت تاہم شاندار تحفہ شیخ الملت یعقوب شاہ کشمیری کو دیا گیا اور دوسرے کم درجہ کے شعرا کو بھی تحفے دیے گئے۔ (12) منجموں نے دو جنم پترے بنائے۔ ایک ہندوستانی حساب سے اور ایک یونانی حساب سے مگر دونوں میں مختصر تلایا میزان تھا (13)

شہزادے کی انائیں

پیدا ہونے کے پہلے دن شہزادہ کو اُس کے دینی باپ کی بہو نے دودھ پلایا جو لوزائیدہ بایزید کی ماں تھی اور بایزید بعد کو معظم خان کے لقب سے موسوم ہوا دوسرے دن شہزادہ شیخ کی صاحبزادی کو سپرد کیا گیا جو خوبو کی ماں تھی۔ دی مستقبل کا بدانجام قطب الدین۔ ان خاتون نے شہزادہ کو بڑے چاؤ اور پیار سے

(بقیہ حاشیہ نمبر....10) اشارہ کیا گیا اور صفحہ ۱۱۱ پر صاف صاف ظاہر کیا گیا ملکہ اور درویش دونوں کے خلاف ہے اور مطلق قابل توجہ نہیں۔ شہزادہ کے پیدا ہونے کی جگہ آج بھی ایک شکستہ محل کے اندر جامع مسجد کے جنوب مغرب اور مسجد سنگ تراشان کے قریب بتائی جاتی ہے۔ اس عمارت کو پہلے رنگ محل کہتے تھے۔ یہ نیچے کی منزل میں ہے اور بہت ہی گندی حالت میں ہے۔ یہ نوفٹ چھ انچ لمبی اور آٹھ فٹ چار انچ چوڑی اور صرف دس فٹ اونچی ہے۔ اس محل میں اب شیخ کی نسل کے ایک صاحب رہتے ہیں جن کا نام تجمل حسین ہے اور کمرہ ان کے زنان خانہ کے اندر ہے اس لیے زائرین کو بہت کم دکھایا جاتا ہے۔ (ای ڈبلیو اسمتھ کی کتاب "مغل آرکی ٹیکچر آف فتحپور سیکری حصہ سوم صفحہ 10)

(11) پوری نظم بدایونی کے فارسی نسخہ جلد دوم صفحات 121 تا 123 میں اور لو کی جلد دوم صفحات 125 تا 127، اور بیل کی مفتاح التواریخ صفحات 109 تا 110 میں اور اقبال نامہ میں دیکھی جا سکتی ہے۔ اکبر نامہ (نسخہ فارسی) جلد دوم صفحہ 348، اور بیورتج جلد دوم صفحات 507، 508 میں بھی اس کے کچھ اشعار دیے گئے ہیں۔ پہلے چھ اشعار کو بیورتج نے انگریزی میں ترجمہ کیا ہے۔ جس کا اردو ترجمہ یہ ہے۔

بادشاہ کے شکوہ کے لیے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہئے۔
ایک شاندار موتی انصاف کے سمندر سے ساحل پر آگیا۔
حلوت کے آشیانہ سے ایک پرندہ اتر آیا۔
حسن و شوکت کے آسمان سے ایک ستارہ آگیا۔
ایسا گلاب کا درخت چمن میں نہیں نظر آسکتا۔
ایسا لالہ لالہ زار میں نہیں ہے۔

(12) سلیم کے پیدا ہونے پر جشن وشادمانی کے حالات کے لیے دیکھو اکبر نامہ (بیورتج) جلد دوم صفحات 514، 515 نظام الدین (ایلیٹ و ڈاوسن) جلد پنجم صفحہ 334۔ بدایونی (لو) جلد دوم صفحات 124، 127۔ بلوکمین صفحہ 474۔
چند مادہ ہائے تاریخ یہ ہے: گوہر درج اکبر شاہی در شہوار لباچہ اکبر، شامت تیمور۔

(13) اکبر نامہ (بیورتج) جلد دوم صفحات 506، 507 جنم پترے فارسی نسخہ میں دیے گئے ہیں۔ کمرہ پیدائش کے باہر کے منظر کی ایک تصویر بھی ہے۔ جرنل آف انڈین مار کیٹ اینڈ انڈسٹری جلد 5) نمبر 120۔ پلیٹ 9 میں جنم پترے کا نقشہ ہے۔

پرورش کی اور اتنی دیکھ بھال کی کہ شہزادہ کے ذہن پر اس کا مدت العمر تاثر رہا۔ شہزادہ نے ان کا ہمیشہ اپنی ماں کی طرح احترام کیا اور ان کے انتقال پر ان کا ذکر دردانگیز الفاظ میں کیا۔(14)

اکبر کا پاپیادہ سفر

شہزادہ کا نام محمد سلطان سلیم رکھا گیا مگر پیار کا نام شیخو بابا تھا۔ اکبر نے اپنی دعاؤں اور تمناؤں کے فرزند کو کبھی کسی اور نام سے نہیں پکارا۔ (15)۔ بادشاہ نے تشویش کے زمانہ میں جو حلف لیا تھا وہ مسرت کے زمانہ میں نہیں بھولا۔ 20/ جنوری 1570ء کو جمعہ کے دن وہ دارالسلطنت سے روانہ ہوا اور اوسطاً چودہ میل روزانہ پیدل سفر کرتا ہوا اتوار ۳/ فروری کو اجمیر پہونچا اور فوراً مزار پر فاتحہ پڑھنے حاضر ہو گیا۔ محبت اور زہد کی راہ میں یہ 328 میل کا پیدل سفر اپنے عہد میں اور آئندہ نسلوں کے لیے یادگار رہ گیا۔(16) لیکن بادشاہ کے فولادی جسم اور مسرت بھرے ذہن کے لیے اس کی کوئی حقیقت نہ تھی۔

شہزادے کے بھائی بہن

قسمت نے ابھی تک بادشاہ سے جو بے رخی کی تھی اب اس کی تلافی کرنے لگی، 21/ نومبر 1569ء کو ایک لڑکی شہزادی خانم سے پیدا ہوئی۔ (17) شہزادہ مراد ۷/ جون 1570ء کو شیخ سلیم کے مبارک گھر سیکری کی پہاڑی پر پیدا ہوا اور اس لیے پہاڑی کہلاتا تھا(18)۔ دو سال بعد 9/ ستمبر 1572ء کو شیخ دانیال کے مکان پر سب سے چھوٹا شہزادہ دانیال پیدا جسے شیخ دانیال نے خود اپنے نام سے موسوم کیا۔ (19) کچھ دنوں بعد بی بی دولت شان کے بطن سے دو لڑکیاں شکر النساء بیگم اور آرام بانو بیگم پیدا ہوئیں۔(20)

---

(14) جہانگیر (راجرس وبیورج) جلد اول صفحات 32،84،85، بلوکمین صفحہ 492 لطیف کی آگرہ صفحہ 164۔

(15) "میں نے اپنے والد کو کبھی نشہ کی حالت میں یا بغیر نشہ کے اپنا نام محمد سلیم یا سلطان سلیم لیتے ہوئے نہیں سنا بلکہ ہمیشہ شیخو بابا کہتے تھے۔ جہانگیر (راجرس وبیورج) کے جلد اول صفحہ 2۔ بدایونی (لو) جلد دوم صفحہ 390 انسیرات کی کمعیرس صفحہ 644 جزویت فرقہ میں سلیم کا نام شیخو مشہور تھا۔

(16) اکبر نامہ (بیورج) جلد دوم صفحات 91 تا 110 مآثر جہانگیری (مخطوطہ خدابخش) صفحہ 5 (ب) ولیم فنچ (پرچہ جات 41 تا 44) اڈی لایٹ (ترجمہ تعمیر ج صفحہ 272۔ پیٹر منڈی دوم 226۔ تھیونات سوم باب 27 صفحہ 49 ہربرٹ صفحہ 60 میں یہ افسانہ لکھا ہے کہ بادشاہ نے قالینوں پر سفر کیا۔ بعد کے مورخین مثلاً خافی خاں۔ سجان رائے۔ بختاور خاں نے شاندار الفاظ میں اس سفر کا ذکر کیا ہے۔

(17) اکبر نامہ (بیورج) جلد دوم صفحہ 509 جہانگیر (راجرس وبیورج) جلد اول صفحہ 34 پرایس (صفحہ 46) نے اسے سلیمہ بیگم کی لڑکی کہا ہے لیکن مستند مورخین کا بیان قابل ترجیح ہے۔ وہ اپنی دادی حمیدہ بانو بیگم کی جسے سرکاری طور پر مریم مکانی کہتے تھے۔ حفاظت میں سپرد کر دی گئی تھی۔

(18) اکبر نامہ (بیورج) جلد دوم صفحہ 513۔ نظام الدین (ایلیٹ وڈاوسن) جلد پنجم صفحہ 335۔ بدایونی (لو) جلد دوم صفحات 185،186۔ فرشتہ (برگس) جلد دوم صفحہ 234۔ جہانگیر (راجرس وبیورج) جلد اول صفحہ 24 میں صاف لکھا ہے کہ شہزادہ کی ماں ایک داشتہ عورت تھی وہ بھی جزویت فرقہ میں اپنے عرفی نام سے مشہور تھا۔ میکلاگن جرنل آف ایشیاٹک سوسائٹی بنگال 1896ء جلد اول صفحہ 31۔

(19) اکبر نامہ (بیورج) جلد دوم صفحہ 342۔ جہانگیر (راجرس وبیورج) صفحہ 34۔

(20) جہانگیر (راجرس وبیورج) جلد اول صفحہ 34۔

فتحپور سیکری کی تعمیر

خانگی مسرتوں نے شہنشاہ اکبر کو اس پر آمادہ کر دیا کہ وہ منحوس آگرہ کو چھوڑ دے اور اپنی حکومت کی شان و شوکت کو سیکری میں نمایاں کرے اور اُس کی خود اپنے اس حوصلہ پر بھی نظر تھی، ایک ایسا شہر تعمیر کرے جس سے اس کے عہد کی شوکت اور اُس کی دلی خواہش کا مظاہرہ ہو۔ سیکری کی پہاڑی پر گرمی بھی سخت ہوتی تھی۔ اور سردی بھی سخت اور قریب میں کوئی دریا یا جھیل ایسی نہ تھی جو ایک بڑے شہر کو کافی پانی بہم پہونچا سکے۔ لیکن اولوالعزم بادشاہ کا حوصلہ کسی بات سے پست نہ ہوا۔ پہاڑی کئی میل تک چلی گئی تھی اور اس کے چاروں طرف جنگل تھے اور دونوں میں تعمیر لیے کبھی نہ ختم ہونے والا ذخیرہ تھا جسے ہزاروں مزدور اور کاریگر جو شاہی دولت و اقتدار نے اس مہتم بالشان کام کے لیے جمع کر دیے تھے تراش اور کاٹ کر لے آتے تھے اور حسب ضرورت کام میں لاتے تھے اور ایک ایسا شہر تعمیر کرتے تھے جو اپنی خوبصورتی اور حسن تناسب میں لاجواب تھا۔ ریتیلی پہاڑی جنوب مغرب اور شمال مشرق کی طرف ایک میل سے اوپر تک چلی گئی ہے جس کے دونوں طرف تقریباً سات میل رقبہ کا میدان ہے۔ مغرب کی طرف ایک مصنوعی جھیل دو میل لمبی اور نصف میل چوڑی ہے جسے اور وسیع کر کے بند باندھ دیا گیا ہے۔ اس سے شہر کے لیے پانی مہیا ہو گیا اور موسم گرما کی حدت معتدل ہو گئی۔ دوسرے تینوں رخ پر سنگ سرخ کی دیواریں بلند کر دی گئیں اور تھوڑے تھوڑے فاصلہ پر مورچے قائم کر دیے گئے جن کی حفاظت کے لیے نیم مدور برجیاں اینٹ پتھر کی بنادی گئیں اور اندر جانے کے لیے نصف درجن دروازے۔ آجکل ایک ریلوے لائن اس علاقہ سے ہو کر گذرتی ہے اور آج بھی مسافر بوسیدہ شہر پناہ کے دور اور استحکام کو دیکھ کر تعریف کرتے ہیں۔ اس وقت جو کھیتوں یا گھاس پھوس کے میدان نظر آتے ہیں وہاں پہلے خوبصورت باغ یا شاندار محل تھے۔ پہاڑی کے دامن میں ایک وسیع بازار نصف میل سے زیادہ لمبا پتھر کا بنایا گیا جو آج بھی اپنی خستہ حالت میں اپنی خوبصورتی اور موزونیت کے لحاظ سے آنکھوں میں کھب جاتا ہے۔ مانسرات نے جب اسے دیکھا تو "یہ ہر قسم کے تجارتی سامان سے حیرت انگیز طور پر بھرا ہوا تھا اور بے شمار لوگ ہجوم در ہجوم وہاں جمع رہتے تھے۔ "اعلیٰ حکام اور امرا نے اپنے خرچ سے عالی شان محل تعمیر کیے جو اپنی خوبصورتی اور ساخت میں ایک دوسرے پر فوقیت رکھتے تھے لیکن پہاڑی کے اوپر جو شاہی محلات تھے اُن سے ساری عمارتیں پست ہو گئیں تھیں۔ (21) جہانگیر کے جہانگیری محل پر اس عہد کی بہترین صناعی اور فنکارانہ ذہانت فیاضی سے صرف کی گئی تھی۔ (22) محل خاص (شاہی محل) (23)، دیوان خاص، (24) پنج محل، (25)، سنہرا مکان، (26) اور مریم کا مکان (27) خوبصورتی اور فنکاری کا بہترین نمونہ تھے۔ وسیع دیوان عام (28)، دفتر خانہ (29)، نوبت خانہ، (30)، خزانہ، (31) دار الضرب (32) اور دیگر سرکاری عمارتیں فنکاری کا معجزہ تھیں۔ ابوالفضل (33) اور فیضی (34) کے نام کی اور راجہ بیر بل (35) کے نام کی اور دوسری چھوٹی چھوٹی

---

(21) ای ڈبلیو اسمتھ نے آرکیالوجیکل سروے آف انڈیا کی پانچ جلدوں میں فتح پور سیکری کی تعمیرات کا معائنہ کر کے ان کا مفصل حال لکھا ہے اور تصویریں دی ہیں۔ (دی مغل آرکی ٹیکچر آف فتحپور سیکری مطبوعہ گورنمنٹ پریس، الہ آباد۔ نیز دیکھو فرگوشن جلد دوم صفحات 290 تا 297 (22) ای ڈبلیو اسمتھ جلد دوم صفحات 1، 4، 17، 34 (23) ای ڈبلیو اسمتھ جلد اول صفحات 1 تا 8۔ (24) ایضاً صفحات 22 تا 24۔ (25) ایضاً صفحات 14 تا 21۔ (26) ایضاً صفحات 8 تا 31۔ (27) ایضاً صفحات 8 تا 15۔ (28) ای ڈبلیو اسمتھ جلد سوم صفحات 44 تا 36۔ (29) ایضاً صفحات 41 تا 43۔ (30) ای ڈبلیو اسمتھ جلد سوم صفحات 57، 58۔ (31) ایضاً صفحات 33 تا 36۔ (32) ایضاً۔ (33) ایضاً صفحات 29، 30 (34) ایضاً صفحات 31، 32۔ (35) ای ڈبلیو اسمتھ حصہ دوم صفحات 1 تا 15۔

عمارتیں ایسی ہیں جو بذات خود شہر کی عظمت کی نشانیاں ہیں۔ حمام خانوں، اصطبل اور اسلحہ خانوں کی شکستہ عمارتیں اس وقت بھی خوبصورتی میں نظر فریب ہیں۔

مانسیرات نے لکھا ہے: ”شہر کی حفاظت کے لیے دو میل کے دائرے میں ایک قلعہ تھا جس کی تھوڑے تھوڑے فاصلہ پر میناروں سے آرائش کی گئی تھی۔ اس میں صرف چار دروازے تھے آگرینہ دروازہ مشرق میں ہے۔ عظیم راناد روازہ مغرب میں، چوک دروازہ شمال میں اور دولت پورم دروزاہ جنوب میں۔ ان میں سب سے زیادہ نمایاں چوک کا دروازہ ہے جس میں سے گذر کر بادشاہ اکثر چوک میں اُترتے تھے۔ اس دروازے کی حفاظت بظاہر ہاتھی کے دو مجسمے کر رہے ہیں جو بالکل ہاتھی کے قد کے برابر ہیں اور سونڈ اوپر کو اٹھائے ہوئے ہیں یہ اتنے شاندار اور ہو بہو ہاتھی کی شکل کے ہیں جن کو دیکھ کر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ فیڈیس کی فنکاری ہیں۔ چوک کے پاس ہی دو اہرام ہیں جن سے سنگ میل (یا نصف میل) کی پیمائش ہوتی ہے اور جو مشرق کی طرف جانے والی آگرہ کی سڑک پر اور مغرب کی طرف جانے والی عظیم میرس (اجمیر) کی سڑک پر دو سن شاہراہوں کے طرز پر نصب ہیں۔

حضرت شیخ سلیم چشتی کا اپریل 1572ء میں انتقال ہو گیا اور اُنھیں ایک ایسی درگاہ میں دفن کیا گیا جو ہندوستان کی خوبصورت ترین عمارتوں میں ہے۔ (36) جامع مسجد خوبصورتی اور شکوہ میں فن تعمیر کا دوسرا اعجاز ہے۔ جنوب کی طرف بلند دروازہ دیکھنے والے پر رعب طاری کر دیتا ہے اور اگرچہ یہ مسجد میں جانے کا خاص دروازہ ہے مگر اس سے خود مسجد کی شان دب گئی ہے اگرچہ خود مسجد بھی کافی شاندار ہے۔ نیچے سے دیکھنے سے یہ دروازہ ایک بلندی پر بنا ہوا معلوم ہوتا ہے لیکن اس کی شکل ہندوستان کی بلکہ دنیا کی کسی مسجد سے بھی زیادہ شاندار ہے۔ (37)

جہانگیر کا بیان ہے کہ عمارتیں چودہ پندرہ برس تک بنتی رہیں (38) لیکن شہر کا بیشتر حصہ اور شاہی محل 1575ء تک مکمل ہو گیا تھا۔ (39) آبادی دن دونی رات چوگنی بڑھتی رہی۔ جیسا کہ قسطنطنیہ کی بنیاد پر گبن نے لکھا ہے۔

”جہاں حکومت کا مستقر قائم ہوتا ہے وہاں خود بادشاہ اور اُس کے وزیر اور حکام عدالت اور محل کے خانگی ملازم ملک کی آمدنی کا کافی حصہ صرف کرتے ہیں۔ صوبہ جات سے سب سے زیادہ امیر لوگ دلچسپی اور فرائض اور تفریح کے لیے اور محض شوقیہ اس طرف کھنچ کر آئیں گے ملازموں، کاریگروں اور تاجروں کا ایک تیسرا کثیر طبقہ جو اپنی محنت سے روزی کماتا ہے یا اونچے طبقہ کی ضرورت یا تعیش سے نفع کماتا ہے وہ بھی جمع ہو جائے گا۔“ چند ہی برسوں میں سیکری اپنی آبادی کی کثرت اور تجارت اور دولت میں آگرہ سے ٹکر لینے لگا۔ زمین کی گنجائش جلد ہی بڑھتی ہوئی تجارت اور آبادی کے لیے ناکافی ہو گئی اور مضافات اور بازار دور دور آگرہ تک پھیلنے لگے 1585ء میں انگلستان سے ہندوستان آنے والے اولین سیاح رالف فنچ نے یہ رائے ظاہر کی کہ آبادی میں سیکری آگرہ سے بڑا ہے اگرچہ سڑکوں اور عوام کے مکانوں میں آگرہ سے کم ہے اور یہ کہا کہ دونوں شہروں میں سے ہر ایک لنڈن سے بڑا ہے۔ دونوں شہروں کے درمیان کی شاہراہ

---

(36) ای ڈبلیو اسمتھ جلد سوم صفحات 92تا94۔ لطیف (آگرہ صفحات 143تا145 نے کتبہ مزار کی نقل دی ہے)

(37) فرگوسن جلد دوم صفحہ 580۔

(38) جہانگیر (راجرس و بیورج) جلد اول صفحہ 2۔

(39) مانسیرات (صفحات 643،642) یہ بھی کہتا ہے کہ شہر بہت تیزی سے تعمیر ہو گیا۔

بازار سے بھری ہوئی تھی اور ایک بڑا شہر معلوم ہوتی تھی۔ تجارتی چیزوں میں اُسے خصوصاً ریشم، کپڑے، عقیق، ہیرے اور موتی نظر آئے۔ امرا سونے چاندی سے منقش ریشم سے ڈھکی ہوئی دو پہیوں کی خوبصورت گاڑی پر گذرتے تھے جن میں دو چھوٹے چھوٹے گھوڑے جتے ہوئے تھے جن کی رفتار تیز گھوڑے سے بھی زیادہ تیز ہوتی تھی۔(40)

اس شہر کی بربادی

اس شہر کا نام 1573ء میں گجرات کی مہم کی کامیابی پر فتح آباد رکھا گیا جو بدلتے بدلتے فتحپور ہو گیا۔(41) اس کا قابل فخر نام کئی وجوہ سے موزوں تھا۔ اس کی زبردست خوش حالی اور تجارتی فروغ نے معتدل آب وہوا اور جہازرانی کے قابل دریا نہ ہونے کی جو کمی تھی اُس کی تلافی کر دی لیکن قدرت نے جلد ہی اپنا انتقام لے لیا۔ اُس کی گرمی سب کو پریشان کر رہی تھی۔ سیاحوں اور تاجروں کو دریائی نقل وحمل کی سہولت نہ ہونے کی سخت کمی محسوس ہو رہی تھی پانی کی بہم رسانی کا اگرچہ جھیل سے معقول انتظام تھا مگر آفات ناگہانی کا ہر وقت خطرہ تھا۔ 1582ء میں جھیل کا بند ٹوٹ گیا اور شہزادے اور ان کے ہمراہی "ڈوبتے" ڈوبتے بچے۔ آگرہ پر جو نحوست مسلط تھی وہ معلوم ہوتا ہے کہ وقت گزرنے پر ختم ہو گئی۔ چنانچہ 1585ء میں شاہی دربار پھر آگرہ واپس آ گیا جس کے بعد اس کے سارے متعلقین وہیں پہونچ گئے۔ مگر اس کی دیواریں، محلات، مسجدیں، مقبرے، حمام، آب رسانی کا نظام، بازار، پھاٹک، شکستہ استحکامات، پہلے کی بارکیں اور اصطبل آج بھی باقی ہیں اور دنیا کے چاروں طرف سے آنے والے سیاحوں کو حیرت میں ڈالتے ہیں۔(42) اپنی فرسودہ حالت میں انھوں نے سیاحوں کے روزنامچوں اور فن کے نقادوں کی تحریروں کی شاندار تعریفوں کے صفحات بھر دیے ہیں۔(43)

لیکن اپنے چند روزہ پر شباب وشاداب باعظمت دور میں یہ شہزادہ سلیم کا گہوارہ رہا ہے۔ یہیں ہم تصور کر سکتے ہیں کہ خوشنما محلوں کے شاندار شہر کے دربار میں حضرت شیخ کی صاحبزادی اُن کی پرورش کر رہی ہیں اور سب شہزادہ کو پیار کر رہے ہیں اور سب کے دل باغ باغ ہو رہے ہیں۔

شہزادے کا ختنہ

اکبر کو طبیعتاً اپنے بچوں سے بڑی محبت تھی اور ان کی تربیت میں اُسے خاص دلچسپی تھی۔ وہ اکثر

---

(40)(الف) فنچ انگلستان سے ہندوستان آنے والا اولین سیاح۔ مرتبہ جے ہارٹن رائلی صفحات 97 تا 99

(41) اکبر نامہ (بیورج) جلد دوم صفحہ 531۔ جہانگیر (راجرس وبیورج) جلد اول صفحہ 2۔

(42) سولہویں اور سترہویں صدی میں فتح پور سیکری کے حالات کے متعلق دیکھو آئین (جارٹ) جلد دوم صفحات 180 تا 184۔ جہانگیر (راجرس وبیورج) جلد دوم صفحات 71 تا 73 اقبال نامہ صفحہ 122۔ مالسیرائٹ (ہوائے لینڈ وبنرجی) صفحات 30 تا 32 ہندوستان کا اولین انگریز سیاح فنچ مرتبہ رائلی صفحہ 98۔ یا پردہ جات 9 میں صفحہ 174۔ فنچ (پرچہ جات 4 صفحات 41 تا 43) ڈی لائٹ (ترجمہ لیتھبرج، کلکتہ ریویو 5 1870ء صفحہ 71) پیسر منڈی جلد دوم صفحات۔ 227 تا 231۔ ہربرٹ صفحہ 61۔ اٹھارویں صدی میں اس کے حالات کے لیے دیکھو ٹائفن ہیلر جلد اول صفحہ 179۔

(43) علاوہ ای ڈبلیو اسمتھ فرگوسن وہاویل کے دیکھو بشپ ہربر جلد دوم صفحات 349 تا 355 لطیف کی کتاب آگرہ میں تفصیل حال ہے۔

درے پر انھیں ساتھ لے جاتا تھا۔ 22/اکتوبر 1573ء کو تینوں شہزادوں کا ختنہ حسب معمول بڑے دھوم دھام سے ہوا۔ (44)

شہزادے کی تعلیم

تقریباً ایک ماہ بعد شہزادے کی تعلیم شروع ہوئی۔ مغلوں میں یہ قدیم دستور تھا کہ جیسے ہی کسی شہزادے کی عمر ہجری سنہ کے حساب سے چار سال چار ماہ چار دن کی ہو جائے ویسے ہی اُس کی بسم اللہ کر دی جائے۔ چنانچہ 18/نومبر 1573ء کو مولانا میر کمال ہروی کو سب سے بڑے شہزادے (سلیم) کی معلمی پر باضابطہ مقرر کر دیا گیا۔ (45)

مغلوں میں علمیت اور تعلیم

عام طور پر لوگوں کو معلوم نہیں ہے کہ مغلوں میں تعلیم کا کتنا زبردست احساس تھا اور علوم و فنون کی وہ دکتنی قدر کرتے تھے۔ بانی خاندان تیمور کا شمار انسانیت کو عذاب دینے والوں میں ہے۔ لیکن اس کا ایک روشن پہلو بھی ہے۔

تیمور

گبن کا بیان ہے کہ تیمور "اپنی بے تکلفانہ گفتگو میں سنجیدہ اور بردبار تھا اور فارسی اور ترکی زبانوں میں فصاحت اور شائستگی سے گفتگو کر سکتا تھا۔ اُسے تاریخ اور علوم پر علما سے گفتگو کرنے میں بڑی خوشی ہوتی تھی۔ اُس کی فراخ دلانہ فیاضیوں سے دور و نزدیک کے اہل علم کھنچ کر آ گئے تھے۔ شیراز کی لوٹ میں شاعر حافظ کے مکان کو ہاتھ نہیں لگایا گیا تھا۔ دمشق کے مورخ ابن خلدون کو جب کہ اُس کے ہم وطن جنگ اور لوٹ مار کی ہولناکیوں میں مبتلا تھے نہ صرف محفوظ رکھا گیا بلکہ انعام و اکرام سے بھی نوازا گیا۔ سمرقند اور بخارا کو تیمور نے تہذیب اور علوم و فنون کا گہوارہ بنا دیا تھا۔ اس نے جو بکثرت مدرسے، کالج اور کتب خانے تعمیر کیے تھے ان میں سے بعض بہت دنوں بعد انیسویں صدی تک باقی رہے۔ (46)

---

(44) اکبر نامہ (بیورتج) جلد دوم صفحہ 102، 103 نظام الدین ایلیٹ وڈاوسن) جلد پنجم صفحہ 370۔ بدایونی (لو) جلد دوم صفحہ 173۔ ابوالفضل کا بیان ہے کہ "فیاضی کے دروازے کھل گئے۔ مسرتوں کا سامان مہیا کر دیا گیا اور خوشی دربار خاص سے نکل کر دربار عام میں آ گئی۔ حساس تصور کر سکتا ہے کہ کیسی بھرپور فیاضی اور ضیافت کا مظاہرہ کیا گیا"۔ بعض یوروپین سیاحوں مثلاً رو (سفارت مرتبہ فاسٹر صفحہ 313) کوریاٹ (کروڈی ٹیزن ان ہیچڈ) سال بیک (لیٹرس ریویسڈ بائی ایسٹ انڈیا کمپنی، جلد ششم صفحہ 185) کا بیان ہے کہ سلیم کا کبھی ختنہ نہیں ہوا اور یہ کہ لفظ مغل کے معنی ختنہ شدہ ہیں۔ لیکن ان بیانات کی کوئی سند نہیں ہے۔

(45) اکبر نامہ (بیورتج) جلد سوم صفحات 105، 106 نظام الدین (ایلیٹ وڈاوسن) جلد پنجم صفحہ 270 بدایونی (لو) جلد دوم صفحہ 173۔

(46) تیمور کے حالات کے لیے دیکھو روئی گانزلاس ڈی کلاویجو کی سفارت تیمور کے دربار میں (6-1403ء بمعہ مقدمہ کلیمنٹس مارکہم۔ ہکلویت سوسائٹی 1859ء تاریخ رشیدی (الیس دراس) حصہ اول، اسکراین دراس کی ہارٹ آف ایشیا صفحات 9، 1 تا 172 ملفوظات تیموری یا توزک تیموری (ایلیٹ وڈاوسن) جلد سوم صفحات 89 تا 473 دی انسٹی ٹیوٹس آف تیمور۔ ڈیوی اینڈ وہایت۔ گبن کی ڈکلاین اینڈ فال آف روم باب 65۔

تیمور کے جانشیں

تیمور کے جانشینوں میں میران شاہ، محمد سلطان، ابو سعید، الغ بیگ اور عمر شیخ نے قابلیت کے ساتھ تیمور کی روایات کو برقرار رکھا۔ ان کے دور حکومت میں ترکی کی شہرت کو چار چاند لگ گئے اس لیے کہ خودان کی شائستگی اور قدر دانی نے علماء اور اہل فن کی بہت بڑی جماعت جمع کرلی تھی جن کے کارناموں نے اسپین کی عرب حکومت کی یاد تازہ کردی۔ شاہ رخ اعلیٰ درجہ کا شاعر تھا اور الغ بیگ نے ریاضیات اور نجوم کے مشکل علوم میں دستگاہ حاصل کی۔ ان کے خاندان کی تاریخ میں ایسے شعرا فلسفی اور عالم دین گزرے ہیں جن کا نام آج تک مشرق میں روشن ہے۔(47)

بابر

بابر جس کی سربراہی میں چغتائی ترک ہندوستان میں داخل ہوئے اُس کی علمی شہرت خصوصاً اُس کی دلچسپ خودنوشت حالات زندگی سے قائم ہے۔ اس کے معاصر اس کے کئی اور ممتاز ادبی کارناموں کو بھی اس سے منسوب کرتے ہیں، اس کے چچازاد مرزا حیدر دوغلات کا بیان ہے کہ ترکی ادب میں اُس کا شمار امیر علی شیر سے دوسرے ہی درجہ پر ہے۔ اُس نے اپنا دیوان خالص ترین شستہ ترکی زبان میں تصنیف کیا اور شعر کے ایک نئے اسلوب مبین کو ترکی زبان میں رائج کیا۔ اس نے اصول قانون پر ایک نہایت ہی مفید کتاب تصنیف کی جو خوش اسلوبی میں اس فن کی دوسری کتابوں پر فوقیت رکھتی ہے۔ وہ موسیقی اور دیگر فنون کا بھی ماہر تھا۔ اس نے خوش نویسی کا ایک اسلوب بابری طرز کا ایجاد کیا اور قرآن مجید کی نقل کر کے ایک نسخہ شریف مکہ کو بھیجا۔ معاصر تاریخوں میں اس کی کافی شہادت ہے کہ وہ علم کی فیاضانہ سرپرستی کرتا تھا۔(48)

ہمایوں

باوجود اپنی مسلسل فوجی اور سیاسی سرگرمیوں کے بابر نے اپنے لڑکوں کی تعلیم پر پوری توجہ کی۔ بڑا لڑکا ہمایوں بڑھ کر اعلیٰ درجہ کا ماہر طبیعات و ریاضیات و نجوم و جغرافیہ ہوا۔ اُس نے شاعری میں بھی کمال حاصل کیا اور اعلیٰ درجہ کا ادبی ذوق پیدا کیا۔ اُس کے لڑکے کے درباری مورخ نے اُسے بہادری میں سکندر اور علم میں افلاطون کا مجموعہ کہا ہے۔ اسے بزرگوں اور اہل علم کی صحبت میں سب سے زیادہ خوشی ہوتی تھی جس کے متعلق ان کا خیال تھا کہ "اس سے دائمی خوش حالی حاصل ہوتی ہے۔ اس کی فوجی مہموں میں اُس کا کتب خانہ اور کتب خانہ کا مہتمم ہمیشہ اُس کے ساتھ رہتے تھے حتیٰ کہ ایران میں اُس کے قابل رحم فرار کے وقت بھی۔ اس کے عہد حکومت میں جیسا کہ ابوالفضل نے لکھا ہے: قابل اور ذی استعداد لوگوں

---

(47) ارسکان اینڈ راس ہارٹ آف ایشیا صفحات 179 و 180 نیز صفحات 173 تا 178۔ نیز دیکھو تاریخ رشیدی صفحہ اول۔

(48) تاریخ رشیدی (الیاس وراس) صفحات 173 و 174 ارسکاین کی ہسٹری آف انڈیا جلد اول صفحہ 521۔ تزک بابری خصوصاً صفحہ 291، ارسکاین کے ترجمہ میں۔ بدایونی جلد اول (رینکنگ) صفحات 449 تا 451۔ دیوان شہنشاہ بابر ترتیب ڈینی سن راس۔ جرنل آف ایشیاٹک سوسائٹی بنگال۔ اکتوبر نومبر 1910 صفحات 156 تا 43۔ وان نوایر کی دی ایمپرر اکبر جلد اول۔ باب پنجم صفحات 124 تا 141۔

پر نوازشات کی بارش ہوئی۔ (49)

اکبر

اکبر نے کبھی لکھنا پڑھنا نہیں سیکھا تو اس میں اُس کے والد کا قصور نہ تھا۔

"بیکار نہ بیٹھو۔ یہ کھیل کا وقت نہیں ہے۔

یہ کام اور عمل کا وقت ہے"۔

یہ وہ سنجیدہ تنبیہ تھی جو اکبر کے والد نے اپنے آوارہ گرد بیٹے کو کی تھی مگر اس کا کوئی اثر نہ ہوا۔ البتہ اکبر جیسے ہی پردہ سے باہر نکلا پورے انہماک کے ساتھ اپنی خاندانی روایات پر چل پڑا اور کانوں سے سن کر اُس نے مذہبی اور دنیاوی علوم میں حیرت انگیز ملکہ حاصل کر لیا۔ اُس کے سخت ترین دشمن بھی اُس کے بے پناہ حصول علم کے شوق اور تلاش و تحقیق کے جذبہ اور اُس کی لامحدود حقیقت کی تلاش، علمی مباحث میں اس کی غیر معمولی دلچسپی اور اُس کی قابل لوگوں کی سرپرستی کی تعریف کرنے پر مجبور تھے۔ یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ وہ تقابلی مذاہب کا مطالعہ کرنے والوں میں اوّلین اور عظیم ترین افراد میں تھا تاریخ میں عبادت خانہ جیسی کوئی اور مثال نہیں ہے جو فتحپور سیکری میں مذہبی مباحثہ کا ایک ایوان تھا جس میں اکبر کی سربراہی میں راسخ العقیدہ اور غیر راسخ العقیدہ اسلام، ہندویت، مسیحیت، یہودیت اور پارسیت کے علماء جمع ہو کر مذہب و اخلاق پر رات گئے تک بحث کرتے تھے۔ قدرت نے اکبر کو اعلیٰ ترین ذہانت عطا کی تھی اور غیر معمولی قوی اور صحیح حافظہ محنت اور مسلسل مشق نے فطری قوتوں کو اور تیز کر دیا تھا جو انسانی علوم کے سارے دائرہ پر حاوی تھا۔ اُس کی مشینی ایجادوں نے اُسے ایک ممتاز فرد بنا دیا تھا۔ اُس کی تاریخی صحت سے خصوصی دلچسپی نے اُسے فن تاریخ میں امتیازی حیثیت دے دی تھی۔ اُس نے گلبدن بیگم کے دل کش ہمایوں نامہ کی اور جوہر و بایزید کے سوانح اور نظام الدین احمد کی طبقات اکبری اور تاریخ الفی کی تحریک کی تھی اور توزک بابری اور کلہنس کی راج ترنگنی کو فارسی میں کرنے کی اُسی کی ذمہ داری تھی۔ تہذیبی ادب کو بھی نظر انداز نہیں کیا گیا۔ راماین، مہابھارت، ہری ونش پوران، پنچ تنتر اور راجہ نل کی کہانی کو فارسی روپ دیا گیا۔ مذہبی ادب پر بھی کافی توجہ کی گئی۔ سنٹ فرانسس اعظم کے بھتیجے زیویر کو حضرت مسیح کے حالات زندگی فارسی میں لکھنے پر آمادہ کیا گیا۔ کئی اور سنسکرت، ہندی، عربی اور یونانی زبان کی کتابوں کا فارسی میں ترجمہ کیا گیا۔ یہ تو سب کو معلوم ہے کہ سیکڑوں شعراء علماء اور علوم و فنون کے ماہرین آگرہ اور فتحپور سیکری میں شاہی نوازشوں سے مستفید ہو رہے تھے۔ متعدد ہندی شعراء جو دربار شاہی سے وابستہ تھے اُن میں سے ایک کا حال قطعی طور پر معلوم ہے کہ اُس کی قابلیت کا بادشاہ کی طرف سے انعام ملا۔ ادبی قابلیت کے لوگوں پر اکبر کی فیاضیات نوازش کے حالات زبان زد خلائق تھے اور اس کے بہت سے قصے مشہور ہیں۔ (50)

---

(49) اکبر نامہ (بیورج) جلد اول صفحات 287، 309 ہمایوں نامہ گلبدن بیگم (ترجمہ اینٹے ایس بیورج) صفحات 124، 125 ہمایوں نامہ خوند میر (ایلیٹ وڈاوسن) جلد پنجم صفحات 13 تا 122۔ نظام الدین (ایلیٹ وڈاوسن) جلد پنجم صفحہ 240 بدایونی جلد اول (رینکنگ) صفحہ 602 فرشتہ (برگس) جلد دوم صفحات 70، 71 بلوکمین صفحہ 538۔ وان نوایر کی اکبر جلد اول صفحہ 136۔

(50) یہاں صرف چند ہی حوالے دیے جاسکتے ہیں "آئین (بلوکمین) صفحات 104، 105، 106، 113، 115، 116، 127، 275، 279، 657 وغیرہ بدایونی (لو) جلد دوم صفحات 346، 347 جہانگیر (راجرس و بیورج) جلد اول صفحہ 33۔ ماسیر اث کی کمنٹر لیس صفحات 643، 644۔ نیز ترجمہ از فادر ہوسٹن جرنل آف ایشیاٹک سوسائٹی بنگال 1912ء صفحہ 94۔ ہولے لینڈ اینڈ

باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر.....

اکبر کی فطرت کی ہمہ گیری اور نیرنگی کی تفصیل کا یہاں موقعہ نہیں ہے لیکن ایک بات کو واضح کر دینا ضروری ہے کہ وہ غیر معمولی ذہانت اور قوی دماغ کا مالک تھا اور اُس کی ستر اطی مزاج کے زیر سایہ سلیم کے دماغ کی ساخت ہوئی اور علوم وفنون کے ماحول کے سانچے میں وہ ڈھالا گیا۔ تاریخ سے ثابت ہے کہ اکبر نے اپنی اولاد کو براہ راست اپنی داشت و پرداخت میں رکھا اور بچپن سے ان کے دماغوں کو وہ ہدایت دی جس کی انھیں اہلیت تھی۔ (51) اکبر کی تعلیم کے تصور میں جیسا کہ آئین میں واضح کیا گیا ہے اُس کی اولاد کی تربیت ہی کے زمانہ میں نشوونما ہوئی تھی۔ ابوالفضل کا بیان ہے کہ: "ہر لڑکے کو اخلاقیات، ریاضی، ریاضی کی خصوصی علامات، مساحت، اقلیدس، نجوم، علم قیافہ، زراعت، امور خانگی، قوانین حکومت، طب، منطق، طبیعات، علوم ریاضی و الٰہی اور تاریخ کی کتابوں کا مطالعہ کرنا چاہیے، اور ان سب علوم کو رفتہ رفتہ حاصل کرنا چاہیے۔ ان علوم میں سے کسی کو نظر انداز نہ کرنے دینا چاہئے جن کی موجودہ زمانہ میں ضرورت ہے۔ (52) یہ اسکیم غیر مرتب مگر آزادانہ اور جامع ہے۔

مولانا میر کلاں ہروی

معلموں کے انتخاب میں اکبر نے اپنی فطری قوت فیصلہ کا اظہار کیا ہے۔ مولانا میر کلاں ہروی ملا خواجہ خراسانی کے پوتے اور میران شاہ ولد میر جلال الدین کے شاگرد تھے جو بہت بڑے محدث تھے اور بحیثیت زبردست عالم اور ماہر علوم دینیہ کے شروع ہی میں نام پیدا کر لیا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان کی ماں کی تربیت اور مثال کا اُن پر گہرا اثر ہوا تھا۔ وہ بڑی نیک طینت اور عبادت گذار خاتون تھیں۔ ان کی عمر جب سو سال کی تھی تو ان کے اکلوتے لڑکے کا انتقال ہو گیا۔ جس وقت اُس کے انتقال کی خبر سنی تو وہ قرآن شریف کی تلاوت کر رہی تھیں۔ انھوں نے ایک آہ بھی نہ کی اور نہ کوئی غم کے اظہار کا لفظ کہا بلکہ صرف انا للہ وانا الیہ راجعون کہہ کر بدستور تلاوت میں مصروف رہیں۔ ماں کی خاطر سے میر کلاں نے شادی کا خیال ترک کر دیا اس اندیشہ سے کہ کہیں اُن کی بیوی اُن کی ماں کی نافرمان نہ ثابت ہو۔ مولانا اپنی ماں کے ساتھ ہجرت کر کے ہرات سے ہندوستان آئے اور عالم حدیث کی حیثیت سے اُن کی شہرت سارے ملک میں پھیل چکی تھی چنانچہ اُنھیں اکبر کی سرپرستی حاصل ہو گئی۔ جب وہ شہزادہ سلیم کے معلم مقرر ہوئے تو اُن کی عمر اٹھتر برس کی تھی۔ رواج کے مطابق اُنھوں نے شہزادہ کو گود میں اٹھا لیا اور سب نے نعرہ مسرت بلند کیا۔ مولانا پر قیمتی جواہرات کی بارش ہو گئی۔ انھوں نے شہنشاہ کو ایک خوبصورت تحفہ دیا اور شہنشاہ نے اُنھیں ایک بیش قیمت تحفہ دیا۔ بسم اللہ اور کلمہ پڑھ کر شہزادے نے الف بے پڑھی لیکن بدقسمتی سے اگلے

(بقیہ حاشیہ ....50) منزجی صفحات 56، 57، 126، تا 134، 136، تا 138، 201، 202 فادر چیر دم زیوبیر از ایچ بیورتج جرنل آف ایشیاٹک سوسائٹی بنگال 1888ء صفحہ 37۔ نیز بیورتج جرنل آف ایشیاٹک سوسائٹی بنگال نیو سیر 14 1918ء نمبر 5 صفحہ 273۔ نیز نمبر 9، ذوجارک باب 11 صفحہ 93، باب 14 صفحہ 121۔ نیز مآثر الامرا۔ بندھو بنویا، شیو سنگھ سروجا، میکلاکن جرنل آف ایشیاٹک سوسائٹی بنگال 1896ء۔

(51) اکبر نامہ (بیورتج) جلد سوم صفحہ 105۔ مانسرات کی کمنٹریس صفحہ 644۔

(52) آئین (بلوکمین) صفحات 278، 279۔ طبیعات میں فزیکل سائنس، ریاضی، ریاضیات، نجوم، موسیقی، مشینی علوم اور الٰہیات شامل ہیں۔

ہی سال ان کے ضعیف العمر استاد دنیا سے چل بسے۔(53)

شیخ احمد

شہزادے کے دینی باپ شیخ احمد جو ایک جو شیلے۔ خوش مزاج بہادر فوجی سالار اور زبردست عالم تھے وہ شہزادہ کے اتالیق مقرر ہوئے اور 1577ء میں اپنی وفات تک شہزادہ کی تربیت کرتے رہے۔(54)

قطب الدین محمد خاں

شہزادہ کے بعد کے اتالیقوں میں قطب الدین محمد خاں اتکہ کا نام لیا جا سکتا ہے جو بلند رتبہ کے امیر تھے اور بیگلار بیگی کے باعظمت خطاب سے ملقب تھے۔(55) لیکن اکبر کے بعد شہزادہ کی ذہنیت کو جس نے سب سے زیادہ متاثر کیا وہ عبدالرحیم خان تھے۔

عبدالرحیم خاں

یہ 17/ دسمبر 1556ء کو لاہور میں پیدا ہوئے تھے اور ابھی چار ہی برس کے تھے کہ ان کے والد بیرم خاں اعظم گجرات میں پٹن کے مقام پر قتل کر دیے گئے۔ ان کی والدہ اور ان کے ملازم محمد امین دیوانہ اور باباز مبور بال بال بچ گئے۔ افغانوں نے ان کا سختی سے تعاقب کیا اور یہ بھاگ کر الہ آباد اور وہاں سے آگرہ پہونچے۔ شاہی فرمان کی تعمیل میں لڑکے کو 1562ء میں دربار میں پیش کیا گیا اور اسے شاہی نگرانی میں لے کر مختلف علوم کی اعلیٰ تعلیم دی گئی جس نے اُس کی فطری ذہانت سے مل کر اسے اپنے عہد کا اولین صاحب فراست بنا دیا۔ وہ فارسی عربی ترکی سنسکرت اور ہندی زبانوں کا ماہر ہو گیا اور ہندستان میں اُس کی شہرت سب سے بڑے ماہر السنہ کی حیثیت سے ہو گئی۔ بعد کے مصنفین نے اقبال کیا کہ وہ دنیا کی بیشتر زبانوں میں آسانی سے گفتگو کر سکتا تھا۔ اُس کی نثر میں قوت اور نظم میں شگفتگی تھی اُس نے اپنے عہد کے ادب میں لافانی شہرت چھوڑی۔ اُس نے توزک بابری کا جو فارسی ترجمہ کیا وہ تاریخی مہارت کا ایک قابل یادگار کارنامہ ہے۔ اُس کی فارسی نظم میں قدرتی روانی اور لطافت و ظرافت کی چاشنی تھی۔ اُس کے ہندی دوہے اپنی پاکیزگی اور بندش، تخیل کے توازن اور جذبات کی بلندی کے لحاظ سے ہمیشہ قابل قدر سمجھے گئے اور جب تک یہ زبان زندہ ہے ذوق و شوق سے پڑھے جائیں گے۔ ادب کے سرپرست کی حیثیت سے مغل امرا میں اُس کا درجہ سب سے بلند ہے مآثر رحیمی میں تمیں ایسے فارسی شاعروں کے حالات اور نمونہ کلام محفوظ ہیں جنھیں رحیم کی سرپرستی حاصل تھی۔

لیکن سب سے بڑھ کر یہ کہ عبدالرحیم ایک عملی انسان تھے۔ اُس نے گجرات میں ایک زبردست بغاوت کو فرو کیا اور دکھن کی سرحد پر جہاں کئی مغل سالاروں کی شہرت خاک میں مل گئی تھی اُس

---

(53) اکبر نامہ (بیورتج) جلد سوم صفحہ 107۔ بدایونی جلد دوم (لو) صفحہ 173، جلد سوم (ہیگ) صفحات 211، 212، نظام الدین (ایلیٹ وڈاوسن) جلد پنجم صفحہ 370، بوکین صفحہ 540 گلیڈون کی رین آف جہانگیر صفحہ 111۔

(54) اکبر نامہ (بیورتج) جلد سوم صفحہ 209۔ مآثر الامرا (بیورتج) جلد اول صفحہ 170۔

(55) اکبر نامہ (بیورتج) جلد سوم صفحہ 401۔ نظام الدین ایلیٹ و ڈاوسن، جلد پنجم، صفحہ 413، بدایونی (لو) جلد دوم صفحہ 278۔

کی فوجی قابلیت پورے طور پر جلوہ گر ہوئی۔ اُس کی سفارتی مہارت حیرت انگیز تھی اور بہتوں کے لیے ناقابل فہم اور ششدر کرنے والی چنانچہ ایک سے زیادہ مرتبہ اسے بے وفائی کے شبہ سنگین الزام سے دوچار ہونا پڑا۔

شہزادہ سلیم کی تعلیم

اس صلاحیت کی شخصیت تھی جسے 1582ء میں شہزادہ کی اتالیقی پر مقرر کیا گیا عین اُس وقت جبکہ وہ اپنی عمر کے جذباتی دور میں داخل ہوا(56) شہزادہ نے بہت کچھ فارسی ادب پڑھا اور فارسی میں گفتگو کی معقول مہارت حاصل کرلی۔ اس نے ترکی زبان بھی سیکھی جو بعد کو اس کی فان ہاکنس سے گفتگو میں بطور اظہار خیال کے کام آئی اور جس زبان میں اُس نے اپنے ایک ملازم سے رازدارانہ گفتگو کی جب کہ وہ مہابت خاں کی حراست میں تھا۔ اس نے ہندی سے بھی کچھ واقفیت حاصل کرلی اور ہندی کہتیں سن کر وہ خوش ہوتا تھا اُس کی طبیعت کچھ شاعری کی طرف مائل ہو گئی تھی اور اپنے دلی رجحان کو اکثر اشعار میں ظاہر کرتا تھا نیز گفتگو میں اشعار نقل کیا کرتا تھا۔ اُسے کہانیوں کا بڑا شوق تھا اور اپنی تحریر میں شوخی پیدا کرنے کا سلیقہ حاصل کرلیا تھا۔ اُس کا فارسی خط بہت خوش خط تھا جس کے نمونے آج بھی موجود ہیں۔

مشکل علوم کو بھی نظر انداز نہیں کیا گیا تھا اور اس کا روزنامچہ جو اس کی عمر کے آخری دنوں میں لکھا گیا تھا یہ ظاہر کرتا ہے کہ اُسے تاریخ اور جغرافیہ سے کافی واقفیت تھی نباتات و حیوانیات میں اُسے دلچسپی تھی وہ کسی باضابطہ سائنسداں کے لیے باعثِ افتخار ہوتی اس کے روزنامچہ کو پڑھنے والا یقیناً اس کے جذبہ تحقیق، مشاہدہ کی صحت اور مختلف معلومات کے حصول کی کاوش سے متحیر ہو جائے گا۔ اُس کے ادبی اور سائنسی ذوق نے اُسے تعلیم یافتہ صحبت کا شائق بنادیا تھا جو اس کی آخر عمر تک قائم رہا۔

جمالیاتی تربیت

سلیم کی پرورش ایک ایسے دربار میں ہوئی تھی جو فنون کا بہت بڑا سرپرست تھا اور ایک ایسے شہر میں جو بجائے خود فنکاری کا حیرت انگیز کارنامہ تھا اس لیے اس کی جمالیاتی استعداد غیر معمولی طور پر ترقی کر گئی تھی۔ بعد کے دنوں میں وہ بیک نظر مختلف نقوش میں یا ایک ہی تختہ کے نقوش میں مختلف فنکاروں کے قلم کا امتیاز کر سکتا تھا۔ اس کی سرپرستی میں ہندوستانی روغنی مصوری کو اعلیٰ ترین ترقی ہوئی۔ خوبصورت جواہرات اور مرصع تلواروں یا قبضوں کو دیکھ کر اُسے بیحد خوشی ہوتی تھی۔ قدرت کی رنگینیوں سے اس کی دلچسپی اور ذوق بھی اتنا ہی غیر معمولی تھا۔ کشمیر کے پھولوں اور چشموں کی تعریف اس نے شاعرانہ جوش سے کی۔ خوبصورت گلاب یا گل لالہ یا پہاڑی چشمہ کو وہ حیرت اور تحسین کے ساتھ محویت سے دیکھا رہتا تھا۔(57)

---

(56) اکبر نامہ (بیورج) جلد سوم صفحہ 583، اقبال نامہ صفحات 287، 288، مآثر الامرا (بیورج) جلد اول صفحات 50 تا 65۔ بلوکمین صفحات 334 تا 339۔ نل کی اور نیل بیاگرافیکل ڈکشنری صفحہ 11۔ سفر نامہ ہاکنس صفحہ 569۔

(57) "چونکہ میرا مزاج شاعرانہ ہے اس لیے میں اکثر ارادتاً یا بلا ارادہ شعر یا رباعی کہنے لگتا ہوں" جہانگیر (راجرس و بیورج) جلد اول صفحہ 328۔ کبھی کبھی وہ اللہ تعالیٰ سے اپنی دعاؤں کو نظم کرلیتا تھا۔ ایضاً جلد دوم صفحہ 322 شاعری پر وہ نہایت اشتیاق سے گفتگو کرتا تھا۔ ایضاً جلد دوم صفحہ 29 وہ اکثر ایسی مجلسیں منعقد کرتا تھا جس میں ہر مہمان کو ایک نظم پڑھنا ہوتا تھا۔ ایضاً جلد دوم صفحہ 15۔ دوسرے مشہور مصنفین کے اشعار نقل کرنے کے متعلق دیکھو ایضاً جلد اول صفحات 100، 133، 141، 169، 188 جلد دوم صفحات 95، 96، 104، 105، 115، 118۔ جہانگیر نے خود نو عمری میں خیام کا مطالعہ نہیں کیا تھا مگر اس نے ماخذ کے

باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر......

جسمانی ورزش

تعلیم و تربیت نے شہزادہ سلیم کے ذہن کو سنوارا اور اُس کے ذوق سلیم کو درست کیا اور جسمانی ورزش نے اُس کے جسم کو تقویت دی۔ اکبر جس کے جسم کو فولادی ساخت ملی تھی اور جو اپنے وقت کا بہترین نشانہ باز اور سپاہی تھا شہزادہ سلیم کی پیدائش کے وقت اپنی صحت اور قوت کے پورے شباب پر تھا راجپوتی ملکہ مریم الزمانی یقیناً مضبوط جسم اور قوی اعصاب کی ہو گی، ان دونوں سے سلیم نے مضبوط جسمانی ساخت، خوبصورت چہرہ اور متناسب اعضا ورثہ میں پائے تھے۔ بچپن میں اس کی صحت برابر اچھی رہی اور وہ کبھی بیمار نہیں ہوا قرونِ وسطیٰ کے شہزادوں کے لیے جنگی مشق کی تربیت بہت ضروری تھی۔ سلیم نے دکن کے مرتضیٰ خان سے نیزہ بازی سیکھی جسے بعد کو اس نے ورزش خان کا خطاب دیا وہ اعلیٰ درجہ کا نشانہ باز ہو گیا اور جلد ہی اس نے کھلی ہوا میں ورزش کی مہارت حاصل کر لی۔ وہ خوش ہو کر دوڑتا اور چشموں پر چھلانگ

بقیہ حاشیہ نمبر 57 ایک سنگی ستون پر ایک رباعی کھدی ہوئی دیکھی تو اس کی دل سے تعریف کی (راجرس و بیورج جلد دوم صفحہ 62) اس کے شاعرانہ رجحان کی دوسری مثالوں کے لیے دیکھو ایضاً جلد اول صفحات 18، 51، 53، 57، 61، 65، 99، 150، 158، 159، 203 و جلد دوم صفحات 36، 37، 144، 176، 183۔ جہانگیر کی زباندانی کی مہارت کے متعلق دیکھو توزک جہانگیری (راجرس و بیورج) جلد اول صفحات 109 و 141۔ اقبال نامہ صفحہ 257 (ایلیٹ و ڈاسن) جلد ششم صفحہ 422۔ سفرنامہ ہاکنس صفحہ 400۔

اس کی رقیق القلب دعا جوتی اس عہد کے عجائبات میں ہے۔ ہندی اور فارسی کی نظمیں وہ ایسے لحن سے پڑھتا تھا کہ دل کے غبار دھل جاتے تھے۔ میں نے آنندن خان، کا عنوان سنا کر اسے خوش کر دیا۔ ہندی زبان میں اس کے معنی مسرت اور آرام" کے ہیں۔ جہانگیر (راجرس و بیورج) جلد اول صفحہ 422۔ ایک اور ہندی شاعر بوتا (برکھ رائے) جہانگیر کا پسندیدہ تھا۔ مصر اہندو نیو جلد اول صفحہ 422۔

جہانگیر کے ہاتھ کے لکھے نوٹ دیوان حافظ کے ایک نسخہ میں دیکھے جاسکتے ہیں جو بانکی پور کی خدابخش لائبریری میں محفوظ ہے۔ نیز بلوکمین نے ایک دلچسپ مضمون میں جہانگیر، شاہجہاں، شہزادہ دارا شکوہ وغیرہ کی تحریروں کے نمونے دیے ہیں۔ (جرنل آف رائل ایشیاٹک سوسائٹی بنگال 1870ء صفحات 170 تا 179۔ ایمبسی آف سر طامس رو کے ماسٹر ایڈیشن میں صفحہ 114 مقابل جو تصویر ہے اس کے نیچے کی تحریر جہانگیر کے خط میں ہے۔ نیز دیکھو جرنل آف ایشیاٹک رائل سوسائٹی 1909ء صفحات 69 تا 73۔

تاریخ اور کہانیوں سے جہانگیر کی دلچسپی کے متعلق دیکھو عموماً اس کے خود نوشت سوانح خصوصاً جلد اول صفحات 24 تا 51، 377، 414، 418 تا 424، 432، جلد دوم صفحات 50 تا 52، 63، 64۔

"جمعہ کی شام کو میں علما اور نیک لوگوں اور درویشوں اور تارک الدنیا لوگوں کی صحبت میں بیٹھتا ہوں" جہانگیر (راجرس و بیورج) جلد اول صفحہ 21۔ علم نباتات سے جہانگیر کی دلچسپی کے متعلق دیکھو ایضاً جلد اول صفحات 83۔ 84، 140، 141۔ 142، 143، 155، 248، 272، 322، 343، 307، 310، 410، 436، 437، 444، 445، جلد دوم صفحات 7، 16، 18، 19، 23، 24، 25، 32، 39، 42، 43، 46، 88، 89، 130، 200، 219، 220، 221، 226۔

حیوانات سے اس کی دلچسپی کے متعلق دیکھو ایضاً جلد اول صفحات 80، 97، 98، 353، 360، 361، 362، 383، 387، 412، 413، جلد دوم صفحہ 134۔ کشمیر کی اس نے جو تعریف کی ہے اس کے لیے دیکھو ایضاً جلد دوم صفحات 131 تا 198۔ قدرتی حسن سے اس کی پرجوش مسرت کی اور مثالوں کے متعلق دیکھو ایضاً جلد اول صفحات 7، 8، 269، 361، 383، 384، 386، 388، 412، 413، جلد دوم صفحات 57، 58۔

جہانگیر کی فنکاری سے دلچسپی اور مہارت کے متعلق دیکھو ایضاً جلد اول صفحات 200، 201، 319، 322، 379، 400 جلد دوم صفحات 20 تا 21، 96، 99، 116، 117 تا۔ سفرنامہ سر طامس رو صفحات 210 تا 21، 244 تا 246، میری صفحہ 130۔

لگا تا تھا(58) لیکن اس کی سب سے بڑی تفریح اور سب سے زیادہ خوشی کی چیز شکار تھی جس کا شوق اُس نے اپنے باپ سے ورثہ میں پایا تھا۔ ابھی اُس کی عمر پندرہ سال کی بھی نہ تھی کہ وہ شکار کی مہم میں دور دور جانے لگا۔ وہ کبھی خطرہ سے پیچھے نہ ہٹا اور نہ کبھی خطرہ سے پس و پیش کیا۔ جب تک اس کی صحت نے بالکل ہی جواب نہیں دے دیا وہ شکار سے کبھی تھکا۔(59)

امورِ عامہ سے رابطہ

مغلوں میں یہ ہوشمندانہ دستور تھا کہ شہزادوں کو شروع ہی سے امورِ عامہ میں قریبی رابطہ قائم کر دیتے تھے۔ 1511ء میں کابل کی اہم مہم میں شہزادہ سلیم اور شہزادہ مراد کو بڑے بڑے فوجی دستوں کی رسمی کمان دے دی گئی تھی اور جن لوگوں نے ان کے طرزِ عمل کو دیکھا انھوں نے ان کے جوش اور بہادری کی بڑی تعریف کی(60) اگلے سال سلیم کو حرم شاہی کی مکہ معظمہ سے واپسی پر ان کی پیشوائی پر تعینات کر دیا گیا(61) تقریباً اسی زمانے میں اسے عدالت اور درباری تقریبات کے شعبوں کی رسمی سربراہی پر مقرر کر دیا گیا۔(62) سب سے زیادہ اہم بات یہ تھی کہ شہزادہ برابر اکبر سے ملتا اور نامہ و پیام کرتا رہا اور اکبر اپنے عہد کے ذہین ترین انسانوں میں تھا۔(63)

---

(58) جہانگیر (راجرس و بیورج) جلد اول صفحات 105، تا 106، 255، 307، 1577ء میں اس کی مختصر علالت کا ذکر اکبر نامہ (بیورج) جلد سوم صفحہ 288 میں ہے۔

(59) جہانگیر (راجرس و بیورج) جلد اول صفحات 83، 84، 121، 122، 125، 129، 130، 163، 164، 166، 167، 183، 185، 187، 188، 189، 190، 192، 203، 204، 234، 248، 251، 255، 257، 276، 286، 341، 342، 343، 344، 345، 346، 347، 348، 349، 350، 352، 363، 368، 369، 370، 374، 375، 382، 401، 402، 404، 405، 406، 408، 440 جلد دوم صفحات 40، 83، 109، 197، 236۔ نیز دیکھو اقبال نامہ، مآثر جہانگیری و خافی خان۔ سلیم کے شیرنی سے بہادرانہ مقابلہ کے لیے دیکھو میکلاگن، جرنل آف ایشیاٹک سوسائٹی بنگال 1896 جلد اول صفحہ 73۔ نیز دیکھو سفارت نامہ سر طامس رو صفحہ 402، ٹیری صفحہ 376۔ (پرچہ جات 9، 181) جاڈین صفحہ 161۔

(60) اکبر نامہ (بیورج) جلد سوم صفحات 529، 530، 531۔ نظام الدین (ایلیٹ وڈاسن جلد پنجم) صفحات 423 تا 425 بالسبرات کی کمنٹریس صفحات 578، 603، 611، 612، 613، 615۔

(61) اکبر نامہ (بیورج) جلد سوم صفحہ 569، نظام الدین (ایلیٹ وڈاسن جلد پنجم) صفحہ 427۔

(62) اکبر نامہ (بیورج) جلد سوم صفحہ 598۔

(63) سلیم کی تعلیم و تربیت کے ان حالات کے معلوم ہونے کے بعد جو یقیناً حسبِ معمول مغلوں کے دستور کے مطابق تھے ڈبلیو کروک (شمالی و مغربی صوبہ سرحد صفحات 102، 103) کا حسبِ ذیل کس قدر بے بنیاد معلوم ہوتا ہے:

"اس کی (اکبر کی) اولاد کی اگر کوئی تعلیم ہوئی تو وہ پرانے مسلمانوں کے طرز کی ہوئی۔ یعنی قرآن کی تلاوت، تھوڑی بہت مذہب کی واقفیت اور فقہ کی لفظی موشگافیاں ان کی ساری ذہنی کائنات ہوتی تھی۔ شروع بچپن میں وہ حرم کی کینہ پرور عورتوں کے بے معنی بکواس اور ذلیل سازباز کے ماحول میں رہے۔ جب ذرا بڑھے تو ایک دوسرے کی رقیب ملکاؤں کے رشک و حسد نے انھیں دارالسلطنت کی سیاست میں اہم کردار ادا کرنے کا موقعہ دیا۔ ذلیل خوشامدیوں اور قسمت آزماؤں اور درباری سازباز نے انھیں نظم و نسق کی معقول معلومات حاصل کرنے سے باز رکھا۔ اگر کسی شہزادہ نے سلطنت کی مجلس شوریٰ میں مناسب حصہ لینے کی کوشش کی تو اس پر حکمران کے خلاف سازش کا الزام لگایا گیا اور دور دراز علاقہ میں بھیج دیا گیا جہاں اُسے انھیں اثرات سے سابقہ پڑا جو اس کی صحیح تربیت میں حائل ہوئے۔ صوبہ کا وائسرائے اس کا لیڈر ہوتا اور وہ اس بات کی احتیاط رکھتا کہ اس کا ملکی معاملات میں دخل نہ ہونے دیا جائے بلکہ اسے زیادہ خوشی یہ ہوتی کہ شہزادہ بجائے امورِ مملکت میں تربیت حاصل کرنے کے عیاشی میں اپنا وقت ضائع کرتا رہے۔"

اس قسم کے لاعلمی اور تعصب کے غیر ذمہ دارانہ بیانات مغلوں کی تاریخ کے متعلق غلط فہمیوں کے ذمہ دار ہیں۔

اخلاقی کمزوری

لیکن دولت و ثروت کے ماحول میں پیدا ہونے کی جو خامیاں ہوتی ہیں ان کی تلافی کسی چیز سے نہیں ہو سکتی۔ بابر و اکبر کی ذہانت کی تربیت ذاتی تجربہ اور عسرت کی درسگاہ میں ہوئی تھی۔ سلیم کو بیس برس کی عمر سے پہلے کسی مشکل یا مصیبت سے سابقہ نہیں پڑا تھا خواہ خود اس کی ہی غلطی کی وجہ سے ہو جس سے عہدہ برا ہونے کے لیے اسے جد و جہد کی ضرورت ہوتی۔ متعدد دعاؤں، تمناؤں اور بادیہ پیمائیوں کے بعد جو لڑکا پیدا ہوا ہو اور اپنے زمانے کے سب سے زیادہ دولت مند اور باشوکت حکمراں کی اولاد ہو اور فتح پور سیکری کے بارونق محل میں چھوٹوں بڑوں کی آنکھ کا تارا ہو تو اسے اپنے راستہ میں ہر طرف پھول ملیں گے۔ عسرت اور جد و جہد کے بادلوں میں جو روشنی کی شعاع ہوتی ہے اور اس سے جو شاندار مواقع حاصل ہوتے ہیں، فطرت انسانی کی حقیقت معلوم کرنے، فراست اور تلاش و سائل اور استعداد اور جرأت حاصل کرنے کے مواقع اسے نہ حاصل ہو سکیں گے اور مختصراً اسے وہ جرأت نہ حاصل ہو گی جو اعلیٰ اخلاق کی بنیاد ہے۔ سلیم نے اپنی ساری عمر ارادے کی کمزوری اور عزم کے فقدان میں گذاری اور اعلےٰ قابلیت اور فن کے ماہرین کی سپردگی سے افسوسناک طور پر بے نیاز رہا۔

سخت شراب نوشی کی عادت

مزاج کی اس خامی میں شراب نوشی کی اس عادت نے اور اضافہ کر دیا جو اسے شروع جوانی ہی میں پڑ گئی تھی اور جس نے اس کی زندگی کا جلد خاتمہ کر دیا۔ شراب نوشی مغلیہ خاندان کی ایک مستقل کمزوری تھی۔ بابر نے بڑی صفائی سے اور مشرح طور پر ان شراب نوشی کی پارٹیوں کا ذکر کیا ہے جو افکار و آلام کو ڈبو دیتی ہیں۔ ہمایوں نے شراب اور افیون سے اپنی صحت برباد کر لی۔

اس کے لڑکے محمد حکیم نے شراب نوشی میں جان دی اور اکتیس سال کی جوان عمری میں مر گیا۔ اکبر بحیثیت مجموعی مستثنیٰ تھا لیکن ابتدائی عمر میں وقتاً فوقتاً اور کبھی بکثرت بھی شراب نوشی اس کے خلاف معمول نہ تھی (64) اس کے چھوٹے لڑکے مراد اور دانیال شراب سے بدمست ہو کر بری موت مرے۔ سلیم نے اپنی حسب معمول صاف گوئی سے بیان کیا ہے کہ اپنی شروع جوانی میں کس طرح وہ اس قسم کی موت سے بچ گیا۔ اپنی سترہ سال کی عمر تک اس نے شراب کو ہاتھ نہیں لگایا۔ بجز بچپن میں دوا کے طور پر 1585ء میں ایک ملازم کے کہنے سے شکار کی تھکن دور کرنے کے لیے ایک جام نوش کیا" جس کے بعد میں شراب نوشی کا عادی ہو گیا اور جب شراب انگوری سے تسلی نہیں ہوئی تو میں نے اسپرٹ پینا شروع کر دی۔ میری شراب دو آتشہ اسپرٹ کے بیس جام تک پہونچ گئی۔ چودہ جام دن میں اور باقی رات میں۔ اس کا وزن ہندوستانی چھ سیر اور ایرانی ایک من ہوتا ہے۔ ان دنوں میری خوراک کی مقدار روٹی اور سبزی

---

(64) ایک مرتبہ اس نے راجپوتوں کی طرح نیزہ سے لڑنے پر اصرار کیا اور مان سنگھ کا تقریباً گلا گھونٹ دیا لیکن مان سنگھ نے نیزہ توڑ کر پھینک دیا۔ اکبر نامہ (بیورج) جلد سوم صفحات 43، 44۔ میں جہانگیر نے ذکر کیا ہے کہ اس نے اپنے والد کو اکثر شراب کا پیالہ لیے دیکھا۔ توزک (راجرس و بیورج) جلد اول صفحہ 2۔ نیز صفحہ 307 نیز دیکھو مالسمرات کی کمنٹریس صفحات 58، 242، ونسنٹ اے اسمتھ (اکبر صفحہ 41) نے بھی یہی لکھا ہے۔ مرزا محمد حکیم کے انجام کے متعلق دیکھو اکبر نامہ (بیورج) جلد سوم صفحہ 703۔ بدایونی (لو) جلد دوم صفحہ 357۔

کے ساتھ ایک مرغ کی تھی۔ "اس کا تباہ کن اثر جو اس کے قویٰ پر ہوا وہ سب کو نظر آیا لیکن نصیحت کا اس پر اثر نہیں ہوا۔ "اس صورت حال میں" جیسا کہ خود اس کا بیان ہے حالت اتنی قابل رحم ہو گئی کہ "نشہ کی حالت میں اپنے میں اپنے ہاتھ سے جام نہیں سنبھال سکتا تھا دوسرے لوگ مجھے پلاتے تھے۔ شاہی طبیب حکیم ہمام جن سے جہانگیر نے مشورہ کیا انھوں نے صاف صاف لفظوں میں آگاہ کیا کہ اگر اس نے شراب ترک نہ کی تو چھ ماہ کے اندر وہ مایوسی کے ساتھ قبر کے کنارے پہنچ جائے گا۔ "چونکہ خوبصورت زندگی مجھے عزیز تھی"۔ اس لئے جہانگیر نے مقدار کم کر دی اور اسپرٹ میں دونی انگوری شراب ملا کر پینے لگا۔ رفتہ رفتہ اس نے مقدار اور بھی کم کی اور پھر شراب کی جگہ افیون کا استعمال شروع کیا۔ 1601ء تک اس نے مقدار 181/2 مثقال فی پیالہ کے چھ پیالوں تک کم کر دی۔ (65) اور اپنی باقی زندگی اتنے ہی میں خوش رہا جسمانی قوت اور مصروفیت کی محنت نے خراب نتائج کو اس کے بڑھاپے کی حد تک روکے رکھا لیکن زندگی کے آخری پانچ سال جسمانی قوت کے ازالہ اور سخت تکلیف میں گزرے۔

---

(65) جہانگیر (راجرس و بیورج) جلد اول صفحات 307، 309۔ سید احمد نے اپنے تزک جہانگیری کے ترجمہ میں پندرہ سال کی عمر لکھی ہے جب جہانگیر نے شراب شروع کی لیکن بیورج کا بیان ہے کہ انڈیا آفس اور رایل ایشیاٹک سوسائٹی کے دو مخطوطات میں اٹھارہ سال (سنہ ہجری) لکھے ہیں جو یقیناً زیادہ صحیح ہے اس لیے کہ یہ واقعہ شروع 1586ء میں ہوا۔
یہ ذہن نشیں رہے کہ جیسا بیشتر کہا جاتا ہے کہ جہانگیر کی جزوی اصلاح نور جہاں کی وجہ سے نہیں ہوئی جس سے اس کی شادی بہت بعد میں ہوئی۔

دوسرا باب

عہد شباب

شہزادہ سلیم کی امبر کی شہزادی مان بائی سے شادی

ہندوستان کی تاریخ میں کوئی چیز اتنی جاذب نظر نہیں ہے جتنی ہند اسلامی تہذیب طور طریقہ اور رسم و رواج جسے ہم اب تک اختیار کیے ہوئے ہیں جیسے ہی مسلمان تارکان وطن ٹھیک طور سے آباد ہو گئے انہوں نے اپنے ہمسایوں پر اثر ڈالنا شروع کر دیا اور خود اپنے ہندوستانی ہمسایوں سے اس سے بھی زیادہ شدت کے ساتھ متاثر ہوئے۔ صغر سنی کی شادی جس کی بنیاد کچھ ہندوستانی آب و ہوا پر ہے اور کچھ عام سماجی حالات پر اُسے ہندو نو مسلموں نے قائم رکھا اور مسلمان نو آبادکاروں کے بیشتر حصہ نے بھی اسے قبول کر لیا۔ شاہی خاندان بھی راجپوتوں میں شادی بیاہ کر کے اس سے الگ نہ رہ سکا۔ سلیم ابھی مشکل سے پندرہ برس کا تھا کہ اس کی منگنی اس کی ماموں زاد بہن امبر کے راجہ بھگوان داس کی لڑکی مان بائی سے ہو گئی۔ نکاح پر مہر دو کروڑ ٹنکہ مقرر ہوا۔ شہنشاہ خود اپنے امراء کے ساتھ 13 / فروری کو راجہ کے محل پر گیا اور مسلم قاضیوں کی موجودگی میں نکاح پڑھایا گیا اور بعض مخصوص ہندو رسمیں بھی ادا کی گئیں۔ بھگوان داس نے جو جہیز دیا اس میں ایک سو ہاتھی، قطار در قطار، گھوڑے، بکثرت جواہرات، مختلف قسم کے برتن جواہرات جڑے ہوئے، سونے چاندی کے برتن اور قسم قسم کی دوسری چیزیں شامل تھیں جن کی تعداد کا شمار نہیں ہو سکتا تھا۔ شاہی امرا کو سنہری کاٹھیوں سے مزین ایرانی، ترکی اور عربی گھوڑے دیئے گئے۔ دلہن کے ساتھ متعدد ہندوستانی، افریقی اور سرکیشیائی نسل کے مرد اور عورت غلام دیئے گئے۔ شاہی جلوس جب قیمتی کپڑے بچھے ہوئے راستہ پر روانہ ہوا تو شہنشاہ نے دلہن کے ڈولے پر بے شمار سونا اور جواہرات نچھاور کیے۔ ضیافتوں اور جلسے جلوس کی حد نہ رہی۔ قصیدے اور قطعات تاریخ سیکڑوں کی تعداد میں آئے۔ (1)

شادی بیاہ کے سیاسی رشتے اکثر انفرادی مسرت کو قربان کر کے سلطنت کے اعلیٰ مقاصد کے لیے کار آمد ثابت ہوئے ہیں لیکن اس موقع پر مان بائی کی دل کشی اور ذہانت اور دل موہ لینے والے اطوار نے شہزادہ سلیم کی پر جوش محبت حاصل کر لی۔ باوجود موروثی غمگینی کے جو شدید مصائب سے جنون کی حد تک

---

(1) اکبر نامہ (بیورتج) جلد سوم صفحات 677-678 بدایونی (لو) جلد دوم صفحہ 352۔ نظام الدین ایلیٹ و ڈاوسن) جلد پنجم صفحہ 447 محمد ہادی صفحہ 6۔ مآثر الامر (بیورتج) جلد دوم صفحہ 286۔ گلیڈون صفحہ 3۔ ٹوڈ کی راجستھان (روکچ) جلد دوم صفحہ 286 سلیم کی صحیح عمر شادی کے وقت 15 سال 5 ماہ 13 دن تھی۔ ابوالفضل (اصل کتاب جلد سوم صفحہ 451) نے اس کی تاریخ 5 / اسفندر موز دی ہے۔ فیضی نے ایک نظم لکھی جس کے ہر شعر سے تاریخ نکلتی ہے۔ اس کا ترجمہ یہ ہے۔

سلطان سلیم کی موتیوں کی بارش کرنے والی شادی مبارک　　　جس نے پر امید سال کو خوشگوار بنا دیا

برج دلو کی سورج کی پرورش کرنے والی حفاظت سے　　　چاند اور زہرہ کا اتصال ہو گیا

پہنچادیتی ہے مان بائی نے اپنے شوہر کو خوش اور مسرور رکھا۔1604ء میں اس کی خودکشی نے سلیم کو شدید غم میں مبتلا کر دیا۔ پورے چار دن تک اس کی حلق میں کھانے کا ایک لقمہ نہیں گیا۔ کچھ دنوں تک غم رسیدہ روح کو کسی چیز میں دلچسپی نہیں رہی۔ دو سال بعد جب اس نے مان بائی کی اعلیٰ ذہانت، شرافت اور نیکی کا ذکر کرنے کی کوشش کی تو اس کی زبان سے الفاظ ادا نہ ہو سکے(2)

سلطان النساء بیگم کی پیدائش

اس شادی کا پہلا ثمرہ ایک لڑکی سلطان النساء بیگم تھی جس نے 26/ اپریل 1586ء میں دنیا کی روشنی دیکھی۔وہ ساٹھ سال زندہ رہی۔ مگر تاریخ میں کوئی نمایاں کردار نہیں ادا کیا۔(3)

شہزادہ خسرو کی پیدائش

دوسرا بچہ جو 6/ اگست 1587ء کو پیدا ہوا اور جس کا نام خسرو رکھا گیا اس کا مقسوم اس سے بالکل مختلف تھا۔ اس کی زندگی شورش میں گذری اور اسے خون آلود قبر ملی۔ شہزادہ خسرو کی پیدائش پر مان بائی کو شاہ بیگم کا خطاب دیا گیا(4)

سلیم کی دوسری شادیاں

اس دوران میں سلیم نے کافی بڑا حرم جمع کر لیا تھا۔1586ء میں اس نے جودھا بائی یا جگت گوسائیں سے شادی کی جو اودے سنگھ موٹا راجہ کی لڑکی تھی۔(5) پھر بیکانیر کے رائے سنگھ کی لڑکی(6) اور سعید خاں گھکر کی لڑکی(7) اگلے دس برسوں میں اس نے مختلف قوموں اور مذہبوں کی سولہ اور لڑکیوں

---

(2) جہانگیر (راجر سو بیورج) جلد اول صفحات 55،56

(3) جہانگیر (اصل کتاب) جلد سوم صفحہ 493 میں اس کی پیدائش کی الٰہی تاریخ (16/ اردی بہشت 994) دی ہے۔ محمد ہادی (صفحہ 7) اس کا نام سلطان نثار بیگم لکھا ہے اور خافی خاں (جلد اول صفحہ 445) نے اس کا نام سلطان بیگم لکھا ہے۔ جہانگیر (راجر س بیورج) صفحہ 15 جلد اول میں اسے صرف اولاد اکبر لکھا ہے۔ (پرائس صفحہ 20) کا بیان ہے کہ وہ اپنے بھائی خسرو سے ایک سال بڑی تھی۔ اس کا انتقال ۱۰۵۶ھ میں بمقام آگرہ میں ہوا اور اسے سکندرہ میں دفن کیا گیا اگرچہ اس نے خود اپنے لیے خسرو باغ الہ آباد میں قبر بنوائی تھی (نیل کی اور نمیل بیاگریفیکل ڈکشنری صفحہ 392) پادشاہ نامہ جلد دوم صفحہ دوم صفحات 603 تا 604۔

(4) نظام الدین (ایلیٹ وڈاؤسن جلد پنجم صفحہ 456) نے خسرو کی پیدائش 1588ء (996ھ) میں لکھی ہے اور خافی خان (حصہ اول صفحہ 245) نے 1589ء (997ھ) لیکن جہانگیر (راجر س و بیورج) جلد اول صفحہ 19 میں صاف لکھا ہے کہ خسرو پرویز سے دو سال دو ماہ پہلے پیدا ہوا جس کے معنی 1587ء ہیں۔ اکبر کے تاریخ ور حال لکھنے والے ابوالفضل نے جہانگیر کی تاریخ سے اتفاق کیا ہے۔

(5) محمد ہادی صفحہ 6، جہانگیر (راجر س و بیورج) جلد اول گلبڈون صفحہ 3۔ بلوکمین صفحہ 619۔

(6) اکبر نامہ (بیورج) جلد سوم صفحہ 749، بدایونی (لو) جلد دوم صفحہ 364۔ ٹاڈ جلد دوم صفحہ 145۔ اس کا نام کسی نے نہیں لکھا ہے۔ ابوالفضل (اصل کتاب جلد سوم صفحہ 496) نے شادی کی تاریخ 16/ تیر۔ 26/ جون 1586ء لکھی ہے۔

(7) اکبر نامہ (بیورج) جلد سوم صفحہ 494۔ بدایونی (لو) جلد دوم صفحہ 368۔

سے شادی کی۔ (8) تخت نشیں ہونے کے بعد اس نے چند اور شادیاں کیں۔ جگت سنگھ کی لڑکی (9) رام چنر بندیلہ کی لڑکی (10) اور سب سے آخری اور سب سے اہم مہرالنساء سے جو نور جہاں کے نام سے مشہور ہے۔ (11) داشتہ عورتوں کو ملا کر حرم کی تعداد بے پناہ تین سو تک پہنچ جاتی ہے۔ (12)

سلیم کی دوسری اولادیں

ان بیویوں سے بہت سے اولادیں ہوئیں۔ شہزادہ پرویز 2/ اکتوبر 1589ء کو صاحب جمال کے بطن سے پیدا ہوا۔ (13)

بہار بانو بیگم

کئی بچے جو اس کے بعد پیدا ہوئے بچپن ہی میں فوت ہو گئے لیکن بہار بانو بیگم جو ستمبر 1590ء میں کرمسی کے بطن سے پیدا ہوئی بڑی عمر تک زندہ رہی۔ (14)

---

(8) زیویر (میکلاگنی صفحہ 75) کا بیان ہے کہ 1597ء میں شہزادہ سلیم کی بیس باضابطہ شادہ شدہ بیویاں تھیں۔ جار کاذکر اوپر ہو چکا ہے۔ پانچ کے نام ولدیت اور قومیت محفوظ نہیں ہیں۔ دوسری گیارہ بیویاں حسب ذیل ہیں۔

(1) صاحب جمال، زین خاں کوکا کے چچازاد بھائی حسن خاں کی لڑکی
(2) ملکہ جہاں جسلمیر کے راجہ کلیان کی لڑکی اس کا راجپوتی نام معلوم نہیں۔
(3) نورالنساء بیگم، ہمشیرہ مظفر حسین
(4) صالحہ بانو دختر قاسم خاں
(5) کرم سی دختر راجہ کیشو داس راٹھور
(6) چھوٹے تبت کے راجہ الی رائے کی لڑکی جسے مغل سفیر حاجی مرزا بیگ کابلی لائے تھے۔
(7) کشمیر کے مبارک چک کی لڑکی
(8) کشمیر کے حسین چک کی لڑکی
(9) شاہ خاندیش کی لڑکی فوت 1597ء
(10) خوجہ جہاں کابلی کی لڑکی
(11) خضر خاں ہزارہ کے لڑکے مرزا سنجر کی لڑکی

اکبر نامہ (اصل کتاب) جلد سوم صفحات 261، 569، 607، 639، 659۔ بدایونی (لو) جلد دوم صفحہ 388۔ محمد ہادی صفحہ 7 بلوکمین صفحات 310، 371، 464، 477، (نوٹ) 619 گلبدن صفحہ 3۔ ٹاڈ (جلد دوم صفحہ 145) نے یہ غلط لکھا کہ رائے سنگھ کی لڑکی پرویز کی ماں تھی۔

(9) جہانگیر (راجرس وبیورج) جلد اول صفحات 144، 145 اس کا نام کہیں مذکور نہیں ہے۔ نکاح جہانگیر کی ماں مریم زمانی کے مکان پر ہوا۔

(10) جہانگیر (راجرس وبیورج) جلد اول صفحہ 160 اس کی شادی 1609ء میں اس کے باپ کی درخواست پر ہوئی تھی جس کی بغاوت حال میں فرو کی گئی تھی۔

(11) دیکھو آٹھواں باب آگے

(12) ہاکسن نے 1611ء میں لکھا ہے کہ جہانگیر کی بیویوں کی تعداد 300 تھی جن میں سے خاص ملکہ تھیں (سفارت نامہ ہاکسن صفحہ 721) اس میں کوئی شک نہیں کہ اس تعداد میں داشتہ عورتیں بھی شامل تھیں۔ ٹیری جو 1619ء میں مغل دربار میں رہا اس کا بیان ہے کہ بادشاہ کی ایک ہزار حسین بیویاں تھیں۔ اگرچہ ان کے رنگ گندمی تھے۔ (ایسٹ انڈیا کی سفارت صفحات 405، 406) لیکن یہ قرین قیاس نہیں ہے کہ 1611ء میں نور جہاں سے شادی کے بعد حرم شاہی میں اتنی تیزی سے اضافہ ہوا ہوگا۔ بظاہر ٹیری نے سنی سنائی باتوں پر اعتبار کیا ہوگا اور یا اس نے زنان خانہ کی ملازماؤں کو بھی اس میں شامل کر لیا ہوگا یہ ذہن نشیں رہے کہ اٹھارہ خواتین جن کے والدین کا ہمیں علم ہے۔ ان میں سے سات ہندو تھیں اور گیارہ مسلمان۔

(13) اکبر نامہ (اصل کتاب) جلد سوم صفحہ 568 جہانگیر (راجرس وبیورج) جلد اول صفحات 18 تا 19 محمد ہادی صفحہ 7۔

(14) جہانگیر (راجرس وبیورج) جلد اول صفحہ 19۔ محمد ہادی صفحہ 7۔

شہزادہ خرم

5 جنوری 1592ء کو جگت گوسائیں کے بطن سے لاہور میں ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام خرم رکھا گیا۔(15) اور جس کی پیدائش پر سارے دربار میں بڑی خوشی منائی گئی اور جسے نشیب و فراز کی اور قابل یادگار زندگی نصیب ہوئی۔ اگلے بارہ سال میں جتنے بچے پیدا ہوئے وہ بچپن ہی میں فوت ہو گئے۔ 1605ء میں داشتہ عورتوں کے بطن سے دو لڑکے جہاندار اور شہریار پیدا ہوئے جن کے مقسوم میں مختصر شرمناک زندگی تھی۔(16)

مسلم قانون وراثت کا ابہام

سن کہولت پر پہونچنے تک سلیم کئی عورتوں کا شوہر اور متعدد اولاد کا باپ بن چکا تھا۔ جوانی کے ابھار کا پہلا جوش ابھی ختم نہیں ہوا تھا کہ اس نے اپنی زندگی کے مستقبل پر سنجیدگی سے غور کرنا شروع کر دیا۔ یعنی اپنے سیاسی مفاد پر نظر رکھنا اور ہر اس خطرہ سے حفاظت کرنا جو اس کی تخت نشینی کی راہ میں حائل ہو مسلم قانون نے قیادت کے لیے وراثت کی جگہ انتخاب کا قاعدہ رکھا مگر عملاً سیاسی اقتدار کی وراثت اکثر پچھلے حکمران کی وصیت پر منحصر رہی۔ اس قانون کی بنیاد ابتدائی عرب رواج میں ملے گی جو یقیناً قبائلی عرب جمہوریت کے لیے بالکل درست تھا لیکن اس اصول کا عرب کے باہر نفاذ تباہ کن نتائج کا حامل ہوا۔ یہ تو صحیح ہے کہ اس سے بقائے انسب کا مقصد حاصل ہوا لیکن اس سے زیادہ تر خانگی ناچاقی مسلسل سازشوں، خانہ جنگی اور بے رحمانہ قتل عام کا راستہ صاف ہوا۔ اس قانون کے ابہام نے ہر شہزادہ کو تاج کا حوصلہ کرنے کی ہمت دلائی۔ اپنے باپ کا منظور نظر بننے، پارٹیاں بنانے اور اپنے بھائیوں کو اگر قتل نہ کرتا تو ان کے اثر توڑنا اور انتہائی کمینگی اور بیدردی کا مظاہرہ کرنا۔ ہندوستان کے مغلوں نے اس سیاسی خلفشار کو دور کرنے کی یہ کوشش کی کہ شروع ہی سے اپنے لڑکوں میں سے ایک کو اپنا جانشین نامزد کر دیا اور ولی عہد کو حصر کہ فیروز پور کی جاگیر دے دی جو ایک طرح سے انگلستان کے پرنس آف ویلز کی طرح ہے۔ اس کا بادشاہ سے قریب ربط رہتا اور وہ عموماً دربار سے وابستہ رہتا۔ اسے امرا میں سب سے اعلیٰ منصب دیا جاتا۔ اعلیٰ حکام اور امرا اور زیر پناہ حکمران اور عام لوگ اسے اپنا مستقبل کا بادشاہ سمجھنے کے عادی ہو جاتے۔ لیکن اس کے عزیزوں کی امیدوں کو کسی طرح ختم نہ کیا جاسکتا۔ وہ ایک طے شدہ معاملے کو بگاڑنے کی کوشش کرتے اور سازشیں کرتے اور جنگ کرتے۔ اس جھگڑے میں جو دلوں میں غبار پیدا ہوتا وہ شہزادوں کے لیے تخت یا تختہ کے درمیان کوئی راستہ نہ چھوڑتا۔ شکوک و شبہات، بے وفائی، بغاوت اور سازشوں کے ماحول میں اکثر بادشاہ اور ولی عہد کے درمیان کدورت پیدا ہو جاتی۔ خود غرضی، پارٹی بندی حتیٰ کہ حقیقی مفاد عامہ کا جذبہ کدورت کی اس خلیج کو اور وسیع کرنے کے لیے موجود ہوتے۔

---

(15) اکبر نامہ (اصل کتاب) جلد سوم صفحہ 607۔ محمد ہادی صفحہ 7۔
جہانگیر (راجرس و بیورج) جلد اول صفحہ 19 میں خرم کی پیدائش کا سال غلطی سے 1000ھ کے بجائے 999ھ دیا ہے۔
بادشاہ نامہ کا مصنف عبدالحمید لاہوری نے ابوالفضل سے اتفاق کیا ہے۔
(16) جہانگیر (بیورج) جلد اول صفحہ 20۔

ہندوستان کے مغل خاندان میں پھوٹ

اختلاف اور خونریزی کے مناظر قدرتی مظاہر کی طرح ہر مغل حکمران کے عہد میں تواتر سے ظہور پذیر ہوئے۔ بابر نے واضح طور پر ہمایوں کو اپنی جانشین کے لیے نامزد کر دیا تھا لیکن سازشوں نے اس کے مستقبل کو مبہم کر دیا اور اس کی ایک جلد بازی کی حرکت نے اس کے والد کو تقریباً اسے محروم کر دینے پر آمادہ کر دیا تھا۔ مگر عورتوں کی مداخلت نے اسے روک دیا۔ البتہ تخت نشین ہونے پر ہمایوں نے اپنے بھائیوں کو اپنا سب سے زیادہ دشمن پایا۔ ہمایوں کے لڑکے اتنے چھوٹے تھے کہ اس کی زندگی میں انہیں جھگڑا کرنے کی جرأت نہ ہوئی لیکن مرزا محمد حکیم جو افغانستان میں قلعہ بند تھا اس نے اکبر کی بھی بالادستی کو بھی بخوشی قبول نہ کیا۔ اس نے اپنے بھائی کے خلاف باغیوں کو پناہ دی اور ہندوستان میں اندرونی خلفشار پیدا کرنے کی کوشش کی اور ایک مرتبہ اس نے پنجاب پر حملہ بھی کر دیا اور اس کے انتقال کے بعد ہی اکبر کو کابل پر موثر حکومت کرنے کا موقعہ ملا۔ اولاد کی ناشناسی نے اکبر کی زندگی کے آخری دنوں کو غبار آلود کر دیا تھا اور اس کے خاتمہ کو قریب کر دیا۔ جہانگیر نے اپنے عہد میں اپنی حکومت کے آغاز میں اپنے بڑے لڑکے کی بغاوت سے تنزل پایا۔ اس نے خرم کو اپنی جانشینی کے لیے منتخب کر لیا تھا لیکن سازشوں کے اس جتھے نے جو اس کے دوسرے بھائیوں کے حامی تھے دربار کو مسلسل سازشوں کے طویل سلسلے نے پریشانیوں میں رکھا اور بالآخر خرم کو علانیہ بغاوت پر ابھار دیا۔ پرویز کی موت سے دوسری سنگین خانہ جنگی رک گئی۔ شاہجہاں نے لر اپنی تاجپوشی کو اپنے قریبی عزیزوں کے قتل عام سے داغدار کر دیا۔ انتقام نے خود اسے بھی چین نہ لینے دیا۔ جبکہ اس کے تیسرے لڑکے اورنگ زیب نے طویل خونریز خانہ جنگی کے بعد ولی عہد دارا اور اپنے سب سے چھوٹے بھائی مراد کو ختم کر دیا۔ شجاع کو مشرقی پہاڑیوں میں آوارہ گرد ہو کر جان دینے پر مجبور کیا اور اپنے باپ کو قید میں ڈال دیا۔ اورنگ زیب کی حکومت کی مشکلات میں اس کے منحرف لڑکوں کی سرگرمیاں کچھ کم پریشان کن نہ تھیں جو شکوک و شبہات اور حب جاہ پر مبنی تھیں۔ ابھی وہ قبر میں بھی نہ پہنچا تھا کہ اس کی سلطنت میں تین طرفہ خانہ جنگی کی تباہ کاری پھیل گئی۔ مغل خاندان کی بعد کی تاریخ جافرے کے اس پیام کی یاد دلاتی ہے جو اس نے اپنے باپ ہنری دوم کو جو انجومین خاندان کا بارہویں صدی میں سربراہ تھا۔ گستاخ اور بیباک نوجوان نے ایک خانگی جھگڑا ابھرنے پر بھیجا تھا "کیا آپ کو معلوم نہیں ہے کہ یہی ہماری اصل فطرت ہے جو ہمارے اجداد کی وراثت نے ہم میں جاگزیں کی ہے کہ ہم میں سے کوئی ایک دوسرے سے محبت نہ کرے اور ہمیشہ بھائی بھائی سے اور لڑکا باپ سے دست و گریباں ہو۔ میں نہیں چاہتا کہ آپ ہمیں اپنے موروثی حق سے محروم کریں یا ہماری فطرت ہم سے سلب کرنے کی بے نتیجہ کوشش کریں"۔ یہ دلچسپ بات قابل لحاظ ہے کہ جافرے نے جس برائی کی اس صفائی سے تفصیل کی ہے وہ اسی وراثت کے ابہام کی پیداوار ہے۔

اکبر کے سلیم سے تعلقات

اکبر کی حسن تدبیر، حکمت عملی اور سب سے بڑھ کر اس کی گرم جوشانہ شفقت اور ضبط نے اس روگ میں تخفیف کر دی مگر اسے قطعی طور پر ختم کرنا اس کے اختیار سے باہر تھا اس نے اپنی حکومت

میں واضح طور پر اعلان کر دیا کہ وہ سلیم کو اپنا جانشین کرنا چاہتا ہے۔ 1577ء میں سلیم کا منصب بڑھا کر دس ہزار کا کر دیا گیا۔ حالانکہ اس کے بھائی مراد اور دانیال کو سات سو اور چھ سو کے منصب دیئے گئے تھے (17) 1585ء میں تینوں شہزادوں کو الگ الگ خلعت، نشان پرچم اور نقارے دیئے گئے اور سب سے بڑے لڑکے کو بارہ ہزار کے منصب پر ترقی دی گئی حالانکہ اس کے چھوٹے بھائیوں کو نو ہزار اور سات ہزار کے منصب پر قانع ہونا پڑا۔ (18)

اگلے تیرہ برسوں میں جب کہ شاہی دربار شمال مغرب میں رہا سلیم کا اکبر سے قریبی تعلق رہا۔ لیکن سیاسی سازشوں اور دسیسہ کاریوں کا غبار جو پھیلا ہوا تھا۔ اس نے رفتہ رفتہ تعلقات کو غبار آلود کر دیا اور باپ بیٹے کے دل ایک دوسرے سے بیگانہ ہو گئے اور بالآخران میں سخت کشمکش شروع ہو گئی۔ 1591ء میں سلیم نے اقتدار پر قبضہ کرنے کا ناشائستہ شوق ظاہر کر دیا۔

اکبر کی اپنے لڑکے سے ناراضی کی ایک وجہ بھی تھی۔ ولی عہد کو جوانی کی حماقتوں سے باز رکھنے میں نہ اس کی تعلیم کارگر ہوئی اور نہ اس کا اعزاز جس سے اکبر کو سخت ناگواری ہوئی۔ (19) شہزادہ جس طرح خود کو اور اپنے خاندان کو ذلیل کر رہا تھا اس کا بادشاہ کو شدید احساس ہوا اس میں شک نہیں کہ شہزادہ اپنی شراب کی کثرت سے جتنا حیرت انگیز طور پر بڑھتا جارہا تھا اسے اکبر غصہ اور ملامت اور نفرت سے دیکھتا تھا۔ سلیم کے طرزِ عمل سے اکبر کو جو ناراضی تھی اسے ابوالفضل نے جس کے اقتدار نے شہزادہ کی بدگمانی اور دشمنی کو ابھارا تھا ہوشیاری کے ساتھ اور بھڑکا دیا۔

ابوالفضل

مشہور اہل علم شیخ مبارک کا لڑکا تھا جو 14/ جنوری 1551ء کو پیدا ہوا۔ بچپن ہی میں وہ غیر معمولی طور پر ذکی تھا اور جوان ہو کر بڑی ذہانت کا مالک ہو گیا۔ 15 سال کی عمر میں وہ فلسفہ اور علم حدیث کا استاد مان لیا گیا۔ بچپن ہی کی ذہانت اور علمی قابلیت سے اس نے ایک قدیم مخطوطہ کو جس کے ہر صفحہ کا نصف حصہ غائب تھا مکمل کر دیا۔ اس کی قوت بیان تحریر کا شکوہ اور اسلوب کی خوبصورتی فارسی کے دس نسلوں کے علماء اور نقادوں کے لیے باعثِ رشک تھی۔ اتنی ہی لاثانی تاریخی تصانیف میں اس کی ذہانت تھی۔ اس کی تصنیف آئینِ اکبری جغرافیہ، حیوانات، انتظامات ملکی اور تہذیبی حقائق کے ذخائر کا مجموعہ ہے جو ترتیب کی پوری تفصیل اور وضاحت کے ساتھ جمع کر دیے گئے ہیں جس میں انیسویں صدی کی مزید معلومات ہی سے اضافہ ہو سکتا ہے۔ اس کا اکبر نامہ باوجودیکہ اس کا لہجہ خوشامدانہ اور لفاظانہ ہے اور مصنوعی اختراعات سے بھرا ہوا۔ تاہم وہ کثیر محنت اور تحقیق کا کارنامہ ہے اور انسانی فصاحت و بلاغت کا آئینہ دار۔ اس کے خطوط کی جب تک فارسی زبان زندہ ہے تعریف کی جائے گی۔ حق کی جستجو آزادی خیال اور مذہبی بے تعصبی اس نے اپنے باپ سے ترکہ میں پائی تھی۔ سترہویں صدی میں یورپ اور ایشیا دونوں میں جو غیر مقلدانہ فضا

---

(17) اکبر نامہ (بیورج) جلد سوم صفحہ 308۔

(18) بدایونی (لو) جلد دوم صفحات 353 تا 354۔ تمن باغ جو شہزادوں کو عطا ہوا وہ ایک علم تھا جو اعلیٰ ترین اعزاز تھا اور جو سب سے بڑے امرا اور شہزادوں کے لیے مخصوص تھا۔ دیکھو آئینِ اکبری (بلوکمین صفحہ 50)

(19) تکمیل اکبر نامہ (ایلیٹ وڈاوسن) جلد چہارم صفحہ 107 چامرس جلد دوم صفحہ 540، فرن نویر کی اکبر جلد دوم صفحہ 385 میں منقول۔

پھیلی ہوئی تھی اسی کی رو میں وہ بھی رواں ہو گیا تھا۔ اس کے دشمن جو اس کی ذہنی اور روحانی بلندی تک نہیں پہنچ سکے تھے اسے ہندو، پارسی لاادریہ اور دہریہ کہتے تھے دراصل وہ اللہ پر خلوص کے ساتھ ایمان رکھتا تھا مگر کسی بنے تلے عقیدہ کی پیچیدگیوں کو قبول نہیں کرتا تھا۔ ہمدردانہ رویہ سے جو باریک بینی پیدا ہوئی تھی اس سے اس کے ذہن میں ہر مذہب کی کوئی نہ کوئی بات جاگزیں ہو گئی تھی۔ عیسائی مشنری جن سے اسے سابقہ پڑا اس کی فراخ دلانہ رواداری کی تعریف میں رطب اللسان ہیں سب سے مصالحت اس کے نقطہ نظر کا امتیاز تھا مگر اس کا مذہب خود اس کا ذاتی معاملہ تھا۔

اس کی علمیت کہ شہرت سے اکبر بھی متاثر ہوا تیئس سال کی عمر میں وہ دربار میں طلب ہوا اور اس کا اعزاز کے ساتھ استقبال ہوا۔ 1585ء میں وہ ایک ہزار کے منصب پر فائز ہو گیا۔ اور 1592ء میں دو ہزار کے منصب پر اور اس کے جلد ہی بعد اس کا منصب چار ہزار کا ہو گیا۔ دربار میں ساری قلم رو میں اس کا جو اثر تھا اس کا کوئی مقابلہ نہ تھا۔ اکبر نے اس میں اپنا ایک ہم جنس پایا اور قلبی، ذہنی اور روحانی ہمدردی بڑھ کر گرمجوشانہ دوستی ہو گئی۔ جزویٹ پادریوں نے بالکل ٹھیک ہی سمجھا جو اسے اکبر کا مثالی ہموطن کہا وہ سلطنت میں وکیل مملکت تھا اور دفتر شاہی سے جو فرامین جاری ہوتے تھے ان میں سے اکثروں میں ابوالفضل کا ہاتھ صاف ظاہر ہوتا تھا۔ مجلس شوریٰ میں جو رازدارانہ مشورے ہوتے تھے ان کی روداد اگر ہمیں معلوم ہوتی تو ہم دیکھتے کہ اس کی قابلیت بحیثیت مدبر کے اس کے ادبی امتیاز سے بھی جو اس کا پورا حق ہے بہت بلند ہے۔ اس کے دو سخت ترین دشمن بدایونی اور جہانگیر بھی بادل ناخواستہ اس کی ملکی اور سیاسی معاملات میں ہوشمندی کے شاہد ہیں۔ (20)

، جس زمانہ کا ہم ذکر کر رہے ہیں اس میں ابوالفضل کا اثر اپنے پورے عروج پر تھا اور سلیم نے خود کو اقتدار کے مناسب حصہ سے محروم محسوس کیا۔ ابوالفضل کی اعلیٰ ذہانت کے اس کے والد کے ذہن پر جو غلبہ حاصل کر لیا تھا اسے زائل کرنے کی خود میں قدرت نہ پا کر سلیم اس وزیر سے سخت متنفر ہو گیا اور اس پر کاری ضرب لگانے کا منصوبہ بنایا جیسا کہ قیاس کیا جا سکتا ہے۔ سلیم نے اپنے ناپسندیدہ شخص کو مطعون کیا اور اس کے خلاف سازش کی۔ ابوالفضل نے اس کے جواب میں سلیم کی زندگی کی بے ضابطگیوں کو بادشاہ کے گوش گزار کر دیا۔ ان دونوں کی شدید مخاصمت نے اکبر کو سخت روحانی اذیت دی۔ اس نے اپنے لڑکے کو فہمائش کی اور کچھ دنوں کے لیے ابوالفضل کا عہدہ کم کر دیا۔ (21) مگر اس نے دونوں میں مصالحت کرانے

---

(20) ابوالفضل کے زندگی کے حالات معاصر تاریخوں میں منتشر ہیں۔ خود ابوالفضل کا بیان خصوصاً قابل قدر ہے۔ دیکھو حالات جلد سوم صفحات 417، تا 454 نیز (ہوائے لینڈ و بنرجی) صفحات 53 تا 56 سب سے زیادہ تفصیلی حالات زندگی شاہنواز خاں ماثرالامرا صفحات 117 تا 148۔ اور بلوکمین کے مقدمہ آئین اکبری صفحات 1 تا 42۔ اور دربار اکبری میں ہیں ابوالفضل کے اسلوب پر بعد کے مورخین کی رائے کا خلاصہ مآثرالامرا کے مصنف نے حسب ذیل دیا ہے:

"شیخ کا ادبی اسلوب بڑا ہی دلکش تھا۔ اس میں دفتری لفاظی یا مکتوباتی طرز کی فریب کاری مطلق نہ تھی اور اس کے الفاظ کی قوت، علمی انداز بیان سادہ الفاظ کا استعمال اور انشاء کا حیرت انگیز زور دار انداز ایسے ہیں کہ کوئی اور ان کی نقل نہیں کر سکتا۔ چونکہ اس نے فارسی الفاظ کے مخصوص استعمال کی کوشش کی اس لیے اس کے متعلق یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس نے نظامی کے پہلے ہی ان کو نثر میں منتقل کر دیا۔

مخالف تنقید کے لیے دیکھو جارٹ کا مقدمہ ترجمہ آئین اکبری جلد دوم۔

(21) تکمیل اکبر نامہ (ایلیٹ و ڈاسن) جلد ششم 207، خافی خاں جلد اول صفحہ 223۔ چامرس جلد دوم (منقولہ واں نویر جلد دوم صفحہ 284 جہانگیر (راجرس و بیوریج) جلد اول صفحہ 24۔

کی کوشش کی ہوگی تو وہ بے سود ثابت ہوئی۔ شہزادہ کے سینے میں جو آگ بھڑک رہی تھی اس کی تشفی خون ہی سے ہو سکتی تھی۔

اکبر اور سلیم میں مذہبی اختلاف نہ تھا

باپ بیٹوں میں کشیدگی کی توجیہ کے لیے یہ واقعات کافی ہیں کہ سلیم چاروں طرف سے سازشوں میں گھر گیا تھا۔ خود اس کا چال چلن خراب تھا اور وہ برے اثرات قبول کر لیتا تھا اور اکبر کے کھرے دوست سب سے زیادہ باثر وزیر سے اس کی مخاصمت تھی لیکن یہ عجیب بات معلوم ہوتی ہے کہ حال کے مصنفین نے ان حقائق کو نظر انداز کر دیا ہے اور سلیم کے منحرفانہ طرز عمل کی بالکل قیاسی توجیہ کی ہے وان نوریا اس کے مرتب کرنے والے نے سنجیدگی سے استدلال کیا ہے اگرچہ دوسروں نے محض خاموشی سے فرض کر لیا ہے کہ سلیم اسلامی راسخ العقیدگی کا علمبردار تھا جو اس کے باپ اور وزیر کے برخلاف تھا۔ (22)

اس وقت کی مذہبی لہریں

یہ ٹھیک ہے کہ مذہبی مباحث مختلف مذہب کے لوگوں سے ربط و ضبط مبارک اور ابوالفضل کے اثرات اور سب سے بڑھ کر وقت کے ماحول اور گہرے غور و فکر نے اکبر کے دلی اعتقاد کو متاثر کیا تھا۔ جب ہندوستان کی حقیقی تاریخ لکھی جائے گی تو معلوم ہوگا کہ پندرویں اور سولہویں صدی کی بنیادی حقیقت ہر عقیدہ اور مذہب کے خلاف سرگرم احتجاج کا جذبہ تھا جس کے نتیجہ میں براہ راست روح اعلیٰ سے رابطہ پیدا کرنے کا مذہب وجود میں آیا اور اس وقت یہ ہوا کہ اسلامی تصوف اور ہندو بھگتی نے مل کر ایک زبردست لہر پیدا کی جس نے پرانے سنسان راستوں کو آباد کیا اور ملک کا نقشہ بدل دیا۔ اکبر کی پیدائش سے پچاس سال پہلے ایک غریب جلاہے کبیر نے ہندو اور مسلمان دونوں کے مروجہ مذہب کو ذلیل اور طعن و تشنیع اور تمسخر اور مضحکہ سے جھنجھوڑا اور ایک جاں نثار مقلدین کی جماعت جمع کر لی اور اپنے پیچھے نہ صرف ایک بڑی تعداد چیلوں کی بلکہ ایک طاقتور مذہبی لہر بھی چھوڑی (23) رائے داس ایک ہندو چمار، سائیں، حجام، دھنا جاٹ اور پیپا ایک حکمراں نے اس کی تقلید کی اور اس کے ایک حی و قیوم خدا پر زندہ شخصی عقیدہ کی تبلیغ کی۔ (24) نانک نے سکھ قوم کو انہیں اصلاحی اصولوں پر منظم کیا۔ سولہویں صدی میں بھی اسی طرح مسلم درویش اور مصلح ہوئے جنھوں نے روایت اور روایاتی ذہنیت کو ترک کر دیا اور عقیدہ کی سب سے بڑی اہمیت پر زور دیا۔ (25)

---

(22) سلیم کی فطرت اور حالات دونوں نے اسے راسخ العقیدہ مسلمانوں کی طرف مائل ہونے پر مجبور کیا جس کے ماننے والوں کو باسانی بدنام علماء کے زمرہ میں جگہ مل سکتی تھی۔ ابوالفضل کا عقیدہ سلیم کے عقیدہ کے بالکل متضاد تھا۔ وان نویر کی کتاب اکبر جلد دوم صفحہ 282۔

(23) کبیر کی بیجک، کبیر کسوٹی، کبیر کی ساکھی، میکالیف کی کتاب سکھ ریلیجن جلد ششم، ویسکاٹ کی کتاب کبیر اینڈ کبیر پنتھ، بنی پرساد کی کتاب کبیر کل کے دن میں۔ 1924ء۔

(24) رائے داس کی بانی، رائے داس کی پرچی، دھنا جی کی پرچی، میکالیف کی سکھ ریلیجن۔

(25) بدایونی کی منتخب التواریخ جلد سوم، نجات الرشید۔ بلوکمین کی لائف آف ابوالفضل، آئین جلد اول صفحات 1 تا 26 دارا شکوہ کی اپنشد، مخطوطہ خدا بخش، مآثر الامراء، بیاگرافیز آف عبدالنبی و مخدوم الملک (بیوریج) جلد اول صفحات 41 تا 44، 93 تا 97 دکن کے درویشوں کے لیے دیکھو راناڈے کی رائز آف مراٹھا پاور صفحات 143 تا 172۔

اکبر کا مذہبی عقیدہ

سارے ملک میں جو فضا پھیلی ہوئی تھی اس نے جلد ہی دربار شاہی پر بھی حملہ کیا جو علم و ادب کی سرپرستی کی وجہ سے ہر جدید نقطہ خیال سے قریبی تعلق رکھتا تھا۔ اکبر کی فطری فراخ دلی نے اس کا گرم جوشی سے خیر مقدم کیا۔ اس نے اکبر اور اس کے اکثر احباب پر مسحور کن اثر ڈالا۔ کافی ذہنی کشمکش کے بعد وہ صحیح مذہبی نقطہ نظر کے اسلام سے منحرف ہو گئے۔ (26) اکبر نے فراخ دلی سے تمام مذاہب کا مطالعہ کیا اور جو عقیدہ اس کے ضمیر کو درست معلوم ہوا اسے اختیار کر لیا تین مسیحی مبلغین جو اس کے طلب پر گوا سے آئے ان کے اثر نے بھی یہی رجحان پیدا کیا۔ بعض مسلم مبلغین کی تنگ نظری نے اکبر کے دل میں اسلام سے نفرت پیدا کر دی۔ اگر بدایونی اور جزویٹ پادریوں کا بیان صحیح ہے تو اس نے مسلمانوں پر بڑی سختیاں کیں۔ بہر نوع اس کا طرز عمل ایسا تھا کہ عام طور پر یہ خیال کیا جانے لگا کہ اس نے مسجدوں کے مینار گرا کر انہیں اصطبل یا گودام میں تبدیل کر دیا۔ قرآن کو جلا دیا اور جنگلی سوروں کی لڑائی اور ان کے قلعی شدہ سروں سے مسلمانوں کی تذلیل کی۔ (27)

سلیم کا مذہبی عقیدہ

یہ ٹھیک ہے کہ اکبر بہت دنوں سے اپنے ہم مذہبوں میں امتیازی حیثیت کا نہیں رہا تھا۔ لیکن سلیم کی حالت بھی اس سے بہتر نہ تھی بچپن میں اس پر اپنے باپ کی شخصیت کا اثر رہا اور پھر مختلف مذہب کے معلموں اور عیسائی پادریوں کا اور سب سے بڑھ کر اس فضا کا جو دربار پر چھائی تھی بچپن میں اس نے کچھ سبق جزویٹ معلموں سے پڑھے جو اس زمانہ میں بہترین معلم تھے اور پادری روڈلفو ایکوی وابوا سے جو اکبری دربار میں جزویٹ پادریوں کا سربراہ تھا۔ گہری دوستی پیدا کر لی۔ 1590ء میں ضعیف الاعتقاد و نائب ڈیکن لیو گریمان کو یہ یقین ہو گیا کہ سلیم خاص طور پر عیسائیت قبول کر چکا ہے۔ چند سال بعد زیویر نے دیکھا کہ وہ حضرت محمدؐ کی تضحیک کرتا ہے اور زیویر کی مشن کی ہر طرح مدد کرنے کو تیار ہے۔ سلیم حضرت مسیحؑ اور مریم عذرا کی عزت کرتا تھا مگر مسیحی مذہب کا کبھی معتقد نہ ہو سکا۔ (28)

---

(26) "... یہاں تک کہ شک پر شک جمتا رہا اور اس کا (اکبر کا) کوئی معین مقصد نہیں رہ گیا اور صحیح راہ اور حقیقی مذہب پامال کر دیے گئے حتیٰ کہ پانچ چھ سال بعد اس میں اسلام کا مطلق کوئی اثر باقی نہ رہا۔" بدایونی (لو) جلد دوم صفحہ 363۔

(27) بدایونی (لو) جلد دوم صفحات 202 تا 204 مانسیرات کی کمیٹر لیس۔ جزویٹ پادریوں کا حال میکلاگن جرنل آف ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ 1896ء جلد اول صفحات 38 تا 113 وان نوئیر کی اکبر جلد اول صفحہ 329۔ وی اے اسمتھ کی اکبر صفحات 253، 264، 171 تا 179 اکبر کی مذہبی حیثیت اور پبلک پر اس کا جو اثر ہوا اس کا خلاصہ پیروشچی نے خوب کیا ہے۔

"شہنشاہ مسلمان تو نہیں ہے بلکہ ہر طریق مذہب سے مشتبہ ہے۔ اس کا عقیدہ ہے کہ خدا کا خاص پسندیدہ کوئی مذہب نہیں ہے۔ اس لیے کہ ہر مذہب میں اُسے کوئی نہ کوئی بات معقولیت اور منطق کے خلاف معلوم ہوتی ہے..... دربار میں کچھ لوگ کہتے ہیں کہ وہ دہریہ ہے، کچھ کہتے ہیں کہ وہ عیسائی ہے اور کچھ کہتے ہیں کہ وہ خود کو نیا مذہب ایجاد کرنے والا ہے لیکن زیادہ سمجھدار لوگوں کے نزدیک وہ نہ عیسائی نہ دہریہ اور نہ مسلمان اور یہی بات سب سے زیادہ صحیح ہے یا وہ سمجھتے ہیں کہ وہ ہے تو مسلمان لیکن سب کو خوش کرنے کے لیے وہ بظاہر سب عقیدوں پر عمل کرتا۔"

(28) مانسیرات میکلاگن السوٹ اے اسمتھ میکلاگن صفحات 53، 55، 62، 66، 67 تا 69۔

زیویر لکھتا ہے "شہزادہ ہم سے بہت الفت کرتا اور جو کچھ ہم چاہتے ہیں وہ بادشاہ سے حاصل کر دیتا ہے پہلے ہی دن جب ہم نے اس سے بات چیت کی تو اس نے گرجا کی تعمیر کے لیے جن چیزوں کی ضرورت تھی اس سب کا وعدہ کر لیا اور بادشاہ کو تعمیر کی جگہ تجویز کرنے پر آمادہ کرنے کا انتظام کر دیا۔ اس برسات کے موسم میں ہم نے اسے یاد دلانے کی جرأت کی اور کہا کہ وہ بادشاہ سے یہ انتظام کرا دے کہ اس کام کے لیے فوراً آدمی مقرر کر دیے جائیں۔

جزویت کا غذات سے سلیم کی جو وسیع المشربی ظاہر ہوتی ہے اس کی پوری پوری تائید خود سلیم کے روزنامچوں سے ہوتی ہے۔ وہ اللہ سے تو اکثر دعا کرتا ہے مگر حضرت محمدؐ کا کبھی نام نہیں لیتا۔ ایک طرف وہ تو شبرات اور عید مناتا تھا تو دوسری طرف اسی التزام سے ہندو تقریبات دیوالی، دسہرہ، رکھشابندھن اور شیوراتری بھی مناتا تھا، جیسا ذوق اور اہتمام کسی ہندو دربار میں ہوتا(29) وہ پورے شوق اور مسرت کے ساتھ پارسی تقریب نوروز میں حصہ لیتا تھا جسے راسخ العقیدہ اورنگ زیب نے موقوف کردیا۔ وہ اپنے روزنامچہ میں تاریخ عموماً شمسی سال کی لکھتا ہے اس نے پختہ عقیدہ کے مسلمانوں کی روایت کے برخلاف قرآن مجید کے ترجمہ کرانے کا حکم دیا۔(30) اس نے عیسائیوں کو سور کا تحفہ بھیج کر مسلمانوں کی تضحیک کی۔(31) اس کے دہریت کے خیالات سے یہ شہرت ہوگئی کہ وہ دل سے دہریہ ہے۔(32)

مختصر یہ کہ اس قیاس کی مطلق گنجائش نہیں ہے کہ سلیم راسخ العقیدہ مسلمان تھا یا اکبر کے مقابلہ میں وہ راسخ العقیدگی کا سورما بنتا۔ بادشاہ اور شہزادہ کے درمیان جو کشیدگی ہوئی اس میں مذہب کا کوئی حصہ نہ تھا اور سارا قصہ غیر مذہبی تھا، غیر مذہبی بنیاد پر لڑا گیا۔(33)

اکبر کا سلیم پر شبہ

جو کھچڑی اس سال پک رہی تھی اور 1599ء میں ابھر پڑی وہ 1591ء میں ظاہر ہوئی تھی۔ اکبر کو درد قولنج کا دورہ پڑا اور غشی کی حالت میں اس نے سلیم پر شبہ ظاہر کیا کہ شاہی طبیب اور مہتمم باورچی خانہ حکیم ہمام کے ذریعہ سے اسے زہر دیا گیا ہے۔(34)

یہ شبہ تو بے بنیاد تھا مگر بیماری بہت سنگین تھی۔ چونکہ تخت کے خالی ہونے کا امکان قریب نظر آیا اس لیے سلیم نے اپنے بھائی مراد کی نقل و حرکت پر نظر رکھنے کے لیے آدمی مقرر کردیے۔

---

(29) جہانگیر (راجرس بیورج) جلد اول صفحات 246-268، 361، جلد دوم صفحات 94-95-100، 176، 186 رو کا بیان ہے کہ "وہ (جہانگیر) بعض اوقات مورد (مسلم) عقیدہ کو ظاہر کرتا ہے مگر ہمیشہ کافروں کی تقریبات اور رسوم مناتا ہے۔ ایضی صفحہ 314۔

(30) توزک جہانگیری، ترجمہ قرآن کے متعلق دیکھو۔ جہانگیر (راجرس و بیورج) جلد دوم صفحات 34-35۔

(31) خطوط موصول ایسٹ انڈیا کمپنی جلد چہارم صفحہ 10 میجو (جلد اول صفحات 155، 159) نے جہانگیر کے روزہ رمضان کی تضحیک کی روایت نقل کی ہے اور مسلمانوں کی تذلیل کے لیے سور کے سیسہ کے بت ڈھلائے کی۔

(32) رو صفحات 313 تا 314۔

(33) پرائس کی جہانگیر، صفحات 32، تا 33) نے بیشک ایک جملہ اس کے خلاف لکھا ہے مگر اس کی کسی اور نے تصدیق نہیں کی اس لیے ناقابل لحاظ ہے۔

(34) بدایونی (لو) جلد دوم صفحہ 49 اکبر کے اصل الفاظ درج کیے گئے ہیں "بابا شیخو جی چونکہ یہ ساری سلطنت تمہارے ہی پاس جائے گی پھر تم نے میرے اوپر یہ حملہ کیوں کیا کہ میری جان لے لو؟ اس زیادتی کی کوئی ضرورت نہ تھی اگر تم نے مجھ سے مانگی ہوتی تو میں خود ہی تمہیں دیدیتا اور اس نے حکیم ہمام کو جس پر اکبر کو پورا بھروسہ تھا یہ الزام دیا کہ اس نے کھانے میں کچھ ملا دیا ہے حکیم ہمام ممتاز ماہر طعام اور حکیم، خطاط، شاعر اور مدبر تھا۔ اس کے متعلق دیکھو مآثر الامرا (اصل کتاب) جلد اول صفحات 63 تا 65 پرانی تصویروں میں حکیم ہمام کو اکبر کے نورتنوں میں دکھایا گیا ہے۔

شہزادہ مراد

مراد کی عمر اب اکیس سال کی ہو گئی تھی۔ اس نے مختلف معلموں سے پڑھا تھا جن میں شریف خان بھی 1581ء تک رہا جس کے بعد وہ سب سے مشہور جزوئیٹ مدرسوں کو سپرد کر دیا گیا۔ شیخی اس کی اعلیٰ قابلیت کی بہت تعریف کرتا ہے اور اس کے خوشگوار مزاج اور محنت کی عادت کی۔ اس کا معلم مانسرات اسے معیاری طالب علم کہتا ہے۔ ایکوی وایوا جو مانسرات کے چلے جانے کے بعد مقرر ہوا، اس کی فطری ذہانت کی بڑی تعریف کرتا ہے اور پرتگالی اور مسیحی علوم میں اس کی رفتار ترقی کی تعریف کرتا ہے (35)

لیکن جیسے ہی اس نے جوانی میں قدم رکھا اس نے وہ تمام بری عادتیں اختیار کر لیں جو کسی انسانی فطرت کے لیے باعث ذلت ہو سکتی ہیں۔ شراب اور عیاشی نے اس کی فطری قوت سلب کر لی اور اس کی زندگی کی تمام توقعات کو خاک میں ملا دیا۔ اس کی نخوت اور گستاخانہ انداز نے شاہی حکام کو اس سے متنفر کر دیا اور اس سے تعاون قطعی ناممکن ہو گیا۔ (36) سلیم کی خوش قسمتی تھی کہ اس کا رقیب انسانیت کا ناتابے مصرف نمونہ تھا اور اس کے چھوٹے بھائی دانیال کا حال بھی اس سے بہتر نہ تھا۔ لیکن محض ان کی موجودگی سیاسی ماحول کو مخدوش کرنے کے کافی تھی۔

اکبر اور سلیم کے تعلقات

اکبر اور سلیم کی ناچاقی کے بعد حالات کا پتہ نہیں چلتا۔ اگر بدایونی کی صحت اور طاقت کچھ دنوں اور برقرار رہتی اور وہ بدنام کن افواہوں کو لکھتا رہتا تو وہ شاہی خاندان کے پر اسرار بغض کی رفتار پر کچھ روشنی ڈالتا لیکن اس کی تاریخ اب مختصر ہو گئی اور 1595ء پر جا کر رک گئی۔ (37)

کسی اور مورخ میں اتنی غیر جانب داری اور جرأت یا اکبر سے کافی نفرت نہ تھی کہ وہ پس پردہ سازشوں کا حال بیان کرتا۔ اب پھر جب پردہ اٹھتا ہے تو اکبر تیزی سے دکن کے میدان جنگ کی طرف جا رہا ہے اور سلیم کو ہدایت کرتا ہے کہ میواڑ کے رانا پر حملہ کرے۔ دکن کے مغل سالاروں نے اس مہم کی نوعیت کو نہیں سمجھا جس میں وہ مصروف تھے اور اپنی شکست کی ایک دوسرے پر الزام رکھ کر اور طعن و تشنیع کر کے تلافی کرنے لگے۔ شہزادہ مراد کی موجودگی سے یہ توقع تھی کہ وہ کمانداروں میں اتحاد اور عملی تعاون پیدا کرے گا مگر وہ شراب خوری کی انتہائی ذلت میں گر گیا اور ہر ایک کو متنفر اور بیزار کر دیا اور حالات کو بد سے بدتر بنا دیا۔

---

(35) اکبر نامہ (بیورج) جلد سوم صفحہ 458 بدایونی (لو) جلد دوم صفحہ 267۔ مانسرات کی کمنٹریس صفحات 570، 571، 589، 592، 622، 625، 629 تا میکلاگن (جرنل آف ایشاٹک سوسائٹی بنگال 1896ء جلد اول صفحات 50 تا 51 و سمتھ اسے اسمتھ کی اکبر صفحات 175 و 204۔

(36) بدایونی (لو) جلد دوم صفحات 50، 51 اکبر نامہ اصلی کتاب) جلد سوم صفحہ 744 (ایلیٹ وڈاوسن) جلد ششم 95 شہزادہ کے انتقال کے بعد سلیم نے بڑی فیاضی سے لکھا کہ "وقار اور حاکمانہ انداز اس کی نقل و حرکت سے ظاہر تھے اور انسانیت اور بہادری اس کے انداز سے واضح تھی۔ (جہانگیر (راجرس و بیورج) جلد اول صفحہ 34)

(37) اس کے حالات زندگی کے لیے دیکھو بلوکمین (جرنل آف ایشیاٹک سوسائٹی بنگال 1896ء جلد اول صفحہ 118 (ایلیٹ وڈاوسن، جلد پنجم صفحہ 477۔

شہزادہ مراد کا انتقال

تمام مشوروں سے بے پرواہ ہو کر نا عاقبت اندیش نوجوان نے خود کو نشہ کے ہذیان میں مبتلا کر لیا۔ اور 2/ مئی 1599ء کو فوت ہو گیا جس سے سلیم کو اطمینان حاصل ہوا اور اکبر مبتلائے غم ہو گیا۔ (38) حالات کی مزید پیچیدگی پر خود اکبر موقع پر پہنچ گیا۔ سلیم کو راضی کرنے کے لیے اس نے پورے شمالی ہند کا ذمہ دار کر دیا اور فساد سے باز رکھنے کے لیے اسے مان سنگھ اور شاہ قلی خاں جیسے زبردست سالاروں کے ساتھ میواڑ پر حملہ کرنے کی ہدایت کی گئی۔ (39)

سلیم کی بغاوت

سلیم نے اپنی فوج تو رانا کے خلاف روانہ کر دی مگر خود اجمیر میں شکار و تفریح اور عیش پرستانہ مشاغل میں وقت ضائع کرتا رہا۔ اکبر کی شخصیت سے دور ہو کر وہ بری صحبت میں پڑ گیا جس میں اسے اکسایا گیا کہ بادشاہ اور شاہی فوج کی عدم موجودگی سے فائدہ اٹھائے۔ ہر حکمران سے یقیناً کچھ لوگوں کو مایوسی اور کچھ کو ناراضی ہوتی ہو گی مایوسی سے یقیناً حالات کا غلط اندازہ ہو گا اور وہ اقتدار حاصل کرنے کے ہر موقع پر بادشاہت کو نقصان پہنچانے کی کوشش کرے گا۔ ایک شہزادہ اور خصوصاً پسر کلاں باغیانہ سازش کا بہترین مرکز ہو سکتا ہے۔ سلیم کا دماغ جو حوصلہ مندی سے گرم اور ناسپاسی سے بگڑ گیا تھا اس نے فوراً اس دلیل کو قبول کر لیا کہ شمال کے حصہ کی حالت بے حفاظت ہے اور اس وقت اچانک حملہ آسان ہے۔ اس کا ذہن جو گرد و پیش کے ماحول کا آسانی سے اثر لے لیتا تھا اور بے جا جوش سے بھرا ہوا تھا اس بات کو نہ سوچ سکا کہ سلطنت میں کوئی ایسی وسیع پیمانہ پر بے چینی نہیں ہے جو بغاوت کی کامیابی کے لیے ضروری ہوتی ہے۔ یا یہ کہ اگر اس کی طرف سے کوئی بیجا حرکت ہوئی تو بادشاہ کو شمال کی طرف پہنچنے میں دیر نہ لگے گی۔ مان سنگھ سے بے شک اندیشہ تھا کہ وہ ایسی کارروائی میں حائل ہو گا لیکن عین اس موقع پر مان سنگھ کے صوبہ بنگال سے زبردست سورش کی خبر ملی جو آخری مگر طاقت ور افغان نے برپا کی تھی اور اسے فوراً راجپوتانہ سے بنگال روانہ ہو جانا پڑا اور سلیم نے اسے باعزت طور پر اور یقیناً دل میں خوش ہو کر رخصت کیا۔ (40)

---

(38) اس کی موت برار کے جوار میں جالنا پور کے قریب اس کے بہاری کیمپ میں ہوئی ابو الفضل جو اسے دربار واپس لانے کے لئے بھیجا گیا تھا اس کے پہنچنے سے چند گھنٹہ قبل۔ اکبر نامہ اصل کتاب) جلد سوم 806 ڈاؤسن) جلد ششم صفحہ 97۔ جہانگیر (راجرس و بیورج) جلد اول صفحہ 34۔

(39) اکبر نامہ (اصل کتاب) جلد سوم صفحہ 831 ایلیٹ و ڈاؤسن) جلد ششم صفحہ 98 محمد ہادی صفحہ، خافی خاں جلد اول صفحہ 216 ڈی لائٹ ترجمہ لیتھو برج کلکتہ ریویو 57 1873ء نمبر 113 صفحہ 95۔

(40) اکبر نامہ (اصل کتاب) جلد سوم صفحہ 831 ایلیٹ و ڈاؤسن) جلد ششم صفحات 98، 99 مآثر جہانگیری ا مخطوطہ خدا بخش صفحات 12 (الف و ب) 13 الف و ب) خافی خاں جلد اول صفحات 216، 217، 218، 233۔ مآثر الامراء (اصل کتاب)، جلد دوم صفحات 162 تا 168 (بیورج جلد اول صفحہ 119۔ ڈورن کی ہسٹری آف دی افغانس صفحہ 183 ڈور جارک کی تھیارس باب 12 صفحات 112، 113 نیری (صفحہ 408) کا بیان ہے کہ سلیم نے اپنی سوتیلی ماں انار کلی کی عزت پر حملہ کرنے کی کوشش کی اور عاق کر دیا گیا اور اپنے باپ کے عتاب کے خوف سے مشرق کی طرف بھاگ گیا اور بغاوت کر دی۔ ڈی لائٹ (ترجمہ) لیتھو برج کلکتہ ریویو 1871ء صفحہ 77 جس نے نیری کے بیان کی نقل کی ہے۔ سلیم کے اس قسم کے قصور کا اشارہ کرتا ہے جس کے بعد وہ فوراً مشرق کی طرف بھاگ گیا اور الہ آباد پر قبضہ کر لیا۔ لیکن سلیم کی بغاوت کے حالات سے اس کی تردید ہوتی ہے۔ سلیم کی بغاوت کے افواہی حالات کے متعلق دیکھو پیٹر منڈی جلد دوم صفحہ 102 و منوشی (مرتبہ جلد اول صفحہ 131)

تیسرا باب

سلیم کی بغاوت

اکبر کی مضبوط حیثیت

اس طرح وہ بغاوت شروع ہوئی جس نے سلطنت کو پانچ سال تک ہیجان میں رکھا اگرچہ حکومت کے استحکام کو خطرہ میں نہ ڈال سکی۔ اکبر کی شخصیت نے سلطنت کو مسخر کر رکھا تھا۔ اس کی شاندار کامیابی اور خوش قسمتی اس کی سب سے بالاتر شان اور اس کی فیاضی نے اس کی رعایا میں پرجوش، ہردلعزیزی اور تشکرانہ عقیدت حاصل کر لی تھی۔ اس کے پرانے تجربہ کار جنرل اور اس کی فوج کے سپاہی اور اس کی دولت اور سامان جنگ کے زبردست وسائل ایسے تھے کہ کسی بڑی سی بڑی شورش کو سال کے اندر ہی ختم کر سکتے تھے۔ یہ اس کی پدرانہ شفقت تھی کہ اس نے سلیم کی شورش کا فوراً قلع قمع نہیں کر دیا۔ خود سلیم کو بھی اپنی کمزوری کا احساس تھا جس کی وجہ سے وہ معاملہ کو آخری حد تک پہنچانے سے گریز کر رہا تھا۔ وہ پس و پیش کرتا ہے موقع محل دیکھتا ہے۔ گفت و شنید کرتا ہے۔ پشیمان ہوتا ہے اور جھک جاتا ہے۔ کبھی کبھی وہ اپنے پسندیدہ لوگوں کے اثر کو بھی اکھاڑ پھینکتا ہے۔

سلیم کے دوست

اس زمانہ میں شہزادہ کے قریب ترین احباب میں اس کے دودھ شریک بھائی اور ساتھ کھیلے ہوئے شیخ سلیم چشتی کے پوتے خوبو تھے اور خلاف قیاس نہیں ہے کہ اس کی انا جس کی وہ اپنی ماں کے برابر عزت کرتا تھا(1) اس کے باغیانہ منصوبوں کو آگے بڑھانے میں شریک رہی ہو شہزادہ کے دوسرے بااثر ساتھی سید عبداللہ (2) اور زمانہ بیگ تھے جو مہابت خاں کے نام سے مشہور ہوئے۔(3)

سلیم آگرہ جاتا ہے

معلوم ہوتا ہے شورش کا جو مواد پک رہا تھا اس کی بھنک کچھ مان سنگھ کو لگ گئی اور اسے توڑنے کے لیے مان سنگھ نے شہزادہ کو مشورہ دیا کہ وہ مشرقی صوبوں پر قبضہ کرے جس سے وہ افغانوں سے دست و گریبان ہو جائے۔(4) مگر شہزادہ نے اسے نہ مانا بلکہ اپنی فوج کو میواڑ کی مہم سے واپس بلا لیا اور یہ سوچا کہ

(1) جہانگیر (راجرس و بیورج) جلد اول صفحہ 105

(2) جہانگیر (راجرس و بیورج) جلد اول صفحہ 7۔

(3) جہانگیر (راجرس و بیورج) جلد اول صفحہ 24۔

(4) مآثر جہانگیری (مخطوط خدا بخش) صفحہ 12 مان سنگھ کی روانگی کی توجیہہ صحیح معلوم ہوتی ہے۔

پنجاب کے جنگجو سرحدی صوبہ پر قبضہ کر لے۔ اس دوران میں وہ شہباز خاں کمبوہ کی جائداد ایک کروڑ نقد اور املاک حاصل کر کے مالدار ہو گیا تھا (5) شہباز خاں کمبوہ کا حال ہی میں انتقال ہوا تھا لیکن پنجاب پر قبضہ کا منصوبہ شاید بہت خطرناک خیال کر کے ترک کر دیا اور وہ تیزی سے آگرہ کی طرف بڑھا جہاں بیس کروڑ روپے سے زیادہ کا خزانہ تھا۔ (6) قلعہ دار قطب خاں کو شہزادہ کے باغیانہ منصوبہ کا پتہ چل گیا اور اس نے نہایت ہوشیاری اور مضبوطی سے کام لیا۔ اس نے سلیم کو قلعہ میں نہیں داخل ہونے دیا بلکہ خود ہی مناسب تحفے لے کر باہر آ گیا اور انتہائی خوش اخلاقی اور ادب کا مظاہرہ کیا مگر اپنی ذمہ داری سے دست بردار ہونے سے قطعی انکار کر دیا۔ شہزادے کو اس کے سر پھرے دوستوں نے مشورہ دیا کہ بوڑھے قلعہ دار کو گرفتار کر لے مگر اس نے عقلمندی سے اس رائے پر عمل نہیں کیا۔ ضرورت کی آڑ لے کر اس نے قلیج خاں کو شہر کا پورا انتظام سپرد کر دیا اور مشرق کی طرف کوچ کی تیاری کی۔ یہ خبر سن کر اس نے روانگی میں اور عجلت کی کہ اس کی دادی مریم زمانی اسے فہمائش کے لیے آ رہی ہے۔ اس کے مغویانہ طرز عمل نے محل شاہی میں سخت ہل چل پیدا کر تھی اور بیوہ ملکہ سے زیادہ کسی اور کو اتنا سخت صدمہ نہیں ہوا تھا اس لیے کہ اسے سلیم سے محبت اس کی ماں سے زیادہ تھی شہزادہ کی موجودہ ذہنیت میں اپنی دادی سے ملاقات اس پر سخت گراں گزری۔ اس نے جلدی سے الہ آباد کے لیے کشتی لے لی اور ملاحوں کو تیز چلانے کی تاکید کی اور فوج کو خشکی کے راستے سے پیچھے آنے کا حکم دیا۔ (7)

سلیم الہ آباد میں

بارہ دن کے خوشگوار دریائی سفر نے شہزادہ کو الہ آباد (8) پہنچا دیا۔ جہاں اس نے اکبر کے بنائے ہوئے قلعہ میں خود کو قلعہ بند کر لیا اور اپنی حکومت بہار تک وسیع کر کے خود مختاری کا علم بلند کر دیا۔

خود مختاری کا علم

خوبو کو قطب الدین خاں کا خطاب دے کر بہار کا گورنر بنایا گیا اور کالپی پر یاسین بہادر کو مقرر کیا گیا۔ بہار کے خزانہ کے تیس سالاکھ روپیہ حاصل کر کے شہزادے کی خدمت میں صرف کیا گیا۔ خاص خاص حاجتوں کو جاگیریں اور خطابات دیے گئے۔ اوروں کے ساتھ عبداللہ کو خاں کا خطاب ملا۔ (9)

---

(5) ڈی لائٹ صفحات 192 تا 206 ترجمہ لیتھ برج صفحہ 196 کا بیان ہے کہ خزانہ کی تعداد ایک کروڑ سے زیادہ تھی۔ کمبوہ کی زندگی کے حالات کے لیے مآثر الامرا بلوکمین صفحات 309 تا 402۔

(6) جزویٹ پادریوں کے خیال کے مطابق آگرہ کے خزانہ میں اکبر کے انتقال کے وقت 20,00000 پونڈ کی رقم تھی۔ دیکھو دی اے اسمتھ جرنل آف رائل آف ایشیاٹک سوسائٹی نومبر 1915ء صفحات 235 تا 243۔

(7) اکبر نامہ (اصل کتاب) جلد سوم صفحہ 831 (ایلیٹ وڈاوسن) جلد ششم صفحہ 99 محمد ہادی صفحہ 8 مآثر جہانگیری (مخطوطہ خدا بخش) صفحہ 13 (ب) گلیڈون جلد چہارم۔ خافی خاں جلد اول صفحہ 218 مآثر الامرا جلد دوم صفحہ 167۔ مرات العالم صفحہ 297 (ب) ڈی لائٹ (ترجمہ لیتھ برج) صفحہ 196 عنایت اللہ (ایلیٹ وڈاوسن) جلد ششم صفحہ 104 کا بیان ہے کہ بادشاہ نے سلیم کو حکم دیا تھا کہ وہ اپنی فوجوں کو بنگال میں مان سنگھ کی فوجوں کے ساتھ شامل کر دے لیکن سلیم کی فوری روانگی کا یقینا یہ سبب نہ تھا۔

(8) سولہویں اور سترہویں صدی میں الہ آباد کے حالات کے متعلق دیکھو آئین (جارت) جلد دوم صفحہ 158۔ پیٹر منڈی جلد دوم صفحہ 108 منوچی جلد اول صفحات 106 تا 107 خلاصۃ التواریخ ترجمہ سرکار کی انڈیا آف اورنگ زیب میں صفحات 26 تا 27۔

(9) مآثر جہانگیری صفحہ 13 (ب) و 14 (الف) گلیڈون جلد چہارم و ہفتم محمد ہادی صفحہ 9، خافی خاں جلد اول صفحات 220 تا 221۔

اکبر کی کوشش مصالحت

اکبر کو جس وقت ان واقعات کی خبر ملی تو وہ خاندیش کے ناقابل تسخیر قلعہ اسیر کے سامنے تھا(10) اس کے مشیروں نے سخت کارروائی کی صلاح دی جسے اس نے رد کر دیا اور محض مہربانی شفقت اور پُر وقار الفاظ میں شہزادہ کے طرزِ عمل کی باز پرس کی، صلح اور مفاہمت کے مقصد سے اُس نے خواجہ محمد شریف کو روانہ کیا اور جو بچپن میں شہزادہ کا کھیل کا ساتھی اور گہرا دوست تھا۔ مگر بزدل اور بے شعور شخص تھا۔ سلیم نے شاہی پیام کا پورے اعزاز و احترام سے استقبال کیا مگر اپنے دوستوں کے کہنے سننے پر پشیمانی کی کوئی علامت ظاہر نہیں کی اور جواب میں اپنی قطعی بے قصوری کا اظہار کیا۔ اس نے شریف کو آسانی سے پھسلا لیا اور اپنا خاص وزیر بنا لیا(11)۔ اور پھر بہت بڑی فوج جمع کرنے لگا۔

اکبر کی آگرہ کو واپسی

1601ء کے وسط میں اکبر آگرہ پہنچ گیا اور سلیم بیس ہزار کی فوج کے ساتھ اُس طرف بڑھ رہا تھا اور راستہ میں لوٹ مار اور غارت گری کرتا جاتا تھا۔ شہزادہ نے ظاہر یہ کیا کہ اس کے کوچ کا مقصد محض اپنے والد کو آداب بجالانا ہے مگر کسی نے اس بہانہ کو قبول نہ کیا۔

تہدیدی فرمان

جب سارے مصالحت کے وسائل بے سود ثابت ہوئے تو اکبر نے اپنے لڑکے کے نام سخت فرمان جاری کیا کہ وہ اپنی فوج کو برطرف کر دے اور صرف چند منتخب ملازموں کے ساتھ آ جائے یا خود الہ آباد واپس جائے۔

الہ آباد کو واپسی

اس اعلان جنگ سے جس کے پیچھے یقیناً فوجی تیاری بھی تھی سلیم خوف زدہ ہو کر اطاعت پر مجبور ہو گیا۔ اٹاوہ سے اس نے میر صدر جہاں کو روانہ کیا کہ وہ بادشاہ کو اس کی وفاداری اور غیر متزلزل اطاعت شعاری کا یقین دلائے اور خود الہ آباد کی طرف روانہ ہو گیا۔ بادشاہ نے اُسے بنگال و اڑیسہ کی

(10) اس قلعہ کی حالت اور ساز و سامان کے متعلق دیکھو فیضی سرہندی کا اکبر نامہ (ایلیٹ وڈاوسن) صفحات 139 تا 141 جہانگیر (راجرس و بیورج) جلد اول صفحات 34 تا 35 میں قلعہ کے محاصرہ اور بعد کو اکبر کی شمال کی طرف واپسی کا ذکر ہے۔ مگر خود اپنی بغاوت کا حال کچھ نہیں لکھا ہے۔

(11) اکبر نامہ (اصل کتاب) جلد سوم صفحہ 831 (ایلیٹ وڈاوسن) جلد ششم صفحہ 99۔ مآثر جہانگیری صفحہ 14 (ب) محمد ہادی صفحہ 9 خافی خان جلد اول صفحہ 230 گلیڈون جلد چہارم و پنجم مآثر الامرا جلد سوم صفحہ 626۔ شریف کے حالات زندگی کے لیے دیکھو مآثر الامرا جلد سوم صفحات 625 تا 629 بلوکمین صفحات 517 تا 518۔ مآثر الامرا کا بیان ہے کہ سلیم نے شریف سے وعدہ کیا ہے کہ وہ تخت نشین ہونے پر سلطنت کو نصف نصف تقسیم کرے گا مگر شاید محض اختیارات کی تقسیم کے سوا اور کوئی بات نہ تھی۔

حکومت پر فائز کر دیا(12)

سلیم کا خود مختارانہ دربار

لیکن الہ آباد میں سلیم پھر بُرے اثرات سے متاثر ہو گیا۔ اس نے اپنے افسروں کا بنگال اور اڑیسہ کی حکومت پر بھیج کر خود کو کمزور نہیں کرنا چاہا۔ اس نے شاہی لقب اختیار کر لیا۔ اگرچہ اب بھی وہ اپنے باپ کو شہنشاہ کہتا تھا۔ اس نے اپنا باضابطہ دربار قائم کر لیا اور گوا کے صوبائی حکمراں سے استدعا کی کہ وہ اُس کے دربار میں اپنا نمائندہ مقرر کرے اگرچہ اس میں کامیابی نہیں ہوئی اس نے گوا کے پرتگالی حکام سے کسی قسم کی فوجی مدد بھیجنے کا مطالبہ کیا۔ اس نے فرامین جاری کیے اور خطابات اور جاگیریں دیں۔ (13)

ابوالفضل کی واپسی

اس تشویش انگیز صورت حال میں اکبر نے اپنے سب سے زیادہ وفادار مشیر کو جسے دکن کے چارج میں چھوڑ دیا گیا تھا واپس بلا لیا۔ سلیم نے خیال کیا کہ اس کا سخت ترین دشمن اُس کے باپ کو جواب تک پدرانہ شفقت کی بردباری کا مظاہرہ کر رہا تھا اب قوت استعمال کرنے پر آمادہ کرے گا اور شاید اسے وراثت سے بھی محروم کر دے۔ چنانچہ اس نے طے کیا کہ اس باعظمت شخصیت کو قتل کرا دے اور اپنی حمایت پر ناعاقبت اندیش بندیلہ رئیس بیر سنگھ (14) کو آمادہ کر لیا۔

---

(12) تکمیل اکبر نامہ (ایلیٹ وڈاوسن) جلد ششم صفحہ 105 مآثر جہانگیری صفحات 15 تا 17 محمد ہادی صفحہ 10 گلیڈون 5،6 خافی خاں جلد اول صفحات 221 تا 222 عنایت اللہ نے سلیم کی بغاوت کو کم کر کے دکھانے کی کوشش کی ہے اور آگرہ جاتے ہوئے اس نے جو اعلان کیا تھا کہ اسی کو قبول کیا ہے۔

ڈی لائٹ (ترجمہ لیتھ برج صفحہ 198) کا بیان اس سے مختلف ہے اور اس نے سلیم کی فوج کی تعداد ستر ہزار بتائی ہے ڈو جارک (باب) 13 صفحہ 113) کا بیان ہے کہ اکبر کے لیے سلیم بہت زیادہ طاقتور ثابت ہوا اور اکبر کی مجبوراً اُسے راضی کرنا پڑا۔ یہ بیان بجائے خود ناقابل یقین ہونے کے علاوہ کسی دوسری معاصر تحریر سے اس کی تائید نہیں ہوتی ہے۔

(13) عنایت اللہ، مآثر جہانگیری، خافی خان اور گلیڈون حسب سابق۔ ڈو جارک جلد سوم باب 13 صفحات 113 تا 121۔ ڈی لائٹ ترجمہ لیتھ برج صفحہ 198۔ میکلا گن صفحات 88۔ تا 89۔ وی۔ اے اسمتھ کی اکبر صفحہ 303۔ جزویٹ سلیم سے معاملہ کرنے میں بہت محتاط تھے۔ زیویر کو سلیم نے جو خط لکھا وہ اس نے اکبر کو دکھلایا۔ ڈی لائٹ کا بیان ہے کہ اکبر سے گفت وشنید کے دوران میں سلیم نے اپنے باپ سے یہ اجازت چاہی کہ وہ ستر ہزار فوج کے ساتھ اس سے ملے، جتنی جاگیریں اس نے دی ہیں وہ پختہ کر دی جائیں اور اس کے سارے حمایتوں کو عام معافی دی جائے۔ چنانچہ گفت وشنید ناکام ہو گئی۔ دیکھو ڈی لائٹ صفحات ۱۹۹ تا 208 ترجمہ لیتھ برج صفحہ (197) وی اے اسمتھ صفحہ 302۔

سلیم کے جاری کیے ہوئے فرامین میں سے ایک فرمان فیض آباد کی میوزیم لائبریری میں محفوظ ہے۔

(14) جہانگیر (راجرس وبیورج) جلد اول صفحات 24 تا 25 مآثر جہانگیری (ایلیٹ وڈاوسن) جلد ششم صفحات 122 تا 123، 423۔ پرایس کی جہانگیر (صفحات 32 تا 33) جہانگیر کے رویہ کو پارسائی مذہبی جذبہ پر محمول کرتا ہے جس کا مستند یادداشتوں میں کوئی ذکر نہیں ہے۔

عجیب بات ہے کہ عنایت اللہ (تکمیل اکبر نامہ (ایلیٹ وڈاوسن) جلد ششم صفحہ 107 نے ابوالفضل کو واپس بلانے کی یہ وجہ لکھی ہے کہ سلیم کی بے ضابطگیوں کی جو اطلاع اس نے دی تھی اس سے اکبر ناخوش ہو گیا تھا۔ مآثر الامرا کا مصنف (بیورج جلد اول صفحہ 122 اور اس کی تقلید میں بلوکمین (مقدمہ آئین صفحہ 34) نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ ابوالفضل کو اس لیے واپس بلا لیا گیا کہ اکبر کے بہت سے بہترین افسر سلیم کے طرفدار ہو گئے تھے۔ درحقیقت بہترین افسروں میں سے کسی نے بھی سلیم کا ساتھ نہیں دیا تھا۔ یہ عجیب بات ہے کہ ڈو جارک ابوالفضل کو سلیم کے ساتھیوں میں گنتا ہے۔

بندیلے

ایک صدی پیشتر گہوار راجپوت کا ایک قبیلہ بندیلے نقل وطن کر کے جنوب کی طرف آگیا اور دریائے جمنا کے جنوب میں آباد ہو گیا جو علاقہ اب تک بندیل کھنڈ کہلاتا ہے مضبوط جسم، قسمت آزمائی کا حوصلہ، ہمت، جرأت اور شجاعت کے جوش نے انھیں وہاں کے عام باشندوں سے ممتاز کر دیا تھا۔ وسط ہند کے گھنے جنگلوں، تیز بہتے ہوئے دریاؤں اور ڈھلوان پہاڑیوں نے انھیں مغلوں کی انتظامی کارروائیوں سے محفوظ رکھا تھا۔ تقریباً دو صدیوں سے ان لوگوں نے اس علاقہ میں جو گونڈوانہ (15) کو جمنا کے دوآبہ سے علاحدہ کرتا ہے۔ شورش، ابتری اور بدنظمی پھیلا رکھی تھی۔

بیر سنگھ کی آمادگی

بیر سنگھ دیو بندیلوں کا سردار تھا (16) اور اکبر کے خلاف کھلم کھلا برسر بغاوت تھا اور جب وسط 1602 میں سلیم نے اس سے کہا کہ وہ گھات لگا کر ابوالفضل کو قتل کر دے تو وہ فوراً آمادہ ہو گیا اور اپنی حسب معمول جسارت سے یہ انتظام کیا کہ جس راستے سے ابوالفضل گزرنے والا تھا اس پر گھات لگا دے۔

ابوالفضل کی شمال کی طرف روانگی

اس سازش کا حال کھل گیا اور ابوالفضل کے دوستوں نے اسے صلاح دی اور اصرار کیا کہ وہ اپنا راستہ بدل دے مگر اس نے سختی سے جواب دیا کہ "ڈاکوؤں میں کیا طاقت ہے کہ وہ میرا راستہ روکیں" سرونج میں اسے سمجھایا گیا کہ وہ اپنی فوج کو اس فوج سے تبدیل کرے جو ایک شاہی افسر گوپال داس نکمہ نے نئی بھرتی کی ہے اور باتوں کے علاوہ اس سے یہ بھی کہا گیا ہے وہ اپنے وفادار نائب اسد بیگ کو برطرف کر دے جسے وہ ساتھ لے جانے پر مصر ہے سرائے برار پر اسے ایک فقیر نے صاف صاف الفاظ میں آگاہ کیا کہ اگلے دن ایک مسلح گروہ اس کا راستہ روکے گا۔ ابوالفضل نے اس اطلاع دینے والے کو انعام دے کر رخصت کر دیا مگر اس کے انتباہ پر مطلق دھیان نہ دیا۔

بندیلوں کا حملہ

جمعہ کو سورج نکلتے ہی کوچ کا بگل بجا مگر جیسے ہی فوج کی حرکت شروع ہوئی بندیلوں کے ہراول

---

(15) بندیلوں کی ابتدا اور ان کے نام کے متعلق مختلف روایات کے لیے دیکھو سر ایچ ایم ایلیٹ کی تاریخی یادداشت عوامی کہانیاں اور ہندوستان کی شمالی مغربی اقوام کی تقسیم، مرتبہ جان بیمس صفحات 45، 46۔
بندیلوں کی تاریخ کے لیے دیکھو ہندی شاعر لال کی چھتر پرکاش پوگن کی ہسٹری آف بندیلاز خصوصاً صفحات 20 تا 43 بندیلوں کی نسب نامہ مخطوطہ چھتر پور نیز وی اے اسمتھ کی ہسٹری آف بندیل کھنڈ جرنل آف ایشیاٹک سوسائٹی بنگال 1881ء۔ کنگھم کی آرکیالوجیکل سروے رپورٹس جلد ۷، ۲۱، امپیریل گزیٹر جلد 9 صفحات 60 تا 72 نیز دیکھو مآثر الامرا جلد دوم صفحات 131 تا 136، 317 تا 323۔

(16) بیر سنگھ کے حالات زندگی کے لئے دیکھو مآثر الامرا (بیورج) جلد اول۔ وہ مدھوکر کا لڑکا تھا (مآثر الامرا جلد دوم صفحات 131 تا 136) بیشتر فارسی مورخین نے غلطی سے بیر سنگھ کا نام سنگھ لکھا ہے۔
سیاسی تاریخ کی حیثیت سے مشہور ہندی شاعر کیشو داس کی بیر سنگھ دیو ترزیادہ قابل وقعت نہیں ہے۔

دستہ نے حملہ کر دیا مگر یہ حملہ پسپا کر دیا گیا۔ مرزا محسن جو چتر ول پر گیا تھا اس نے اطلاع دی کہ بندیلوں کی ایک بہت بڑی فوج پورے طور پر مسلح قریب ہی لڑائی کے لیے صف بستہ کھڑی ہے۔ اس نے اپنے ساتھیوں سے باصرار کہا کہ وہ رفتار تیز کر دیں لیکن موت نے ابوالفضل کے قدم روک لیے اور اس نے جھڑک کر کہا "کیا تمہارا مطلب ہے کہ ہم بھاگ جائیں؟" مرزا نے گھوڑے کو ایڑ لگا کر جواب دیا "یہ بھاگنا نہیں ہے ہم اس طرح چلیں جیسے میں چل رہا ہوں ویسے ہی گوالیار تک آپ چلیں"۔ لیکن اس نازک موقع پر ابوالفضل کی عقل میں کوئی بات نہ آئی جب قریب آتے ہوئے دشمن کی کثیر تعداد نظر آئی اور صاف ظاہر ہو گیا کہ ان سے مقابلہ ممکن نہیں تو ابوالفضل کو مشورہ دیا گیا کہ وہ راجہ رائے سنگھ اور رائے رلیان کے یہاں پناہ لے جو چار میل کے فاصلہ پر دو ہزار فوج کے ساتھ خیمہ زن ہیں لیکن ابوالفضل نے اس تجویز کو حقارت سے رد کر دیا۔ فوراً ہی اس کی مختصر جماعت پر پانچ سو زرہ بکتر سے مسلح سواروں نے حملہ کر دیا۔ انھوں نے بڑی بہادری سے مقابلہ کیا لیکن دشمن کی تعداد بہت زیادہ تھی۔

زخمی

ابوالفضل کے ایک جاں نثار خدام گدائی خان افغان نے اپنے آقا کے گھوڑے کی راس پکڑ لی اور چلا کر کہا "آپ کا یہاں کیا کام ہے؟ آپ چلے جائیں یہ ہمارا کام ہے" لیکن ابوالفضل بزدل نہ تھا وہ ہمت اور شجاعت سے لڑا ایک دوسرے خادم نے اس گھوڑے کی راس پکڑ کر دوسری طرف گھما دی لیکن عین اس موقع پر ایک راجپوت کا نیزہ ابوالفضل کے سینہ کے آر پار ہو گیا وہ سامنے کے ایک چشمہ پر کودنا چاہتا تھا مگر اس کوشش میں زمین پر آ رہا۔ اس کے ایک اور ساتھی جبار خاں نے بیہوشی کی حالت میں اسے گھوڑے کے نیچے سے نکالا اور ایک درخت کے سائے میں لے گیا۔ بندیلے رنگروٹوں کے بیچ سے راستہ کاٹتے ہوئے وہیں پہنچ گئے۔ ایک قیدی فیلبان نے ابوالفضل کا نشان دیا۔ بیر سنگھ فوراً گھوڑے سے اتر پڑا اور زخمی کا سر اپنے زانو پر رکھ کر اپنے کپڑوں سے اس کا خون پونچھنے لگا۔ اس کی یہ ظاہری مہربانی دیکھ کر جبار وہاں سے ہٹ کر درخت کے پیچھے چلا گیا۔ عین اس وقت ابوالفضل کو ہوش آ گیا اور اس نے آنکھیں کھول دیں۔ بیر سنگھ نے اسے سلام کیا اور کہا "فاتح عالم نے عزت کے ساتھ آپ کو بلایا ہے"۔ ابوالفضل نے خشمگیں نظر سے اسے دیکھا بیر سنگھ نے قسم کھائی کہ وہ پوری حفاظت کے ساتھ اسے لے جائے گا ابوالفضل نے غصہ سے اسے گالی دی بیر سنگھ کے ساتھیوں نے اس سے کہا کہ ابوالفضل کا زخم مہلک ہے اور وہ لے جانے کے قابل نہیں ہے۔ اس موقع پر جبار نے تلوار نکال لی اور کئی بندیلوں کو ختم کر دیا اور قریب قریب بیر سنگھ کے پاس پہنچ گیا تھا کہ اتنے میں اسے گھائل کر کے روند ڈالا گیا۔

قتل

بیر سنگھ ابوالفضل کے سر کے پاس سے اٹھا اور اپنے آدمیوں سے اشارہ کیا کہ اسے بیکسی میں ختم کر دیں۔ سر کو لے کر بیر سنگھ تیزی سے روانہ ہو گیا اور کسی اور سے تعرض نہیں کیا بلکہ جو قیدی اس نے گرفتار کیے تھے انہیں بھی چھوڑ دیا۔ سر کو ذلیل کرنے کے لیے الہ آباد بھیج دیا گیا اور جسم زیادہ اعزاز کے

ساتھ موضع انتاری میں دفن کر دیا گیا(17)

اکبر کا غم

اس بے رحمانہ قتل نے آگرہ میں سخت ہلچل پیدا کر دی۔ بادشاہ کو اطلاع کرنے کی کسی کو جرأت نہ ہوئی۔ چغتائیوں میں دستور تھا کہ کسی شہزادے کی موت کی اطلاع اس طرح کی جاتی تھی کہ اس کا سرکاری نمائندہ بازو پر نیلا رومال باندھ کر سامنے آجاتا۔ ابوالفضل کا وکیل اسی نشان کے ساتھ اکبر کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس صدمہ سے اکبر کا حال ابتر ہو گیا۔ چوبیس گھنٹے تک وہ تلملاتا اور بچوں کی طرح روتا رہا۔اس نے کہا"اگر شہزادے کو سلطنت کی خواہش تھی تو وہ مجھے مارتا اور میرے دوست کو نہ مارتا"۔(18)

بیر سنگھ کا سختی سے تعاقب

اکبر نے بیر سنگھ کو سخت سزا دینے کا فیصلہ کیا اور رائے رایان کو متعین کیا کہ اس کا خاتمہ کر دے۔ بندیلوں نے چھاپہ مار جنگ کا طریقہ اختیار کیا جس سے ان شعلہ خو پہاڑیوں نے اکثر اعلیٰ تربیت یافتہ فوجوں کا ناک میں دم کر دیا تھا۔ ایک جگہ سے دوسری جگہ اور ایک قلعہ سے دوسرے قلعہ میں تعاقب کرنے والوں سے بچتا ہوا بالآخر اس نے ایرج کے قلعہ میں پناہ لی۔ رائے رایان نے اس کا سختی سے محاصرہ کیا لیکن بندیلے ہر طرح کی نگرانی سے بچ نکلے اور رات کی تاریکی میں جنگل کی طرف نکل بھاگے۔ بادشاہ کو افسران کی لاپروائی پر سخت غصہ آیا اور اس نے اسد بیگ کو تعینات کیا کہ موقع پر جاکر سارے معاملے کی تحقیقات کرے۔ اسد بیگ نے کامل تحقیقات کے بعد رپورٹ کی کہ اگرچہ کوئی بھی غداری کا مرتکب نہیں ہوا مگر سب نے انتہائی غفلت برتی۔ بادشاہ نے سب کو معطل کر دیا اور تعذیبی مہم کی سربراہی پر ابوالفضل کے لڑکے عبدالرحمٰن کو مقرر کیا لیکن مغلوں کی انتہائی کوشش کے باوجود بیر سنگھ کو گرفتار نہ کیا جاسکا۔ ایک مرتبہ وہ زخمی بھی ہوا مگر چھالے پڑے ہوئے پیروں سے فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا۔ بندیلوں نے کنووں میں زہر ڈلوا دیا، مغلوں کی رسد روک دی۔ مقابلے کی جنگ سے بچتے رہے اور اپنے دشمنوں کو سخت مشکلات میں مبتلا کر دیا۔ مگر بادشاہ کے عزم میں کسی بات سے کمی نہ ہوئی اور وہ اپنے دوست کے قاتل کو جہاں بھی ملے پکڑ لانے کے لیے اپنی حکومت کے آخری دن تک فوجی کمک بھیجتا رہا۔(19)

---

(17) اسد بیگ وقائع (ایلیٹ وڈاوسن) جلد ششم صفحات156 تا 160 تکمیل اکبر نامہ (ایلیٹ وڈاوسن) جلد چہارم صفحہ 107۔ مآثر جہانگیری (ایلیٹ وڈاوسن) جلد ششم صفحات442 تا 444 جہانگیر (راجرس بیورتج) جلد اول صفحہ 25 محمد ہادی صفحہ 10۔ ابوالفضل کی قبر اب بھی ریاست گوالیار کے موضع انتاری میں موجود ہے۔ ایشیاٹک کوارٹرلی ریویو صفحہ 370۔ خافی خاں جلد اول صفحہ 223 مآثر الامرا بیورتج جلد اول صفحات123،423 گلیڈون صفحہ 8۔

(18) وقائع اسد بیگ (ایلیٹ وڈاوسن) جلد ششم155۔ مآثر الامرا (بیورتج) جلد اول صفحات123،124۔ کہا جاتا ہے کہ اکبر نے برجستہ ایک شعر پڑھا جس کا مطلب یہ تھا "ہمارا شیخ ذوق وشوق، سے ہماری طرف آیا مگر ہمارے قدم چومنے کی خواہش نے اسے سر پیر سے ختم کر دیا۔ "کہا جاتا ہے کہ سلیم نے ابوالفضل کے سر کو ایک گندی جگہ پھنکوا دیا۔

(19) وقائع اسد بیگ (ایلیٹ (وڈاوسن) جلد ششم160 تا 162 تکمیل اکبر نامہ (ایلیٹ وڈاوسن) جلد ششم صفحات108 تا 144۔ مآثر الامرا (بیورتج) جلد اول صفحات 411 تا 412، 423 تا 425۔ جہانگیر (راجرس وبیورتج۔ جلد اول صفحات 24 تا 25۔ اسد بیگ کے تحقیقاتی مشن ہی سے ابوالفضل کے قتل کے مفصل حالات معلوم ہوتے ہیں۔

سلطان سلیمہ بیگم کی کوشش مصالحت

لیکن سب سے بڑا مجرم پدرانہ محبت، حرم شاہی کے اثرات اور سلطنت کے مصالح کی آڑ لے کر انصاف کی زد سے بچتا رہا۔ سلیم قطعی طور پر سنگین سزا کا مستحق تھا لیکن اکبر کی پدرانہ شفقت اور تدبر انصاف کے فیصلہ پر غالب آیا۔ کوئی اور مغل شہزادہ ایسانہ تھا جو عمر اور اہلیت کے لحاظ سے جانشینی کے لیے نامزد کیا جاسکتا۔ دانیال بد چلن شرابی نوجوان تھا اور تیزی سے قبر کی طرف جارہا تھا۔ سلیم کے لڑکے بہت کم عمر تھے اور ان میں سے کوئی جانشیں کیا جاتا تو خانہ جنگی کی ہولناکی اور ولایت کو دقتوں سے دوچار ہونا پڑتا۔ مزید برآں سلیم کی سزائے موت سے حرم شاہی میں سخت طوفان برپا ہو جاتا۔ اپنی تمام ترکمزوریوں کے باوجود وہ اپنی دادی اور اپنی لائق و فائق سوتیلی ماں بیگم سلیمہ سلطان کا نور نظر تھا۔ سلیمہ سلطان بیگم اپنی علیت، دانشمندی اور ہوشیاری کی وجہ سے خدیجہ عصر کے امتیاز سے سرفراز تھیں(20)۔ ابوالفضل کے قتل کے چند ہی ماہ بعد اس نے پیش کش کی کہ صلح صفائی کی کوشش کے لیے وہ الہ آباد آجائے۔ شہزادہ نے دو منزل آگے بڑھ کر اس کا عزت واحترام کے ساتھ استقبال کیا۔ سلیمہ سلطان نے اسے فرض شناسی اور اطاعت شعاری کی راہ پر لانے کے لیے آمادہ کرنے میں اپنی انتہائی قابلیت اور اثر کو استعمال کیا اور وعدہ کیا کہ وہ بادشاہ سے اس کا قصور معاف کرانے کے لیے پیروی کرے گی۔

سلیم کی آگرہ چلنے پر آمادگی

سلیم کے نوجوان دوستوں نے اس سے اصرار کیا کہ وہ اپنی خود مختاری کے منصوبہ پر قائم رہے لیکن بیگم کا نیک مشورہ غالب رہا۔ وہ اپنے نور نظر کے ساتھ آگرہ روانہ ہوئی اور مریم مکانی کی شرکت سے یہ انتظام کیا کہ باپ بیٹوں میں جہاں تک ممکن ہو پوری طرح سے صلح صفائی ہو جائے۔ اٹاوہ سے سلیم نے اکبر کو خط لکھا کہ وہ اپنے حال کے طرز عمل پر معافی کا خواستگار ہے اور یہ امید ظاہر کی کہ وہ عنقریب حاضر ہو کر قدم بوسی کرے گا۔ مریم مکانی نے ایک منزل آگے آکر اس کا استقبال کیا۔ بزرگ خاتون نے جب اپنے شاہ خرچ پوتے کو گلے لگایا جس نے تین سال پہلے نافرض شناسی سے اس سے بے رخی برتی تھی تو وہ بڑا پر اثر منظر تھا۔ شہزادہ کو اس نے خود اپنے ایوان میں ٹھہرایا اور شہزادہ نے درباری منجموں سے خواہش کی کہ وہ اپنے باپ سے ملنے کا سعید وقت بتائیں لیکن اکبر نے کہا کہ میں ماں باپ کی ملاقات کے لیے ہر وقت سعید ہے۔

باپ بیٹے میں مصالحت اپریل۔1606ء

جب اکبر اپنی ماں کے ایوان میں داخل ہوا تو وہ اور سلیمہ سلطان کھڑی ہو گئیں اور سلیم کو باپ کے قدموں میں ڈال دیا۔ چاہنے والے باپ نے اسے گود میں اٹھالیا(21)

---

(20) سلیمہ سلطان بیگم کے حالات کے متعلق دیکھو گلبدن بیگم کا ہمایوں نامہ مرتبہ آئی ایس بیورج صفحات 276 تا 281 جہانگیر (راجرس و بیورج) جلد اول صفحہ 232۔ قاضی خاں جلد اول صفحہ 271۔ دربار اکبری صفحہ 736، وہ بیرم خان کی بیوہ تھی۔

(21) مآثر جہانگیری (مخطوط خدا بخش) صفحات 18، 19 محمد ہادی صفحات 11، 12 تکمیل اکبر نامہ ایلیٹ وڈاوسن، جلد ششم صفحات 108 109 میں سلیم کی بغاوت کو نرم کر کے دکھایا گیا ہے۔ خافی خان (جلد اول صفحات 233 تا 225) نے تمام واقعات مآثر جہانگیری سے لیے ہیں۔ گلبدن صفحہ 7۔ بعد کو جہانگیر نے اس پر فخر کا اظہار کیا کہ اس نے اپنے دوستوں کے مشورہ

باقی اگلے صفحہ پر

شہزادہ نے اپنے 354 ہاتھی نذر کر دیے اور اس طرح جزوی طور پر غیر مسلح ہو گیا۔ اس نے باپ کو ایک ہزار مہر نذر کیے جس کے بدلے میں خلعت مرصع تلوار اور نادر ہاتھیوں سے نوازا گیا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ بادشاہ نے اپنی پگڑی اتار کر اس کے سر پر رکھ دی اور اس کے پھر ولیعہد ہونے کا اعلان کیا عام گیا۔ مصالحت کی ضیافتوں نے آگرہ شہر کو مسرتوں سے بھر دیا (22)

میواڑ کی مہم پھر سے شروع کرنے کا حکم 1603ء

بادشاہ نے شہزادہ کو بری صحت اور مفسد عناصر سے دور رکھنے کے لیے اسے میواڑ کی مہم پر دوبارہ مقرر کر دیا جسے 1599ء میں اسے نامکمل چھوڑ دیا تھا۔ جس روز دربار میں ہند و تقریب فتح (23) منائی جا رہی تھی اسی دن شہزادہ بہت بڑی فوج کے ساتھ روانہ ہوا اور اپنی جائے پیدائش فتحپور سیکری تک گیا لیکن وہاں سے آگے بڑھنے میں سخت پس و پیش کیا۔ جس مہم نے اکبر اور بھگوان داس اور تان سنگھ کو ہرا دیا تھا اس کو انجام دینے میں خود کو ناقابل محسوس کیا ہو گا۔ اس میں فوجی جوش، عمل کا جذبہ، فوجی قیادت کی قابلیت۔ سربراہی کی ذہانت، نظم کی استعداد اور اس خوش تدبیری کا فقدان تھا جو راجپوتوں کی تسخیر اور میواڑ کے بھیل اور پہاڑیوں اور وادیوں پر قابو حاصل کرنے کے لیے ضروری تھی وہ یقیناً فوج اور عوام کی نگاہ میں ذلیل ہو جائے گا اور دشمنوں کے طعن و تشنیع کا نشانہ بنے گا وہ برسوں مرکز سے دور رہے گا اور اتنے برسوں میں اس کی جانشینی اور اس کی زندگی اور مقسوم کا فیصلہ ہو جائے گا۔

فتحپور سیکری سے آگے جانے میں پس و پیش

اگر وہ ان تمام خطرات کو انگیز بھی کر لے تو اسے مرکز سے پوری مدد ملنے میں شبہ ہے۔ چنانچہ فتحپور سیکری میں اس نے فیصلہ کر لیا کہ اب اور آگے نہ جائے گا۔ چونکہ کھلی ہوئی نافرمانی کا مطلب بغاوت ہوتا اس لیے اپنا مقصد حاصل کرنے کے لیے اس نے حیلے بہانوں کا طریقہ اختیار کیا۔ اس نے بار بار شکایت کی کہ شاہی افسران اسے اس مہم کے لیے سوار، توپخانہ اور سامان جنگ مہیا کرنے میں دریغ کر رہے ہیں اور کمک کے لیے وہ انتظار ہی کرتا رہ گیا اور یہ کہ ناکافی فوج سے وہ اپنی شہرت کو خطرہ میں نہیں ڈال سکتا۔ پھر اس نے فوج اور روپیہ کے مبالغہ آمیز مطالبات کرنا شروع کیے اور جب یہ نہیں پہنچے تو اس نے بڑبڑانا شروع کر دیا۔ اس نے عرض کیا کہ مسلسل طلب خود اس کے لیے شرمناک ہے اور بادشاہ سلامت کے لیے پریشان کن ہے۔ اس لیے اسے خود اپنی جاگیر پر جانے کی اجازت دی جائے تاکہ وہ خود اپنے وسائل سے مہم کے لیے پورا بندوبست کرے۔

باقی حاشیہ ... 21 پر سلطان سلیم بیگم کی رائے کو ترجیح دی اور اپنے باپ کے خلاف بغاوت سے ہمیشہ کے لیے توبہ کر لی۔ ... وہ اپنی بغاوت کی مذمت کرتے ہوئے اس نے کہا "الہ آباد میں تنگ نظر لوگوں نے مجھ سے بھی اپنے باپ سے بغاوت کے لیے کہا۔ ان کا مشورہ ناقابل قبول تھا کیونکہ میں نے دور رس میں جانتا تھا کہ جس سلطنت کی بنیاد باپ سے دشمنی پر ہو وہ کتنے دن چلے گی۔ معقولیت اور ... اصول پر عمل کرتے ہوئے میں اپنے باپ کی خدمت میں حاضر ہوا جو میرے مقتدر اور میرے دنیاوی خدا ہیں اس نیک مقصد میں مجھ کو فیضان حاصل ہوئی۔ جہانگیر (راجرز و بیورج) جلد اول صفحہ 65۔ نیز دیکھو صفحہ 68۔

(22) تکمیل اکبر نامہ ... جلد دوم صفحہ 401 جلد اول صفحہ 225۔ خافی خان جلد اول صفحہ 225۔

(23) ... تماشی۔

الہ آباد واپسی کی اجازت

سلیم کا ذہنی رجحان بالکل واضح تھا۔ اکبر نے شہزادے کی ایک پھوپھی بخت النساء کو اسے سمجھانے کے لیے بھیجا مگر اس میں ناکامی ہوئی۔ اکبر کا خیال نرم تدابیر پر مائل تھا اور اس نے اپنے مشیروں کے بہتر فیصلہ کے بر خلاف سلیم کو اجازت دے دی کہ وہ الہ آبادی واپس جائے اور پھر جب جی چاہے حاضر دربار ہو جائے۔ (24)

پھر خود مختاری کا اعلان

10/ نومبر 1603ء کو سلیم متھرا ہوتا ہوا، الہ آباد پہنچا۔ (25) اپنے باپ کی مصالحت کی خوشی میں اس نے جشن منانے کا حکم دیا مگر الہ آباد کے ماحول نے جلد ہی پھر اس پر اپنا اثر ڈالا اور آزادی کا دربار پھر سجایا گیا۔ غیر معمولی فیاضی سے پسندیدہ لوگوں اور کاسہ لیسوں کو خطابات اور جاگیریں دی گئیں۔

یکہ و تنہا اکبر

حالات جس طرح ابتر ہو رہے تھے اس سے اکبر کو بڑا دکھ تھا۔ اس کی صحت کچھ دنوں سے تیزی کے ساتھ گرتی جا رہی تھی۔ چالیس سال کی مسلسل سرگرمیوں نے اب اس کی کمر توڑ دی تھی۔ اس کے اکثر قریبی دوست اور ہم صحبت گذر گئے تھے۔ اس کی بھرپور زندگی میں یکے بعد دیگرے خلا ہوتا گیا۔ راجہ بیربل پیدائشی مزاحیہ قصہ گو 1586ء میں یوسف زئی قبیلہ کے مقابلہ میں کام آگیا۔ تین سال بعد ہندوستانی مالیہ کا تاجدار راجہ ٹوڈر مل اور بہادر فیاض جنرل راجہ بھگوانداس چالیس دن کے اندر ہی دونوں فوت ہو گئے۔ 6/ اگست 1593ء کو مذہبی نقطہ خیال کا زبردست علمبردار اور ابوالفضل اور فیضی کا باپ شیخ مبارک نوے سال کی طویل عمر پا کر فوت ہو گیا۔ خود فیضی دربار کا شاعر اعظم اور زبردست اہل علم 4/ اکتوبر 1595ء کو اپنے باپ کے بعد اس دار فانی سے کوچ کر گیا۔ سب سے آخر میں سب سے عظیم سانحہ 1604ء میں پیش آگیا کہ ابوالفضل وسط ہند کے جنگل میں بے دردی سے قتل ہوا۔ (26) اور اس

---

(24) تکمیل اکبر نامہ ایلیٹ وڈاوسن، جلد ششم صفحہ 110۔ محمد ہادی صفحات 12 تا 13۔ خافی خاں جلد اول صفحات 225 تا 226 مآثر جہانگیری (مخطوطہ خدابخش) صفحات 20 تا 21۔

فتحپور سیکری کے دوران قیام میں زیویر دو مرتبہ اس سے ملنے آیا اور اس کا پرجوش استقبال کیا گیا۔ شہزادہ ہمیشہ کی طرح عیسائیوں کا بڑا دوست اور تثلیث کا احترام کرنے والا تھا۔ سخت شراب نوشی کا وہ اب بھی عادی تھا۔ زیویر کا بیان ہے کہ "جب میں اس سے رخصت ہوا تو شہزادہ نے گرجا کے لیے مجھے پانچ سو روپے دیئے۔ شہزادہ کی نشست ذرا اونچی تھی اور جب میں اس کی قدم بوسی کے لیے بڑھا تو اس نے مجھے ایک عزیز بھائی کی طرح گود میں اٹھالیا۔ اور مجھ سے التجا کی کہ حضرت مسیح سے اس کے حق میں پرزور سفارش کروں۔" دیکھو میکلاگن صفحات 61 تا 62۔

ان ملاقاتوں کا ذکر 6/ ستمبر 1604ء کے ایک خط میں ہے مگر چونکہ مورخین نے سلیم کے دوبارہ فتحپور سیکری کے قیام کا ذکر نہیں کیا ہے اس لیے یہ ملاقاتیں 1603ء میں ہوئی ہوں گی۔

(25) زیویر ایمیکلاگن صفحات 91 تا 92) کا بیان ہے کہ شہزادہ نے آگرہ سے اس لیے گریز کیا کہ وہ دوبارہ جال میں پھنسنا نہیں چاہتا تھا۔ یہ نہیں معلوم کہ پہلے وہ کس جال میں پھنسا تھا۔

(26) ان سب کے حالات زندگی کے لیے دیکھو مآثر الامراء' دربار اکبری' بلوکمین روبتل۔

سے بھی زیادہ درد انگیز وہ حالات تھے جن میں اس کی موت واقع ہوئی۔ سلیم سارے خاندان کا منظور نظر عیاشی، شراب خواری اور بغاوت میں مبتلا تھا اور ناعاقبت اندیش ہم صحبتوں کے کٹ پتلی بنا ہوا تھا۔ مراد پہلے ہی بحالت زار ذلت کی قبر میں دفن ہو چکا تھا۔ دانیال تیزی سے قعر مزلت کی طرف بڑھتا چلا جا رہا تھا۔ یہ نوجوان جن کے باپ کو ضعیف العقیدہ عوام الناس نے خداوندی کے درجہ تک پہنچا دیا تھا۔ اس کے لڑکوں کا چال چلن ایسا شرمناک تھا۔ اس بے یار و مددگار حالت میں اکبر کے ذہن میں ان مایوسیوں کی کسک تھی جن سے اسے سابقہ پڑا تھا اور وہ ناسپاسی اور بے وفائی جس سے وہ دوچار تھا۔ اس کی ذہنی اذیت نے واضح طور پر اس کے قوائے جسمانی کو متاثر کیا۔ جب اس کا آخری وقت نظر آنے لگا تو اس کی جانشینی کے سوال نے سخت اہمیت حاصل کر لی۔

سلیم کو محروم کرنے کی سازش

مغلوں کی تاریخ میں ایک مرتبہ اولاد اکبر کو ہنسی خوشی اور میل جول سے تخت سلطنت پر بیٹھنے کا موقع مل گیا ہوتا مگر خود سلیم کی بد چلنی کی عادات اور ناعاقبت اندیشی نے ان سب کے دلوں میں جو سلطنت کے جاں نثار تھے سخت اندیشے پیدا کر دیے۔ جو شخص عیاشی اور شراب خوری میں غرق ہو، اخلاقی کمزوریوں میں مجرمانہ حد تک مبتلا ہو، خود غرضانہ اور تنگ نظرانہ مشوروں کا غلام ہو، قابل نفرت، بے وفائی کار جحان رکھتا ہو، حکومت کے لیے بے قرار ہو، فوجی قیادت اور تدبر سے بالکل ناآشنا ہو، ایک شفیق اور محبت کرنے والے باپ کا ناشکرا ہو اور ایک دل و جان سے محبت کرنے والی ماں اور دادی کی التجاؤں کی پروانہ کرے اس سے کیا توقع کی جا سکتی ہے۔ اکبر نے سلطنت کو عظمت اور خوش حالی کے اعلیٰ ترین عروج پر پہنچا دیا تھا۔ کیا اسے ایک ایسے شخص کی خاطر جو عوام کی شکر گزاری کا بالکل مستحق نہ ہو، مصیبت اور انتشار میں مبتلا ہو جانے دیا جائے؟ پرانے امراء میں جو باقی رہ گئے تھے انھیں سلیم کی جانشینی پر اپنے منصب سے گر جانے کا اندیشہ نظر آیا۔ جس منصب کو انہوں نے عزت کے ساتھ اور سلطنت کی شان بڑھا کر انجام دیا اسے خود غرض کم عقل لوگ حاصل کر کے رسوا کریں گے۔ مفاد عامہ کا جذبہ اور ذاتی مفاد دونوں نے مل کر یہ منصوبہ بنایا کہ سلیم کو محروم کر کے کسی ایسے شخص کو جانشین کریں جو سلطنت کی روایات کو برقرار رکھے اور بڑے بوڑھے تجربہ کار دانشمندوں کا جو شاہی خدمت گزار ہیں احترام کرے۔ دانیال کا سوال نہ تھا۔ اس لیے نظر انتخاب سب سے بڑے لڑکے خسرو پر پڑی جو اب سترہ سال کا ہو چکا تھا اور خون کے رشتہ سے سلطنت کے عظیم ترین امراء سے وابستہ تھا۔ وہ راجہ مان سنگھ کا بھانجا اور مرزا عزیز کوکا کا داماد تھا۔

راجہ مان سنگھ

1562ء میں اکبر کی مریم الزمانی سے شادی نے کچھواہہ خاندان کو امرائے شاہی میں بلند ترین درجہ اور رسوخ پر پہنچا دیا تھا۔ کسی امیر یا راجہ کی اکبر نے راجہ بھارمل سے زیادہ عزت افزائی نہیں کی۔ اس کے لڑکے بھگوان داس نے قابلیت اپنے باپ سے ورثہ میں پائی تھی اور 1569ء میں اس کا جانشیں ہوا۔ اس نے گجرات، میواڑ، کشمیر اور افغانستان کی کئی مہموں میں امتیاز حاصل کیا تھا۔ شجاعت اور فوجی قیادت کے ساتھ اس میں صحیح راجپوتی خودداری اور اپنی بات کا پاس بھی تھا اور ٹھیک راجپوتی جذبہ خطرہ اور موت سے

بے خوفی کا رکھتا تھا۔ اس نے مغل خاندان سے پھر اپنا رشتہ استوار کیا اور اپنی لڑکی کی شادی اتنے شان و شکوہ سے کی جس نے دنیا کے سب سے زیادہ دولت مند حکمران کے دولت مند ترین امرا کی آنکھوں کو خیرہ کر دیا۔ اسے پانچ ہزار کے منصب تک ترقی حاصل ہوئی جو قریب ترین عزیز شہزادوں کے علاوہ کسی کو نہیں حاصل ہوا تھا۔ 1579ء میں اس کی دولت، ریاست اور رسوخ اور منصب اس کے لے پالک لڑکے کنور مان سنگھ کو ملا جس نے بچپن ہی سے اپنے گہرے سپاہیانہ رجحان کا اظہار کر دیا۔ اس کی دلیرانہ جرأت، رستمانہ شجاعت اور مدبرانہ ہوشمندی گجرات، میواڑ، افغانستان اور بنگال کی جنگوں میں یادگار ہو گئی تھی۔ اکبر سے اسے بے پناہ عقیدت تھی اور اس کے لیے وہ انتہائی مصیبت اور ہر طرح کے ضرر کو جھیل سکتا تھا۔ پچھلے چند برسوں سے وہ شورہ پشت بنگال کا گورنر تھا جس کی شورش فرو کرنے کے بعد وہ دربار میں حاضر ہوا اور اسے سات ہزار کے منصب پر ترقی دے دی گئی۔ (27) بنگال سے واپسی سے پہلے ہی اس نے خان اعظم مرزا عزیز کوکا سے جو سلطنت کا سب سے امیر تھا رشتہ اتحاد استوار کر لیا تھا۔

مرزا عزیز کوکا

عزیز اکبر کا دودھ شریک بھائی ساتھ کا کھیلا ہوا اور گہرا دوست تھا۔ اسے حسن اتفاق سے جو عظمت حاصل ہو گئی تھی اسے وہ باعزت طور پر نباہ نہ سکا۔ اس کا ذوق نفس پرستانہ تھا۔ مزاج تشدد پسند، حاضر جوابی میں تیز اور زبان زہریلی اور بے باک۔ جب اس کے جذبات بھڑکتے تھے تو وہ نہ صرف سخت کلامی اور تشدد پر اتر آتا تھا بلکہ قطعی چالاکی اور غداری پر بھی۔ اکثر موقعوں پر اس نے اکبر کو سخت ناراض کیا مگر اکبر کی عظیم المرتبت شخصیت نے سب کچھ برداشت کیا۔ اکبر کہتا تھا کہ "میرے اور عزیز کے درمیان دودھ کا رشتہ ہے جو کبھی خشک نہیں ہوتا" جب عزیز نے اکبر کو اس کی مذہبی بدعنوانیوں پر برا بھلا کہا اور ناراض ہو کر مکہ معظمہ چلا گیا تو اکبر نے اس کے عزیزوں اور متعلقین کی پورے طور پر سرپرستی کی۔ لیکن عزیز کا مذہبی جوش اس وقت ٹھنڈا پڑ گیا جب اس مقدس مقام کے دیوتاؤں نے اس کا خون چوسنا شروع کر دیا۔ جب وہ ہندوستان واپس آیا تو اس کے آقا نے محبت کے پورے جوش کے ساتھ اس کا استقبال کیا۔ اب اس نے اس جماعت میں شامل ہونے سے مطلق تامل نہ کیا جس کے ممبروں نے یہ قسم کھائی تھی کہ وہ اپنی جان اور مال اور عزت حتی کہ مذہب تک اکبر پر قربان کر دیں گے اس میں استعداد کی بھی کمی نہ تھی۔ فوجی کمانڈر کی حیثیت سے اس کی ہوشمندی کا ہر ایک کو اعتراف تھا۔ وہ ممتاز مصنف اور خوش تقریر تھا جو وسیع جاگیر اور مشاہرہ اسے ملتا تھا اس کا ایک حصہ وہ قابل ادیبوں کی سرپرستی میں صرف کرتا تھا۔ اس نے اپنی لڑکی کی شادی سلطان خسرو سے کی تھی اور اسے خسرو کے تخت نشین ہونے کی جو تمنا تھی وہ بالکل حق بجانب تھی۔ کہا جاتا ہے کہ وہ اکثر کہتا تھا کہ "میں چاہتا ہوں کہ قسمت میرے داہنے کان میں اس کے حکمراں ہونے کی

---

(27) مان سنگھ کے حالات زندگی کے لیے دیکھو مآثر الامرا جلد دوم صفحات 160، 170، بلوکمین صفحات 539 تا 541۔ اس کے کارناموں کے لیے دیکھو اکبر کے عہد حکومت کی کوئی تاریخ۔ نیز ٹاڈ کی انلس اینڈ انٹی کوئی ٹیز آف راجستھان۔ امبر کے گویوں اور شاعروں نے مان سنگھ کے کارناموں کو اس طرح بیان کیا ہے جیسے کسی خود مختار حکمراں نے انجام دیئے ہوں۔ کہا جاتا ہے کہ اس کی ڈیڑھ ہزار بیویاں تھیں اور چار ہزار لڑکے لڑکیاں لیکن اس میں سے بیشتر بچپن ہی میں فوت ہو گئے۔

خوشخبری دے اور بائیں کان سے میری روح نکال لے۔(28)

سلطان خسرو

خسرو سترہ سال کا جوان تھا۔ بہت خوبصورت اور خوشگوار اطوار کا بے داغ چال چلن کا۔ اس تربیت کی نگرانی خود اکبر نے کی تھی۔ اس کی تعلیم ابوالفضل جیسے فاضل اجل کے ماتحت شروع ہوئی تھی جس کی مدد پر اس کا عالم و فضال بھائی ابوالخیر تھا۔ کچھ دنوں راجہ مان سنگھ اس کا سرپرست رہا تھا۔ ایک ذی علم برہمن شیو بھٹ عرف بھٹا چارجی نے اسے ہندو علوم سے آشنا کر دیا تھا۔ دربار کے ماحول نے اس میں غیر معمولی ذہانت اور آزاد خیالی پیدا کر دی تھی۔ اپنے باپ اور چچاؤں کے بدنام کن اطوار کے برخلاف خسرو کی عام خوبیاں غیر معمولی طور پر بڑی قابل قدر تھیں جو سیاسی جھگڑے اس کے گرد پیش ہو رہے تھے ان سے اس میں حصول اقتدار کے وہ بخوشی اپنے چچا اور خسرو کی جماعت میں شامل ہو گیا جو اسے تخت نشین کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔(29)

شاہ بیگم کی خودکشی 16/ مئی 1604ء

خسرو پورے جوش و خروش کے ساتھ اس سازش میں شریک ہو گیا اور اکثر اپنے باپ کو برا بھلا کہنے لگا۔ اس کے لڑکے اور شوہر میں جو تنازعہ تھا اس سے اس کی ماں کو انتہائی خلش ہوئی اس نے بار بار خسرو کو لکھا کہ وہ سلیم کا ساتھ دے اور اس کے دشمنوں سے قطع تعلق کر لے لیکن خسرو کے دماغ پر حکومت کا جو نشہ چڑھا تھا اسے وہ کسی طرح اتار نہ سکی۔ اس کی دلی اذیت اس وقت اور بڑھ گئی جب اس نے یہ سنا کہ اس کا بھائی مادھو سنگھ بھی اس جماعت میں شامل ہو گیا جو اس کے شوہر کے خلاف ہے۔ اسے مزاج کی محزونیت ترکہ میں ملی تھی جس میں دماغی عدم توازن بھی شامل تھا اور جسے اس کے شوہر کی بد چلنی اور کثرت ازدواج کے گھرانے کے جھگڑوں نے اور تلخ کر دیا تھا۔ چنانچہ یہ دوہری اذیت شاہ بیگم کے دماغ کی برداشت سے باہر تھی۔ اکثر اوقات وہ خلل دماغ کے دورے میں مبتلا ہو جاتی تھی۔ آخر کار حالات کو سدھارنے اس کی ناکامی اور اس کی ناقابل برداشت اذیت اور صعوبت نے اسے خودکشی کرنے پر آمادہ کر دیا۔ 16/ مئی 1603ء کو صبح کے وقت سلیم کو یہ پیام بھیج کر شکار سے واپس بلایا گیا کہ اس کی چہیتی بیگم نے بڑی مقدار میں افیون کھالی ہے اور تشنج کے دورے میں تڑپ رہی ہے لیکن سلیم کے پہنچنے سے پہلے ہی

---

(28) عزیز کوکا کے حالات زندگی کے لیے دیکھو اقبال نامہ صفحہ 230 جس سے خافی خان نے کافی استفادہ کیا ہے۔ جلد اول صفحہ 20 مآثر الامراء (بیورج) جلد اول صفحات 319۔335۔ بلوکمین صفحات 335 تا 338۔ دربار اکبری صفحہ 739۔ نیز دیکھو منتشر حالات کے لئے ابوالفضل نظام الدین و بدایونی 1571ء میں عزیز کوکا نے اکبر اور اس کے ہمراہیوں کی شاندار ضیافت کی۔ صغیر سن شہزادہ سلیم بھی اکبر کے ساتھ تھا جسے خسرو نے قیمتی جواہرات تحفہ میں دیے ہیں۔

(29) خسرو کے حالات زندگی کے لیے دیکھو اکبر نامہ جلد سوم صفحات 523، 64، 547، 839، عمل صالح نیری کا سفر نامہ صفحہ 411 پن ہیرو جو اکبر کے دربار میں جزویٹ مشن کا تیسرا رکن تھا وہ 1595 کا ایک خوش کن مگر غیر اہم واقعہ بیان کرتا ہے کہ پن ہیرو نے بادشاہ کو حضرت مسیح اور مریم عذرا کی ایک تصویر دکھائی۔ وہ کہتا ہے کہ "جب ہم نے یہ متبرک تصویر دیکھی تو ہم گھٹنوں کے بل جھک گئے اور یہ دیکھ کر کہ بادشاہ کا دس سالہ پوتا شہزادہ کا لڑکا بھی جھک گیا اور دونوں ہاتھ جوڑ لیے جس پر بادشاہ بہت خوش ہوا اور شہزادہ سے کہا "ذرا اپنے لڑکے کو دیکھو"۔ میکلاگن صفحہ 65۔ خسرو کی عمر اس وقت آٹھ سال کی تھی۔

سب کچھ ختم ہو چکا تھا(30) اسے اسی تفریحی باغ میں دفن کیا گیا جس میں چند سال بعد اس کے لڑکے خسرو کی قبر بنی اور جواب بھی خسرو باغ کے نام سے مشہور ہے۔(31)

اکبر کا تعزیت کا خط

خانگی رنجشوں کی اس سب سے بڑی مصیبت نے کچھ دنوں کے لیے سلیم کے حواس معطل کر دیئے اور اکبر نے اسے ہمدردانہ تعزیت کا خط لکھا۔(32)

سلیم کا ظلم

لیکن اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سلیم کے مزاج کی درشتی ہمیشہ سے زیادہ بڑھ گئی اس چھوٹے دربار کے جھگڑوں سے تنگ آکر بہادر عبداللہ خاں نے کنارہ کشی اختیار کی (33)، اور سلیم کا غصہ بے پناہ بڑھ گیا۔ اس نے اپنی پریشانیوں کو شراب اور افیون میں غرق کر دینے کی کوشش کی مگر علاج مرض سے بھی بدتر ثابت ہوا۔ اس کی اس زمانہ کی حرکات اس کی شہرت پر سب سے زیادہ بدنما داغ ہیں۔ ذرا ذرا سی بات پر وہ آپے سے باہر ہو جاتا اور فوراً وحشیانہ ظلم پر اتر آتا(34) ایک نہایت قابل نفرت واقعہ نے دنیا پر ثابت کر دیا کہ اس کا فطرتاً نرم دل اس بے رحمی کی حد تک پہنچ گیا تھا جو انتہائی ظلم کی قسم تھی۔

ایک شرمناک واقعہ

ایک وقائع نگار جس پر پہلے ہی سے سلیم کے قتل کی سازش میں شرکت کا شبہ تھا۔ شہزادے کے ایک مقرب خواجہ سرا پر عاشق ہو گیا اور اسے لے کر بھاگ گیا۔ اس نے جنوب کا راستہ اختیار کیا شاید شہزادہ دانیال کی پناہ میں جانے کے خیال سے جیسے ہی اس کے فرار کی اطلاع ملی ایک جماعت تیز رفتار سواروں کی اس کے تعاقب میں روانہ کر دی گئی۔ اپنی روانگی کے چھٹے دن وہ پکڑا گیا اور الہ آباد لایا گیا۔ ایک اور شخص بھی اس سازش میں شریک پایا گیا۔ شہزادہ نے غصہ کی حالت میں یہ حکم دیا کہ تین میں سے ایک کو

---

(30) اکبر نامہ ایلیٹ وڈاوسن، جلد ششم صفحات 112 نے غلطی سے اس خودکشی کو اس کی ایک سوت کے جھگڑے سے منسوب کیا ہے۔ جہانگیر (راجرس بیورتج) جلد اول صفحات 55 تا 56۔ خافی خاں (جلد اول صفحہ 227) نے اس کی موت غلطی سے 1011ھ میں لکھی ہے۔ مآثر الامرا (بیورتج) جلد اول صفحات 400 بیورتج (جنرل آف رائل ایشاٹک سوسائٹی 1807ء صفحہ 62 عجیب بات ہے کہ سوبل ڈسٹرکٹ گزیٹر جلد 23 مطبوعہ الہ آباد صفحہ 169 کا بیان ہے کہ خسرو کی حمایت پر اس کی ماں تھی۔

(31) یہ باغ الہ آباد ریلوے اسٹیشن سے ذرا فاصلہ پر آج بھی ہے اور اچھی حالت میں ہے۔ البتہ قبروں کی معقول حفاظت نہیں ہوتی۔ شاہ بیگم کی قبر مغرب کی طرف تیسری عمارت میں ہے جس میں علاوہ شاہ بیگم کی قبر کے کئی اور چھوٹی چھوٹی قبریں ہیں۔ شاہ بیگم کی قبر تو ویسی ہی خوبصورت اور شاندار نہیں لیکن اس کے اوپر ایک بہت خوبصورت چھوٹی سے عمارت ہے۔ اس کے کتبے اور ترجمہ کے لیے دیکھو بیورتج (جنرل آف رائل ایشیاٹک سوسائٹی 1907ء صفحہ 604۔ نیز بیل کی مفتاح التواریخ صفحہ 334۔ نیز جلد دوم 443 جرے کی ہینڈ بک فار بنگال صفحات 203 تا 204 میں کئی غلطیاں ہیں۔

(32) جہانگیر (راجرس و بیورتج) جلد اول صفحات 55 تا 56 اکبر نامہ ایلیٹ وڈاوسن، جلد ششم صفحہ 112 خافی خان جلد اول صفحہ 227۔

(33) محمد ہادی صفحہ 13 خافی خاں جلد اول صفحہ 227۔ مآثر الامرا (بیورتج) جلد اول صفحہ 97۔

(34) تکمیل اکبر نامہ ایلیٹ وڈاوسن، جلد ششم صفحات 112 تا 113 خافی خاں جلد اول صفحات 227 تا 228۔

سختی سے پیٹا جائے، ایک کو آختہ کر دیا جائے اور ایک کی کھال کھینچ لی جائے۔

اکبر کو یہ سن کر کہ شہزادہ اتنی وحشیانہ حرکت کا مرتکب ہوا، سخت صدمہ ہوا اور سخت فہمائش کے خط میں اس نے لکھا کہ وہ خود تو مردہ بکرے کی کھال کھینچتے ہوئے نہیں دیکھ سکتا۔ شہزادہ نے زندہ آدمی کی اپنے سامنے کھال کھینچتے ہوئے دیکھنا کیسے گوارہ کیا۔(35)

سلیم کی یہ حرکت یقیناً ناقابل دفاع تھی مگر انصاف کی بات یہ ہے کہ ملزمین نہایت کریہہ اصلاحی جرم اور بدترین غداری کے مرتکب ہوئے تھے۔ قابل لحاظ بات یہ ہے کہ شہزادہ نے کھال کھینچنے کی وحشیانہ سزا جس کی سخت مذمت کی صرف اسی موقع پر دی تھی ورنہ اور کبھی اس سے ایسی قابل نفرت حرکت سرزد نہیں ہوئی تھی جو انسانیت کو ذلیل کرنے والی ہو یعنی دوسرے کی اذیت دیکھ کر خوش ہو۔

سلطان دانیال

اگر سلیم کے غیض و غضب کے مستحق تعاقب کرنے والوں کے ہاتھ نہ آتے تو بھی وہ زیادہ دن محفوظ نہیں رہ سکتے تھے۔ سلطان دانیال ذلت کے انجام کے آخری دوروں میں مبتلا تھا۔ اس کے بچپن سے تو یہ ظاہر ہوتا تھا کہ اس کی جوانی خوشگوار اور شاندار ہوگی۔ اسے مضبوط جسم و دماغ ملا تھا۔ خوبصورت ناک و نقشہ، پسندیدہ اطوار اور بات چیت کا دل کش انداز، ورزش نے اس کی صحت بہتر کر دی تھی وہ بہت اچھا شکاری تھا اور گھوڑے ہاتھیوں کا شائق، اس کی تعلیم رائیگاں نہیں گئی تھی۔ وہ ہندی گانوں سے خوش ہوتا تھا اور ہندی شاعری کی کسی قدر مہارت حاصل کر لی تھی۔ اس کی شادی عبدالرحیم خاں خاناں کی لڑکی سے ہوئی تھی اور یہ توقع تھی کہ شہزادہ پر اس کا خوشگوار اثر ہوگا۔

دانیال کی شراب نوشی

لیکن جوانی کے قریب پہنچ کر وہ شراب نوشی اور عیاشی میں مبتلا ہو گیا۔ اکبر نے اسے ایک ذمہ داری کے منصب پر مقرر کیا مگر حسن اور شراب کی کشمکش نے کام کو بھی پس پشت ڈال دیا جب اسے دکن کا کام سپرد کیا گیا تو وہ شراب نوشی میں بالکل غرق ہو گیا۔ عبدالرحیم کی سمجھانے بجھانے کی ساری کوششیں بیکار گئیں۔ اکبر نے دور بیٹھے ہوئے نصیحتیں کیں مگر بے کار ہوئیں۔ اکبر نے اسے دربار میں طلب کیا مگر شہزادے نے فرمان کی تعمیل نہ کی۔ اکبر نے عبدالرحیم پر بھی بے پروائی کا الزام لگایا اور اسے فہمائش کی کہ شہزادے کی اصلاح کی پھر سے کوشش کرے لیکن نوجوان شہزادہ سدھرنے کی حد سے گذر چکا تھا۔ 1604ء میں اکبر کے بھائی ابوالخیر کو بھی بھیجا کہ جس طرح ممکن ہو دانیال کو دربار میں لے آئے مگر اب وہ حرکت کرنے سے بھی معذور ہو چکا تھا۔ عبدالرحیم نے اس کی شراب کی رسد بند کر دی اور ممانعت کے لیے سخت پہرہ بٹھا دیا مگر شہزادہ رونے اور واویلا کرنے لگا اور محافظوں سے التجا اور منت سماجت کی اور رشوت بھی دی کہ کسی نہ کسی طرح شراب لا دیں۔ بعض محافظ اتنے ضعیف الاخلاق یا ذلیل تھے کہ وہ اپنی پگڑیوں میں چھپا کر شراب کی بوتل لائے اور سب سے بدتر یہ کہ بندوق کی نال میں بھر کر لائے خصوصاً مرشد علی خاں دو آتشہ پرانی شراب دونالی بندوق کی نال میں بھر کر لاتا اور بارود کی نلکی میں بھر کر جس کے اثر کو مذاق میں جنازے کی طرح کا کہا گیا تھا۔

---

(35) محمد ہادی صفحہ 14 خافی جلد اول صفحات 228 227 تکمیلہ دن صفحہ 9۔

موت

اس شراب کی تیزی نے زنگ کو کھلا دیا اور شہزادے کی یقینی موت کو اور قریب کر دیا۔ چالیس دن کی مختصر بیماری میں وہ اپریل 1504ء میں فوت ہو گیا۔ (36)

اکبر کی الہ آباد کو روانگی

اس رنج دہ واقعہ نے سلیم کے راستہ سے ایک اور رقیب کو ہٹا دیا مگر سلیم برابر اپنی بد چلنی اور غداری کی راہ پر چلتا رہا اور آخر کار اکبر کا پیمانہ صبر لبریز ہو گیا۔ اگست 1604ء میں بادشاہ نے اپنی بیماریاں اور حرم کے جذبات کے نظر انداز کر کے یہ تہیہ کر لیا کہ شہزادہ کو بزور قوت اطاعت شعاری کی راہ پر لایا جائے اور آگرہ میں رکھا جائے تاکہ وہ الہ آباد کے برے اثرات سے دور رہے۔ سلیم گھبرا گیا مگر قسمت نے اسے پبلک میں ذلیل ہونے سے بچا لیا۔ اکبر کی کشتی دریائے جمنا میں زیادہ دور نہیں گئی تھی کہ وہ ایک ٹیلے سے ٹکرا گئی اور بری طرح اس میں دھنس گئی۔ دوسری کشتی منگا کر سفر جاری رکھا گیا مگر عین اس وقت موسلا دھار بارش ہو گئی جس سے سارا قرب وجوار ایک وسیع جھیل بن گیا اور فوج کی نقل و حرکت ناممکن ہو گئی۔

مریم مکانی کا انتقال

اسی اثنا میں یہ خبر آئی کہ بیوہ ملکہ کی علالت نے تشویش ناک صورت اختیار کر لی ہے۔ بادشاہ نے فوراً ایک آدمی روانہ کیا جس نے واپس آ کر یہ خبر دی کہ ملکہ کی نزع کی حالت ہے۔ اکبر تیزی سے آگرہ کی طرف واپس ہوا مگر جب وہ پہنچا تو معزز ملکہ کی زبان بند ہو چکی تھی۔ چند گھنٹہ بعد سب کچھ ختم تھا۔ (37)

سلیم کی معذرت

اکبر کو سخت صدمہ ہوا اور سارا دربار سوگ میں مبتلا ہو گیا (38) الہ آباد کہ مہم کا کچھ دنوں کے لیے کوئی سوال نہ رہا مگر خوش قسمتی سے اب اس کی ضرورت بھی نہ رہی۔ فوجی قوت کے مظاہرہ نے سلیم کو

---

(36) جہانگیر (راجرس بیورج) جلد اول صفحات 34 تا 36۔ فیضی سرہندی کا اکبر نامہ (ایلیٹ وڈاؤسن) جلد ششم صفحہ 146۔ تکمیل اکبر نامہ (ایلیٹ وڈاؤسن) جلد ششم صفحہ 113، 114 خافی خان جلد اول صفحہ 228 خلاصۃ التواریخ (دہلی ایڈیشن) صفحہ 438 کہا جاتا ہے کہ دانیال نے اپنی مرغوب بندوق پر ایک شعر کندہ کر دیا تھا۔

تیرے ساتھ شکار کی مسرت میں زندگی نئی اور تازہ دم ہو جاتی ہے
جس کسی پر بھی تیرے تیر کا نشانہ لگے وہ جنازہ کے مانند ہے

(37) فارسی مورخین نے یہ ظاہر کرنے کی کوشش کی ہے کہ اکبر کی مہم محض نصیحت اور فہمائش کے لیے تھی۔ مگر معاصر حالات اور جزوبیت مصنفین کی واضح شہادت سے اس مہم کی فوجی نوعیت میں کوئی شک وشبہ باقی نہیں رہتا۔ خاص کر یہ امر قابل لحاظ ہے کہ اصلاح کے لیے پرامن کوشش کی مریم مکانی کبھی مخالفت نہ کرتی۔ دیکھو تکمیل اکبر نامہ (ایلیٹ وڈاؤسن) جلد ششم صفحہ 133 محمد ہادی صفحات 14 و 15۔ مآثر جہانگیری (مخطوطہ خدابخش) صفحہ 32 (ب) خافی خاں جلد اول صفحات 228 تا 230 وولایت (ترجمہ کیتھ برج) کلکتہ ریویو 1873ء نمبر 113 صفحہ 199 بلاکمن صفحہ 96)

(38) بادشاہ اور اس کے درباریوں نے اپنے سر اور داڑھی مونچھ منڈوا دیے اور کئی قدم تک جنازے کو لے جانے میں مدد کی۔ مریم مکانی کو دہلی میں اپنے شوہر کی قبر کے پاس دفن کیا گیا۔ تکمیل اکبر نامہ (ایلیٹ وڈاؤسن) جلد ششم صفحہ 113)

خوفزدہ کر دیا تھا اور مریم مکانی کی موت نے اسے اس کے سب سے بڑے سفارشی سے محروم کر دیا تھا اور سلیم نے یہ دس دن ذلت و رسوائی میں بسر کیے لیکن جن امراء نے اب تک اس کی حفاظت کی تھی وہ پھر برسرِ کار ہو گئے۔

رہائی

شہزادہ کی سوتیلی مائیں اور بہنیں اس سے ملیں اور اسے تسلی دی اور اس کی حمایت میں اکبر پر پورا زور ڈالا چنانچہ شہزادہ نہ صرف قید سے رہا کیا گیا بلکہ اس کے اعزاز اور منصب میں بھی اضافہ کیا گیا اور اس کی درخواست پر اس کے حمایتی بھی چھوڑ دیئے گئے اکبر نے کوشش کر کے اس کے جذبات کو مجروح نہیں کیا بلکہ اس کے ساتھ ایسا سلوک کیا جیسے دونوں کے درمیان کبھی کوئی خلش نہ تھی۔ (39)

سلیم نے قطعی مصالحت پر اکبر کے زخمی دل کو بڑی تسکین ہوئی لیکن چین اس کی قسمت میں نہ تھا مسلسل جسمانی سرگرمی اور ذہنی کوفت میں اس نے ترسٹھ سال کی زندگی گزار دی تھی۔ پچھلے چند برسوں کے صدمات نے اس کی صحت کو مہلک طور پر متاثر کر دیا تھا۔ اس کی تیزی سے گرتی ہوئی صحت نے جانشینی کے امیدواروں کی رقابت اور تیز کر دی اور سلیم اور خسرو کی کشیدگی کو بدنامی کی حد تک پہنچا دیا 20/ ستمبر 1605ء کو ہاتھیوں کی لڑائی کے سلسلہ میں اتنا جھگڑا ہوا کہ فریقین نے وقار اور تہذیب کے سارے احساسات گم کر دیئے اور اکبر کی زندگی کے دن اور گھٹا دیئے۔

ہاتھیوں کی لڑائی

قرون وسطیٰ کے ہندوستان میں ہاتھیوں کی لڑائی بہت مقبول اگرچہ بڑی بے رحمانہ تفریح تھی۔ (40) اکبر کی بیمار ذہنیت نے اس سے شگون لینا چاہا اس نے یہ انتظام کیا کہ دریائے جمنا کے کنارے سلیم کے ہاتھی گیرن بار اور خسرو کے ہاتھی اپروا لے لڑائی 1692 بادشاہی ہاتھی رن تھمین ہارے ہوئے ہاتھی کی مدد کے لئے محفوظ رہے۔ لڑائی دیکھنے کے لیے بڑا ہجوم جمع ہوا۔ آگرہ کے سارے شرفا نفیس لباس میں موجود تھے۔ سلیم اور خسرو اپنے اپنے حمایتوں کے ساتھ گھوڑے پر سوار تھے۔ اکبر اپنے چہیتے پوتے خرم کے ساتھ جھروکہ درشن میں بیٹھا تھا۔

درمیان کی مٹی کی دیوار گرا دینے پر دونوں ہاتھی زوردار ٹکر کے ساتھ لڑنے لگے۔ فریقین کی چند شدید ٹکروں کے بعد گیرن بار کا پلہ واضح طور پر بھاری ہو گیا۔ محفوظ ہاتھی رن تھمیں اپروا کی مدد کے لیے آگے بڑھا مگر سلیم کے حمایتوں نے لڑائی کے جوش میں آ کر چیخنا شروع کیا "کوئی مدد نہیں، کوئی مدد نہیں" اور فیلبان کو گالیاں دینا شروع کیا اور پتھراؤ کر کے اسے زخمی کر دیا مگر بہادر فیلبان اپنا فرض انجام

(39) تکمیل اکبر نامہ جلد دوم صفحات 415، 416 خافی خان جلد اول صفحہ 280 ڈی لائٹ (لیتھ برج صفحات 199۔200) ڈوبرک کا بیان ہے کہ اس نے (اکبر نے) اسے رہا کر دیا اور مزید براں اسے ایک محل اس کے منصب کے مطابق دیا۔ آخر میں اس نے ایسا سلوک کیا کہ جیسے دونوں کے مابین کبھی کوئی رنجش نہ تھی۔

(40) ہاتھیوں کی لڑائی کے متعلق دیکھو سر طامس رو کا سفر نامہ (مرتبہ فاسٹر) صفحہ 106، 122 پیٹر منڈی جلد دوم صفحات 37/ 128۔ پرچہ جات چہارم 327، 439، 475 برنیر (مرتبہ کانسٹبل) صفحہ 277۔ ہاتھی کو محفوظ کرنے کے متعلق جسے طلینچہ کہتے تھے اسے اکبر کی اختراعی ذہانت کا نتیجہ کہا جاتا ہے۔ (مآثر الامراء جلد اول صفحہ 570)

دینے کے لیے آگے بڑھتا رہا لیکن گیرن بارر ن تھمین سے بھی زیادہ طاقتور ثابت ہوا۔

سلیم اور خسرو میں جھگڑا

خسرو دوڑتا ہوا بادشاہ کے جھروکہ میں گیا اور اپنے باپ اور اس کے ساتھیوں کو سخت بر بھلا کہا۔ اکبر جس نے فیلبان کی پیشانی سے خون بہتا ہوا دیکھا تھا۔ اس نے خرم کے ہاتھ سلیم کو پیام بھیجا کہ وہ اپنے ساتھیوں کو روکے اور ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ یہ سارے ہاتھی اسی کے ہو جائیں گے۔ سلیم نے قسم کھا کر جواب دیا کہ اپنے ہمرائیوں کی ہمت افزائی کرنا تو در کنار اس نے در حقیقت ہنگامہ کو فرو کرنے کی پوری کوشش کی تھی۔ خرم نے یہ جواب جا کر اپنے دادا کو سنادیا۔ اس دوران میں آتشبازی چھوڑ کر ہاتھیوں کو الگ کرنے کی ساری کوششیں بیکار گئیں۔ اپروا بھاگ کھڑا ہوا لیکن رن تھمیں گیرن بار نے جمنا تک پیچھا کیا جہاں کشتیوں کے بیچ میں آجانے سے حملہ فرو ہو سکا۔ مان سنگھ اور عزیز کوکا کی سازشوں نے اس کا آگرہ میں موجود رہنا بہت ضروری کر دیا تھا اس صورتحال میں مصالحت کی ضرورت اسے شدت سے محسوس ہوئی او رحال کے خانگی صدمات نے جو صورت حال پیدا کر دی تھی اس سے فائدہ اٹھانے کا اس نے تہیہ کر لیا۔ اس نے اپنی دادی کا سوگ منایا۔ ظاہر اً بھی اور یقیناً دل سے بھی۔ اس نے اپنے باپ سے تعزیت کرنے اور اپنے قصوروں کی معافی خود حاضر ہو کر مانگنے کا ارادہ ظاہر کیا۔

آگرہ میں آمد

الہ آباد کا انتظام شریف کو سپرد کر کے شہزادہ اپنے لڑکے پرویز اور اپنے چند ہمراہیوں کو لے کر آگرہ کے لیے روانہ ہو گیا اور 9 نومبر 1604ء کو وہاں پہنچ گیا۔

باعزت استقبال

عام دربار میں اس کا استقبال عزت اور شفقت سے کیا گیا۔ اس نے دو سو اشرفیاں ایک لاکھ روپیہ کی قیمت کے ایک ہزار دو سو ہاتھی نذر کیے۔

سرزنش

لیکن جیسے ہی دربار برخاست ہوا اکبر اسے اپنے خاص کمرے میں لے گیا اور سخت سرزنش کی۔

قید

شراب نے شہزادہ کا دماغ مختل کر دیا تھا اس لیے اسے حراست میں رکھنے اور طبیبوں کی سپردگی میں دینے کی ضرورت تھی۔ ان تہدیدی کارروائیوں پر عمل کیا گیا۔ پورے دس دن شہزادہ ایک کمرہ میں مقید رہا اور راجہ شالیمار ایک ممتاز درباری طبیب ارجن اور ایک حجام اور ایک ملازم اس پر مقرر کیا گیا۔ کچھ دن اسے شراب اور افیون نہیں دی گئی۔ اس کے خاص خاص حمایتی گرفتار کر لیے گئے۔ البتہ راجہ باسو جسے

جمنا سے اس پار چھوڑ دیا گیا تھا بچ کر نکل بھاگا۔ (41)

اکبر کی مہلک بیماری

سلیم اور خسرو کی بر سر عام بد مزاجی اور دشمنی کا مظاہرہ اور مستقبل میں اس کے عواقب کے تصور نے اکبر کے پریشان دماغ کو سخت اذیت دی۔ ایک رات اس کی بے چینی میں گزری جس کے بعد بخار ہو گیا جس میں دستوں سے اور پیچیدگی پیدا ہو گئی۔ شاہی طبیب حکیم علی گیلانی (42) نے آٹھ دن تک اس امید میں کوئی دوا نہیں دی کہ مریض کی طبعی قوت خود مرض کو قابو میں کرے گی لیکن جب تشویش انگیز علامتیں ظاہر ہونے سے یہ توقع پوری نہ ہوئی تو اس نے دوا دی جس سے پیشاب رک گیا جس کے بعد جلاب دیے گئے جن سے مریض بہت کمزور ہو گیا۔ کوئی دوا اس کے شدید جسمانی درد کو کم نہ کر سکی اور نہ کسی تدبیر سے اس کی رات دن کی بے چینی میں سکون ہوا۔ ساری تدبیریں ناکام ہونے پر علاج کرنے والے بالکل مایوس ہو گئے۔ (43)

---

(41) محمد ہادی صفحات 15 و 16 نفع الاخبار (ایلیٹ وڈاوسن) جلد ششم صفحات 247 تا 248 مآثر جہانگیری (مخطوطہ خدا بخش) صفحہ 25 (ب) خافی خان جلد اول صفحہ 230 تکمیل اکبر نامہ، دو ان نویر کی اکبر جلد دوم صفحات 415 و 416 مآثر الامرا (بیورتج) جلد اول صفحات 392 تا 393 سلیم کی حراست کی میعاد کے متعلق مورخین میں اختلاف ہے۔ ڈی لائٹ دو دن لکھتا ہے۔ ڈرو جارک تین، محمد ہادی تین دن، عنایت اللہ اور کامگاری دس دن، نفع الاخبار بارہ دن مآثر الامرا بارہ دن۔ چنانچہ مستند ترین تاریخوں میں دس دن ہیں۔ ڈی لائٹ (ترجمہ لیتھ برج) صفحہ 160 کا بیان ہے کہ سلیم کا دربار عام میں پر جوش استقبال ہوا (مگر جب وہ قدم بوسی کے لیے جھکا تو تو اکبر نے اس کا ہاتھ پکڑ کر گھسیٹا اور اندر کمرے میں لے جا کر اس نے کئی تھپڑ مارے اور اس کی غداری پر اسے سخت سرزنش کی اور نیز اس کی بزدلی پر کہ باوجود ستر ہزار سوار کے ساتھ موجود ہونے کے اس نے ہتھیار ڈال دیے۔ وی اے اسمتھ (اکبر صفحہ 329) اس بیان کو تسلیم کرتا ہے لیکن راقم سطور ہذا کو یہ اکبر کے (رجحان مزاج کے بالکل خلاف معلوم ہوتا ہے۔ مآثر جہانگیری کا بیان ہے کہ سلیم پورے دس دن افیون اور شراب سے محروم رکھا گیا لیکن ڈی لائٹ کا بیان ہے کہ اسے صرف چوبیس گھنٹہ حراست میں افیون اور شراب سے محروم رکھا گیا اور پھر اکبر نے خود افیون لا کر اپنے ہاتھ سے اسے دی۔

(42) علی گیلانی اکبر کی حکومت کے ابتدائی دنوں میں وسط ایشیا سے نقل وطن کر کے ہندوستان آیا۔ اس وقت وہ محض دواساز تھا لیکن اس کی فنی مہارت اور طبعی استعداد نے بہت جلد اسے ترقی دے دی۔ 1592ء میں اس نے ایک ایسا کمرہ بنوایا جس کا راستہ ایک (چھ گز مربع) تالاب سے ہو کر تھا مگر جسے پانی بالکل نہیں چھوتا تھا۔ 1595ء میں سات سو کا منصب ملا۔ اگرچہ دربار میں اسے جو اعزاز حاصل تھا اس کے برابر نہ تھا۔ اس نے کئی حیرت انگیز علاج کیے اور اس کی شہرت بجا طور پر اس عہد کے عظیم ترین طبیب کی تھی۔ بعد کی نسلوں میں اس کی یہ شہرت ہوئی کہ اس نے ساٹھ ہزار کی قیمتی دوائیں مفت تقسیم کیں جس میں مالی امداد یقیناً بادشاہ کی بھی تھی۔ اس کے حالات زندگی کے لیے دیکھو مآثر الامرا جلد اول صفحات 55 تا 57 بیورتج جلد اول صفحات 8، 124، 152 و 154۔ بلوکمین صفحات 466 و 467 جہانگیر (راجرس و بیورتج) جلد اول صفحات 68، 124، 153۔ میں اس کے متعلق ناموافق رائے ظاہر کی گئی ہے۔! "ہوشیار سے زیادہ محنتی تھا جیسے اس کی ظاہری صورت اس کے مزاج سے مختلف اور اس کی کامیابیاں اس کی قابلیت سے زیادہ تھیں بحیثیت مجموعی وہ دل کا خراب اور بد طینت تھا"۔

(43) محمد ہادی صفحہ 17۔ وقائع اسد بیگ (ایلیٹ وڈاوسن) جلد ششم صفحہ 189 جلد ششم تکمیل اکبر نامہ (ایلیٹ وڈاوسن ششم صفحہ 115 خافی خان جلد اول صفحہ 232۔ مآثر الامرا جلد اول صفحہ 571۔ بیورتج جلد اول صفحات 182 تا 183۔

مآثر الامرا (جلد اول صفحہ 56) کا بیان ہے کہ جب دوا سے اس کے دستوں میں فائدہ نہ ہوا تو وہ حکیم علی پر سخت غضب ناک اور اسے اس کی حقیر ابتدا اور اس کی ناشکری اور اس کی نااہلیت کا طعنہ دیا اور اسے کند تیر سے مارا بھی لیکن حکیم نے کہا کہ ناکامی میں اس کا کوئی قصور نہیں ہے اور اپنی دوا کی تاثیر کا اس طرح مظاہرہ کیا کہ ایک برتن میں پانی جوش کر کے اس میں دوائیں ڈالیں۔ اکبر نے اس کے پینے پر اصرار کیا جس کے نتیجے میں اس کا پیشاب رک گیا۔

سلیم کو گرفتار کرنے کی سازش

اکبر کے بستر مرگ کے گرد سازشوں، غداریوں، ساز باز سازش اور جوابی سازش گفتگو اور منصوبہ بازی کا ایک طوفان برپا تھا۔ خان اعظم عزیز کوکا جو نائب سلطنت تھا اس نے سارے عہدے اپنے حامیوں سے بھر دیئے تھے اور حکومت پر اچانک قبضہ کرنے کی فکر میں تھا۔ منصوبہ یہ تھا کہ جب سلیم اپنے باپ سے ملنے آئے تو اسے پکڑ کر قید کر لیا جائے۔

سازش کی ناکامی

لیکن عین اس وقت جبکہ شہزادہ برجی کے نیچے کشتی سے اتر رہا تھا میر ضیاء الملک قزوینی نے سازش کا انکشاف کر دیا۔ سلیم اپنی جائے قیام پر واپس آ گیا اور باہر نکلنا بالکل بند کر دیا لیکن خرم کو اپنے دادا سے الگ کرنے پر نہ وہ خود اور نہ اس کی ماں آمادہ کر سکی۔

جانشینی کے لیے مشورے

عزیز کوکا اور مان سنگھ کی سازش کا قبل از وقت انکشاف ہو جانے پر ان دونوں نے کھلے خزانے اور بے خوفی سے اپنا کام شروع کر دیا۔ انہوں نے امرا اور اعلیٰ افسران کو جمع کیا اور سلیم کو ہٹا کر خسرو کو تخت نشین کرنے کی مستعدی سے وکالت کی۔ سلیم کا چال چلن کسی سے پوشیدہ نہ تھا۔ اکبر کا خیال اس کے متعلق اچھا نہ تھا اور وہ اسے اپنا جانشیں بنانا نہیں چاہتا تھا اس لیے سب کو متفق ہو کر خسرو کو تخت نشین کر دینا چاہیے۔ مخالف فریق کی سربراہی سید خاں بارہہ (44) کر رہا تھا جو قدیم مغل خاندان کا ایک ممتاز رکن اور شاہی خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔ اس نے یہ دلیل دی کہ سلیم کی برطرفی چغتائی ضابطہ اور دستور سے انحراف ہوگا۔ تخت بخشا بخشی کے بعد وہ ملک خیر اور اپنے ساتھیوں کے ساتھ اٹھ کر چلا گیا۔ خان اعظم غصہ میں آپے سے باہر ہو گیا مگر اس نے اپنے غصہ کو ضبط کر لیا اور مجلس برخاست ہو گئی۔

اختلاف

اس طویل نزاع کے سلسلہ میں مجلس شوریٰ میں ایک فیصلہ کن عنصر تھا مان سنگھ اور عزیز کوکا سلیم کو برطرف کرنے پر اکبر کی تائید حاصل نہ کر سکے تھے اور امرائی کی اکثریت کی تائید حاصل کرنے میں ناکامی نے سازش کی قسمت پر مہر لگا دی۔ (45)

---

(44) بارہہ غلط ہے صرف سید خان ہونا چاہیے۔ (مترجم)

(45) وقائع اسد بیگ (وزارت) جلد ششم صفحات 169 تا 179 محمد ہادی صفحہ 18 خافی خان جلد اول صفحات 233 تا 234 آثر الامرا (بیورتج) جلد اول صفحہ 327۔ ٹاڈ (اطلس اینڈ اینٹی کوئی ٹیز آف راجستھان) نے ان مصادر کو ان سے مختلف بیان کیا ہے۔ پرائس کی جہانگیر صفحہ 33 بنگال پریس کلکتہ ایڈیشن صفحہ 56) اور ڈی لاٹ (ترجمہ ... کلکتہ ریویو جلد دوم 1871ء صفحہ 77) کا بیان ہے کہ اکبر نے جانشینی کے لیے خسرو کو نامزد کیا تھا۔ [illegible] 199 تا 200 [illegible]

سلیم کی پریشانی

سلیم کی جانشینی تو مستحکم ہو گئی تھی مگر جو افواہیں اڑ رہی تھیں ان سے وہ سخت پریشان تھا۔ اسے یہ اطلاع ملی کہ خسرو کو تخت نشین کیا جا چکا ہے اور قلعہ کی بھاری توپوں کا رخ اس کے محل کی طرف کر دیا گیا۔ اسے ہر وقت اپنی جان کا خطرہ تھا۔ چنانچہ اس نے دریا کے راستہ سے الہ آباد جانے کی پوری تیاری کر لی تھی اور کشتی پر سوار ہونے ہی کو تھا کہ رکن الدین روہیلہ نے اس سے اصرار کیا کہ وہ اہم مجلس کے فیصلہ کا انتظار کرے۔ عین اس موقعہ پر مرزا شریف یہ خبر لے کر آیا کہ سازش ناکام ہو گئی اور یہ کہ مرتضیٰ خاں سادات بارہہ کی ایک جماعت کے ساتھ اس کا ساتھ دینے آ رہا ہے اور راستہ ہی میں ہے۔

سادات بارہہ

اس مشہور برادری کا نام ان بارہ گاؤں کی بنا پر ہو جو موجودہ ضلع مظفر نگر میں ان کی جاگیر تھے۔ اس فرقہ کا نشان امتیاز ان کا مذہبی جوش اور سپاہیانہ شجاعت تھا۔ میدان جنگ میں پیش پیش رہنا ان کا موروثی حق تھا۔ خان اعظم اگرچہ ان کا دوست نہ تھا لیکن اس نے یہ اعتراف کیا کہ سلطنت کی حفاظت کے لیے وہ ایک سپر ہیں۔ اٹھارویں صدی میں وہ بادشاہ گر تھے اور تخت سے اتارتے اور چڑھاتے تھے مگر سترہویں صدی میں بھی وہ ہندوستانی سیاست کا ایک اہم عنصر تھے۔ کہا جاتا ہے کہ اپنی تائید کے بدلے میں انہوں نے اسلام کی حفاظت کا وعدہ لیا۔

سازش کی ناکامی

جب اس یادگار دن میں شہزادے کے ساتھ ہوئے تو انہوں نے خوشی میں نقارے بجوائے لیکن بادشاہ کی نازک حالت کی وجہ سے باجہ کو روک دیا گیا۔ دن ڈھلنے سے پہلے پہلے سلیم کے بیشتر ساتھی بھی آ کر اس سے مل گئے اور وہ فوراً سب کا قصور معاف کرنے اور بھول جانے پر آمادہ ہو گیا اور کسی کی ذات یا جائداد سے انتقام لینے کا احساس ترک کر دیا۔ زیادہ دن نہیں گذرے کہ خود خان اعظم نے بھی اپنی حمایت کا اعلان کر دیا اور اس کا بڑی عزت اور احترام کے ساتھ استقبال کیا گیا۔ راجہ مان سنگھ جس کی طاقت کا انحصار خاص کر اس کے راجپوتوں پر تھا زیادہ دن الگ رہا لیکن اس نے بھی یہ محسوس کیا کہ اس کی سازش بری طرح ناکام ہو گئی۔ اس نے سلطان خسرو کو اپنی حفاظت میں لیا اور اگلے دن بنگال روانہ ہونے کی تیاری کر دی۔ (46)

---

(46) وقائع اسد بیگ (ایلیٹ و ڈاوسن) جلد ششم 170 خافی خان جلد اول صفحہ 234۔ مآثر الامرا (بیورتج) جلد اول صفحہ 523۔ اسلام کی حفاظت کا حلف لینے اور خسرو کے حامیوں کو معاف کرنے کا ذکر صرف ڈو جارک (جلد سوم باب 16 صفحات 138، 139) نے کیا ہے۔ اس کے مان کی تائید و جہانگیر کے تخت نشین ہونے پر طرز عمل سے ہوتی ہے۔ پرالیس کی جہانگیر (صفحات 70 تا 67) بنگالی ایڈیشن کلکتہ صفحات 122 تا 130) نے اکبر کی بیماری اور سلیم کے خلاف کا حال غلط سلط بیان کیا ہے۔ مگر یہ پڑھنے کے قابل۔ سادات بارہہ کے حالات کے لیے دیکھو جہانگیر (راجرس و بیورتج) جلد دوم صفحہ 269۔ بلوکمین صفحات 390 تا 393 ایلیٹ و ہیم کی گلاسری جلد اول صفحات 11، 297۔

مرتضیٰ خاں کے حالات زندگی کے لئے دیکھو مآثر الامرا (بیورتج) جلد اول صفحات 521 تا 527۔

اکبر کا انتقال

ہر طرف سے مطمئن ہو کر سلیم اپنے باپ کے آخری دیدار کے لیے روانہ ہو گیا۔ بادشاہ نزع کی حالت میں تھا لیکن جیسے ہی سلیم نے اس کی قدم بوسی کی اس نے آنکھیں کھول دیں اور ملازموں کو اشارہ کیا کہ سلیم کے سر پر دستار رکھ دیں اور خلعت پہنا کر خود اس کا خنجر سلیم کی کمر میں حمائل کر دیں۔ ملازمیں نے تعمیل کی اور آخری بار اظہار عقیدت کے لیے اس کی قدم بوسی کی۔ بادشاہ نے سر جھکایا اور اپنی آنکھیں ہمیشہ کے لیے بند کر لیں۔ (47)

---

(47) وقائع اسد بیگ (ایلیٹ وڈاوسن) جلد ششم صفحات 170 تا 172 تکمیل اکبر نامہ (ایلیٹ وڈاوسن) جلد ششم صفحہ 115۔ اسد بیگ کے بیان کی تقریباً ہر تفصیل میں ذوجارک نے جلد سوم باب 14 صفحات 31 و 33 میں تائید کی ہے۔ مآثر جہانگیری (مخطوطہ خدا بخش) صفحہ 29 (الف) کلیڈون صفحہ 13 خافی خان جلد صفحہ 23 خلاصۃ التواریخ (دہلی ایڈیشن) صفحہ 449۔

اکبر کے انتقال کی ہجری تاریخ 12/ جمادی الآخر 1014ھ ہے جو 17/ اکتوبر 1605ء کے مطابق ہے۔ زہر خورانی کا شبہ: ذوجارک (جلد سوم باب 16 صفحہ 132) کا بیان ہے کہ شہزادہ پر اکبر کو زہر دینے کا شبہ کیا گیا۔ برنولی جس کی وی اے اسمتھ نے اپنی کتاب اکبر نے صفحات 336 و 4 میں نقل کی ہے۔ کہتا ہے کہ اکبر کا انتقال زہر خورانی سے ہوا۔ لیکن انتقال کے فوراً ہی پہلے کے حالات میں اس کا موقع نہ تھا اور نہ سلیم کی یہ نیت ہو سکتی تھی کہ وہ اپنے باپ کو جلد ختم کر دے۔ شاید اسی پر قیاس کر کے ایک اور قصہ گھڑا گیا جو لونڈی کے کاغذات میں محفوظ ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اکبر نے راجہ مان سنگھ کو زہر دینے کی کوشش کی مگر غلطی سے زہر کی گولیاں جو مان سنگھ کے لیے تھیں خود ہی نگل گیا۔ اس کوشش کی وجہ یہ تھی کہ مان سنگھ نے جانشین میں خلل میں ڈالنا چاہا تھا دیکھوڈ (جلد اول صفحہ 279 و جلد دوم صفحہ 385) پریسنڈنٹ وان ڈن بروئیک ڈی لائٹ صفحات 204 و 213۔ وی اے اسمتھ کی اکبر صفحات 325 تا 326) نے اکبر کی غداری کا نشانہ ٹھہرے کے مرزا غازی کو کہا ہے۔ دیکھوڈی لائٹ ترجمہ لیتھ برج صفحہ 200) یہی بے بنیاد قصہ خفیف تغیر کے ساتھ، ٹیری نے (صفحات 408 تا 809) ہربرٹ (صفحہ 72) پیٹر منڈی (جلد دوم صفحات 102 تا 103 تا لبورے و ھیلر کی ہسٹری آف انڈیا جلد چہارم باب اول صفحات 74، 1، 188۔

نیز دیکھو اوردن کا نوٹ ضوشی جلد چہارم صفحہ 420 میں اور کرکار ماجرنل آف بمبئی رائل ایشیاٹک سوسائٹی نمبر 22 صفحات 197 197 تا 208۔ پرالیس کی جہانگیر (صفحات 75 تا 76) حسب ذیل غلط بیان ہے جس نے کئی مورخوں کو گمراہ کیا ہے۔

"اس تشویش موقعہ کے متعلق میں (متعلق کتاب کے مضمون میں) میرے والد نے مجھے اپنا لباس بھیجا اور اپنے سر سے اتاری ہوئی پگڑی اور ایک پیام جس کا مطلب یہ تھا کہ جب میں نہ ہوں اور تم اپنے باپ کی صورت دیکھے بغیر مطمئن رہ سکو ایسا باپ جو موجود نہ ہونے پر نہ آرام پائے نہ سکون جیسے ہی مجھے یہ پیام ملا۔ میں نے اپنے کپڑے پہنے اور عاجزی کے ساتھ ادائے فرض کے لیے قلعہ میں حاضر ہو گیا۔ 8/ تاریخ سہ شنبہ کے دن میرے والد کی سانس مشکل سے آ رہی تھی اور ان کا خاتمہ تقریباً بالکل قریب تھا۔ انہوں نے یہ خواہش کی کہ میں کسی کو بھیج کر سارے امرا کو بلا استثنا ان کی خدمت میں بلا لوں۔ انھوں نے کہا کہ "اس لیے کہ میں گوارا نہیں کر سکتا کہ تمہارے اور ان کے درمیان جنھوں نے اتنے دنوں تک میری سرگرمیوں میں ساتھ دیا ہے اور سلطنت کی عظمت بڑھانے میں شریک رہے ہیں کوئی غلط فہمی رہ جائے"۔ اپنے والد کی خواہش کی تعمیل کے لیے بیقرار ہو کر میں نے خواجہ عبد الواسع کو بھیجا کہ ان سب کو قریب المرگ بادشاہ کے بیماری کے کمرہ میں بلا لائے میرے والد نے ان سب کو حسرت آمیز نظر سے دیکھا اور کہا کہ اس سے واجبی طور پر غلطیاں ہوئی ہوں انھیں فراموش کر دیا جائے اور پھر منظوم الفاظ میں ان سے خطاب کیا۔

میرے عہد حکومت میں جو امن و سکون ملا ہے اُسے یاد رکھنا ۔۔۔ اور وہ شکوہ اور نظم جس سے ہمارے دربار کی زینت رہی ہے
میری پیشانی کے پیچان اور میری ہمیشہ گردش کرتی ہوئی تسبیح کو یاد رکھنا ۔۔۔ اور وہ شاہیانہ جو میں نے کند منظر کے لئے جڑ کیا ہے

اس وقت میں نے محسوس کیا کہ شاید اس طاقتور حکمراں کی یہ آخری سانس ہو اور یہ کہ وہ لمحہ آگیا ہے جبکہ مجھے اپنا آخری فرض بحیثیت اولاد کے انجام دینا ہے۔ بیقراری کے آنسو بہاتا ہوا ان کے پلنگ کے پاس گیا اور اپنا سر ان کے قدموں پر رکھ دیا۔ جب میں غمگین سنجیدگی کے ساتھ تین مرتبہ ان کے گرد چکر لگا چکا مرتے ہوئے بادشاہ نے میرے مستقبل پر شبہ کرتے ہوئے مجھے اشارہ کیا کہ ان کی تلوار لے کر ان کے سامنے اپنے کمر میں حمائل کر لوں۔ اس کی تعمیل کے بعد سے میں نے پھر ان کی قدمبوسی کی اور اپنی عقیدت کیشی کے حلف کی تجدید کی۔

باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر.....

جنازہ

دوسرے دن جنازہ کو شاہانہ تزک واحتشام کے ساتھ سجایا گیا اور آگرہ سے چھ میل دور سکندرہ میں لے جایا گیا۔ سلیم نے چند قدم تک جنازہ کو پیر کی طرف کاندھوں پر اٹھایا۔ بڑے امراء، اہل دربار، ملازمین اور فوج نے دور دور تک باعظمت مرنے والے کا اسی طرح احترام کیا۔(48)

اکبر کی قبر سکندرہ میں

اکبر کی میت اسی قبر میں دفن کی گئی جسے اس نے اپنے عہد میں مغل طرز پر بنوانا شروع کر دیا تھا۔ جہانگیر نے عمارت کو آگے بڑھانے میں بہت گہری دلچسپی لی اور ایک مرتبہ اس نے سارے نقشہ کو بدل دیا۔ تین ہزار سے زیادہ کارکنوں نے پندرہ لاکھ روپے کے خرچ سے 1612ء میں اسے مکمل کیا۔ (49) جیسا کہ ہونا ہی چاہئے تھا اس عمارت کا نقشہ ہندو عمارتوں کے نمونہ سے لیا گیا تھا۔ یہ عمارت آج بھی ہندوستانی تعمیرات کے سلسلہ میں لاجواب ہے۔(50) اس کی ہمیشہ سے چھوٹے بڑوں میں عزت اور محبت ہوتی چلی آئی اگرچہ 1691ء میں جاٹ باغیوں نے اس کی بری طرح بے حرمتی کی تھی(51)

بقیہ حاشیہ..... 47 انہوں نے مجھ سے خواہش کی کہ میراں صدر جہاں کو بلاؤں تاکہ ان کے ساتھ وہ کلمہ شہادت پڑھیں۔ اور کہا کہ اسے انہوں نے آخری وقت تک ملتوی رکھا۔ اس امید میں شاید زندگی بخشنے والا ان کی زندگی میں اضافہ کر دے۔ صدر جہاں کے آنے پر میں نے انہیں اپنے والد کے پاس اپنے زانو پر بٹھایا اور انہوں نے بلند آواز سے اور صاف صاف کلمہ پڑھا۔ اس نازک موقع پر میرے والد نے مجھے اپنے قریب بلایا اور اپنے بازو میری گردن میں حائل کر کے کہا

"میرے پیارے بچے (بابا) میرا آخری پیام سن لو..... یاد رکھو کہ میری پردہ نشیں اہل حرم کی حفاظت سے کبھی منہ نہ موڑنا..... اگرچہ میری موت کا تمہارے دل پر بہت اثر ہوگا لیکن جو باتیں میں کہہ چکا ہوں انہیں فوراً نہ بھلا دینا۔ ہم دونوں میں بہت سے قول و قرار اور وعدے ہوئے ہیں۔ لیکن تم نے جو اقرار مجھ سے کیا ہے اس سے کبھی انحراف نہ کرنا خبردار میرے بعد ملازمین اور متعلقین کو نہ بھول جانا اور نہ مصیبت زدہ کو اس کی مصیبت کے وقت نظر انداز کرنا۔" یہ کہنے کے بعد انہوں نے صدر جہاں سے پھر کلمہ پڑھنے کو کہا اور خود ویسی ہی بلند اور صاف الفاظ میں پڑھا اور صدر جہاں سے کہا کہ برابر پڑھتے رہیں۔ ان کی تکیہ کے پاس سورۂ ناس اور ایک سورت اور سورہ یٰسین رکھ دی گئی تاکہ ان کی روح جس قدر آسانی سے ہو سکے نکلے چنانچہ صدر جہاں نے یٰسین پڑھ کر ختم کی اور جب سورہ کے آخری الفاظ ان کی زبان پر تھے تو میرے بزرگ باپ نے اپنی جان جان آفریں کے سپرد کر دی اور بجز گوشۂ چشم پر ایک قطرۂ اشک کے کوئی اور علامت ظاہر نہیں ہوئی۔

عام شہرت یہ تھی کہ اکبر کا خاتمہ اسلام پر ہو" (چنانچہ وہ اپنے مذہب کے باضابطہ اقرار کے ساتھ فوت ہوا۔ سر طامس رو ایبسی مرتبہ فاسٹر صفحہ 302 میکلاگن صفحہ 107 میں پادری کوبلھو کا بیان ہے کہ "آخر میں اس کا انتقال اس مذہب پر ہوا جس میں وہ پیدا ہوا تھا"۔ لیکن اسد بیگ کے بیان سے یہ نتیجہ اخذ کرنا حق بجانب ہوگا کہ اس کا انتقال اسلام پر نہیں ہوا بلکہ اسی حالت میں ہوا جیسی اس کی زندگی تھی۔

(48) وقائع اسد بیگ (ایلیٹ وڈاوسن) جلد ششم صفحہ 172 تکمیل اکبر نامہ ایلیٹ وڈاوسن جلد ششم صفحہ 117 دو جارک (جلد سوم صفحہ 137) کا بیان ہے کہ جنازے کے ساتھ آدمی بہت کم تھے۔

(49) جہانگیر (راجرس و بیورج) جلد اول صفحہ 152 ہاکنس صفحہ 142۔ پرچہ جات جلد سوم صفحہ 51۔ ولیم فنچ (پرچہ جات چہارم۔ صفحات 75 تا 77) نے 1111ھ میں نصف تعمیر شدہ عمارت کا بہت خوبصورت حال لکھا ہے۔

(50) ڈبلو اسمتھ کی ٹومب آف اکبر صفحہ 7 فرگوسن۔ جلد دوم صفحات۔ 300 تا 301 ای بی ہاول (انڈین آرٹ ٹیچر صفحہ 176 صفحہ۔ وی اے اسمتھ کی ہسٹری آف آرٹ ان انڈیا اینڈ سیلون صفحہ 411)

(51) سنوشی (مرتبہ اروِن) جلد اول صفحہ 159 و جلد دوم صفحہ 230 نیز نوٹ جس میں ایڈیٹر واس تاگر کی فتوحات عالمگیری کی عبارت نقل کی ہے۔ میں سنوشی کی اس روایت پر یقین نہیں کر سکتا کہ اکبر کی ہڈیاں کھود نکالی گئیں اور جاٹوں نے انہیں جلا دیں۔

بشپ ہیبر کا بیان

بشپ ہیبر نے جنوری 1825ء میں اس عمارت کو دیکھ کو جو شگفتہ اور پڑھنے کے قابل اس کی تفصیل بیان کی ہے اسے یہاں نقل کر دینا مناسب ہوگا۔

"یہ تقریباً انگریزی چالیس ایکڑ کے رقبہ میں چوکور بنی ہے جسے ایک قلعہ نما دیوار سوا دو گز بلند گھیرے ہوئے ہے جس کے زاویوں پر ہشت پہل مینار ہیں اور اوپر چھوٹی چھوٹی خوبصورت شہ نشیں ہیں اور چار شاندار سنگ سرخ کے پھاٹک ہیں۔ سامنے کے پھاٹک میں سنگ مرمر کی پچی کاری ہے۔ چار بلند مینار ہیں اندر کے احاطہ میں درخت لگے ہیں جن کو سبز روشوں سے تقسیم کیا گیا۔ یہ روشیں اصل عمارت کی طرف گئی ہیں جو ایک طرح سے ٹھوس مصری اہرام ہے جس کے چاروں طرف حجرے، غلام گردش اور گنبد ہیں۔ عمارت بلند ہوتے ہوتے رفتہ رفتہ مختصر ہوتی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ وہ ایک سفید سنگ مرمر کے چوکور چبوترے پر ختم ہو جاتی ہے جس کے گرد سنگ مرمر کی نہایت کاریگری سے بنی ہوئی جالیاں ہیں جن کے وسط میں ایک چھوٹی سی چڑھاوے کی قبر ہے اور وہ بھی سفید سنگ مرمر کی ہے جس پر نہایت باریک اور خوبصورت نقاشی ہے اور عربی کی عبارتیں جو اس کی اصل آرائش ہیں اور بخوبی زیب دیتی ہیں عمارت کی تہہ میں ایک بہت بلند مگر چھوٹی سی محراب کے اندر اس عظیم فرمانروا کی اصل قبر ہے جو بالکل سادی اور بلا نقش و نگار کے ہے۔ مگر یہ بھی سفید سنگ مرمر کی ہے اس کے آس پاس کئی اور شکستہ عمارتیں ہیں جن میں بعض بظاہر خوبصورت ہیں مگر ایک اجنبی کے لیے اکبر کی قبر دیکھنے کے بعد نہ وقت ہوتا ہے نہ خواہش۔ (52)

---

(52) ہیبر کا سفر نامہ جلد دوم صفحات 336، 337

عمارت کے اس حصہ کی پوری تفصیل اور تصویروں اور کتبوں کی نقل اور ترجمہ کے لیے دیکھو ای ڈبلیو اسمتھ کی "ٹومب آف اکبر" جو آرکیالوجیکل آف انڈیا کی جلد 35 مطبوعہ گورنمنٹ پریس یو۔ پی الہ آباد 1909ء کا حصہ ہے۔ نیز عبداللطیف کی آگرہ صفحات 167 تا 182۔

فرگوسن جلد دوم صفحات 258 تا 302 ہاول کی انڈین آرکی ٹیکچر 176 ہاول کی آگرہ اینڈ دی تاج صفحہ 1904 مرے کی ہینڈ بک فار بنگال اینڈ نارتھ ویسٹ پراونس صفحات 295 تا 297 کین کی ہینڈ بک کا تذکرہ 43 تا 48۔

اس عمارت میں اکبر کی ملکہ دولت شاد سے دو لڑکیوں شکر النساء بیگم و آرام بانو کی بھی قبریں ہیں دیکھو جہانگیر راجرس و بیورج جلد اول صفحات 36، 37) نیز دہلی کے بادشاہ محمد شاہ عالم کے لڑکے سلیمان شکوہ کی اور ان کی بیگم کی ایک اور قبر کہا جاتا ہے کہ اورنگ زیب کی بیٹی زیب النساء کی ہے۔

چوتھا باب

مغل حکومت

خصوصاً جہانگیر کے عہد سلطنت میں

مغل سلطنت 1605ء میں

اکبر نے جو سلطنت اپنے لڑکے کے لیے ورثہ میں چھوڑی وہ وسعت، آبادی اور نظام حکومت کے اعتبار سے دنیا کی اولین سلطنتوں میں تھی۔ 1556ء میں جب اکبر تخت نشین ہوا تو شمالی ہند بہت سی چھوٹی چھوٹی ریاستوں اور حکومتوں میں بٹا ہوا تھا اکبر کی حکومت کے آخر تک تقریباً یہ سب سلطنت مغلیہ میں شامل ہو گئی تھیں۔ گجرات 73-1572ء میں فتح کیا گیا۔ زرخیز بنگال 80-1579ء میں، کشمیر کی سرد وادی 1586ء میں، گرم ریگستانی سندھ 1592 میں، غیر آباد بلوچستان 1595 میں۔ مرزا محمد حکیم کے انتقال پر 1585ء میں کابل بلا کسی خونریزی کے مغل سلطنت میں شامل ہو گیا۔ اگلے سال درمیان کے شوریدہ پشت قبائل کو جزوی طور پر تسخیر کیا گیا۔ قندھار کو اس کے غیر مطمئن اور متواتر حملوں سے پریشان ایرانی گورنر نے بخوشی حوالہ کر دیا۔ دکھن کی طرف خاندیش اور برار اور احمد نگر کا کچھ حصہ اکبر کی عہد حکومت کے آخری دنوں میں فتح کر کے سلطنت میں شامل کر لیا گیا۔(1) اب تقریباً سارا ملک ایران کی مشرقی سرحد سے لے کر موجودہ آسام کی مغربی سرحد تک اور ہمالیہ سے لے کر مہاندی اور گوداوری کے درمیان سیدھے خط تک شہنشاہ کی حکومت کو تسلیم کرتا تھا۔

آبادی

سلطنت کی آبادی کا قطعی طور پر صحیح اندازہ لگانا ممکن نہیں ہے لیکن آئین اکبری کے زمانہ میں کاشت کی وسعت کا موجودہ زمانہ سے مقابلہ کرنے اور معاصر یوروپین تاریخوں کا بغور مطالعہ کرنے پر ظاہر

---

(1) گجرات کے حالات کے لیے دیکھو نظام الدین (الیٹ وڈاؤسن) جلد پنجم صفحات 339 تا 356۔ برڈ کی ہسٹری آف گجرات (صفحات 301 تا 348)، اکبر نامہ (بیورج) جلد سوم صفحہ 87۔ فرشتہ (برگس) جلد دوم صفحہ 235 و مابعد جلد چہارم صفحہ 15 و مابعد، بدایونی (لو) جلد دوم صفحات 244 تا 245۔ کشمیر کے حالات کے لیے دیکھو اکبر نامہ (بیورج) جلد سوم صفحات 725 تا 737۔ نظام الدین (الیٹ وڈاؤسن) جلد پنجم صفحات 452 تا 454۔ بدایونی (لو) صفحات 364 تا 366۔ سرحدی قبائل کے بارے میں دیکھو اکبر نامہ جلد سوم باب 89 تا 86، 96 و 91۔ نظام الدین (الیٹ وڈاؤسن) جلد پنجم صفحات 451 تا 452۔ بدایونی (لو جلد دوم صفحات 361 تا 362۔ راورٹی کے نوٹس آف افغانستان صفحات 259 تا 265۔ سندھ کے متعلق اکبر نامہ (بیورج جلد سوم باب 118 صفحات 922 تا 932 تاریخ معصومی (ایلیٹ وڈاؤسن) جلد اول صفحات 247 تا 252، راورٹی صفحہ 601۔ قندھار کے لیے راورٹی صفحہ 600 جنوبی فتوحات کے متعلق دیکھو باب 11 مابعد۔

ہوتا ہے کہ شمال اور وسط ہند کی آبادی بشمول افغانستان کے نو کروڑ اور دس کروڑ کے درمیان ہوگی۔ (2)

اس باب کا دائرہ بحث

جی پی گوچ کا قول ہے کہ تاریخ کا کوئی بیان اس وقت تک مکمل نہیں ہوتا اگر اس میں مذہبی شعور کے ارتقا لٹریچر ذہنی اور جسمانی علوم اور سماجی زندگی کی رفتار ترقی کو نظر انداز کر دیا جائے۔ زندگی کے ان پہلوؤں کی تفصیل جن سے بقول ایکٹن تاریخ اپنا حسن حاصل کرتی ہے بعد کی جلدوں میں پیش کی جائے گی لیکن بعد کے مندرجہ واقعات کی وضاحت کے لیے یہاں جس قدر اختصار سے ممکن ہو یہ بتا دینا ضروری ہے کہ اب سے تین سو برس پہلے ہمارے اجداد حکومت کے جس نظام کے ماتحت رہتے تھے اس کی شکل و صورت کیا تھی۔ جو بیان ناکافی اور منتشر مواد پر نہیں ہوگا وہ لازماً سطحی ہوگا لیکن آئین اکبری فارسی تاریخوں اور معاصر غیر ملکیوں کے بیانات اور دیسی زبان کے لٹریچر سے جو روشنی ملتی ہے وہ مل جل کر تخیل کی مدد سے جسے مام سین تاریخ اور شعر کی تخلیق کا عنصر بتاتا ہے مغل سلطنت کی تشکیل اور بنیادی اصول کی واضح شکل پیش کی جا سکتی ہے۔ نیز یہ بھی ممکن ہے کہ مغل سلطنت کی بعض حیثیتوں کا دوسری بڑی سلطنتوں سے مثلاً روسی سلطنت، فرانسیسی سلطنت اور برطانوی سلطنت سے مقابلہ کیا جائے۔

ہندوستانی سیاسی نظام کے ترکیبی عناصر

ہر نظام سیاست کی روح اور شکل و صورت کا عمومی حیثیت سے تعین جغرافیائی، معاشی سماجی اور ذہنی ماحول سے طے کیا جا سکتا ہے۔ ہندوستان کے میدانوں کی وسعت قطعی طور پر یہ تعین کر دیتی ہے کہ یہاں سماج کی تنظیم یونانی شہری ریاست کے طور پر نہ ہوگی بلکہ ملکی سلطنت کی بنیاد پر ہوگی۔ ملک کی غالب زرعی حیثیت سے یہ بات بھی طے ہو جاتی ہے کہ وحدت گاؤں کی ہوگی ان دونوں سے مل کر یہ تعین ہو جاتا ہے کہ جب تک سائنس کی ترقی فاصلہ کو ختم نہ کر دے اس وقت تک یہاں کے لوگوں میں زندگی کی وہ ہماہمی، شہری جذبہ اور گہرا سیاسی رجحان نہ پیدا ہوگا جس سے قدیم یونان اور حال کی یورپین جمہوریت کی تشکیل ہوئی ہندوستان کے سیاسی نظام کی قدیم میں اور حال میں بھی میدان کے ملک میں صرف حکومت خواص یا شاہی نمونہ کی حکومت کی تشکیل ہو سکتی تھی۔ مختلف اثرات مل کر یہ تعین کرتے ہیں کہ شاہی طرز کی حکومت تو بالالتزام ہوگی اور حکومت خواص شاذ و نادر۔ حکومت خواص کا انحصار عموماً اعلیٰ اور دولتمند خاندان، جنگی فن کی صلاحیت یا سیاسی تجربہ پر ہوتا ہے۔ ہندوؤں کے ذات پات کے نظام میں یہ خصوصیات منقسم ہو جاتی ہیں اور کسی ایک طبقہ کو مستقل فوقیت نہیں حاصل رہتی۔ سب سے غریب اور سب سے جاہل برہمن کا طبقہ خود کو مغرور ترین صاحب جائداد یا دولتمند تاجر سے اعلیٰ ترنسل کا سمجھتا تھا۔ یہ طبقہ بحیثیت مجموعی سماج کے دوسرے طبقوں کے مقابلہ میں پیش پیش ہو سکتا۔ ویش کو دولت اور تجارتی تجربہ سے جو فائدہ ہوتا تھا اس کا اثر ہونا لازمی تھا۔ جنگجو چھتری کو اپنے زور بازو اور سیاسی تجربہ کی بنا پر فوقیت حاصل تھی مگر وہ اس طبقہ پر تفوق نہیں حاصل کر سکتا تھا جس کا ذہنی رہنمائی اور مالی امداد پر انحصار تھا۔ مزید براں اس

---

(2) ڈبلیو ایچ مورلینڈ نے (انڈیا ایڈ دی ڈیتھ آف اکبر صفحات 9 تا 22) نے آبادی کا تخمینہ بہت کم کیا ہے یعنی افغانستان کو چھوڑ کر تقریباً پچاس لاکھ اس تخمینہ پر میری تنقید کے لیے دیکھو میرا مضمون انڈیا ان 1605ء ناردرن ریویو جنوری 1961ء صفحہ 16۔

طبقہ کی تعداد اتنی زیادہ اور اتنی منتشر تھی کہ ایک مخصوص جماعت یا چند افراد کا کام چلانے والا نظام حکومت نہیں بنا سکتا تھا مسلمانوں میں طاقتور جمہوری جذبہ کسی طبقہ کے تفوق کو گوارا نہیں کر سکتا تھا۔

شاہیت کا رواج اور نوعیت

ایک اور اثر جو شاہیت کی تائید میں کام کر رہا تھا وہ عام طور پر جنگ کا رواج تھا جس کا تقاضا قوت کی فراہمی اور اپنی استعداد اور طرز عمل تھا۔ ایک نقطہ نظر سے ہندوستان کی ساری تاریخ اجتماعی اور منقسم قوتوں میں مسلسل کشمکش پر مشتمل ہے۔ ملک کی بنیادی جغرافیائی اور تہذیبی وحدت کا تقاضا تھا کہ ہر ریاست اپنی حکومت کو سارے ملک پر مسلط کرنے کی کوشش کرے لیکن آمد و رفت کی دشواری جو قرون وسطیٰ کی حکومتوں کی خاص دقت تھی اس سے اس عمل میں رکاوٹ پڑی اور ہر بڑی سلطنت کے دور افتادہ صوبوں کو یہ ترغیب ہوتی کہ وہ مرکز سے قطع تعلق کرے۔ اس کا نتیجہ دو صورتوں میں ظاہر ہوا یعنی ریاستوں کی تعداد اور ان کے آپس میں مسلسل جنگ و جدل۔ خطرے کی موجودگی یا اندیشہ نے حکومت کو واضح طور پر شاہیت کی شکل اختیار کرنے اور عوام کو مضبوط نظام حکومت قبول کرنے پر آمادہ کیا۔ چنانچہ صورت یہ ہوئی کہ بجز چند مستثنیات کے جن کی توجیہ غیر معمولی حالات سے بہ آسانی ہو سکتی ہے ہندوستانی سماج نے میدانی علاقوں میں جہاں مرکزی نظام کی ذرا بھی ضرورت تھی خود کو شاہیت کے ماتحت منظم کیا۔ مغل حکومت اپنی فطرت کے لحاظ سے مطلق شاہیت پسند تھی لیکن اسے محض من مانی استبدادیت سمجھ لینا حماقت ہوگی جس کے مزید تجربہ کی ضرورت ہے۔ جیسا کہ ارسطو کا خیال تھا شاہیت کی کئی قسمیں: خالص مطلق العنانی جس میں حکمراں اپنے ماتحت ہر چیز کو اچھی یا بری طرح اپنی مرضی سے استعمال کرے۔ وہ ایک ایسی عجیب الخلقت چیز ہوگی جس کا فطرت یا سنجیدہ فلسفہ میں وجود نہیں ہے۔ خواہ کوئی کتنا ہی طاقت ور یا ہمہ صفت موصوف ہو بلا کسی طاقتور جماعت کی کم از کم جزوی رضامندی کے اپنی قوت کو کثیر التعداد افراد پر زیادہ دنوں تک مسلط نہیں کر سکتا۔ اسے اپنے اقتدار کے لیے کسی طاقتور جماعت کی رضاکارانہ تائید کا سہارا لینا پڑے گا۔ اسٹوار ٹرل نے یہ ضابطہ مقرر کیا ہے کہ حکومت یا تو سماج کے طاقتور ترین طبقہ کے ہاتھوں میں ہوتی ہے یا ان کے ہاتھوں میں چلی جاتی ہے اور یہ ضابطہ شاہی کے لیے بھی اتنا ہی صحیح ہے خواہ مشرقی استبدادیت ہو یا چند افراد کی یا خصوصی طبقہ کی حکومت ہو یا جمہوریت۔ حکومت کا مطالعہ کرنے میں سب سے پہلا قدم یہ ہے کہ یہ معلوم کیا جائے کہ سماج کا کون طبقہ اس کا حمایتی ہے اور کون موثر طور پر اس کی مزاحمت کر سکتا ہے (اس لیے کہ تائید کے مفہوم میں مزاحمت کی استعداد بھی شامل ہے) جس طبقہ کو اسے راضی رکھنا ہے اور جس کے فرائض، استعداد اور انسانیت پر اسے اپنے طریق عمل کو ڈھالنا ہے۔

مغل کوئی ذات نہیں ہے

مغل خاندان یا مغل نظام حکومت سے ایک مغل ذات کا تصور ہوتا ہے جو بالکل غلط ہے۔ ہمارے موجودہ مقصد کے لیے یقیناً یہ امر قابل لحاظ نہیں ہے کہ چغتائی ترک زیادہ صحیح نام ہے اس لیے کہ اس سے بھی ذات کا تصور ہوتا ہے۔ درحقیقت سترہویں صدی میں کوئی حکمراں طبقہ نہ تھا جس سے حکمراں متعلق ہو اور جس کی تائید کا اسے سہارا ہو۔ معاصر مورخین مغل کے لفظ سے چکرا گئے اور انھوں نے اس کے

خیالی مفہوم پیدا کیے۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کا ایک ملازم سال بینک جو جہانگیر کے عہد حکومت میں کئی سال اس ملک میں رہا تھا وہ کہتا ہے کہ اس لفظ کا اطلاق ایرانیوں، ترکوں اور تاتاریوں پر ہوتا ہے اور "ہاں اکثر لوگ عیسائیوں کو بھی مغل کہتے ہیں"۔ وہ اور نیز طامس رو کہتے ہیں کہ اس لفظ کا مفہوم "ختنہ شدہ" ہے(3) گویا اس کا اطلاق تمام مسلمانوں پر ہوتا ہے۔ برنیر کا قول ہے کہ مغل کہلانے کے لیے صاف رنگ اور مسلمان ہونا کافی ہے۔(4) بولایل گوز اور جان فرایر صرف صاف رنگ ہونا اس لفظ کا مفہوم بتاتے ہیں۔

سیلاب مغلوں کا بادل جو تیرہویں اور چودھویں صدیوں میں شمال مغربی سرحد پر چھا گیا تھا انھوں نے اس لفظ کو لوگوں میں رائج کیا۔ بعد کی صدیوں میں یہ لفظ آزادی کے ساتھ ان سب لوگوں کے لیے استعمال ہوتا تھا جو 1526ء میں بابر کے ساتھ آئے۔ خود بابر آدھا چغتائی اور آدھا مغل تھا۔ اکبر آدھا ایرانی تھا جہانگیر آدھا راجپوت تھا اور شاہجہاں ترک سے زیادہ راجپوت تھا۔ مغلوں کے فوجی افسر مختلف قومیتوں کے تھے جن میں کسی ایک قومیت کا غلبہ نہ تھا۔ ترک تاتاری۔ ایرانی، افغانی، ہندی مسلم اور ہر ذات کے راجپوت۔(5)

امرا کی نوعیت

امرا کی ملی جلی حیثیت کی بنیادی حقیقت ان کی خالص سرکاری حیثیت تھی۔ وراثت کا کوئی عنصر اس میں مطلق نہ تھا۔ نہ تو عہدہ اور نہ خطاب باپ سے بیٹے کو منتقل ہوتا تھا۔ امیر کے انتقال کے بعد اس کی جائداد کا بیشتر حصہ بحق سرکار ضبط ہو جاتا تھا اولاد کے لیے صرف اسی قدر چھوڑا جاتا جس سے وہ اپنی زندگی کا کاروبار شروع کر سکیں۔ اور آگے۔ تو وہ اپنی صلاحیت کے مطابق بڑھ سکیں یا کر سکیں۔ امارت کی نشوونما وقت کے ہاتھ میں تھی اور ضبطی کے قانون میں اس کی کوئی گنجائش نہ تھی۔ یوروپین مبصرین جو موروثی امارت دیکھنے کے عادی ہیں وہ ضبطی کے قانون کو ناانصافی کہتے ہیں اور ملک کے مفروضہ انحطاط کا سبب اسی کو بتاتے ہیں۔ مگر در حقیقت اس ضابطہ کے سختی سے نفاذ نے ملک کو ایسے طاقتور خود غرض افراد کے عذاب سے محفوظ رکھا جیسے پولینڈ کو امرا نے خانہ جنگی اور تباہی کی حد تک پہونچا دیا تھا یا جیسے فرانس کے امرا جو اٹھارویں صدی میں غریبوں کی محنت پر پھلتے پھولتے تھے۔ اگر ایک طرف اس نے عیش و عشرت اور نمائش کی ہمت افزائی کی تو دوسری طرف اس نے استحصال بالجبر کو کم کر دیا۔ اس کا ایک فائدہ یہ ہوا کہ جو بھاری رقمیں تنخواہوں میں صرف ہوتی تھیں ان کا ایک حصہ سرکاری خزانہ میں واپس ہو جاتا تھا۔(6) رات کی رات امرا کی ایک ذات نشوونما پا جانے کی ایک اور احتیاط تھی کہ روسی سلطنت کی طرح امرا کو اس کی

(3) مشرق سے اپنے ملازموں کے ایسٹ انڈیا کو موصول ہوئے خطوط جلد ششم صفحات 83 تا 185۔ سفارت سر طامس رو (مرتبہ فاسٹر) 2،3۔

(4) سفر نامہ برنیر مرتبہ کانسٹبل صفحہ 3۔5۔ دیکھو مآثر الامرا جسے صمصام الدولہ شاہنواز خاں نے اٹھارویں صدی میں معاصر دستاویزات سے مرتب کیا۔

(5) جہانگیر نے بھی اپنی توزک میں اپنے کئی افسروں کا مختصر حال لکھا ہے۔

(6) امرا کی وافر آمدنی کا ذکر کرتے ہوئے سر طامس رو لکھتا ہے: جیسے ہی وہ فوت ہوتے ہیں اور دفن ہو جاتے ہیں ویسے ہی وہ بادشاہ کو واپس ہو جاتی ہے جیسے دریاؤں کا پانی سمندر میں چلا جاتا ہے ... بیوی بچوں کے لیے (وہ) گھوڑے اور ان کا ساز اور کچھ اور املاک چھوڑ دیتے ہیں اور انھیں اس حال میں چھوڑا جاتا ہے کہ وہ از سر نو زندگی شروع کریں۔ ایمبسی صفحات 110 و 111 نیز دیکھو سال بینک (خطوط موصولہ جلد ششم صفحہ 187) سفر نامہ باکس صفحات 424 تا 435 منوشی (مرتبہ ارون) جلد اول صفحہ 205 دنیز دیکھو برنیز۔ ڈبلیو ایچ مورلینڈ (انڈیا ایٹ دی ڈیتھ آف اکبر) کا یہ خیال صحیح نہیں ہے کہ تاجروں کی املاک بھی بحق سرکار ضبط ہو جاتی تھی۔

ممانعت تھی کہ وہ بادشاہ کی مرضی کے بغیر کوئی شادی کا رشتہ قائم کریں۔

زمینداری نہ تھی

مغل سلطنت کے بیشتر حصہ میں آجکل کی طرح زمینداری کا رواج نہ تھا۔ سلطنت کے اندر زیر حفاظت راجپوتانہ کے اہل ریاست ہندورئیس یا پہاڑی یا دور افتادہ علاقوں میں تھے۔

مغل سلطنت قوت کے زور پر نہ تھی

چنانچہ جس چیز پر مغل سلطنت کی بنیاد تھی وہ ذات نہ تھی۔ سلطنت کے لفظ سے قوت کا تصور ہوتا ہے۔ یہ تو یقیناً فوراً تسلیم کیا جاسکتا ہے کہ ہر سلطنت کا جزوی طور پر دارومدار قوت پر ہے لیکن اول تو قوت کا مطلب ایک رضامندی فوج کا وسیلہ ہے جو کسی قوم کے افراد پر مشتمل ہو یا عام طور پر بھرتی کی جائے۔ دوسرے یہ کہ قوت ریاست کے سہارے کا صرف ایک جزو ہے لیکن خالص یہی یا خصوصاً یہی سہارا نہیں ہے۔ سنگین سے سب کام لیا جاسکتا ہے مگر اس پر بیٹھا نہیں جاسکتا۔

یہ بات قدرتاً ناممکن تھی کہ ایک وسیع ملک میں آبادی کی کثیر تعداد لاکھوں دیہاتوں اور قصبوں میں پھیلی ہوئی محض قوت کے زور پر زیادہ دنوں تک قابو میں رکھی جاسکے۔ مزید براں قرون وسطیٰ کی ساری تاریخ کے مطالعہ میں یہ بات برابر ذہن نشیں رکھنا چاہئے کہ اس زمانہ میں ریاست کی باضابطہ فوج اور غیر تربیت یافتہ مسلح مجمع میں بہت کم فرق تھا۔ قوت کے استعمال سے قوت کو اشتعال ہوگا اور سلطنت بہت جلد خطرہ سے دوچار ہو جائے گی۔ میکالے نے ایک فقرہ میں جو لفظی تغیر کے ساتھ انگلستان کی تاریخ کی طرح ہندوستان کی تاریخ پر بھی منطبق ہوتا ہے اور جس کی اہمیت وقت گزرنے پر اور زیادہ ہوگئی ہے۔ اس خیال کو بڑے اچھے الفاظ میں ظاہر کیا ہے اس نے لکھا ہے کہ "ایک انیسویں صدی کے انگریز کے لیے یہ تصور کرنا بہت مشکل ہے کہ چار سو برس پہلے یہ روک (مادی قوت) کس طرح بروئے کار لائی جاتی تھی۔ مدت سے لوگ اسلحہ کا استعمال بھول گئے۔ لڑائی کا فن اب اتنا مکمل ہو گیا ہے کہ پہلے زمانہ میں اس کو وجود نہ تھا اور اس فن کا علم صرف ایک طبقہ میں محدود ہے۔ اچھے تربیت یافتہ اور معقول قیادت کے ماتحت ایک لاکھ سپاہی کا شتکاروں اور اہل حرفہ کے دس لاکھ کے مجمع کو قابو میں رکھ سکتے ہیں۔ حفاظتی فوج کے چند دستے ایک بڑے دارالسلطنت کی غیر مطمئن آبادی کو مرعوب کرنے کے لیے کافی ہیں۔ (سماج کی موجودہ حالت میں) مزاحمت کو ایسا علاج سمجھنا چاہئے جو سلطنت پر آئی ہوئی ہر مصیبت سے زیادہ جان لیوا ہے۔ اس کے برعکس قرون وسطیٰ میں سیاسی بے چینی کے لیے مزاحمت ایک معمولی تدبیر تھی اور ایسی تدبیر جو بروقت موجود تھی اور اگرچہ اس وقت وہ شدید تھی مگر اس کے مابعد برے نتائج نہیں ہوتے تھے۔ اگر کوئی مقبول عام رئیس مفاد عامہ میں علم بغاوت بلند کرتا تو ایک بے ضابطہ فوج ہر وقت جمع کی جاسکتی تھی۔ باضابطہ فوج کا اس وقت وجود نہ تھا۔ ہر شخص میں ذرا سپاہیانہ جذبہ تھا اور ایسے شاذ و نادر ہی لوگ تھے جو اس سے زیادہ سپاہیانہ جذبہ رکھتے ہوں"۔ کسی آبادی کو محض فوجی قوت سے دبائے رکھنا جیسا آج مشکل ہے اس سے زیادہ اس وقت مشکل تھا۔ مغل حکومت کو ڈیڑھ صدی سے زیادہ قائم رہنے کے لیے اس سے زیادہ ٹھوس بنیاد کی

ضرورت تھی۔(7)

مغل حکومت مذہبی نہ تھی

لیکن اس بنیاد کو مذہب میں نہ تلاش کرنا چاہئے۔ یہ تو صحیح ہے کہ حکومت کا سیاسی تصور مذہبی ہی ہے موسوی ضابطہ میں بادشاہ کو محض خلیفۃ اللہ سمجھا جاتا تھا جو الہامی قانون کا پابند تھا۔ اسلام خلیفہ یا امیر المومنین کو یہ حکم دیتا ہے (اور مغلوں نے خود ہی خلافت کے اختیارات اپنا لیے تھے) کہ وہ قرآن کے مطابق حکومت کرے۔ علما اور فاضل دینیات اور فقہا نے باوجود اسلام کے خلاف ہونے کے خود اپنی پیشوایان دین کی جماعت بنالی تھی، وہ اس کے مدعی تھے کہ انھیں قرآن کی تفسیر کا حق ہے اس لیے وہ سلطنت کی پالیسی کی رہنمائی کر سکتے ہیں۔

یورپ اور ہندوستان میں مذہبی جماعت اور حکومت کے مابین کشمکش

ہندوستان میں اسلامی حکومت نے ابتدائی زمانہ میں مذہبی جماعت سے رابطہ کو بخوشی قبول کر لیا۔ یورپ کی طرح ہندوستان میں بھی مذہبی جماعت تربیت دینے والی دایہ بنی ہوئی تھی۔ لیکن جیسے ہی حکومت سن شعور کو پہونچی اس نے اس دایہ کو برطرف کر دیا اور جس اقتدار کو اس نے اتنے دنوں تک اپنایا تھا اس سے دست بردار ہونے سے انکار کر دیا۔ جس کا نتیجہ شدید کشمکش کی صورت میں ظاہر ہوا۔ مقدس سلطنت رومہ اور پاپائیت کے مابین اور انگریزی پلان ٹی جنٹ اور کنٹربری کے آرچ بشپ کے مابین اور شاہان فرانس اور پوپ کے مابین طویل کشمکش تاریخ یورپ کا ایک دلچسپ باب ہے۔ ہندوستان کی تاریخ میں بھی اس کا نمونہ مفقود نہیں۔ یہ عجیب مطابقت ہے کہ جس وقت فریڈرک دوم جو قرون وسطیٰ میں ایک واضح طور پر جدید قسم کا حکمراں تھا پوپ اینوسنٹ سوم اور ہنوریس سے زندگی اور موت کی جدوجہد میں پھنسا ہوا تھا ہندوستان میں علاء الدین خلجی جو کوئی حیثیت سے ہندوستان کی تاریخ کے تاریک ترین دور میں انوکھا جدید طرز کا حکمراں تھا اسلام کی مذہبی جماعت سے برسرپیکار تھا۔ فرانس کے فلپ چہارم کی پاپائیت سے کشمکش کا وہی زمانہ ہے جس زمانہ میں محمد تغلق علما سے برسرپیکار تھا۔ سولہویں صدی تک ہندوستان میں اور نیز یورپ میں حکومت مذہبی غلبہ سے آزاد ہو گئی تھی۔ اس آزادی میں یورپ کی طرح ہندوستان میں بھی احیائے جدید یا اصلاحی تحریکات کا بعض صورتوں میں یکساں اور بعض صورتوں میں مختلف انداز کا بڑا حصہ تھا۔ ہندوستان میں اکبر نے اور انگلستان میں الزبیتھ نے سولہویں صدی کے نصف آخر میں اس عمل کی تکمیل کر دی۔ ہندوستان میں اکبر کے سامنے ذرا مشکل کام تھا مگر جو تابڑ توڑ ضربیں اس نے لگائیں وہ مہلک ثابت ہوئیں۔ مذہبی جماعت کو مجبوراً سماج میں اپنے فطری مقام پر چلا جانا پڑا۔ اب حکومت کو ان کی سربراہی گوارا نہیں رہی تھی۔ انھوں نے عوام الناس میں اپنا بیشتر اثر کھو دیا تھا اس لیے کہ انھوں نے زمانہ کا ساتھ نہیں دیا تھا ان کی تنگ نظرانہ، متعصب اور رجعت پسند پالیسی لازمی طور پر آبادی کے طاقتور حصہ کو ان سے برسرعناد کر دیتی۔ خاص کر ہندوستان میں مذہبی جنون یا نظام سے ہندوستان کی کروڑہا آبادی ان

---

(7) حکومت کی اخلاقی بنیاد کے لیے دیکھوٹی ایچ گرین کے خطبات پر نسپلز آف پولٹیکل آبی گیشن پر صفحات 121 تا 141۔ نیز بوسانکے کی فلاسوفیکل تھیوری آف اسٹیٹ۔

سے برافروختہ ہو جاتی اور سلطنت کی چولیں ہلا دیتی۔ سترہویں صدی کی آخری چوتھائی میں اورنگ زیب نے اس تجربہ کی کوشش کی مگر جلد ہی مشکلات میں گھر گیا۔ جہانگیر اپنی ہوشمندی اور تدبر سے اپنے والد کی واضح طور پر بنائی ہوئی پالیسی پر ٹھیک ٹھیک عامل رہا۔

عوام الناس نے بخوشی قبول کیا

چنانچہ سترہویں صدی کی مغل حکومت کی بنیاد میں ہمیں نہ مذہب کا سہارا نظر آئے گا نہ قوت کا اور نہ ذات کا۔ یہ سہارا ہمیں عام طور پر لوگوں کی سرگرم یا جامد رضامندی میں نظر آئے گا۔ جمہوری شکل میں استبدادیت کبھی نمودار نہیں ہو سکتی مگر جس حد تک یہ عوام کی مرضی کی نمائندہ ہو اس میں جمہوری اصول کی روح پائی جائے گی۔ اس طرح ایتھنس میں پی ستافس کی استبدادیت روما میں آغسطس کی استبدادیت اور جرمنی میں شارلیمان کی استبدادیت تھی۔ قرون وسطیٰ کے انگلستان میں نارمن انجوین استبداد حریص جاگیردار امرا کے خلاف بادشاہت کے عوام سے غیر رسمی اتحاد پر مبنی تھی۔ پرو تھیرو نے اس بات پر زور دیا ہے کہ ٹیوڈو اشاہی لازمی طور پر قومی بادشاہت تھی۔ تھیوس نے نہایت شوخ رنگ آمیزی سے اس جوش و خروش کی تصویر کھینچی ہے جس سے فرانسیسی قوم نے 1799ء میں خود کو نپولین بوناپارٹ کے بازوؤں میں ڈال دیا تھا۔ اگر ہم ظاہری شکل و صورت سے بالکل دھوکہ نہ کھائیں تو ہم دیکھیں گے کہ شاہیت حکومت خواص اور جمہوریت کے اصول حکومت کی شکل سے غیر متعلق ہے اور یہ کہ یہ کسی طبقہ کے ادارے میں ایک دوسرے سے مخلوط نظر آئیں گے۔ مغل حکومت کو منتخب مجالس کا کوئی علم نہ تھا اور نہ آئینی حقوق کا مگر اس میں اس قدر جمہوری عنصر تھا کہ اس کی عام پالیسی عوام کی خواہشات اور جذبات سے ہم آہنگ تھی۔

عام رضامندی کی شرط۔ مذہبی آزادی

عام رضامندی کی ایک شکل ہندوستان میں یقیناً مذہبی عقیدہ اور طریق عبادت کی آزادی تھی۔ مسلم حملہ آوروں نے جلد ہی محسوس کر لیا کہ مذہبی آزادی کی کتنی اہمیت ہے اور اسی کے مطابق اپنی پالیسی کی تشکیل کی۔ آٹھویں صدی عیسوی میں محمد بن قاسم کی سندھ میں حکومت اعتدال اور رواداری کی روشن مثال ہے۔ تیرہویں صدی میں شمالی ہند کے حملہ آوروں نے ایک دوسری پالیسی کا تجربہ کرنا چاہا اور اسے مایوس کن پایا۔ پندرہ صدی عیسوی تک منضبط جبر کا زمانہ ختم ہو گیا سولہویں اور سترہویں صدیوں میں ہندوستان بحیثیت مجموعی مذہبی آزادی کے معاملہ میں اس عہد کے یورپ کے بالکل ضد تھا۔ اکبر سے جس غلط طور پر رواداری کی ساری پالیسی منسوب کی جاتی ہے اس نے دراصل اپنے عہد کی روح کو اپنا لیا تھا اس نے اس پالیسی کو عقلی حد تک پہونچا دیا لیکن خود یہ پالیسی محض ضرورت وقت کا نتیجہ تھی۔ یہ حکومت کے قیام ہی کے لیے لازمی شرط تھی۔ خود اورنگ زیب نے اسے بالکل بدل دینے سے احتراز کیا۔ جہانگیر اور شاہجہاں کے عہد میں جن یورپین سیاحوں نے یہاں کا دورہ کیا وہ سارے ملک میں بحیثیت مجموعی کامل مذہبی

رواداری کی پرزور شہادت دیتے ہیں۔(8)

سماجی آزادی

مغل حکومت کے سہارے کی ایک اور اخلاقی صورت سماجی زندگی کی آزادی تھی۔ کوئی حکومت جو لوگوں کے سماجی رسم و رواج اور طور طریقے بدلنے کی کوشش کرتی وہ ایک دن بھی زندہ نہیں رہ سکتی تھی۔ اندر سے اصلاح ہو سکتی تھی اور ہوئی بھی لیکن اس میں حکومت کی مداخلت برداشت نہیں کی جا سکتی تھی۔ اکبر نے بیوہ کو زندہ جلانے کی ظالمانہ رسم ختم کرنے اور اتنی ہی ظالمانہ رسم جبری بیوگی کو ختم کرنے اور بچپن کی شادی اور کثرت ازدواج(9) کو روکنے کی کوشش کی۔ یہ قوانین اگرچہ معقولیت اور انسانی ہمدردی پر مبنی تھے۔ مگر انھیں کبھی تلوار کے زور پر مسلط نہیں کیا گیا۔ ستی کی ایک اور ہولناک شکل تو مسلم ہندوؤں میں رائج تھی کہ بیوہ کو اس کے شوہر کی لاش کے ساتھ زندہ دفن کر دیتے تھے(10)۔ جہانگیر نے اس کی سختی سے ممانعت کی مگر محض فہمائش پر اکتفا کی اور ہندوؤں کی رسم ستی کے متعلق(11) بھی۔ ذات پات کے متعلق ہندوؤں کے غیر معقول احساسات کا برابر احترام کیا جاتا تھا۔ ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان شادی بیاہ کے رواج کو فروغ دینے کی کوئی کوشش نہیں کی گئی۔ بعض پہاڑی قبائل میں(12) جو ایسی مابین فرقی شادیاں رائج تھیں ان کی جہانگیر نے ممانعت کی جو یقیناً ہندو اور مسلمان دونوں کی خوشی کی بات تھی۔

گاؤں کی خود اختیاری کا احترام

مغلوں سے وفاداری کی ایک تیسری فطری بنیاد گاؤں کی اس بہت ہی قدیم خود اختیاری کا احترام تھا جو اٹھارویں صدی عیسوی تک ہندوستان کے معاشی اور سماجی نظام کی مرکزی خصوصیت تھی دیہی (پنچایت جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے اس میں پانچ یا زیادہ آدمی ہوتے تھے جیسا کہ عموماً ہوتا تھا قدیم رسم و رواج کے خلاف ورزی پر کڑی نظر رکھتی تھی۔ نظم اور باہمی تعاون برقرار رکھتی تھی اور چھوٹے چھوٹے جھگڑے فیصل کرتی تھی۔ جس زمانہ میں حکومت کا بازو اتنا وسیع نہ تھا جتنا آج ہے اور بڑے بڑے زمینداروں کا وجود نہ تھا اس وقت دیہی نظام ملک میں حقیقی قوت تھا۔

---

(8) ریورینڈ ایڈورڈ ٹیری کا بیان ہے کہ تمام مذاہب سے رواداری برتی جاتی تھی اور ان کے پادری خوش و خرم ہیں خود مغل اعظم نے انھیں اکثر فادر سے مخاطب کیا پرچہ جات 9 صفحہ 52 و (جہانگیر) تمام مذاہب سے راضی ہے، البتہ وہ تبدیل مذہب کو پسند نہیں کرتا۔ ٹامس رو ایمبسی صفحہ 314۔ ڈیلا ویل نے یہ دیکھا کہ ہندو مسلمان سب مل جل کر رہتے ہیں اس لیے کہ مغل اعظم اگرچہ وہ خود مسلمان ہے (مگر ایسا خالص نہیں جیسا لوگ کہتے ہیں) تاہم وہ اپنی سلطنت میں ایک دوسرے سے امتیاز نہیں کرتا اور اس کے دربار اور فوج میں حتیٰ کہ اعلیٰ ترین عہدوں پر بھی سب کا برابر لحاظ اور احترام کیا جاتا ہے۔ سفر نامہ جلد اول صفحہ 30 ڈیلا ویل کے ایک ذاتی ملازم کے دلچسپ واقعہ کے متعلق جسے مغل پالیسی کا علم نہ تھا اس لیے اس نے جلدی سے اپنا مذہب بدل لیا دیکھو سفر نامہ جلد اول صفحات 120 تا 129 جہانگیر نے خود اپنی توزک میں اپنے والد کی مذہبی پالیسی کی اہمیت کا ذکر کیا ہے۔

(9) بدایونی (لو) جلد دوم صفحہ 367۔

(10) جہانگیر (راجرس و بیورتج) جلد دوم صفحہ 181۔

(11) آخر الذکر ستی کے بارے میں دیکھو پیٹر منڈی جلد دوم صفحات 34، 36، 179 تا 180۔ تھورنیر (مرتبہ بال) جلد اول صفحہ 219 و جلد دوم صفحات 207 تا 234۔ سرکار کی ہسٹری آف اورنگ زیب جلد سوم صفحہ 104۔

(12) جہانگیر (راجرس و بیورتج) جلد دوم صفحہ 181۔

حکومت کی سرگرمیوں کا دائرہ

مذہبی اور سماجی زندگی اور دیہی زندگی میں مداخلت سے حکومت کے احتراز کا عموماً یہ مطلب سمجھا جائے گا کہ اس کی سرگرمیوں کا دائرہ بہت محدود ہو جائے گا لیکن اس وقت کے حالات میں یہ ناگزیر تھا۔ جیسا کہ ارسطو نے کہا ہے انسان ایک سیاسی ہستی ہے اور جیسا کہ برک نے کہا کہ سماج یا سلطنت کوئی مصنوعی پیداوار نہیں ہے۔ فرد کو اپنی حقیقت کا احساس کرنے اور اپنے مقسوم کو حاصل کرنے کے لیے اسے سلطنت کا رکن ہونا چاہیے لیکن وہ اس پر آمادہ نہیں ہو سکتا کہ بلا قید و شرط کسی کا پابند ہو جائے۔ ضابطہ کے بموجب کوئی حکومت جب تک وہ براہ راست یا نمائندہ جمہوریت نہ ہو عام مذہب یا نظام کو ہاتھ لگانے کی جرأت نہیں کر سکتی۔ ان شعبوں میں اسے سماج کو خود اپنی تنظیم کرنے کے لیے آزاد چھوڑ دینا چاہیے۔

مغل حکومت کے فرائض۔ آئینی اور عملی

باجود اس کے مغل حکومت کا دائرہ عمل بہت وسیع تھا اسے بیرونی خطرہ سے ملک کی حفاظت کرنا تھا اور خارجہ پالیسی کو منظم کرنا تھا اور جرائم کی سزا دینا اور افراد کے مابین معاہدوں کے حقوق کا تعین کرنا ان آئینی فرائض کے علاوہ اس نے بہت سے عاملانہ فرائض بھی اختیار کر لیے تھے۔ اس نے سکہ کی قیمت مقرر کی، تجارت اور حرفت کو منظم کیا۔ شاہراہوں کو درست رکھا، کچھ شفاخانے کھولے اور علم و فن کی بڑے پیمانہ پر ہمت افزائی کی۔ چنانچہ جہانگیر نے تخت نشین ہونے پر ان محاصل اور ٹیکسوں کو منسوخ کیا جو جاگیرداروں نے اپنے فائدہ کے لیے عائد کیے تھے۔ (13) اس نے یہ حکم دیا کہ تاجروں کی گٹھریاں جو راستہ میں چنگی کے محصول کے لیے کھولی جایا کرتی تھیں وہ نہ کھولی جایا کریں۔ (14) اس نے مسافروں کے لیے آرام گاہیں، مسجدیں، مدرسے اور اسپتال تمام بڑے شہروں میں تعمیر کرنے اور سرکاری خرچ پر طبیب مقرر کرنے کا حکم دیا۔ (15) اگر کسی شخص کے مرنے پر اس کے وارثوں کا پتہ نہ چلتا تو اس کی املاک مدرسے، سرائے، تالاب اور کنوؤں کی تعمیرات اور پلوں کی مرمت میں صرف کی جائے۔ (16) بعد کو گجرات کے نمونہ پر حملوں کے ستانے کے لیے دیواریں تعمیر کی گئیں۔ (17) اس نے شراب اور تمباکو کی ممانعت کی اور مشرقی بنگال میں آختہ کرنے کے مروجہ رسم کو موقوف کرنے کے لیے ایک فرمان جاری کیا۔ اورنگ زیب نے سترہویں صدی کے نصف آخر میں باضابطہ طور پر اخلاقی اصلاح کی تدبیر شروع کی۔ محتسب اخلاق عامہ کی مدد کے لیے منصبداروں اور احدیوں کا عملہ مقرر کیا گیا۔ صوبائی گورنروں کو حکم دیا کہ وہ اس اہم کام میں مدد دیں اور اس میں غفلت بادشاہ کی ناراضی کا موجب ہوگی۔ اس کی حکومت کے سارے زمانہ

(13) جہانگیر (راجرس و بیوریج) جلد اول صفحہ 7۔ جہانگیر کی تخت نشینی پر جو بارہ دستور العمل نافذ کیے گئے تھے ان میں یہ پہلا ضابطہ ہے۔ جہانگیر (راجرس و بیوریج) جلد اول صفحہ 8۔

(14) جہانگیر (راجرس و بیوریج) جلد دوم صفحہ 8 ضابطہ نمبر 3۔

(15) مراۃ احمدی از علی محمد خاں جلد اول صفحہ 209۔ خافی خان جلد اول صفحہ 249۔ جہانگیر (راجرس و بیوریج) جلد دوم صفحات 8،9 ضابطہ نمبر 2، 10 تاریخ جان جہاں از جان جہاں خان۔ مخطوطہ ایشیاٹک سوسائٹی بنگال جس کی این این لا نے اپنی کتاب پروموشن آف لرننگ ڈیورنگ محمڈن نائمز کے صفحہ 175 پر نقل کی ہے۔

(16) جہانگیر (راجرس و بیوریج) جلد دوم صفحہ 8 ضابطہ نمبر 4۔

(17) جہانگیر (راجرس و بیوریج) جلد دوم صفحہ 420۔ ان تعمیرات کا حکم 1618ء میں دیا گیا تھا۔

میں فرمان پر فرمان جاری ہوتے رہے کہ شرع شریف کے مطابق اوامر و نواہی کا نفاذ کریں۔ پرانی مسجدوں کے علاوہ خانقاہوں کی بھی مرمت کی گئی۔ طالب علموں کے لیے وظیفے مقرر کیے گئے کہ وہ اطمینان کے ساتھ علم دین حاصل کر سکیں۔

دربار میں موسیقی اور دوسرے تفریحی مشاغل کی ممانعت کر دی گئی اور جب موسیقاروں نے موسیقی کا جنازہ نکالا تو ان سے سکون کے ساتھ کہا گیا کہ وہ اسے گہرے میں دفن کریں۔ بھنگ اور چرس کی کاشت ممنوع کر دی گئی۔ طوائفوں اور پیشہ ور عورتوں کو اورنگ زیب نے حکم دیا کہ وہ یا تو نکاح کر لے ورنہ ملک سے نکل جائیں۔ ستی کی پھر سختی سے ممانعت کی گئی۔ محرم کے جلوس بند کر دیے گئے۔ ہندوؤں کے ہولی تہوار میں اب فحش گانے نہیں گائے جا سکتے تھے۔(18)

یہ تو صحیح ہے کہ ان احکام کی ہمیشہ پورے طور پر تعمیل نہیں ہوئی مگر اس کی وجہ ان کی نیت میں نقص نہ تھی بلکہ آمد و رفت کی دشواریاں دور کرنے سے بہر حال اس سے حکومت کے مزاج کی زبردست شہادت ملتی ہے لیکن حکومت کی فیاضانہ خصوصیت سب سے زیادہ علوم و فنون کے سلسلہ میں ظاہر ہوتی ہے۔ فارسی مورخین نے ایسے اہل علم کی طویل فہرست دی ہے جنہیں مغلوں کی فیاضی نے حاجتمندی سے بے نیاز کر دیا بلکہ مالا مال بھی کر دیا۔(19) اگر ہم فارسی اور ہندی شعراء کی سوانح حیات کا مطالعہ کریں تو ہمیں یہ دیکھ کر حیرت ہوگی کہ کتنے کثیر التعداد لوگوں نے دربار کی سرپرستی کی خواہش کی اور حاصل کی۔(20) اس زمانے میں دنیا کی کسی سلطنت میں تعلیم عامہ کا کوئی مستقل محکمہ نہ تھا۔ مغلوں نے اس کمی کو پورا کرنے کے لیے علمی قابلیت کی وسیع پیمانے پر سرپرستی کی۔ ہندوستان کے فن مصوری سے جہانگیر کی دلچسپی اور کوشش نے اس فن کو بہت بلند درجہ تک پہونچا دیا۔ رو اور ٹیمری دربار مصوروں کی اعلیٰ صناعی دیکھ کر حیرت زدہ ہو گئے۔(21) لاہور میں تصویروں کا کمرہ جس میں شاہی خاندان اور امرا کی تصویریں ہیں دنیا کے خوبصورت ترین تصویر خانوں میں شمار ہونے کے قابل ہے۔(22) فن موسیقی کو مالا مال کر دیا گیا

---

(18) جہانگیر (راجرس و بیورج) جلد دوم صفحہ 8 ضابطہ نمبر 5۔ نیز جلد اول صفحات 370 تا 371 و جلد دوم صفحات 151 و 68۔ لیکن دیکھو نیری (صفحہ 96) و فرایہ (صفحہ 52) تمباکو نوشی پر خطوط، موصولہ جلد اول صفحہ 300 ہادی صفحہ 97۔ تمباکو نوشی کے رواج کے بارے میں دیکھو اسد بیگ (ایلیٹ وڈاوسن) جلد ششم صفحات ۱۶۵ تا ۱۶۷ منومشی مرتبہ ارون جلد دوم صفحات 95 تا 97 سرکار کی اورنگ زیب جلد سوم صفحات 102 تا 104۔

(19) مثلاً اکبر کے عہد کے لیے آئین اکبری اور شاہجہاں کے عہد کے لیے عبد الحمید لاہوری۔ اقبال نامہ صفحہ 300 محمد ہادی صفحہ 28 جہانگیر (راجرس و بیورج) جلد دوم صفحہ 46 و جلد دوم صفحات 345، 257 وغیرہ جہانگیر کے عہد کے لیے۔

(20) معرابر اورس کی معرابند حود تیو د جلد اول و دوم، شیو سنگھ سر دجا نول کشور پریس، لکھنؤ، کاشی ناگری پر چارنی سبھا ورنا سی کے ہندی مخطوطات پر ریسرچ رپورٹ۔ بنی پرشاد کی اے نیو اسپکٹس آف ایجوکیشن اینڈ لٹریچر انڈر دی گریٹ مغلس، انڈین ہسٹاریکل کمیشن کے پانچویں اجلاس کی روداد۔ کہا جاتا ہے جہانگیر نے سورداس کی نظموں کو جمع کرنے اور مرتب کرنے کا حکم دیا اور ہر نیا بھجن جو دستیاب ہوا اس پر ایک مہر کا انعام مقرر کیا، اور یہی وجہ ہے سور ساگر کے اتنے ضخیم ہونے کا ہے لیکن یہ روایت غالباً صحیح نہیں ہے تاہم یہ قابل لحاظ ہے۔

(21) ایک درباری فنکار نے اصل تصویر کی جو نقل اتاری تو سر طامس رو کو اصل اور نقل میں امتیاز کرنا مشکل ہو گیا۔ جہانگیر نے انھیں اجازت دی کہ وہ جو تصویر چاہیں انگلستان لے جا کر دکھائیں کہ ہم اتنے برے فنکار نہیں ہیں جیسا وہ سمجھتے ہیں۔ ایضاً صفحات 210، 211۔ نیری صفحہ 135۔ نیز دیکھو کمار سوامی کا مضمون جرنل آف رائل ایشیاٹک سوسائٹی 1910ء صفحات 874 تا 881۔

(22) اس کی تفصیل کے لیے دیکھو ولیم فنچ (پرچہ جات جلد چہار صفحات 53 تا 55)۔

اور خوش نویسی کی تربیت بطور فنون لطیفہ کے حاصل کی گئی۔(23)

مغل سلطنت۔ایک تہذیب

یہ واضح ہے کہ سلطنت مغلیہ ایک قانونی یا تعزیری حکومت سے ترقی کر کے ایک تہذیبی سلطنت بن گئی۔

نظام حکومت مغل حکومت کے سترہویں صدی میں یہ مقاصد اور یہ سرگرمیاں تھیں۔ یہ وہ حکومت نہ تھی جسے سر جان سیلے نے غیر منظم قسم کی حکومت کہا ہے۔ تقابلی سیاست کے طریقوں کی روشنی میں اس کے نظام حکومت کا گہرا مطالعہ کرنے کی ضرورت ہے اور اس کی مرکزی اور صوبائی دونوں حیثیتوں پر نظر ڈالنا مناسب ہوگا۔

بادشاہ اور اس کی مجلس

حلقہ کا مرکزی نقطہ یقیناً بادشاہ تھا۔ آجکل کے مفہوم میں آئین کا کوئی وجود نہ تھا لیکن اعلیٰ سے اعلیٰ ذہنیت کا انسان حتیٰ کہ جولیس سیزر اور نپولین بھی ایک وسیع سلطنت کے گوناگوں مسائل کو بلا دوسرے دماغوں کی مدد کے حل نہیں کر سکتا تھا۔ ایک پرانے تجربہ کار مدبر نے جو انتظامی امور کی مہارت رکھتا تھا کہا تھا کہ اسے کوئی تجویز ایسی نہیں معلوم جس میں کم از کم ادنیٰ ذہانتوں کی مدد کے بغیر سدھار ہوا ہو۔ حکومت جو تمام عملی فنون میں سب سے مشکل ہے متعدد دماغوں کی امداد کی متقاضی ہے۔ ہر استبدادی حکومت لازمی طور پر ایک کونسل کے اقتدار کے تابع ہوتی ہے۔ بادشاہ اور مشیروں کے متعلقہ اثر کا تعین شخصی مساوات سے ہوگا لیکن مجلس مشاورت شاہی کا لازمی جزو ہے قدیم ہند و حکمرانوں کی مجلس وزرا تقریباً آٹھ افراد کی ہوتی تھی جسے مرہٹہ حکمراں شیواجی نے سترہویں صدی کے آخر میں پھر سے قائم کیا۔ رومن شہنشاہوں کی اپنی مشیر جماعت تھی۔ نارمن انجوین استبدادیت کیوراریجس کی مدد سے چلتی تھی۔ ٹیوڈور استبدادیت کو پریوی کونسل کا عہد زریں کہا جاتا ہے۔ نپولین کی کونسل آف اسٹیٹ تھی جس کا برابر اجلاس ہوتا تھا۔ ہونزولرون کی اسٹاٹراتھ جسے جوشم فریڈرک نے 1604ء میں قائم کر دیا تھا اور جیسا کہ وڈراوولسن نے کہا ہے۔ بحیثیت مجموعی انگلستان کی پریوی کونسل کی ہم جنس تھی۔ اسٹین نے انیسویں صدی کے آغاز میں اسے از سر نو منظم کرنے کی کوشش کی۔ قیاسی ملحوظات کا اس قطعی تاریخی شہادت سے اتفاق ہے کہ مغل شہنشاہ کی ایک نامزد کردہ مجلس تھی جس کا اکثر اجلاس ہوتا تھا اور اس میں تمام اہم معاملات پر غور و خوض ہوتا تھا۔ اس میں اعلیٰ حکام ہوتے تھے جنہیں خاص طور پر مدعو کیا جاتا تھا اور جسے دیوان خاص کہتے تھے۔ جس کمرے میں اس کا اجلاس ہوتا تھا اس کا نام غسل خانہ ہو گیا اس لیے شیر شاہ نے اس کا اجلاس یہیں طلب کیا تھا جب کہ وہ بالوں کی لٹیں غسل خانہ میں سکھار ہا تھا۔ اس مجلس کی روئدادیں ضائع ہو گئیں لیکن فارسی تاریخوں میں موقعہ بہ موقعہ اندراجات اور یورپین سفر ناموں سے ہم اس کے طریقہ کار کا اندازہ کر سکتے ہیں۔ بادشاہ اس کا صدر ہوتا تھا اور جو تجویز پیش ہوتی تھی اس پر باری باری ہر مشیر اپنی رائے ظاہر کرتا تھا۔ یہیں امور

(23) فنکاری کے اعلیٰ نمونے خدا بخش لائبریری بانکی پور میں اور نیز پرائیویٹ لوگوں کے پاس محفوظ ہیں۔

خارجہ پر بحث ہوتی تھی بیرونی سفراء سے ملاقات ہوتی تھی۔ مہموں کا نقشہ بنایا جاتا تھا اور کمانڈر نامزد کیے جاتے تھے۔ یہاں اعلیٰ شخصیتوں کے قصوروں کی تحقیقات ہوتی تھی اور یا تو کمیٹی کے سپرد کر دی جاتی تھی اور یا وہیں فیصلہ کر دیا جاتا تھا۔(24)

خاص الخاص حکام۔ وکیل

سب سے اونچا عہدہ دار وکیل یا نائب شاہ یا چانسلر یا سلطنت کا وزیر اعظم ہوتا تھا۔ اس کے مقابل ترکی کا وزیر اعظم یا جرمن سلطنت کا چانسلر یا اگلے رومن کا جسٹی سیر ہو سکتا تھا۔ اس کے اختیارات کا تعین اس کی شخصیت کے اعتبار سے ہوتا تھا۔ خلافت عباسیہ میں یہ اکثر خلیفہ کا ہمراز اور یا دلی دوست ہوتا تھا۔ بعض اوقات وزیر اعظم کی جگہ خالی رہتی تھی یا اسے کوئی خاص کام تفویض ہو جاتا تھا۔

دیوان

اس کے بعد کا عہدہ یا دیوان چانسلر آف اکس چیکر کا تھا جو مالی امور کا سربراہ تھا۔ اس عہدہ کا نام نظام خلافت سے لیا گیا ہے اور جیسا کہ عباسیوں کی حکومت میں ہوتا تھا اسے کوئی خاص کام تفویض ہو جاتا تھا۔

بخشی

بخشی کے ذمہ بہت سے جنگی فرائض تھے اور کبھی وہ معتمد جنگ اور تنخواہ تقسیم کرنے والے دوہرے فرائض پر معمور کر دیا جاتا تھا۔

صدر الصدور

قاضی القضاۃ یا صدر الصدور سلطنت کے عدالتی امور کا سربراہ تھا وہ وزیر امور مذہبی و امور خیر و عطیات تھا مگر اکبر نے اس کے اختیارات بہت کم کر دیے تھے۔

میر عرض

میر عرض کے ذمہ وہ ہزاروں درخواستیں ہوتی تھیں جو بادشاہ کے پاس آتی تھیں اس کا مقابلہ رومن امپائر کے اس عہدہ سے کیا جا سکتا ہے جسے سیر بینا کہتے تھے اور جو مراتب اعزاز کا تعین کرتا تھا۔

چھوٹے بخشی اور دیگر عہدہ دار

چھوٹے بخشیوں کے ذمہ شاہی فرامین کا مسودہ بنانا مہر کرنا اور جاری کرنا تھا۔ دوسرے خاص خاص عہدہ دار، میر مال، قور بیگ، میر بحر، میر بر میر منزل، منشی اور میر توزک اور آختہ بیگ تھے۔ اورنگ زیب کے عہد میں عوام کے اخلاق منظم کرنے کے لیے ایک محتسب کا عہدہ قائم کیا گیا۔ مرکزی حکام،

---

(24) سفارت سر طامس رو صفحات 106 تا 108، 110، 112۔ مآثر الامرا (بیوریج) جلد اول صفحہ 3 بلوکمین جنرل آف ایشیاٹک سوسائٹی بمبئی جلد 44 حصہ اول صفحہ 297۔ مانسریٹ (بحوالہ لینڈ ونرجی صفحہ 203 تا 204)

صوبائی حکام، تمام سرکارات واضلاع کے حکام اور سب سے بڑھ کر مالیہ شعبہ کے ملازمین کے لیے ضوابط عمل بنائے گئے۔ ان کے دائرہ عمل کا تعین کیا گیا۔ ان کے فرائض مفصل طور پر مقرر کیے گئے اور طریقہ عمل کے دستور بنائے گئے۔

محل شاہی کے حکام

رومن شہنشاہوں، میرو نجیس، بادشاہوں اور نارمن بادشاہوں کی طرح مغلوں کے محل میں بھی اعلیٰ حکام تھے جن کے وسیع اختیارات تھے۔ خانساماں یا محل شاہی کا منتظم یا قرون وسطیٰ کی یورپین اصطلاح میں میئر آف دی پیلس جو محل کے نظم ضابطہ اور شاہی ملازمین اور کارخانوں کی دیکھ بھال کرتا تھا۔

سکریٹریٹ

ہر بڑے حاکم کے گرد ایک سکریٹریٹ یا دفتر خانہ، کلرکوں کا عملہ اور دفتر شاہی حکومت کا ساز و سامان جمع ہو گیا تھا۔ (25)

حکومت کے آداب کا عملہ

ان کارکن عملوں کے علاوہ ایک اور عملہ جسے نیج ہاٹ نے حکومت کے آداب کا عملہ کہا ہے مقرر تھا جس سے آبادی پر رعب قائم ہوتا۔ وفاداری اور اعتماد پیدا ہوتا اور کارکن عملہ کی نوعیت ظاہر ہوتی۔

جھروکہ

ہر شام کو بادشاہ دریا کی طرف قلعہ کی ایک کھڑکی میں بیٹھ کر نیچے ہزاروں کے مجمع کو درشن دیتا تھا۔ بادی النظر میں یہ رسم طفلانہ معلوم ہوتی تھی مگر اس سے عوام کا حکومت سے ربط قائم ہو جاتا تھا جس کی اشد ضرورت تھی۔ جہانگیر کو اس کی اہمیت کا احساس تھا۔ اس لیے اس نے اپنی بیماری میں بھی کبھی اس میں ناغہ نہیں کیا۔ یہیں وہ ہر منگل کو مقدمے فیصل کرتا تھا اور غریب سے غریب آدمی کی بھی شکایت سنتا تھا اور کسی کو منع نہیں کرتا تھا بلکہ ہمیشہ دونوں فریق مقدمہ کی بات سنتا تھا۔ یہیں ہر روز دوپہر کو آکر ہاتھیوں اور جنگلی جانوروں کی لڑائی دیکھتا تھا۔ اس لیے کہ انسان ہمیشہ طاقت کا سر نہ جھکتا ہوا دیکھنا پسند کرتا ہے۔ ہر شام کو بہت بڑا دربار منعقد ہوتا تھا جس کی شان و شوکت ہر نظر کو خیرہ کر دیتی تھی۔ اوپر ایک شہ نشیں میں بادشاہ نہایت بیش قیمت لباس پہنے بیٹھا ہوتا تھا جس کے گرد اس کا دفتری عملہ ہوتا تھا۔ اس کے نیچے ایک بلند چبوترہ تھا جس پر خوبصورت قالین اور اوپر ریشم اور مخمل بچھا ہوا ہوتا تھا۔ یہاں بڑے امراء، سفیر اور معزز غیر ملکی مہمان ہوتے تھے۔ اگلا کٹہرہ نجہ عام شرفا کے لیے تھا اور احاطہ پورا عوام الناس سے بھرا ہوتا تھا۔ اسے دیوان عام کہتے تھے جہاں اکثر اہم ملکی معاملات پیش ہوتے تھے لیکن اس کا اصل مقصد عوام کو مرعوب کرتا تھا۔ (26)

---

(25) آئین جلد اول صفحات او۔ 5، 8۔

(26) جہانگیر (راجرس و بیورج) جلد اول صفحات 266، 267 جلد اول صفحات 106 تا 108، 110، 112 بیرنی صفحہ 389 کوریات کی کروڈ نیزان سیجد پرچہ جات چہارم صفحہ 475۔

نوروز

لیکن سب سے زیادہ شاندار منظر دربار کا تقریبات کے موقع پر ہوتا تھا۔ موسم بہار کا سال نو جسے نوروز کہتے تھے اور جسے اکبر نے پارسیوں سے لیا تھا جہانگیر ہر سال انیس دن مناتا تھا۔ دیوان عام میں ایک ساٹھ قدم لمبا اور چالیس قدم چوڑا شامیانہ نصب کیا جاتا تھا۔ جس کے چاروں طرف نہایت قیمتی مخمل ، ریشم اور زربفت کی نہایت خوبصورت کڑھی ہوئی جھولداریاں ہوتی تھیں جن میں سونے موتی، جواہرات ، سونے کے پھلوں، نقرئی تصویروں اور روغنی تصویروں کی جھالریں لٹکتی تھیں اور اس میں ریشمی اور زرکار قالینوں کا سا فرش ہوتا تھا۔ چار پایوں کا چوکور شاہی تخت جس میں سیپ کی پچی کاری ہوتی تھی بیچ میں رکھا جاتا تھا جس کے گرد نرم گدوں کی چند کرسیاں ہوتی تھیں۔ بادشاہ موتیوں اور جواہرات سے لدا ہوا اس پر بیٹھتا تھا۔ حرم شاہی کے لیے گوشہ کے کمرے ہوتے تھے بادشاہ کے خیمے کے گرد تقریباً پانچ ایکڑ کے رقبہ میں امرا کی کرسیاں ہوتی تھیں اور ہر امیر شان و شوکت ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کرتا تھا۔ عجائبات میں چاندی کی دوکانیں لگی ہوتی تھیں۔ بادشاہ ہر حجرے میں جاتا تھا اور عموماً جھک کر کچھ تحفے قبول کر لیتا تھا جس کے عوض میں وہ خطابات، اعزازات، جاگیریں اور ترقیاں دیتا تھا۔ شراب کے دریا بہتے تھے اور نظموں اور قصیدوں کی بھرمار ہوتی تھی۔ موسم بہار کی اس تقریب کے انیس دنوں میں ہر چیز پر شادمانی اور مسرت کا غلبہ ہوتا تھا۔ ایک مینا بازار لگتا تھا جس میں امرا کے خاندانوں کی عورتیں دوکانیں لگاتی تھیں۔ بادشاہ اور حرم شاہی حسین دوکانداروں سے ہلکی مذاق کے ساتھ بھاؤ کرتی تھیں۔ رقص اور موسیقی کے جلسے دن رات منعقد ہوتے تھے۔ (27)

بادشاہ کا تولا جانا

نوروز کے بعد اور شان و شکوہ میں نوروز سے دوسرے ہی درجہ پر بادشاہ کی شمسی اور قمری تاریخ پیدائش پر اس کے تولے جانے کی رسم ہوتی تھی۔ قمری تاریخ پیدائش پر اسے آٹھ مرتبہ اور شمسی تاریخ پیدائش پر بارہ مرتبہ تولا جاتا تھا۔ جن قیمتی اشیاء سے تولا جاتا تھا وہ درباریوں اور غریبوں میں تقسیم

(27) سر طامس رو (ایمبسی جلد اول صفحہ 142 منڈل سلوکہ صفحہ 41) اور خود نیری نے بھی غلطی سے نوروز سے نو دن مراد لیے ہیں لیکن تھیوناٹ (جلد سوم باب 27، صفحات 49 تا 59) نے اس کا صحیح مفہوم سمجھا ہے۔ یہ تقریب فارسی سال کے فروردین مہینہ کی پہلی تاریخ کو شروع ہوتی تھی جبکہ سورج برج حمل میں داخل ہوتا تھا۔ اکبر کے عہد میں اس تقریب کے جشن کے لیے دیکھو آئین جلد اول صفحات 276، 277 اکبر نامہ جلد سوم صفحات 32، 200 تا 201، 236 تا 237، 265، 296، 347، 585، 586 وغیرہ (بیورج) صفحات 45 تا 46، 283 تا 284، 237، 385 تا 389، 436، 510، 889 تا 890 وغیرہ کہ مانسیرات کی صفحہ 629 (ہوائے لینڈو بنرجی) صفحات 174-176 جہانگیر کے عہد کی تقریبات کے بارے میں دیکھو جہانگیر (راجرس و بیورج) جلد اول صفحات 47 تا 49 اور اس کے بعد کے ہر سال کے روزنامچہ کے شروع میں اقبال نامہ اور مآثر جہانگیری نے بادشاہ کی بیان کردہ تفصیل کی نقل کی ہے۔ نیز دیکھو سفر نامہ ہاکنس صفحہ 439 پرچہ جات سوم صفحہ 48۔ کوریات کی کروڈی ٹیزان بیچہ پرچہ جات 9 صفحہ 401 روکا سفارت نامہ صفحات 143 تا 144۔

بعد کی تقریبات کے بارے میں دیکھو شاہجہاں کے عہد کی فارسی تاریخیں خصوصاً عبدالحمید لاہوری کا بادشاہ نامہ پیٹر منڈی جلد دوم صفحات 237 تا 238 تھیوناٹ جلد سوم باب 27۔ صفحات 49، 50 برنیر (ایڈیشن کانسٹبل یہ صفحات 272 تا 273 سنوشی (مرتبہ اروِن جلد اول صفحہ 195)

کٹر مذہبی اورنگ زیب نے اپنی تخت نشینی کے چند سال بعد اس تقریب کو بند کر دیا۔

کر دی جاتی تھیں۔ شان و شکوہ اور طمطراق کی کوئی حد نہ تھی۔ (28)

---

(28) یہ رسم اکبر نے جاری کی تھی، شہزادوں کی عمر جب دو سال کی ہوتی تھی تو انہیں بھی تولا جاتا تھا مگر اس وقت صرف ایک چیز سے اور ہر سال کے اضافے پر ایک چیز بڑھائی جاتی تھی یہاں تک کہ ان کی تعداد سات یا آٹھ تک پہنچ جاتی تھی مگر بارہ سے زیادہ کبھی نہیں ہوتی تھی۔ یہ سب چیزیں محتاجوں اور فقیروں میں تقسیم کر دی جاتی تھیں اور اکبر کے عہد میں اکثر برہمنوں میں بھی اس طرح کے حساب کتاب کے لیے الگ خزانچی اور محاسب مقرر ہوتے تھے جن چیزوں سے وہ تولا جاتا وہ سونا، پارہ، ریشم، عطریات، تانبہ، روح موتیا، گھی، چاول دودھ، سات قسم کا اناج اور نمک تھیں۔ ان چیزوں کی ترتیب ان کی قیمت کے لحاظ سے ہوتی تھی۔ بادشاہ کی عمر جتنے سال کی ہوتی تھی اتنی ہی بھیڑیں، بکریاں اور مرغیاں ان لوگوں کو دی جاتی تھی جو ان کی پرورش کرتے تھے بہت سے چھوٹے چھوٹے جانور بھی چھوڑے جاتے تھے۔ آئین جلد اول صفحہ 266۔ اکبر نامہ (بیورتج) جلد سوم صفحہ 580 آٹھ چیزیں جن سے بادشاہ اپنی قمری تاریخ کی سالگرہ میں تولا جاتا تھا۔ چاندی، ٹین کپڑے، سیسہ پھل، سرسوں کا تیل اور سبزیاں ہوتی تھیں۔ آئین جلد اول صفحہ 266 نیز دیکھو آئین صفحات 266، 267 نوٹ پہلا اکبر نامہ (بیورتج) جلد سوم صفحہ 581۔ بدایونی جلد دوم صفحہ 84، 85 جہانگیر (راجرس و بیورتج) صفحات 77، 78، 232، 234 بادشاہ نامہ جلد اول صفحہ ۲۴۳۔

سر طامس رو نے شمسی سال 1617ء میں تولنے کا حال بڑی وضاحت سے اس طرح بیان کیا ہے کہ یکم ستمبر بادشاہ کی پیدائش کی تاریخ تھی اور اس کے تولنے کی تقریب میں شریک ہوا اور ایک خوبصورت باغ میں لے جایا گیا جس کے چاروں طرف پانی ہی پانی تھا اور کنارے کنارے پھول اور درخت لگے تھے۔ بیچ میں ایک برجی تھی جس میں بادشاہ کے تولنے کا سامان رکھا تھا۔ ترازو ایک قینچی دار کانٹے پر لٹکا تھا اور ترچھا تھا جس پر سونے کا ملمع تھا۔ ترازو ٹھوس سونے کا تھا جس کے کناروں پر جواہرات عقیق اور فیروزے جڑے تھے۔ زنجیر لمبی اور ٹھوس سونے کی تھی جسے ریشم کی ڈوریوں سے کس دیا گیا تھا۔ یہاں قالینوں پر امرا بیٹھے تھے یہاں تک کہ بادشاہ آتے جو ہیرے، عقیق، موتی اور دیگر بیش قیمت زیوروں سے لدے ہوئے تھے اتنے عظیم اتنے شاندار، ان کی تلوار، ڈھال اور تاج اتنے ہی بیش قیمت تھے ان کے سر، گلے سینے اور کہنیوں پر بازو اور کلائی میں زیورات تھے اور ہر انگلی میں دو تین انگوٹھیاں زنجیر دار، یا تراشے ہوئے ہیرے تھے۔ اخروٹ کے برابر اور بعض اس سے بھی عقیق ہوتے اتنے بڑے کہ میری آنکھیں خیرہ ہو گئیں۔ دفعتاً بادشاہ آکر عورتوں کی طرح اکڑوں ترازو پر بیٹھ گئے اور ان کے مقابل دوسرے پلڑے پر وزن کے لیے تھیلے رکھ دیئے گئے جو چھ مرتبہ بدلے گئے اور کہتے ہیں کہ وہ سب چاندی کے تھے اور میرا خیال ہے کہ ان کا وزن نو ہزار سو روپیہ ہوگا جو یقیناً ایک ہزار پونڈ کے برابر ہے۔ اس کے بعد سونا اور جواہرات رکھے گئے لیکن میں نے انہیں نہیں دیکھا اس لیے کہ یہ سب تھیلوں میں تھے۔ ممکن ہے کہ محض پتھر ہی ہوں۔ اس کے بعد زربفت ریشم وغیرہ۔ لینن مسالے اور مختلف قسم کی چیزیں لیکن میں محض یقین کرتا ہوں اس لئے کہ یہ سب چیزیں تھیلوں میں تھیں۔ آخر میں کھانا و غلہ وغیر رکھا گیا جو کہا جاتا ہے کہ سب نبیوں کو دیا گیا مگر میں نے دیکھا کہ یہ سب یکجا کر لیا گیا اور کوئی چیز تقسیم نہیں کی گئی صرف چاندی غریبوں کے لئے محفوظ کر لی گئی۔ اگلے سال کے استعمال کے لیے۔ بادشاہ رات کے وقت کچھ غربا کو بلاتا تھا اور بڑی شفقت اور عاجزی سے انہیں روپیہ تقسیم کرتا تھا جس ترازو پر وہ ایک طرف بیٹھا تھا وہ اس نے مجھے عنایت کر دی اور مجھے جواہرات اور دولت عطا کی اور مسکرایا مگر کوئی بات نہیں کی اس لیے کہ میرے ترجمان نہیں بلائے گئے تھے تولے جانے کے بعد بادشاہ اپنے تخت پر بیٹھا اس کے سامنے اخروٹ بادام اور ہر قسم کے مسالے تسلوں میں رکھے تھے جو اس نے لٹا دیے اور اس کے امرا جھپٹنے کے لئے پیٹ کے بل لیٹ گئے اور بادشاہ نے دیکھا کہ میں نے ایسا نہیں کیا تو اس نے ایک تسلہ میری طرف بڑھا دیا اور میرے دامن میں انڈیل دیا۔ بادشاہ کے امرا اتنے شوخ تھے کہ انھوں نے اس میں مٹھیاں بھر لیں اور میرے لیے کچھ نہیں چھوڑا۔ صرف جتنا دامن میں لگا رہ گیا تھا وہ بچ رہا۔ میں نے سنا کہ میرے آنے کے وقت تک وہ سونا بکھیرتے رہے اور جب میں پہنچا تو صرف چاندی رہ گئی تھی اور مجھے کئی سکے صرف ایک ہزار کے ملے جن کا وزن بیس روپیہ ہوگا۔ میں نے تقریباً بیس روپے بچائے جو ایک تشتری بھر تھے جو میں نے دکھانے کے لیے رکھ لیے اس لیے کہ بادشاہ نے اس روز ایک سو پونڈ لٹائے ہوں گے۔ رات کے وقت وہ اپنے امرا کے ساتھ قیمتی پیالوں میں شراب پیتا تھا۔

رو صفحات 411 تا 413۔ نیز دیکھو ٹیری صفحات 376 تا 378 کوریات کی کروڑی نیز ان سیجد پر جات جار چہارم صفحہ 479۔ سفر نامہ ہاکنس صفحہ 440۔ تزک جہانگیری میں کئی سال کی تقریب کا حال اقبال نامہ۔ مآثر جہانگیری۔ منتخب اللباب جہانگیر کے عہد کے بعد کی تقریب کے لیے دیکھو بادشاہ نامہ جلد اول صفحہ 243 وغیرہ مانٹ سلوہ صفحہ برنیر مرتبہ کانسٹبل صفحہ 260 تیوریز جلد اول صفحہ 379 اورنگ زیب کی تخت نشینی کے چند سال بعد نوروز اور تولنے کے دونوں رسمیں ختم کر دی گئیں۔ سرکار کی تاریخ اورنگ زیب جلد سوم صفحات 92 تا 93، 97 تا 99۔

ہندو اور مسلم تیوہار

ہندو اور مسلمانوں کے تیوہار بلا تفریق شاندار طریقہ پر منائے جاتے تھے۔ دسہرہ کے دن یعنی رام کی راکششوں پر فتح کی سالگرہ پر شاہی گھوڑے اور ہاتھی، مرصع سازو سامان کے ساتھ قطار در قطار بادشاہ کے سامنے پیش ہوتے تھے رکشابندھن کے دن ہندو امرا اور برہمن بادشاہ کی کلائی پر راکھی باندھتے تھے۔ دیوالی میں محل شاہی میں جوا کھیلا جاتا تھا۔ شیوراتری کا تیوہار بھی منایا جاتا تھا اور مسلمانوں کے تیوہار عید اور شبرات کو بھی نظر انداز نہیں کیا جاتا تھا۔(29)

درباری آداب

بادشاہ اور اس کے دربار کی شان و شوکت کا کہیں جواب نہ تھا مطلق العنانی اختیارات میں ہمیشہ عیش و عشرت کی ترغیب ہوتی ہے۔(30) دولت و ثروت کے مظاہرہ سے یہ تو ضرور معلوم ہوتا ہے کہ عوام الناس کے جذبات دبے رہتے ہیں۔ مگر یہ ماننا پڑے گا کہ اس کا خمیازہ بہت بھاری ہوتا ہے غریبوں کی محنت کا سرمایہ چند بڑے لوگوں کی لذت کوشی اور کامرانی اور خواہشات اور ترنگوں اور رنگ رلیوں میں پانی کی طرح بہتا ہے۔ اس بے لطف اور کھوکھلے شان و شکوہ کا جسے مام سین نے بجا طور پر دربار کا لازمہ کہا ہے۔ مغل حکومت کے دامن پر بہت بڑا دھبہ ہے۔ دربار کے آداب ایک طرف تو بے جا نمود تھے اور دوسری طرف غلامانہ انداز تھا۔ یہاں بھی نظر آئے گا کہ ہر زمانہ اور ہر ملک میں یکساں حالات، یکساں نتائج کے حامل ہوتے ہیں، ایرانی، چینی، رومن اور بازنطینی سلطنتوں کی تواریخ پر نظر کرنے سے بعض اوقات ہر جگہ مغل دربار کا نمونہ نظر آتا ہے۔ ویا کلیشین اور اس کے جانشینوں کے بارے میں گبن نے لکھا ہے کہ "جب کوئی محکوم بالآخر بادشاہ کے حضور میں بار بار جاتا ہے تو اسے مجبوراً سربسجود ہونا اور اپنے آقا اور ملک کی مشرقی دیوتا کی طرح پرستش کرنا ہوتا تھا"۔ اکبر جس نے سخت مخالفت کے باوجود یا کلیشین کی طرح ایرانی آداب اختیار کیا۔ رومن شہنشاہوں کی طرح اس نے یہ خیال کیا ہوگا کہ عبودیت کے عادات سے احترام کے جذبات لاشعوری طور پر پیدا ہوتے ہیں لیکن انسانی وقار کا جو نقصان ہوتا تھا وہ ہولناک تھا۔ جہانگیر نے اس ذلیل کرنے والی ڈرامائیت کو پورے طور پر قائم رکھا، اگرچہ اسلامی تعصب کے لحاظ سے اس نے عدالتی حکام میر عدل اور قاضیوں کو اس تذلیل سے مستثنیٰ کر دیا۔(31) غیر ملکی سفرا کو حتی کہ عالم اسلامی کی عظمت و رعنائی کے نمائندہ ایران کے ایلچیوں کو اس دستور پر کوئی اعتراض نہ تھا۔ البتہ سر طامس رو کی تعریف کرنا چاہئے کہ اس نے اپنے ملک کے وقار کو قائم رکھا اور انسانوں کی طرح آداب بجالایا۔(32) یہ ظاہر کرنے کی ضرورت نہیں کہ دربار میں اہل دربار بادشاہ کے سامنے کھڑے رہتے تھے۔ جہانگیر نے جب شاہجہاں کو

---

(29) جہانگیر (راجرس و بیوریج جلد اول صفحات 246، 289، 361 و جلد دوم صفحات 9704، 100، 175 سفارت سر طامس رو صفحہ 212۔

(30) دیکھو آئین جلد اول مختلف شاہی عملوں اور ان کے اخراجات کے متعلق۔

(31) جہانگیر (راجرس و بیوریج) جلد اول صفحہ 203 اس تقریب کی تفصیل کے لیے آئین جلد اول صفحات 158 تا 159 جورڈین کا جرنل صفحات 165 تا 166۔

(32) رو جلد اول صفحات 135۔ 295۔ اس رسم کو شاہجہاں نے ختم کر دیا تھا۔ دیکھو عبد الحمید لاہوری کا بادشاہ نامہ جلد اول صفحہ 110۔

بیٹھنے کی اجازت دی تو اسے غیر معمولی اعزاز سمجھا گیا۔ بادشاہ کو لمبے چوڑے القاب اور عاجزانہ لہجہ اور ادبی زبان سے مخاطب کیا جاتا تھا۔ امرا باری باری شاہی محل کا پہرا دیتے تھے اور جو حکم دیا جاتا تھا وہ بجالاتے تھے۔

مرکزی حکومت کی مشکلات

لیکن باوجود تمام شان و شکوہ کے مظاہرے کے مغل حکومت کو اپنے صوبوں میں موثر اقتدار قائم کرنے میں دشواری محسوس ہوتی تھی۔ آج تو ہم جہازوں، ریلوں، تار، برقی، ٹیلیفون، سستی ڈاک اور سستے اخبارات کے دور میں رہتے ہیں ہمارے لیے یہ قیاس کرنا مشکل ہے کہ قرون وسطیٰ میں اہل سیاست کو فاصلوں کے مسائل نے کس قدر سنگین بنادیا تھا۔ سماج کا ہمیشہ یہ رجحان رہا ہے کہ خود کو مقامی بنیاد پر منظم کرے۔ وفادار گورنر بھی جن کے اختیارات وسیع ہوتے ان اختیارات کو اور وسیع کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ نافرمان گورنروں کو عملاً آزادی یا پوری خود مختاری اختیار کرنے کی رغبت ہوتی تھی۔ لامرکزیت کے رجحان پر کڑی نگرانی دیکھ بھال اور قابو رکھنے کی ضرورت تھی۔

صوبے

مغل اہل سیاست نے رومن مدبروں کی طرح اس مشکل کو صوبوں کی تقسیم اور مدت حکومت میں کمی کر کے حل کیا۔ اکبر نے اپنی سلطنت کو پندرہ صوبوں میں تقسیم کیا۔ جہانگیر کے زمانہ میں کشمیر، قندھار، اڑیسہ اور ٹھٹھہ اگرچہ نام کو سرکار تھے مگر عملی حیثیت سے الگ الگ صوبے تھے اور دکن کے تین حصے خاندیش، برار اور احمد نگر دراصل مل کر ایک صوبہ تھے۔ اس طرح سلطنت دراصل سترہ صوبوں میں تقسیم تھی۔ (33) اگر ہم کابل کو نظرانداز کردیں جو اب خود مختار تھا اور کشمیر جو ملک محروسہ تھا تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ سرسری طور پر ایک مغل صوبہ آج کل کے شمالی ہند کے صوبہ کا نصف ہوتا تھا۔

---

(33) مسلمہ پندرہ صوبے: (1) کابل (2) لاہور (3) ملتان (4) دہلی (5) آگرہ (6) الہ آباد (7) اودھ (8) بہار (9) بنگال (10) مالوہ (11) گجرات (12) اجمیر (13) خاندیش (14) برار اور (15) احمد نگر تھے۔ قندھار 1652ء میں آخری طور پر سلطنت سے نکل گیا لیکن اڑیسہ، کشمیر اور ٹھٹھہ شاہجہان کے عہد میں الگ الگ صوبے بنادیئے گئے دیکھو محمد شریف حنفی و بختاور خاں (ایلیٹ وڈاوسن) جلد ہفتم صفحات 137، 138، 164 تا 165 یورپین سیاحوں نے صوبوں کی جو فہرست دی ہے وہ حیرت انگیز طور پر نادرست ہے چنانچہ سر طامس رو نے 37 سلطنتوں اور صوبوں کا شمار کیا ہے جو مغل اعظم جہانگیر کے ماتحت تھے جن کے نام وہ کہتا ہے کہ اس نے شاہی رجسٹر سے لیے ہیں ان سے میوات، سنبھل، جون پور وغیرہ کو الگ الگ صوبے بتائے ہیں اور گور اور بنگال کو بھی الگ الگ صوبے بتائے ہیں۔ (ایضاً صفحات 430 تا 441) ٹیری (وائجر ٹو ایسٹ انڈیا صفحات 74 تا 84) میں بقول خود ٹھیک وہی نام دیئے ہیں جو اس نے خود بادشاہ کے رجسٹر سے لیے ہیں۔ "ڈی لائٹ (مرتبہ لیتھ برج کلکتہ ریو جلد 187051ء صفحات 240 تا 247) نے وہی 30 صوبے نقل کیے ہیں۔ جان جورڈین (جرنل صفحہ 189) نے چودہ صوبے گنائے ہیں جن میں چند واقعی ہیں اور کئی اس نے اپنے دماغ سے گھڑ لیے ہیں۔ مثلاً (1) کابل (2) کشمیر (3) قندھار (4) بلخ (5) دہلی (6) کھمبا (7) سندھ (8) بنگال (9) پٹن (10) مانڈو (11) گوالیار (12) حصار (13) دکھن کا ایک حصہ اور (14) پورب ہاکنس (سفرنامہ ہاکنس صفحہ 430) صرف یہ کہہ کر قانع ہو جاتا ہے کہ سلطنت چار بڑی سلطنتوں میں تقسیم ہے۔ یعنی پورب، بنگال مالوہ، دکھن اور گجرات۔

صوبائی گورنر کے انتظامی اور فوجی اختیارات

صوبائی گورنر کا لقب سپہ سالار اور صاحب صوبہ یا صرف صوبہ دار ہوتا تھا اور بعد کو صرف صوبہ۔ بادشاہ شاذ و نادر ہی کسی گورنر کو اس کی اجازت دیتا تھا کہ وہ خود دربار میں حاضر رہے اور صوبہ کا انتظام اپنے نمائندہ نائب کو سپرد کردے۔ یہ طریقہ خلفائے بنی امیہ کے زمانے میں وسیع پیمانے پر رائج تھا جس نتیجہ میں بہت کچھ تغلب اور ظلم ہوتا تھا اور خلافت کے زوال میں اس کا بڑا حصہ تھا۔ مغلوں نے اسے اعلیٰ سیاست کے شدید دباؤ میں اختیار کیا۔ صوبائی گورنروں کو وسیع انتظامی اور فوجی اختیارات حاصل تھے یہاں مغل دستور بحیثیت مجموعی کانسٹن ٹائن اور اس کے جانشینوں سے مختلف اور بہتر تھا۔ گبن کا بیان ہے کہ متضاد مزاجوں اور بے میل طور طریقوں کی وجہ سے جو ایک دوسرے کی نقل اور بعض اوقات مخالفت جو دو پیشوں میں رائج تھی اس سے مفید اور مضر نتائج ظہور پذیر ہوئے تھے۔ اس کی توقع بعید تھی کہ صوبہ کے عام یا انتظامی گورنر شورش کی سازش کریں گے یا اپنے ملک کی خدمت کے لیے متحد ہو سکیں گے جب کہ ایک طرف مدد دینے میں تساہل ہوتا تھا تو دوسری طرف مدد مانگنے میں تردد ہوتا تھا جس سے فوج کو عموماً احکام نہیں ملتے تھے یا رسد نہیں پہنچتی تھی حفظ عامہ بے وفائی کے نذر ہو جاتا تھا اور پبلک وحشیوں کے غیظ و غضب کا شکار ہو جاتی تھی۔ کانسٹن ٹائن نے جو منقسم نظام حکومت قائم کیا تھا اس سے سلطنت کی قوت گھٹ جاتی تھی۔ گو بادشاہ خود محفوظ ہو جاتا تھا۔

مختصر مدت حکومت

مغلوں نے بادشاہ کی سلامتی کا مقصد حاصل کرنے کے لیے جس میں سلطنت کی قوت میں کمی نہ آئے گورنر کے اختیارات پر کئی روک لگانے کا طریقہ رائج کیا۔ اول تو وہ صرف دو یا تین سال کے لیے عہدہ پر رہتا تھا۔ قابل منتظموں کی صلاحیت کو ایک صوبہ سے دوسرے صوبہ میں منتقل کر کے کام میں لایا جاتا تھا اور عموماً کسی گورنر کو اس کا موقعہ نہیں دیا جاتا تھا کہ وہ کسی علاقہ میں اپنا مستقل قدم جما سکیں۔

تمثیلی جدولیں

حسب ذیل جدولیں جو بیشتر توزک جہانگیری، اقبال نامہ، معتمد خاں منتخب اللباب، خافی خاں اور شاہنواز کی مآثر الامراء سے لی گئی ہیں۔ اس کی وضاحت کریں گی۔ (34)

---

(34) میں نے جو دوسرے صوبوں کی فہرست مرتب کی ہے اور جس کے درج کرنے کی یہاں گنجائش نہیں ہے اس سے صرف یہی نتیجہ نکلتا ہے نیز دیکھو نیری صفحات 365،364، یہ ذہن نشیں رہے کہ سترہویں صدی میں پرتگالی ہند کے وائسرائے کی بھی مدت عہدہ اوسطاً تین سال ہوتی تھی۔ فرایر جلد اول صفحہ 189 جلد دوم صفحہ 124۔

بنگال

نمبر شمار	تاریخ تقرر سنہ ہجری	سنہ عیسوی	نام گورنر	کیفیت
1	1015ھ	1605ء	راجہ مان سنگھ	نور جہاں کے پہلے شوہر شیر افگن سے
2	1015ھ	1606ء	قطب الدین خاں کوکا	مقابلہ میں قتل ہوا۔
3	1016ھ	1607ء	جہانگیر قلی خاں	
	1017	1608ء	اسلام خاں	
5	1022ھ	1613ء	قاسم خاں	گلیڈون (صفحہ 115) نے بنگال کے گورنروں میں اس نام کو شامل نہیں کیا ہے لیکن دیکھو جہانگیر (راجرس و بیوریج) جلد اول صفحات 352، 373
6	1026ھ	1617ء	قلیچ خاں	
7	1026ھ	1617ء		ابراہیم خاں فتح جنگ برادر نور جہاں بیگم
8	1032ھ	1623ء	آصف خاں	انہوں نے دراصل صوبہ کے انتظام کو ہاتھ میں نہیں لیا۔ 1634ء میں باغی شہزادہ شاہجہاں کے مقابلہ میں ابراہیم خاں فتح جنگ کے فوت ہونے کچھ دنوں بعد تک یہ صوبہ شاہجہاں کے قبضہ میں رہا جس کی طرف سے داراب خاں کو انتظام سپرد تھا۔
9	1013ھ	1623ء	مہابت خاں	واپس بلا گیا
10			خانہ زاد خاں	واپس بلا لیا گیا
11	1035ھ	1626ء	مقرب خاں	
	1036ھ	1627ھ	فدائی خاں	

بہار

نمبر شمار	تاریخ تقرر سنہ ہجری	سنہ عیسوی	نام گورنر	کیفیت
1	1013ھ	1604ء	آصف خاں	
2	1014ھ	1605ء	باز بہادر	
3	1016ھ	1606ء	جہانگیر قلی خاں	
4	1016ھ	1607ء	اسلام خاں	
5	1017ھ	1608ء	افضل خاں	
6	1021ھ	1612ء	ظفر خاں	
7	1024ھ	1615ء	ابراہیم خاں	
8	1026ھ	1617ء	جہانگیر قلی خاں	
9	1027ھ	1618ء	مقرب خاں	
10	1036ھ	1626ء	مرزا رستم صفوی	

گجرات

نمبر شمار	تاریخ مقرر سنہ ہجری	تاریخ مقرر سنہ عیسوی	نام گورنر	کیفیت
1	1014ھ	1605ء	محمد قلی خاں	راجہ بکرماجیت جن کا نام لیا جاتا ہے
2	1017ھ	1608ء	مرتضیٰ خاں	انہوں نے بظاہر انتظام ہاتھ میں نہیں لیا۔
3	1017ھ	1608ء	مرزا عزیز کوکا خان اعظم	انہوں نے اپنے لڑکے جہانگیر قلی خاں کو اپنے نائب کے طور پر مقرر کیا۔
4	1020ھ	1611ء	عبداللہ خان	
5	1025ھ	1616ء	مقرب خاں	
6	1027ھ	1618ء	شہزادہ شاہجہاں	انہوں نے اپنے کارندوں کے ذریعہ سے حکومت کی خاص کر برہمن سند عرف راجہ بکرماجیت کے ذریعہ سے
7	1032ھ	1623ء	شہزادہ داور بخش	خان اعظم خاں اس کے کارجین تھے
8	1033ھ	1624ء	مرزا صفی (نواب صفی خاں جہانگیر شاہی)	

دیوان خاص

دوسرے درجہ پر صوبائی گورنر کا دیوان یا مہتمم مالیہ کا تقرر، ترقی اور برطرفی مرکز کی ذمہ داری تھی اور مرکز ہی کو وہ جواب دہ ہوتا تھا۔ مالی معاملات میں اس کی حیثیت عہد خلافت کے صاحب الخراج جیسی تھی اور گورنر کے ہم پلہ۔ مالیہ شعبہ کی سیاسی نظم و نسق سے علاحدگی ہندوستان اور مغربی ایشیا میں بحیثیت مجموعی ٹھیک ٹھیک چلتی رہی۔

وقائع نویس

اس کی ہم پلہ حیثیت وقائع نویس کی تھی جسے فرانس میں وزیر ریاست کہا جاتا تھا اور جس کا مقابلہ تھیونات نے ذرا سرسری طور پر فرانس کے نتظم صوبہ سے کیا ہے۔(35) زیادہ قریبی طور پر اس کی مشابہت عام وقائع نگار کی ہے جسے خلافت عباسیہ میں غلط طور پر صاحب البرید یا پوسٹ ماسٹر کا لقب دیا گیا تھا۔(36) وقائع نویس کا یہ فرض تھا کہ وہ صوبائی حکام کے تمام کاموں کی اور ہر اس بات کی جس سے دلچسپی یا حیرت پیدا ہو خواہ فوجی ہو یا سماجی یا تجارتی یا زراعتی یا حیاتیاتی یا کیمیائی یا نفسیاتی اس سے برابر صدر کو مطلع کرتا رہے۔ ان کی رپورٹیں اگر محفوظ ہوتیں تو ان سے مغلیہ تاریخ کا بہت ہی وافر مواد ملتا۔ اس میں شک نہیں کہ بقول برنیر اکثر گورنر اور وقائع نویس کے درمیان ذلت آمیز ساز باز کی صورتیں پیدا ہوتیں۔(37) حال کی ترکی میں مفتہ اور بعد کو گرنا بجی کی ناکامی اسی قبیل کی تھی۔ اکثر صدر کی عنایت کے مقابلہ میں گورنر کی دوستی زیادہ سود مند ہوتی تھی لیکن اس کی بھی مثالیں ہیں کہ وقائع نویس کی رپورٹ میں اکثر بدانتظامی کی شکایتیں دیکھی گئیں جن کا انسداد کیا گیا۔ زیادہ تر اس شعبہ کی موجودگی انسداد کا کام دیتی تھی۔

سرکار

ہر صوبہ کی کئی سرکاروں میں تقسیم کی جاتی تھی جو آج کل کے ضلع کے مماثل ہے۔

فوجدار

جس حاکم کا سرکار پر انتظامی اور فوجی اختیار ہوتا تھا اسے فوجدار کہتے تھے اور وہ گویا آج کل کے کلکٹر و مجسٹریٹ و فوجی کماندار کا مجموعہ تھا۔ روزمرہ کے انتظامات کی بنیاد اس پر تھی۔(38) ماتحت تو دراصل وہ گورنر کا تھا لیکن اس کا تقرر، تبادلہ اور برخاستگی کا اختیار صدر ہی کو تھا جو گورنر پر ایک دوسری روک تھی۔(39)

---

(35) تھیونات جلد سوم باب 2 صفحہ 19۔

(36) جہانگیر (راجرس و بیورج) جلد اول صفحہ 231، میں اس ادارے کی افادیت کا واضح طور پر اعتراف کیا گیا ہے 37 برنیر مرتبہ کانسٹبل جلد اول صفحہ 247، وقائع نویس کو جو ہدایات دی جاتی تھیں ان کی تفصیل سرکار کی مغل ایڈمنسٹریشن صفحات 97 تا 100 میں ہے۔

(38) آئین (جارٹ) جلد دوم صفحات 41،40 فوجدار کو جو ہدایتیں دی جاتی تھیں ان کی تفصیل سرکار کی مغل ایڈمنسٹریشن کے صفحات 91 تا 93 میں ہے۔

(39) جہانگیر اکثر فوجداروں کے تقرر کا ذکر کرتا ہے۔ مثلاً توزک (راجرس و بیورج) جلد اول صفحہ 166، جلد دوم صفحہ 102۔

پرگنے

سرکار کو پھر پرگنوں یا محال میں تقسیم کیا جاتا تھا جو ہماری آج کل کی تحصیل کے مماثل ہے اور جو مالی یا پولیس کی وحدت کا کام دیتا تھا۔ اس حصہ کا حاکم کون ہوتا تھا اس کا آئین میں ذکر نہیں ہے مگر جہانگیر، معتمد خاں اور خانگی کاغذات سے بہ آسانی معلوم ہو جاتا ہے کہ اس کا لقب چودھری ہوتا تھا۔ (40)

کوتوالی

قصبات اور شہروں کو کوتوالی کے انتظام میں رکھا گیا تھا جس کے اختیارات آج کل کے کوتوال سے بہت زیادہ تھے۔ اس سے یہ توقع کی جاتی تھی کہ وہ ان تمام فرائض کو انجام دے گا جو آج کل کے میونسپل بورڈ کے ذمہ ہیں اور وہ سپرنٹنڈنٹ پولیس، مجسٹریٹ اور بہت کچھ اور بھی ہوتا تھا۔ وہ بازار اور بازار کے بھاؤ کو منظم کرتا تھا، ناپ تول کی نگرانی کرتا تھا۔ سڑکوں اور مکانوں کی فہرست رکھتا تھا۔ اجنبی لوگوں کی نقل و حرکت پر نگراں رہتا تھا۔ بعض مقدمات بھی فیصل کرتا تھا اور سزائیں دیتا تھا۔ صدر کو اس سے یہ توقع تھی کہ وہ اس کے احکام اور فیصلوں کی تعمیل کرائے گا۔ اپنے حلقہ میں چوری اور ڈاکہ زنی کی ذمہ داری اسی کی تھی۔ چنانچہ وہ رات کے وقت لوگوں کو شہر کے اندر آنے یا باہر جانے سے منع کرتا تھا۔ اہل حرفہ کی پنچایتوں پر وہ کڑی نظر رکھتا تھا اور مناسب انتظام کے لیے وہ شہر کو محلوں میں تقسیم کر دیتا تھا۔ محلّہ کے عمال سے وہ باضابطہ رپورٹیں لیتا رہتا تھا اور اس کے علاوہ ایک جرائم کی اطلاع کا بھی شعبہ رکھتا تھا۔ (41) اس کا لقب کوتوال خاں ہوتا تھا (42) اور وہ پرتگال کے مانسٹریٹ (43) یا صدر قرق امین یا جیسا کہ لکھا ہے کہ انگلستان کے قرق امین کے مماثل تھا۔ (44)

نظام عدلیہ۔ قاضی و میر عدل

کوتوال کے فرائض ہی پر نظر کرنے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ مغلوں کا عقیدہ تقسیم فرائض پر نہ تھا اگرچہ تمام متمدن نظام حکومت میں کسی حد تک مہارت خصوصی لازمی ہے۔ عدلیہ کا انتظام بالکل الگ تھا اور اس کے خود اپنے حکام تھے۔ بجز سنگین مقدمات کے دیہی اور فرقی پنچایتیں ایک قسم کا حلقہ اختیار رکھنے کے لیے آزاد تھیں۔ لیکن ہر شہر میں حتی کہ چھوٹے شہروں میں بھی ایک قاضی اور ایک میر عدل ضرور ہوتا تھا جو باہم مل کر عدالتی اجلاس کرتے تھے۔ قاضی مقدمہ کی تحقیقات کرتا تھا اور میر عدل فیصلہ سناتا تھا بعض اوقات یہ دونوں عہدے ایک ہی میں شامل کر دیے جاتے تھے۔ اکثر مقامات میں اپیل کی سماعت یا نظر ثانی کے لیے ایک صدر قاضی ہوتا تھا۔ تمام اہم مقدمات میں صوبہ کے دیوان یا قاضی

---

(40) مثلاً جہانگیر (راجرس و بیورتج) جلد اول صفحہ 66 تا 67۔ اکثر خاندانوں میں آج بھی وہ سندیں موجود ہیں جو ان کے اجداد کو چودھری کے عہدہ کے لیے دی گئی تھیں۔

(41) جہانگیر (راجرس و بیورتج) جلد اول صفحات 262، 263، 264، 265۔

(42) بیرمنڈی صفحات 232، 282 تمیونات جلد سوم باب 9 صفحہ 20۔

(43) مانسیرات (موسٹن جنرل آف ایشیاٹک سوسائٹی بنگال جلد ششم 1912ء صفحہ 200)۔

(44) ہیری وائج نوایسٹ انڈیا صفحہ 365۔

یا گورنر کے اجلاس میں اپیل ہو سکتی تھی اور مستقر کے آس پاس کے مقدمات کی براہِ راست سماعت بھی اسی اجلاس میں ہوتی تھی۔ صوبائی عدالتوں کے فیصلوں کے خلاف اہم مقدمات میں اپیل شاہی دیوان یا قاضی کے اجلاس میں یا خود بادشاہ کے حضور میں پیش ہو سکتی تھیں اور مستقر کے آس پاس کے مقدمات کی براہ راست سماعت بھی یہاں ہوتی تھی جب بادشاہ جھروکہ میں ہوتا تھا تو کوئی شخص براہِ راست بھی اسے عرضی دے سکتا تھا جس کی سماعت ہوتی تھی اور فیصلہ ہوتا تھا۔ جھروکہ سے بادشاہ تقریباً آٹھ بجے صبح دیوان خاص میں آتا تھا اور دوپہر تک تخت شاہی پر بیٹھ کر مقدمات کی سماعت کرتا تھا۔ اس کمرہ میں شاہی حکام عدالت، قاضی، مفتی، علماء، فقہاء وغیرہ عدالت اور کوتوال شہر جمع ہوتے تھے۔ کسی اور اہل دربار کو آنے کی اجازت نہ تھی جب تک اس کی موجودگی کی خاص ضرورت نہ ہو۔ حکام عدالت مستغیثوں کو باری باری پیش کرتے تھے اور ان کی شکایتیں بیان کرتے تھے۔ بادشاہ پورے سکون کے ساتھ تحقیق سے معلوم شدہ واقعات سنتا تھا اور علماء سے مشورہ کرتا تھا۔ اکثر ملک کے اقتدار اعلیٰ سے انصاف حاصل کرنے دور دور سے لوگ آتے تھے۔ ان کی شکایتوں کی تحقیقات اپنے مقام پر ہی ہو سکتی تھی۔ اس لیے بادشاہ ان مقامات کے گورنروں کے نام فرمان جاری کرتا تھا اور ہدایت کرتا تھا کہ حقیقت حال معلوم کر کے یا خود انصاف کریں یا اپنی رپورٹ کے ساتھ فریقین کو پھر صدر روانہ کریں۔ (45)

جہانگیر کی زنجیر عدل

اس خیال سے کہ ملازمین شاہی عام لوگوں کو نہ روکیں جہانگیر نے اپنے کمرے اور دریائے جمنا کے کنارے کے درمیان ایک زنجیر لٹکائی تھی جسے ہر شخص ہلا سکتا تھا اور اس کے سرے پر گھنٹیاں لگی ہوئی تھیں۔ (46)

---

(45) آئین (جارٹ) جلد دوم صفحہ 41، نیز جلد اول صفحہ 258۔ مانسر یٹ (ترجمہ ہوسٹن، جرنل آف ایشیاٹک سوسائٹی جلد 8 1912ء صفحہ 200) کسٹیر س (اے لینڈ اور بنرجی) صفحہ 209، 210، 211۔ رائے بہاری مل کی لب التواریخ ہند (ایلیٹ وڈاوسن) جلد ششم صفحات 172 تا 173 کوریات کروڈی تیز ان ہینڈ پرچہ جات جلد چہارم صفحہ 475 جورڈین کا جرنل صفحہ 159۔ سے این سرکار اسٹڈیز ان مغل انڈیا صفحات 14، 70، 46۔

(46) جہانگیر (راجرس و بیورج) جلد اول صفحہ 7۔ اس نے زنجیر کی تفصیل اس طرح بیان کی ہے۔ "میں نے انہیں حکم دیا کہ ایک خالص سونے کی زنجیر تیس گز لمبی بنائیں جس میں سات گھنٹیاں ہوں۔ اس کا وزن چھ ہندوستانی من ہو جو بیالیس عراقی من کے برابر ہے۔ اس کا ایک سرا قلعہ آگرہ کے شاہ برج کی فصیل سے مضبوط جڑ دیں اور دوسرا سر پتھر کے اس ستون سے جو دریا کے کنارے نصب ہے۔" یقین نہیں آتا کہ جہانگیر اتنا بے وقوف تھا کہ وہ ساری زنجیر کو حتیٰ کہ جو حصہ قلعہ کے باہر لٹکا ہو سونے کی بنانے کا حکم دیتا۔ اس میں بھی شک ہے کہ آیا یہ زنجیر کبھی استعمال ہوئی۔ لیکن خواہ وہ استعمال ہوتی ہو یا نہ استعمال ہوئی ہو۔ اس کے لٹکانے کا لوگوں پر رعب پڑا ہوگا۔ خافی خاں جلد اول صفحہ 248) نے سو سال کے بعد لکھتے ہوئے اس کا ذکر تعریف کے ساتھ کیا ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ جہانگیر نے یہ اعلان کیا کہ جس شخص پر کوئی ظلم ہوا ہو وہ ان گھنٹیوں کے ذریعہ سے اس کے گوش گزار کر دے۔ ایک فارسی مخطوطہ (رموز الملوک صفحہ 21 الف) نے لکھا ہے کہ ایک گدھے نے دریا کے کنارے چرتے ہوئے زنجیر ہلا دی تو اس کی تحقیقات ہوئی کہ اسے کیا شکایت ہے تو معلوم ہوا کہ اس کا کنجوس مالک اس کی نگہداشت اچھی طرح نہیں کرتا ہے تو اسے تنبیہ کی گئی۔ اسی طرح ایک زنجیر عدل ایک ایرانی بادشاہ نے لگائی تھی۔ ژوجارک جلد سوم باب ۷ میں لکھا ہے کہ زنجیر سونے کی نہیں بلکہ چاندی کی تھی۔ لیکن ٹیج (پرچہ جات چہارم صفحہ 774) لکھتا ہے کہ زنجیر میں سونے کی گھنٹیاں تھیں۔ محمد شاہ نے اسے پھر رائج کیا تھا اور ثمن برج جس کا رخ دریا کی طرف تھا ایک زنجیر لٹکائی تھی (سیر المتاخرین جلد اول صفحہ 302)

امہ:

تحریری ضابطہ قانون کا وجود نہ تھا

مستقل قانون یا ضابطہ عدالت کا کوئی ضابطہ نہ تھا جیسا سر طامس رو نے لکھا "وہاں کوئی تحریری قوانین نہیں ہیں"۔(47)

دیوانی مقدمات

دیوانی مقدمات از روے رواج فیصل کیے جاتے تھے اگرچہ فریقین کے رواج میں اختلاف پر دشواریاں پیدا ہوئی ہوں گی۔ قدیم رومہ کے پریٹر پری رانگنیش کی طرح ایسی صورتوں میں ججوں نے اپنے اختیارات تمیزی سے کام لیا ہوگا۔ دیوانی قانون کا تحریری ضابطہ نہ ہونے سے ایک تو خرابی تھی لیکن ہر خرابی میں ایک بھلائی بھی ہوتی ہے کہ اس سے رواجی قانون کی نشو و نما اور ترمیم کا موقع ملتا ہے ایک سے زیادہ ممتاز ماہرین قانون نے یہ شکایت کی کہ آج کل کی ہائی کورٹوں نے ہندو رواج کو غیر فطری طور پر بالکل بے لوچ کر دیا ہے۔

فوجداری مقدمات

فوجداری مقدمات ایک سخت گیر بے لکھے ہوئے ضابطہ کے بموجب فیصل ہوتے تھے جو قرآنی احکام، مسلم روایات ہندوستانی رسم و رواج اور شاہی احکام کے بموجب بنا تھا۔ قتل، ڈاکہ زنی، چوری، زنا اور غداری کی سزا موت تھی یا ناک کاٹ ڈالنا، مقروض کو فروخت کر کے غلام بنایا جا سکتا تھا۔(48)

ضابطہ عدالت

عدالتوں کا طریق عمل سادہ اور سرسری تھا۔ ملزم گرفتار ہوتے ہی عدالت میں پیش کر دیا جاتا تھا۔ شاذ و نادر ہی ایسا ہوتا تھا کہ کسی کو مقدمہ پیش ہونے کے لیے چوبیس گھنٹہ سے زیادہ انتظار کرنا پڑے۔ ہر دیوانی یا فوجداری مقدمہ کی قاضی تحقیق کرتے تھے۔ گواہ طلب کیے جاتے تھے اور ان سے سختی سے جرح کی جاتی تھی۔ ہندوؤں کو گائے کے قسم کھانی ہوتی تھی۔ مسلمانوں کو قرآن پر ہاتھ رکھ کر اور عیسائیوں کو انجیل پر ہاتھ رکھ کر۔ مغل حکومت کی روشن خیالی اس لحاظ سے قابل تعریف ہے کہ عدالتی تحقیقات میں جسمانی اذیت کی آزمائش کا طریقہ نہیں رکھا گیا تھا۔ مشکل مقدمات میں قاضی متعدد بار روئیداد کا معائنہ کرتے تھے۔ مانسریٹ نے یہ تحریر یادگار چھوڑی ہے کہ بادشاہ کی عدالت میں مختلف قسم کی اذیتوں کی دھمکی تو دی جاتی تھی مگر شاذ و نادر ہی ان پر عمل کیا جاتا تھا۔ جیسے ہی فیصلہ سنایا جاتا تھا اس کی تعمیل کر دی جاتی تھی۔ بجز اس صورت کے کہ مقدمہ میں اپیل ہونے والی ہو یا منظوری کا انتظار ہو۔(49) ٹیری کا بیان ہے کہ "سادہ اور فوری" انصاف سے

---

(47) سفارت سر طامس رو صفحہ 120۔

(48) ٹیری صفحہ 365۔ تھیونات جلد سوم باب 10 صفحہ 19۔

(49) ٹیری مذکور صفحات 353، 354 تھیونات کا بیان ہے کہ (جلد سوم باب 10 صفحہ 19) کہ ہندو کی قسم یہ تھی کہ گائے کی دم پر ہاتھ رکھ کر یہ کہہ دے کہ اگر اس کا بیان غلط ہو تو وہ اسی کا گوشت کھائے۔ لیکن اکثر لوگ ایسی قسم کھانے کی بجائے مقدمہ میں ہار جانے کو ترجیح دیتے تھے اس لیے کہ بت پرستوں میں ایسی قسم کھانے والے ملعون سمجھے جاتے ہیں۔ مانسریٹ (حوالہ لینڈ نرجی) صفحہ 211۔

لوگوں پر قابو اور رعب رہتا تھا اور موت کی سزائیں بہت نہیں ہوتی تھیں۔(50)

سزا

جہانگیر نے ناک، کان کاٹنے کی سزا موقوف کر دی تھی مگر اور طرح کی قطع و برید کی سزا کو بدستور رکھا تھا۔(51) جہانگیر نے اپنے عہد میں کھال کھینچنے کی ہولناک سزا کو گوارا نہیں کیا۔ لیکن اس نے اکثر سنگین سماجی اور سیاسی جرائم کی سزا جسم میں میخ ٹھکوا کر یا درندوں کے آگے ڈال کر یا ہاتھی کے پیروں سے کچلوا کر ہولناک موت کی سزائیں دیں۔(52) جیل کی سزا شاذ تھی اور عموماً ایسے ملزموں کے لیے مخصوص تھی جو سماجی یا سیاسی نظام کے لیے خطرناک ثابت ہوں۔ گوالیار کا قلعہ جس کا کماندار بہادر اٹل رائے دلان تھا۔ جہانگیر کے عہد میں بہت بڑا جیل خانہ تھا۔ جیلوں کے فقدان پر افسوس کرنے کی ضرورت نہیں ہے اس لیے کہ انیسویں صدی کے آغاز تک وہ بالکل جہنم کا نمونہ تھے۔

یہ بات پورے طور پر واضح نہیں ہے کہ ہر حاکم کو کتنی سزا دینے کا اختیار تھا۔ آئین کے بموجب صوبائی گورنروں کو قید کی سزا دینے یا جسمانی سزا دینے کا اختیار تھا مگر انہیں سختی سے آگاہ کر دیا گیا تھا کہ موت کی سزا دینے سے پہلے کافی غور کر لیا کریں۔(53) مانسر یٹ کا بیان ہے کہ جب کبھی بادشاہ موجود ہوتا تھا تو اس کی اجازت کے بغیر موت کی سزا کی تعمیل نہیں ہو سکتی تھی(54) تھیوناٹ نے 1697ء میں لکھا ہے کہ دیوانی یا فوجداری کے موت کے فیصلوں کی تعمیل کے لیے بادشاہ کی منظوری ضروری تھی۔(55) ٹیری اور رو کے بیان سے یہ واضح ہوتا ہے کہ جہانگیر کے عہد میں صوبائی گورنر موت کی سزا کا حکم سناتے تھے اور اس کی تعمیل کرتے تھے۔(56) نتیجہ صاف نکلتا ہے کہ صوبائی گورنر سے نیچے کسی حاکم کو موت کی سزا دینے کا اختیار نہ تھا۔

وکیل نہیں ہوتے تھے

عدالت کی کارروائی میں شروع سے آخر تک وکیل بالکل نہیں ہوتے تھے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہندوستان کے مسلم اور ہندو خاتون کو تربیت یافتہ قانون والوں کے اس طبقہ سے فائدہ اٹھانے کا موقع نہیں ملا جس نے رومن قانون کو منظم کر کے سائنس کے اعلیٰ درجہ تک پہنچا دیا اور جن میں بہتوں نے بلند مرتبہ

---

(50) ٹیری صفحہ 354۔

(51) جہانگیر (راجرس و بیورریج) جلد اول صفحہ 9۔

(52) ٹیری صفحات 554، 555 جہانگیر (راجرس و بیورریج) جلد اول صفحہ 353۔ فیلبان کی ہدایت کے مطابق ہاتھی یا تو مجرم کو ایک دم کچل دیتا تھا یا ایک ایک عضو الگ الگ کچلتا تھا اکبر اور جہانگیر کے عہد میں سزا کے طریقے ایک ہی تھے۔ دیکھو مانسریٹ کی کمنٹریس نیز ترجمہ ہاسٹن جرنل آف ایشیاٹک سوسائٹی بمبئی جلد 8 1912ء صفحہ 194۔ (ہوائے لینڈ بنرجی) صفحات 21، 211 مانسریٹ نے صاف کہا ہے کہ غیر فطری جرائم کا ارتکاب کرنے والوں کو اکثر چمڑے کے کوڑے سے مارنے کی سزا دی جاتی تھی۔

(53) آئین (جارٹ) جلد دوم صفحہ 37۔

(54) مانسریٹ (ترجمہ ہاسٹن جرنل ایشیاٹک سوسائٹی بمبئی جلد 8 1912ء صفحہ 194۔

(55) تھیوناٹ جلد سوم باب 10 صفحہ 19۔

(56) سفارسر طامس رو صفحہ 120 ٹیری صفحہ 364۔ نیز سزاؤں کے لئے پٹر منڈی جلد دوم صفحات 72، 73 پرچہ جات 9 صفحہ 47 جہانگیر (راجرس و بیورریج) جلد دوم صفحہ 28۔

حاصل کر کے اپنے فرائض خالص دیانتداری اور اعلیٰ ہوشمندی سے انجام دیے۔ انہی عظیم قانونی نمائندوں کے وسیلے سے رومہ نے آنے والی نسلوں کو بہت بڑا تحفہ دیا لیکن قانونی پیشہ کا اقتدار کبھی بے میل نہیں رہا ہے۔ گبن نے بڑی خوبی سے ان خرابیوں کی تفصیل بیان کی ہے جو قدیم رومہ میں اس باعزت پیشہ کے اندر داخل ہو گئی تھیں اور آج بھی ہر اس شخص کو صاف نظر آتی ہیں جسے اس وقت کے طریق عدالت سے کچھ بھی واسطہ پڑا ہوا ہو۔ انہوں (وکلا) نے قانون کی تشریح شخصی مفاد کے مطابق کی اور ان کی یہی مضرت رساں خصوصیت سلطنت کے عام انتظامی امور میں بھی دیکھی جا سکتی ہے۔ رومہ کے اصول قانون کے زمانہ میں وکلا کی ترقی عموماً فساد اور رسوائی سے بھری ہوئی تھی یہ شریفانہ فن جو کبھی رومہ کے طبقہ امرا نے بطور ایک متبرک ورثہ کے محفوظ کر رکھا تھا۔ آزاد شدہ اور ادنیٰ درجہ کے افراد کے ہاتھوں میں چلا گیا، جنھوں نے ہوشیاری سے نہیں بلکہ چالاکی سے اس کثیف اور مضرت رساں تجارت کو جاری رکھا۔ ان میں سے بعضوں نے اپنی اور اپنی برادری کے منافع کثیر کی خاطر اونچے خاندانوں میں رسائی حاصل کر کے مقدمہ بازی اور باہمی مخالفت کی ہمت افزائی کی اور بعضوں نے تخلیہ میں بیٹھ کر اپنے دولت مند موکلوں کو سارے حقائق توڑ موڑ کر قانونی باریکیاں بتانا شروع کر دیں اور قطعی اور عادی کے دلائل سے رنگ آمیزی کرنے لگے۔ اس اعلیٰ اور ہر دلعزیز طبقہ میں ایسے وکلا بھر گئے جو لفاظانہ بلاغت سے ایوان پر چھا گئے۔ کہا جاتا ہے کہ انہیں شہرت اور انصاف کی پرواہ نہ تھی اور بیشتر جاہل اور بیحد حریص رہنما تھے جو اپنے موکلوں کو کثیر اخراجات، تاخیر اور مایوسیوں کی راہ سے لے جاتے تھے جس سے کئی سال کی مسلسل دشواریوں کے بعد بالآخر انہیں رہائی ملتی تھی جب کہ ان کا پیمانۂ صبر لبریز ہو چکا ہوتا تھا اور جب ان کی دولت تقریباً ختم ہو چکی ہوتی تھی۔

وقائع نویس خبر رساں

انتظامی، عدالتی اور مالی حکام کے وسیع پھیلاؤ کی نگرانی بادشاہ کثیر التعداد وقائع نویسوں اور خفیہ خبر رسانوں سے کرتا تھا۔ خفیہ خبر رسانی سے گندگی کی بو آتی ہے لیکن کوئی حکومت خصوصاً خطرے کے وقت اور قرون وسطیٰ کی حکومتوں کو ہر وقت کسی نہ کسی طرف سے خطرہ رہتا تھا ان کی خدمات کو نظر انداز نہیں کر سکتی تھی۔ تیرہویں صدی میں علاء الدین خلجی نے اسے فن لطیف کے درجہ تک پہنچا دیا یا گرا دیا تھا۔ مغلوں نے اسی نظام کو قبول کیا اور اسے ترقی دی۔ مغلوں کے دو طرح کے ایجنٹ تھے۔ ایک تو اعلانیہ جنھیں وقائع نویس کہتے تھے اور دوسرے خفیہ۔ خفیہ ایجنٹ عموماً سرکاری افسروں کے پیچھے لگے رہتے تھے اور اعلانیہ ایجنٹ ہر قسم کی خبریں پہنچاتے تھے۔ ان کی تحریریں اگر عناصر کی دست و برد سے محفوظ رہ گئی ہوتیں تو قرون وسطیٰ کی تاریخ اتنی تفصیل اور وضاحت سے لکھی جا سکتی تھی کہ کسی ملک یا عہد کی تاریخ اس کا مقابلہ نہ کر سکتی۔ جہانگیر معتمد خاں وغیرہ نے جو خلاصے اور اقتباسات محفوظ کیے ہیں اُن سے یہ واضح ہوتا ہے کہ یہ لوگ جو کچھ بھی دیکھتے یا سنتے تھے اس کی مقررہ اوقات پر اطلاع دیتے تھے۔ محکمہ اطلاعات کی مستعدی کا یہ قابل تعریف کارنامہ ہے کہ جب ہاکنس سورت میں اپنے ساتھ بدسلوکی کی شکایت کرنے آیا تو اسے یہ معلوم کر کے حیرت ہوئی کہ شہنشاہ جہانگیر کو سارے واقعہ کی پہلے ہی اطلاع مل چکی تھی اور اس نے تلافی کی تدابیر شروع کر دی تھیں۔ ظاہر ہے کہ اس کے لیے ہرکاروں کا بہت بڑا عملہ رکھا جاتا ہوگا۔ ہر

کاروں کو سائنٹفک طریقہ پر تربیت دی جاتی تھی۔ سارا دن "وہ پیدل اس طرح دوڑتے تھے جتنا کہ ایک پوری تیز رفتار سے سوار جاسکتا تھا" عام طور پر حکومت کی ڈاک کا انتظام خلافت کے شاندار عہد کی طرح شاہراہوں پر بدلی چوکی کے گھوڑوں کے ذریعہ سے کیا جاتا تھا۔(57)

بادشاہ کے دورے 1616ء کے ضوابط

مقامی نگرانی کی تکمیل بادشاہ کے دوروں سے ہوتی تھی۔ پھر بھی مقامی حکام وقتاً فوقتاً اپنے اختیارات کی حد سے آگے بڑھ جاتے تھے اور شاہی اختیارات میں مداخلت کر بیٹھتے تھے۔ 1612 میں جہانگیر نے کئی فرمان جاری کیے جن کے بموجب سرحدی حکام کو لوگوں کے سجدہ کرانے یا اپنے ہاتھوں سے پہرہ کا کام لینے یا جھروکہ میں بیٹھنے یا خطابات دینے یا دورہ پر نقارہ بجانے یا سفر میں شاہی ملازمین کو پیدل لے جانے یا شاہی حکام کے مراسلہ پر مہر لگانے یا جبریہ ختنہ کرنے یا آنکھیں نکلنے یا ناک کان کاٹنے کی سزا دینے کی ممانعت کی گئی۔ اسی طرح ہاتھیوں کی لڑائی کرانے یا جو گھوڑے اپنے ہاتھوں کو دیتے انہیں لگام یا مہمیز لگانے کی ممانعت کی۔(58)

ظلم کرنے والے گورنروں کی سزا

جن گورنروں کے متعلق وقائع نویس کی رپورٹ یا خفیہ ایجنٹوں کی اطلاع سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ اپنے اقتدار یا اختیار کا غلط استعمال کرتے تھے انہیں فوراً واپس بلا لیا جاتا یا تنبیہ کی جاتی یا عہدہ گھٹا دیا جاتا یا سخت سزا دی جاتی۔ ملک میں بہت سے ایسے مظالم ہوتے ہوں گے جن کی اطلاع بادشاہ تک نہ پہنچی ہوگی لیکن اکبر یا جہانگیر نے کبھی اپنی رعایا پر ظلم کو گوارا نہیں کیا۔ اور ہمیشہ اپنے افسروں کے حریصانہ یا ظالمانہ طرز عمل کا فوراً تدارک کیا اور سزا دی۔ سعید خاں جسے جہانگیر نے اپنی تخت نشینی کے فوراً بعد پنجاب کا گورنر مقرر کیا تھا۔ اسے واضح طور پر تنبیہ کی گئی کہ اگر اس کے بد کردار خواجہ سراؤں نے لوگوں پر ظلم کیا تو میر االنصاف کسی شخص کے ظلم کو برداشت نہ کرے گا اور انصاف کے ترازو میں چھوٹے یا بڑے کا لحاظ نہ کیا جائے گا۔ اس کے بعد بھی اس کے لوگوں کی طرف سے اگر کوئی ظلم یا سختی دیکھی گئی تو بلا رورعایت سزا دی جائے گی"۔(59) شہنشاہ کے مقرب خاص مقرب خاں کو صرف ایک ظالمانہ فعل پر اس کا منصب نصف کم کر دیا گیا۔(60)۔ مرزا رستم گورنر ٹھٹھ جس نے لوگوں پر ظلم کرنا شروع کیا تھا اسے فوراً واپس بلا لیا گیا اور عہدہ گھٹا کر شاہی قیدیوں کے ناظم محافظ انی رائے سنگھ کو حوالے کر دیا گیا کہ تحقیقات کے بعد اسے عبرت انگیز سزا دی جائے۔ لیکن کچھ دنوں بعد مرزا نے پشیمانی کا اظہار کیا اور معافی مانگی چنانچہ کافی ذلیل

---

(57) سفر نامہ ہاکنس صفحات 400 و 401۔ مانسریٹ (ہوئے لینڈ و بنرجی) صفحہ 212۔

(58) جہانگیر (راجرس و بیورج) جلد اول صفحہ 205 (ایلیٹ وڈاوسن) جلد ششم صفحہ 325۔ اقبال نامہ 59 خافی خاں جلد اول صفحہ 272 مآثر جہانگیری (مخطوطہ خدا بخش) صفحات 78 ب و 79 الف۔

(59) جہانگیر (راجرس و بیورج) جلد اول صفحہ 13۔ مآثر الامرا جلد دوم صفحہ 405 اس میں یہ بھی ہے کہ سعید خاں نے یہ ضمانت دی تھی کہ اگر اس کا کوئی ملازم ظلم کرے تو خود اس کا سر قلم کر دیا جائے۔ بلوکمین صفحہ 331۔

(60) جہانگیر (راجرس و بیورج) جلد اول صفحہ 176۔

کرنے کے بعد اسے معاف کر دیا گیا۔(61)اسی طرح جونپور کے ظالم گورنر چین قلیچ خاں کو واپس بلا لیا گیا اور اگر وہ راستہ میں فوت نہ ہو گیا ہوتا تو معقول سزا دی جاتی۔(62) راجہ کلیان سنگھ کے بارے میں ناگوار واقعات سنے گئے تھے جن کی تحقیقات کی گئی مگر وہ بالکل بے قصور ثابت ہوا۔(63)سلطنت کے بہادر سپہ سالار اور طاقتور شاہجہاں کے مقرب خاص عبداللہ خاں فیروز جنگ گورنر گجرات کو واپس بلا لیا گیا۔(64) اور بری طرح ذلیل کیا گیا اور اپنے سرپرست شاہجہاں کی سفارش پر معافی مل سکی۔ شاہجہاں کو جب کہ وہ اپنے اثرات کے پورے عروج پر تھا سخت تنبیہ کی گئی۔ اس لیے کہ اس کے ماتحت سورت کے گورنر نے انگریز تاجروں پر ظلم کیا تھا۔(65) ایسے ہی اور بہت سے واقعات پیش آئے۔ ہاکنس نے لکھا ہے "اگر ان کے صوبائی گورنروں کے ظلم کی شکایت بادشاہ کے گوش گزار ہوتی تو ان کے حق میں یہی بہتر ہوتا کہ وہ محض اپنی جائداد کی ضبطی پر صبر کر لیں۔(66)"انصاف جہانگیر کی سب سے بڑی صفت تھی۔ اس نے لکھا ہے کہ "خدا کی پناہ اگر ایسے معاملات میں میں شہزادوں کا لحاظ کروں۔ امیروں کا لحاظ الگ رہا"۔(67)

منصب دار یا انتظامی اور فوجی حکام

یہ صورت تھی مغل حکومت کی اور یہ جہانگیر کے عہد میں اس کا طریق عمل تھا۔ حکومت کے اعلیٰ عہدہ دار مشترک فوجی اور انتظامی عہدوں میں منقسم تھے اور منصب دار کہلاتے تھے۔ ہر منصب دار کا یہ فرض تھا کہ وہ مقررہ تعداد پیادہ اور سوار سپاہ کی تیار کر کے مہیا کرے اور مقررہ تعداد کا عملہ رکھے۔ درجہ بندی اس تعداد کے حساب سے ہوتی تھی جس کی ہر منصب دار سے رکھنے کی توقع کی جاتی تھی۔ اگرچہ وہ اصلی تعداد سے کئی گنا زیادہ ہوتی تھی۔ زیادہ مقرب حکام کو سلطنت کے لیے خاص کر فوجی دستے رکھنا پڑتے تھے اور اس کا انھیں معقول معاوضہ دیا جاتا تھا۔ مشاہرے نامزد شدہ تعداد کے حساب سے دیے جاتے تھے اور سالانہ فرق لکھوکھا کا ہوتا تھا۔ لیکن یہ تسلیم کر لینا حق بجانب ہو گا کہ تنخواہیں سال میں چند مہینے کی دی جاتی تھیں جس کا کچھ حصہ عملے پر صرف ہوتا تھا اور کچھ حصہ تحفوں اور ضبطی جائداد کے سلسلہ میں سرکاری خزانہ کو واپس چلا جاتا تھا۔ اکبر کے عہد میں خونی رشتہ کے شہزادوں کا سب سے اونچا منصب بارہ ہزار کا تھا اور دوسروں کے لیے پانچ ہزار کا اور بعد کو سات ہزار کا۔(68) جہانگیر کے عہد میں شہزادہ خرم کو تیس ہزار ذات اور بیس ہزار سوار کے منصب پر ترقی دی گئی مگر جب اس نے بغاوت کی تو شہزادہ پرویز کو اس سے اونچا منصب چالیس ہزار ذات اور تیس ہزار سوال کا دے دیا گیا۔ اعتماد الدولہ کو نو ہزار ذات و سوار کا منصب حاصل ہو گیا اور جہانگیر کے عہد میں سات ہزار کے منصب پر کئی امرا تھے اور پانچ ہزار کے منصب

---

(61) جہانگیر (راجرس و بیورج) جلد اول صفحات 389تا390۔

(62) جہانگیر (راجرس و بیورج) 301تا312۔ مآثر الامرا جلد سوم 351۔

(63) جہانگیر (راجرس و بیورج) جلد اول صفحات 389تا390۔

(64) جہانگیر (راجرس و بیورج) جلد اول صفحہ 421۔

(65) رو صفحات 116تا117۔

(66) سفرنامہ ہاکنس پرچہ جات جلد سوم صفحہ 43۔

(67) جہانگیر (راجرس و بیورج) جلد دوم صفحہ 211۔

(68) راجہ مان سنگھ مرزا شاہ رخ اور عزیز کوکا خان اعظم یہ تین امرا تھے جو سات ہزار کے منصب پر فائز تھے۔

پر امرا کی تعداد ان سے بھی زیادہ تھی لیکن منصب دار جیسے ترقی کرتے تھے ویسے ان کے اعزاز و اثر میں اور اغلباً مشاہرہ میں بھی کمی ہو جاتی تھی اکبر کے عہد میں منصب داروں کی تعداد پندرہ سو تھی اور جہانگیر کے عہد میں تقریباً دو گنی ہو گئی تھی۔

خطابات

خان کے خطاب کا مدعی تقریباً ہر بڑا عہدہ دار تھا اور بہت زیادہ مقرب حکام میں اس کے ساتھ ایک لقب بھی لگا ہوتا تھا جس سے اس خطاب والے کی خصوصیت ظاہر کرنا مقصود تھی۔ یہ اس قسم کے تھے جیسے "امیر ورزش" امیر "الصدق" امیر "فیضان" امیر "الامرا" "عماد الملک" امیر "عدل" امیر "اعلیٰ" تھے۔

اظہار خصوصیات

اکثر نام بدل کر اس طرح کر دیے جاتے تھے جیسے امیر "بشارت" جس سے خطاب پانے والے کی مستعدی اور اس کے فرائض کی خصوصیت ظاہر ہوتی تھی۔ خطابات کی شکل حیرت انگیز طور پر کانسٹن ٹائن اور اس کے جانشینوں کے خطابات سے ملتی ہوئی ہے۔

سلطنت رومہ کی طرح

گبن نے سلطنت رومہ کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے وہ لفظ بہ لفظ مغل سلطنت پر بھی منطبق ہوتا ہے "سلطنت کے اعلیٰ حکام کو خود بادشاہ بھی ان کے فرضی نام سے مخاطب کرتا تھا جیسے صاحب اخلاص، صاحب متانت، صاحب اعزاز، صاحب امارت، صاحب اعلیٰ جسامت اور امیر شکوہ۔

اعلیٰ ترین اعزاز

مغل بادشاہ عموماً ایک ہی خطاب دو زندہ افراد کو نہیں دیتے تھے اور خطاب پانے والے کو اس بات پر فخر کرنے کا موقعہ دیتے تھے کہ جو خطاب اس کا ہے وہ کسی اور کا نہیں ہے۔ تین خطاب یافتہ امرا اور دوسرے امرا سے برتر تھے۔ یعنی خان اعظم، خان خانان اور امیر الامرا۔ (69)

---

(69) بدایونی (لو) جلد دوم صفحات 193، 194 آئین جلد اول صفحات 236 تا 239 اردون صفحات 1 تا 11 میں جو فہرست منصب داروں اور ان کے عہدوں اور ترقیوں کی فارسی تواریخ سے تیار کی ہے اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ جہانگیر کے عہد کا پانچ ہزار کا منصب دار اعزاز میں اسی درجہ سے اکبر کے عہد کے منصب دار سے کمتر تھا اور اکثر اختیارات میں اور بھی کمتر۔ منصب داری نظام کے متعلق دیکھو آئین جلد اول صفحات 235 تا 245 (بلوکمین) صفحات 535، 536 نیز بی صفحات 590، 591 برنیر (مرتبہ کانسٹبل) صفحات 212 تا 214۔ اردون کی آرمی آف دی انڈین مغلس جرنل آف ایشیاٹک سوسائٹی 1915ء صفحہ 448۔

ہاکنس کی دلچسپ درجہ بندی

ہمعصر ہاکنس نے اونچے درجہ کے منصب داروں کی جو فہرست دی ہے اور حالات لکھے ہیں وہ اگرچہ 1609ء میں ذاتی مشاہدہ اور تحقیق پر مبنی ہیں لیکن غلط اور ناقص ہیں البتہ منصب داروں کی عام درجہ بندی جو اس نے انگلستان کے تجربہ کی روشنی میں دی ہے وہ بہت ہی دلچسپ ہے۔ مثلاً

فوج

ہر منصب دار جو فوج فراہم کرتا تھا وہ جاگیر کے عوض میں تھی یا رضاکارانہ فوج کسی جنگ کے چھڑ جانے یا کسی بغاوت کے وقت انہیں جلد سے جلد حاضر ہو کر شاہی دستہ کے مرکزی حصہ سے مل جانا چاہیئے۔ اکبر کی مستقل فوج میں پینتالیس ہزار سوار پانچ ہزار ہاتھی اور کئی ہزار پیادہ فوج تھی۔ ان میں سپاہیانہ استعداد خفیف سے کچھ ہی زیادہ تھی۔ یہ قدیم طرز کی دستی بندوق سے مسلح ہوتے تھے۔ اگرچہ وہ اس نظم و ضبط سے ناآشنا تھے جو سترہویں صدی میں تورین، کانڈے اور لکسمبرگ میں تھی۔ ہاتھی البتہ انتہائی استعداد کے درجہ تک تربیت یافتہ ہوتے تھے۔ منگولی، ایرانی، ترکی اور وسط ایشیائی پوری رفتار سے گھوڑے دوڑاتے ہوئے دفعتہً پھر کر اپنا نیزہ ایسی کارگر انداز سے پھینکتے تھے کہ دشمن کی آنکھ میں گھس جاتا تھا۔ 1526ء میں بابر کے توپ خانہ نے پانی پت کے میدان میں پٹھانوں کا پانسہ پلٹ دیا تھا۔ بعد کی صدی میں مغلوں کی متعدد اصلاحیں دکھن کی فوجوں کے خلاف کارگر ثابت ہوئی تھیں لیکن سائنٹیفک پریڈ اور تربیت تقریباً ابتدائی نوعیت کی تھی۔ اس معاملہ میں رومن سپاہیوں کے مقابلے میں مغل افسوسناک طور پر مختلف تھے۔ رومن سپاہیوں کی نقل و حرکت امن کی حالت میں اس سے دوگنے وزن اسلحہ کے ساتھ ہوتی تھی جتنے وزن کی میدان میں ضرورت ہوتی تھی اور ان کی پریڈ کا میدان محض خون کی فراوانی میں میدان جنگ سے مختلف ہوتا تھا۔ توپ خانہ کے بیڈھنگے کیمپ، ہاتھی، اونٹ اور شاندار گھوڑے اور رنگ برنگی بندوقیں اور توپیں مغل فوج اور تسلیح ہجوم میں بحیثیت مجموعی بڑے فرق کا نمونہ ہوتی تھی۔

بحریہ کا فقدان

بحریہ کے متعلق کچھ کہنے کی ضرورت ہی نہیں اس لیے کہ مغل جنگی مقاصد کے لیے بیڑہ رکھتے ہی نہ تھے۔ نوارہ یا کشتیوں کا بیڑہ جو بنگال کے دریاؤں میں رکھا جاتا تھا وہ سمندر پر چلنے والے جہازوں سے بالکل مختلف تھا۔ بحریہ کی اہمیت اور فوجی نااہلیت مغل سلطنت کے کمزور ترین پہلو تھے۔

رسد رسانی

رسد رسانی کا کام بنجاروں کے قبائل سے لیا جاتا تھا۔ جو اپنے ہزاروں بیلوں کے ذریعہ سے

(بقیہ حاشیہ.........69)

.نو ہزار کے منصب دار کے مقابلہ میں ڈیوک	پانچ ہزار کے منصب دار کے مقابلہ میں مارکوئیس	تین ہزار کے منصب دار کے مقابلہ میں ارل
ڈیڑھ . وائیکاؤنٹ	ایک . بیرن	چار سو . نائٹ
سو . اسکوائر	پچاس . جنٹلمین	بیس . یومین

سفرنامہ ہاکنس صفحات 219، 220 پرچہ جات جلد سوم صفحات 29، 30 ہاکنس نے منصب داروں کی مجموعی تعداد تین ہزار بتائی ہے۔ خطابوں کے متعلق نیری کا بیان ہے (سفرنامہ صفحہ 396) بہت ہی الجھا ہوا ہے۔ بلوکمین نے اکبر جہانگیر اور شاہجہاں کے عہد کے منصب داروں کی تعداد کے مقابلہ میں جہانگیر کے عہد کا تخمینہ دی لائٹ کے تخمینہ سے لیا ہے لیکن دی لائٹ کے تخمینہ میں بہت کمی کی ہے۔ مانسریٹ (ہوائے لینڈ و بنرجی) صفحات 139، 140 مانسریٹ ہوائے لینڈ و بنرجی) صفحہ 55 (ہوائے لینڈ و بنرجی) صفحہ 79 جہانگیر (راجرس و بیورتج) جلد دوم صفحہ 232۔ پٹر منڈی کا سفرنامہ مرتبہ ٹمپل جلد دوم صفحات 54، 55، 95، 98۔ نیورنیر مرتبہ بال صفحات 39 تا 45۔ اردن کی آرمی آف دی انڈین مغلس و ان کریمر مترجمہ خدا بخش۔ اورینٹ انڈر دی کیلفس صفحہ 335۔

رسد ایک صوبے سے دوسرے صوبے میں لے جاتے تھے۔ مارچ کرتی ہوئی فوج کو رسد پہنچانے کے لیے تاجروں کی برآمد اور دیگر محصولات کی معافی سے ہمت افزائی ہوتی تھی۔ خزانہ عموماً ہاتھیوں یا اونٹوں کے ذریعہ سے منتقل کیا جاتا تھا اور سامانِ جنگ اور اسباب دو پہیہ کی بیل گاڑیوں پر اور بادشاہ کا آرائشی سامان اور دیگر سامان خچروں پر بار کیا جاتا تھا۔

خیمہ گاہ

بالکل رومن اور عرب خیمہ گاہوں کی طرح مغل خیمہ گاہ بھی شہر کی ترتیب سے قائم کیا جاتا تھا اور بادشاہ یا گورنر کا خیمہ وسط میں سب سے اونچا ہوتا تھا۔(70)

مالیہ

فوج کے اخراجات، حکام کی بھاری تنخواہیں اور دربار کے مصرفانہ اخراجات ادب فن کی فیاضانہ سرپرستی، دفتری خانہ خرچ، تعمیرات عامہ اور دیگر سارے اخراجات اس آمدنی سے ادا ہوتے تھے جو دنیا کے تمام ممالک سے زیادہ تھی۔

صرف خاص

صرف خاص سے معقول رقم حاصل ہوتی تھی۔ مختلف تجارت پر جو محصول لگائے جاتے تھے اور کانوں سے بھی کچھ آمدنی ہوتی تھی۔ خراج تحائف اور ضبطی جائداد سے اور زیادہ آمدنی ہوتی تھی لیکن اہم ترین آمدنی کی مد محصول اراضی تھی۔

مالگزاری کا نظام

اکبر کے نظام مالگزاری کی بجا طور پر تعریف کی جاتی ہے لیکن بظاہر اس کی نوعیت کو غلط سمجھا گیا ہے۔ بنگال، کابل، دکن اور بعض دور افتادہ علاقے بڑے بڑے زمینداروں کے قبضہ میں چھوڑ دیے گئے تھے جو مقررہ رقم ادا کرتے تھے۔ باقی سلطنت کی احتیاط کے ساتھ پیائش کی گئی اور زمین کی پیداوار کے لحاظ سے چار قسمیں کی گئیں۔ یعنی پورج، پوچھ، چاچر و بنجر پیداوار کا تہائی حصہ اوسطاً سرکاری قرار دیا گیا اور جہاں لگان جنس میں نہیں ادا ہوتا وہاں پچھلے دس سال کے نرخ کے حساب سے نقدی میں منتقل کر دیا جاتا۔ بعض مورخوں نے جو لکھا ہے کہ دس سالہ بندوبست ہوتا تھا۔ یہ صحیح نہیں ہے اس نظام کی اصلی خوبی قطعیت اور زمینداروں کا درمیان نہ ہونا تھی۔ بعض اوقات دیہات لگان دینے سے انکار کر دیتے تھے تو ان کے خلاف قوت کا استعمال ہوتا تھا۔

حکام مالیہ

نظام مالیہ کی سربراہی مرکزی اور صوبائی دیوانوں کے ذمہ تھی اور نیچے درجہ کے حکام مالگزار،

(70) آئین جلد اول صفحات 47، 48 مانسٹر یٹ (ہمراہ لینڈ وبنر جی) صفحات 75 تا 78۔

ٹکچی کروڑی اور پٹواری تھے۔(71) جہانگیر نے اکبر کے نظام کو برقرار رکھنے کے علاوہ اور کچھ نہیں کیا۔ یہ تو ہمیں تاریخوں میں ملتا ہے کہ اپنی تخت نشینی کے جلد ہی بعد بنگال کے دیوان وزیر خان کو اس علاقہ کے مالی بندوبست پر تعینات کیا مگر اس کا نتیجہ کیا ہوا، اس کا کوئی ذکر نہیں ملتا۔ نظام مالیہ میں مرکزی اور صوبائی مدات کو الگ الگ رکھا گیا تھا۔ مرکزی مد میں خراج، اجارہ داری، مالگزاری، محاصل، دارالضرب، ضبطی جائداد آمدنی کی مدیں تھیں۔(72)

رعایتیں

زراعت کی ہمت افزائی اور خاص کر بنجر اور کم پیداوار کی زمینوں کو کار آمد بنانے کے لیے بڑی بڑی رعایتیں دی گئیں تھیں۔ قحط یا قلت کے زمانہ میں فیاضی کے ساتھ لگان کی چھوٹ دی جاتی تھی۔

قحط

نقل و حمل کی دشواریوں کی وجہ سے قرون وسطیٰ کے قحط مخصوص علاقوں میں محدود رہتے تھے اگرچہ مصائب کی شدت ہوتی تھی۔ ہندوستانی مورخین اور غیر ملکی سیاحوں نے قحط زدہ علاقہ میں فاقہ کشی اور اموات کی دردانگیز تصویر کشی کی ہے۔

سرکاری امداد

حکومت نے مصیبت گھٹانے کی کوشش کی اور علاوہ مالگزاری کی چھوٹ کے کثیر رقوم خرچ کیں امدادی کام کھولے۔ فوج میں بھرتی کی ترغیب دی اور مفت کھانا تقسیم کرنے اور خیرات بانٹنے کے مقامات قائم کیے۔(73)

زیر حفاظت ریاستیں

یہ تھے مغل حکومت کے اصول اور ارادے۔ سب سے بڑی خدمت جو انہوں نے ملک کی انجام دی وہ اس کا وہ اثر تھا جو زیر حفاظت ریاستوں میں کام کرتا تھا۔ آج کی طرح پہلے بھی راجپوت ریاستیں اور سارے ملک میں پھیلی ہوئی چھوٹی چھوٹی ریاستیں بالادست ہندوستانی حکومت کے زیر اقتدار تھیں۔ آج بھی جو ریاستیں موجود ہیں ان میں حکومت مغلیہ کی چند نا قابل فہم اصطلاحیں رائج ہیں۔ آج کی طرح سترہویں صدی میں زیر حفاظت ریاستوں کو اندرونی خود مختاری حاصل تھی۔ ان میں سے بعض خراج دیتی تھیں اور سب نے اپنی خارجہ پالیسی کی رہنمائی اقتدار اعلیٰ کو سپرد کر دی تھی۔

---

(71) آئین (دوم) جارٹ صفحات 78 تا 96، 115 و 183 بدایونی (لو) جلد دوم صفحات 192 و 193 سر طامس کی ریوینو رسورسز آف دی مغل ایمپائر۔ مورلینڈ یوسف علی، جرنل آف ایشیاٹک سوسائٹی 1918ء صفحات 1 تا 42 وی اے اسمتھ کی اکبر کی صفحات 1 تا 128 و 141، 309 تا 379 وان نویر کی اکبر جلد اول صفحات 171 تا 175۔

(72) جہانگیر (راجرس و بیورتج) جلد اول صفحہ 22۔ مورلینڈ کی فرام اکبر ٹو اورنگ زیب صفحہ 269۔

(73) شیخ نور الحق کی زبدۃ التواریخ (ایلیٹ و ڈاوسن) جلد ششم صفحہ 192۔ عبد الحمید لاہوری کا پادشاہ نامہ (ایلیٹ و ڈاوسن) جلد ششم صفحات 24 تا 25۔

مغلوں کی خارجہ پالیسی

مغلوں کی خارجہ پالیسی کے خاص خاص اصول چند سادہ جغرافیائی حقائق اور چند سادہ تاریخی روابط کے بموجب متعین ہوتے تھے۔ ماوراء النہر کا آبائی ورثہ جو بابر اور ہمایوں کا اصلی وطن تھا خاص کر باعث کشش تھا اور انہیں کئی خونریز مہموں اور شکستوں کا خمیازہ بھگتنا پڑا۔ اکبر اور جہانگیر کے دماغوں میں برابر اس علاقہ کو اپنی سلطنت میں ملانے کا خیال چکر اتار رہا مگر بڑی معقول پسندی سے اس واہمہ کو ترک کر دیا گیا۔ شاہجہاں اپنے عروج اور شکوہ کے زمانہ میں اس ترغیب کو دبا نہ سکا اور اس کی بے نتیجہ کوشش میں ہزاروں جانیں اور لاکھوں روپے ضائع ہوئے۔(74) جہانگیر کے عہد میں مغل سیاست کا دائرہ دریائے جیحوں کے جنوبی علاقوں تک محدود رہا۔ جہانگیر خلوص کے ساتھ ایران کی ملحقہ مملکت سے دوستانہ تعلقات کا شائق تھا مگر قندھار کو قبضہ میں رکھنے پر مصر تھا جو ڈیڑھ سو برس سے دو عظیم ہمسایوں کے مابین مابہ النزاع رہا تھا۔ پچھم کی طرف (75) اکبر نے یورپ میں ہسپانیہ کے فرمانروا فلپ دوم کے لیے سفارت تیار کی مگر یہ طمطراق کا مراسلہ عالمگیر امن و صلح کا میڈرڈ تک کبھی نہ پہنچ سکا۔(76) جہانگیر نے ایک مرتبہ بادشاہ ہسپانیہ اور پاپائے روم کے درباروں میں شاندار سفارتیں بھیجنے کا خیال کیا۔ اس نے انگریز سفرا ولیم ہاکنس اور سر طامس رو کا گرمجوشانہ استقبال کیا مگر انگلستان سے تجارتی معاہدہ کرنے پر وہ بالکل راضی نہ ہو سکا۔ گھر کے پاس ہی جہانگیر نے اپنے باپ کی تقلید میں گوا کے جزویٹ مشنریوں کی حفاظت اور ہمت افزائی کی اور غیر ملکیوں کو مغربی ساحل سے مار بھگایا اور پرتگالیوں کو سمندر کی طرف دھکیل دیا۔(77) شاہجہاں کے عہد میں پرتگالیوں کی بحری ڈاکہ زنی اور اراکان کے ساحل پر شیطانی حرکتوں نے واقعی جنگ کی آگ بھڑکا دی۔(78) شاہجہاں کے برخلاف جہانگیر کا تبت سے کوئی سابقہ نہیں ہوا اور نہ اسے مشرق بعید کی فکر کی ضرورت ہوئی۔

---

(74) توزک بابری ارسکن ہسٹری آف انڈریا اینڈ ہمایوں۔ شیر این اینڈ راس کی ہارٹ آف ایشیا تاریخ رشیدی، الیاس دواس۔ آئین جلد اول۔ جہانگیر (راجرس و بیورج) جلد اول صفحہ 89۔ عبد الحمید لاہوری کا پادشاہ نامہ جلد دوم صفحات 482، 627، 637 (ایلیٹ وڈاوسن) جلد ہفتم صفحات 70 تا 72۔ عنایت خاں کا شاہ جہاں نامہ (ایلیٹ وڈاوسن) جلد ہفتم صفحات 76 تا 85۔ سر طامس بلڈرچ کی کیمبرس آف انڈیا باب 12 تا 14 صفحات 411 تا 461 سرکار کی ہسٹری آف اورنگ زیب جلد اول باب 5 تا 6 صفحات 83 تا 114۔ ماورائے جیحوں کی لڑائیوں سے عام دلچسپی کے بارے میں دیکھو انگلش فیکٹریزان انڈیا 1646ء صفحات 51 تا 52، 140 منوشی مرتبہ اِرون جلد اول صفحہ 185۔

(75) دو جارک باب 22۔

(76) مانسٹر یٹ (ہوائے لینڈ بنرجی) صفحات 163، تا 164۔ 184 تا 185 کے لیے ترجمہ خط انڈین اینٹی کویری اپریل 1887ء صفحات 135 و مابعد۔

(77) جہانگیر (راجرس و بیورج) جلد اول صفحات 215، 255، 274، ذو جارک جلد 22 گلیڈون صفحہ 28 سر طامس رو کی سفارت پر فاسٹر کا مقدمہ صفحات 10 تا 22 ہاسٹن کی لسٹ آف جزویٹ مشنرزان موگور 1805۔ 1580ء جرنل ایشیاٹک سوسائٹی بمبئی 1910ء صفحات 527 تا 542۔

(78) عبد الحمید جلد اول صفحہ 454 (ایلیٹ وڈاوسن) جلد ہفتم صفحات 31 تا 35، 42 خافی خاں جلد اول صفحہ 468 (ایلیٹ وڈاوسن) جلد ہفتم صفحات 211 تا 212 برنیر (مرتبہ کانسٹبل) صفحات 174 تا 182 منوشی (مرتبہ ارون) جلد اول صفحات 181 تا 183، 185 ماسٹن کی بنگال ماسٹ اینڈ ہرٹ جلد 10 1915ء صفحات 43 تا 45، 81، 51، 89 تا 91، 94، 99۔ انگلش فیکٹریزان انڈیا۔ 29، 1924 صفحات 154، 226 تا 229، 435، 467۔

کانگڑہ

سترہویں صدی کی مغل سیاست کا سب سے سرگرم حصہ خود ہندوستان کی سرحد کے اندر ہی تھا۔ شمالی ہمالیہ کا ناقابل تسخیر گڑھ جس نے یکے بعد دیگرے دلی کی فرماں رواؤں کا مقابلہ کیا۔ 1621ء میں بھوکوں مار کر ہتھیار ڈالنے پر مجبور کر دیا گیا۔ (79)

میواڑ

راجپوت خود مختاری کی تنہا یادگار میواڑ جس نے اکبر کی زبردست سے زبردست کوششوں کا پامردی سے مقابلہ کیا تھا۔ 1614ء میں زیر کر لیا گیا۔ (80)

دکھن

دکھن کی سرحد پر جہانگیر کو جو پالیسی اکبر اور علاءالدین خلجی اور چوتھی اور تیسری صدی قبل مسیح کے موریا شہنشاہوں۔ ہرش وردھن اور سمدر گپت سے ورثہ میں ملی تھی اس پر سرگرم عمل رہا اگرچہ ناکامی کے ساتھ۔ اگر بندھیاچل مغربی گھاٹ کے مشابہ ہوتا تو ہندوستان ایک طاقت ور متحدہ قوم بن گیا ہوتا اور اگر وہ ہمالیہ جیسا ہوتا تو ہندوستان دو حصوں میں منقسم ہو گیا ہوتا اور دونوں اپنی اپنی جگہ آزاد اور خود مختار حکومتیں ہوتیں لیکن موجودہ صورت میں شمال اور جنوب الگ الگ تو ہو گئے۔ مگر حال کی نقل و حمل کی سہولتوں کے پیشتر وایک کو دوسرے پر غلبہ حاصل کرنے کی ہمت افزائی ہوتی رہی اور اس کی کوشش میں مغلوں اور مرہٹوں دونوں نے خود کو تھکا کر اپنی قوتیں ضائع کر دیں۔

مغلوں پر اپنے پیشروؤں کا قرضہ

یہ بات بالکل واضح ہے کہ ہندوستان میں ملک کے اندر خارجہ پالیسی کے دائرہ میں مغلوں نے اپنے پیشروؤں ہی کے منصوبہ کو ترقی دی۔ داخلی پالیسی میں مغلوں پر اپنے پیشروں کا قرض اگرچہ اتنا واضح نہیں ہے تاہم کچھ حقیقی نہیں ہے۔

شیر شاہ

اکبر نے انہیں اصولوں کو قبول کیا جن پر شیر شاہ کا عمل تھا اور شیر شاہ اگرچہ ہوشمند حکمران اور عاقل مدبر تھا مگر اس میں تخلیقی مادہ اتنا نہیں تھا جتنا اس سے منسوب کیا جاتا ہے۔

پہلے کے پٹھان

شیر شاہ نے انہیں بنیادوں پر تعمیر کی جو اس کے پیشروؤں نے رکھ دی تھی۔ فارسی مورخین

(79) دیکھو باب 13 مابعد۔

(80) دیکھو باب 10 مابعد۔

میں سے صرف دو پٹھان مورخین ضیاء الدین برنی اور شمس سراج کا بغور مطالعہ کرنے سے ہر شخص پر واضح ہو جائے گا کہ محض انتظامی اداروں کے جراثیم ہی نہیں بلکہ ان کی غیر ترقی یافتہ شکل بھی وہی نظر آئے گی جو مغلوں سے منسوب کی جاتی ہے۔

ہندو

پٹھانوں نے اپنی باری میں وہی اصول اور طریقے اختیار کر لیے تھے جو ان کے پیشروؤں کے تھے۔(81)

برطانوی حکومت پر مغلوں کا قرض

اس طرح ادارتی زندگی کا دھارا اسی قدیم ترین عہد پارینہ سے بہتا ہوا اٹھارہویں صدی تک آیا جب کہ اس نے مغرب سے نیا پانی حاصل کیا۔ مگر اپنی خصوصیت کو بدستور قائم رکھا۔

نتیجہ

آج جس نظام کے ماتحت ہم رہتے ہیں وہ مغلیہ حکومت کے ترقی یافتہ اصول ہیں اگرچہ نمائندہ اداروں کے رواج، ذمہ دار حکومت قسط اول اور رائے عامہ کی ترقی اور تنظیم اور سب سے بڑھ کر عوامی شعور کی بیداری سے یقیناً ایک نئے دور کے آغاز کی نشاندہی ہوتی ہے۔

---

(81) ہندو اداروں اور حکومت کے تصور کے متعلق دیکھو سر میری کتاب "تھیوری آف گورنمنٹ ان اینشنٹ انڈیا (پوسٹ ویدک) اینڈ اسٹیٹ اینشنٹ انڈیا۔

پانچواں باب

جہانگیر کی تخت نشینی

سلیم کا کیرکٹر

سلیم جب آگرہ کے تخت سلطنت پر بیٹھا تو وہ چھتیس برس کا ہو چکا تھا۔ وہ بلند قامت شکیل اور خوبصورت جوان مرد تھا۔ جس کی تیز آنکھیں، گھنی بل دار بھنویں اور لہراتی ہوئی مونچھیں تھیں۔ اس کا سینہ چوڑا اور بازو لمبے تھے جس سے اس کی قوت اور مردانگی ظاہر ہوتی تھی۔(1) اپنے اطوار میں محبت پسند، خوش اخلاق اور پسندیدہ طرز عمل کا تھا۔ بات چیت میں خوش گو، طبیعت کا بشاش اور خوش خوراک اور خوش پوش تھا۔ یارانہ صحبت، ہلکی پھلکی تفریحات اور رقص و سرور اور علم و فن کا شائق تھا۔(2) باوجود وقتاً فوقتاً

---

(1) اس کا رنگ نہ گورا ہے نہ کالا بلکہ دونوں کے درمیان میری سمجھ میں نہیں آتا کہ زیتون کے سوا میں اس کی ٹھیک مثال کس چیز سے دوں۔ اس کا جسم دیکھنے میں سڈول ہے۔ کوریات کی کروڈی ٹیزان ہیجڈ پرچہ جات چہارم صفحہ 273۔

(2) ہاکنس کا استقبال نہایت ہی مشفقانہ اور ہنستے ہوئے انداز سے کیا گیا تھا اور اسے گرمجوشی سے خوش آمدید کہا گیا تھا۔ پرچہ جات سوم صفحہ 11۔ ٹیری (صفحہ 240 کا بھی اسی گرمجوشی سے استقبال کیا گیا اور خوش اخلاقی اور اعزاز کی کئی علامتوں کے ساتھ ٹامس ملفورڈ (خطوط موصولہ سوم صفحات 85، 86) نے اعتراف کیا ہے کہ شہنشاہ نے اس سے بڑے اخلاق کا سلوک کیا۔ رو (صفحات 107، 112) کا بیان ہے کہ جہانگیر بہت ہی خلیق اور نفس کش تھا اور مغرور بالکل نہ تھا۔

جمعرات جو اس کی تخت نشینی کا دن تھا اور اتوار جو اس کی پیدائش کا دن تھا۔ ان دونوں دنوں میں وہ گوشت بالکل نہیں کھاتا تھا۔ جہانگیر (راجرس و بیورتج) جلد اول صفحات 209، 310۔ کھانے کا وقت اس نے کوئی مقرر نہیں کیا تھا لیکن اس کے لیے کھانا ہر وقت تیار رہتا اور عند الطلب خواجہ سرا سونے کے برتنوں میں لگاتے تھے۔ اسے انگور، انجیر، سنترہ، انار اور خربوزے پسند تھے اور سب سے بڑھ کر آم جو وہ نزدیک و دور سے منگاتا تھا۔ 1618ء میں اس نے گجرات کی باجرہ کی کھچڑی کا شوق ظاہر کیا۔ دیکھو جہانگیر (راجرس و بیورتج) جلد اول صفحات 370، 371، 309، 310، 350، 377، 398، 413۔ ٹیری صفحات 195 تا 198، 370 پرچہ جات نہم صفحہ 20۔

"اس عاجز بندہ خدا کی زبان ادائے شکر سے قاصر ہے کہ باوجود تین ماہ کے طویل راستہ کے کابل سے انگور بالکل تازی حالت میں آجاتے ہیں"...(جہانگیر (راجرس و بیورتج) جلد اول صفحہ 404 1618ء میں وہ احمد آباد میں خیمہ زن تھا اس نے وہاں سے لکھا "کچھ خربوزے کاریز (خراسان) سے آئے اور اگرچہ اس کا فاصلہ چودہ سو میل ہے اور کارواں پانچ ماہ میں یہ فاصلہ طے کرتا ہے لیکن وہ بالکل تازی حالت میں پہنچے۔ چونکہ یہ پھل بہت مزے دار ہوتا ہے اس لیے ہرکارے ڈاک سے لاتے ہیں اور اتنی کافی مقدار میں جو اپنے لیے اور دست بدست دینے کے لیے کفایت کرتے ہیں اس کے لیے میری زبان اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے سے قاصر ہے۔ ایضاً صفحات 422، 423۔ اسی طرح کی ایک اور تحریر کے لیے جو بنگش سے مہابت خاں کے بھیجے ہوئے سیب سے متعلق ہے۔ دیکھو ایضاً جلد دوم صفحہ 101۔

گنگا جل: دوسرے مغل شہنشاہوں کی طرح جہانگیر عموماً گنگا کا پانی پیتا تھا اس لیے کہ جیسا ٹیری کا بیان ہے۔ یہ دوسرے پانی سے ہلکا ہوتا ہے۔ مغلوں کے عہد میں کھانے اور پینے کا ایک الگ محکمہ ہوتا تھا۔ پرچہ جات نہم صفحہ 20، سفر میں گنگا کا پانی مشکوں میں بھرا ہوا اونٹوں پر چلتا تھا جو بادشاہ کے ساتھ ہوتے تھے۔ دیکھو برنیر کا بیان اورنگ زیب کے مارچ کے بارے میں صفحہ 356، 364۔

لباس: جہانگیر کو اپنی بیگم نور جہاں کی طرح لباس کا بڑا خیال تھا۔ اس نے اپنے لیے خاص قسم کا لباس اور خاص قسم کا کپڑا مقرر

باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر....

جذبات کی برانگیختگی کے وہ دل کا غنی اور فیاض تھا(3)۔ اہل خاندان سے اسے بڑا انس تھا۔ اپنی ماں اور دایہ کا وہ بڑا ادب کرتا تھا اور اپنے والد کی یاد کو بہت عزیز رکھتا تھا۔ (4)

اس کے دماغ کی ساخت ہندوستان کے مہذب ترین دربار میں بہترین تہذیب یافتہ معلموں کی تربیت میں ہوئی تھی۔ فطری علوم میں فاضل ہونے کے ساتھ ہی وہ اپنی حیثیت کے لحاظ سے غیر معمولی طور پر زبان داں تھا۔ وہ فارسی شاعری سے مانوس تھا اور اسلامی مذہبی علوم، ہندو فلسفہ اور عیسائی کتب

باقی حاشیہ.....2 کر رکھا تھا اور اس کا استعمال صرف ان لوگوں کے لیے مخصوص تھا جسے بادشاہ عطا کرے۔ ایک کپڑا نادری کوٹ تھا جسے لوگ قبا کے اوپر پہنتے تھے۔ اس کی لمبائی کمر کے نیچے سے ران کے نیچے تک ہوتی تھی اور اس میں آستین نہیں ہوتی تھی۔ اس میں آگے کی طرف بٹن ہوتے تھے اور ایران کے لوگ اسے کردی کہتے تھے (اس لیے کہ یہ کردستان سے آتا تھا) میں نے اس کا نام نادری رکھ دیا۔ ایک اور لباس طوسی سال تھا جسے میرے والد ماجد نے بطور لباس اختیار کر لیا تھا جس کا گریبان دوہرا ہوتا تھا (باتو گریبان) آستین کے سرے زر کا ہوتے تھے۔ اسے بھی انہوں نے اپنے لیے اختیار کر لیا تھا۔ ایک اور قبا ہوتی تھی جس میں حاشیہ ہوتا تھا اور اس کے کنارے کاٹ کر دامن اور آستین کے سرے سے سی دیئے جاتے تھے۔ ایک اور قبا گجراتی ساٹن کی تھی اور ایک اور چیرہ اور واسکٹ ریشم سے بنی ہوئی تھی جس کے بیچ بیچ میں کلابتو بنا ہوتا تھا۔ جہانگیر (راجرس و بیورتج) جلد اول صفحہ 384۔

جہانگیر کے سر پر ایک قیمتی دستار ہوتی تھی جس کے اوپر کئی راج ہنس کے پر ہوتے تھے جس کے کناروں سے عقیق ہیرے اور زمرد لٹکے ہوتے تھے یا بیچ میں جڑے ہوتے تھے۔ گلے میں بڑے خوبصورت اعلیٰ درجہ کے موتیوں اور زمرد اور عقیق کا ہار ہوتا تھا۔ ہیروں سے جڑا ہوا بازو بند اور کلائی بند قیمتی کڑے۔ انگلیوں میں انگوٹھیاں، پیر میں موتیوں سے جڑے ہوئے جوتے جن کی نوک پتلی ہو کر اوپر کو لوٹ گئی تھی۔ یہ سب مل کر جگمگاہٹ کا منظر پیدا کرتے تھے۔ دستانے وہ اکثر انگریزی پہنتا تھا۔ تلوار اور ڈھال جو وہ اکثر لٹکا لیتا تھا قیمتی ہیروں اور یاقوت سے مرصع ہوتی تھیں اور پیٹی پوری سونے کی ہوتی تھی۔ ہاکنس کا بیان ہے کہ بادشاہ ہیرے باری باری پہنتا تھا۔ رو صفحات 321 و 322 نیز دیکھو ہاکنس 1614ء میں جہانگیر نے اپنے کان چھدوائے تاکہ ان میں شیخ سلیم چشتی کی سنت کی بالیاں پہن سکے جن کی دعا سے حال میں اسے ایک بیماری سے شفا ہوئی تھی۔ جہانگیر (راجرس و بیورتج) جلد اول صفحات 267، 268، جہانگیر کی یارباشانہ صحبتیں جو پنج شنبہ کو جمع ہوتی تھیں ان کا حال تو زک جہانگیری (راجرس و بیورتج) جلد صفحات 49، 105، 306، 307، 319، 342، 385، 411، 427، 431، 435 اور جلد دوم صفحات 1، 22، 40، 48، 49، 50، 57، 100، 172، 213، 214، میں ہے۔ تج نے (پرچہ جات سوم صفحہ 47) یہ غلط لکھا ہے کہ جہانگیر دن میں تیس جام یا اس سے بھی زیادہ شراب پیتا تھا (ہاکنس) پرچہ جات سوم صفحہ 47) رو کی سفارت صفحات 119، 276، 312، 362، 313، 382، 446، جہانگیر کی علوم و فنون سے دلچسپی کے لیے دیکھو باب اول و چہارم۔

(3) جہانگیر (راجرس و بیورتج) جلد اول صفحات 432۔ وغیرہ ٹیری صفحہ 389۔ جہانگیر جہاں کہیں بھی ہوتا وہ اپنی داد و دہش میں غریبوں اور قابل افراد کے حق کو کبھی فراموش نہ کرتا کوئی بادشاہ کسی زمانہ میں جہانگیر سے زیادہ غریبوں کے لئے فیاض نہ تھا۔ انتخاب جہانگیری (الیٹ و ڈاوسن) جلد ششم صفحہ 448)۔

(4) اسے اس بات کا افسوس رہا کہ اس کا والد عطر جہانگیر اور یزد کے انار کا لطف اٹھانے کے لیے موجود نہیں ہے وہ اپنے والد کے مزار کو شہر فردوس کہتا تھا۔ دیکھو جہانگیر صفحات 33 تا 45، 249، 270، 271، 309، 310 و 350 وہ اپنی والدہ کی پالکی اپنے کندھوں پر اٹھا کر کہاروں کی مدد کرتا تھا۔ ٹیری صفحہ 389۔ پرچہ جات نہم صفحہ 54۔ وہ اپنی بہنوں سے دلی محبت کرتا تھا۔ جہانگیر (راجرس و بیورتج) جلد دوم صفحہ 36۔ اپنی شیر خوار پوتی کے انتقال پر وہ بہت غمگین ہوا۔ ایضاً جلد اول صفحات 326۔ تا 348۔ شیو کے کمزکی پرسے گرنے کی خبر سن کر وہ بیقرار ہو گیا۔ ایضاً جلد دوم صفحہ ۷۔ اپنے خسر کی وفات پر اس نے درد آمیز الفاظ میں اظہار غم کیا۔ ایضاً جلد دوم صفحہ 222۔ اپنی دایہ پر اس کے غم کے حال کے لیے دیکھو ایضاً صفحات 73 و 74۔ نیز دیکھو ایضاً جلد دوم صفحات 45 و 46، 47، 112، 245۔ اپنے احباب اور افسروں کے انتقال پر اس کے رنج کے حال لیے دیکھو ایضاً جلد اول صفحات 319 تا 322، 385، 411، 427، 431، 432، 435، جلد دوم صفحہ 87۔

مقدسہ سے واقف تھا اور جغرافیائی معلومات اور تاریخی روابط کا بہت بڑا خزانہ اس کے ذہن میں تھا۔ (5) ایک اچھے سپہ سالار کے لیے جن اعصاب اور قابلیت کی ضرورت تھی وہ تو اس میں نہ تھی مگر ذاتی شجاعت کی کمی اس میں کبھی نہ ظاہر ہوئی۔

تعصب سے وہ بالکل بری تھا اور وہ بہت بڑی فہم و فراست کا مالک تھا جو عام طور پر لوگوں میں کم ہوتی ہے۔ اس کے والد نے جو آزاد خیالانہ پالیسی اسے ورثہ میں دی تھی اسے برتنے کی اس میں کافی استعداد تھی۔ پچھلے پانچ برسوں میں اس کی حرکات سے بہت سے شبہات پیدا ہو گئے تھے لیکن ذمہ داری ہاتھ میں لے کر اس میں سنجیدگی اور توازن آ گیا تھا۔

تخت نشینی 24/ اکتوبر 1605ء

اکبر کے انتقال پر ایک ہفتہ کے سوگ کے بعد جمعرات 24/ اکتوبر 1605ء کو سلیم باضابطہ طور پر آگرہ کے قلعہ میں تخت نشیں ہوا۔ اسلامی تخت نشینی میں کوئی بپتسمہ یا حلف یا دعظ کی رسم نہیں ہوتی۔ سلیم نے تاج اپنے ہاتھ سے اپنے سر پر رکھ لیا اور خطبہ میں اپنا نام لینے کا حکم دیدیا اور شاندار لقب نور الدین محمد جہانگیر بادشاہ غازی اختیار کر لیا۔ اس نے اپنی تخت نشینی پر نئے سکے جاری کر کے اور قیدیوں کو آزاد کر کے مشتہر کیا (6) اس نے اپنے والد کی فیاضانہ پالیسی کو آگے بڑھانے کے لیے بارہ مشہور فرامین جاری کیے۔ حال کے سیاسی جھگڑوں کے قیدیوں کی رہائی کا حکم دیا اور تمام اعلیٰ اور ادنیٰ عہدہ داروں کو ان سے منصب پر بحال رکھا۔ (7) عبد الرحمٰن معموری اور خواجہ عبداللہ نقشبندی جنھوں نے بغاوت میں اس کا ساتھ چھوڑ کر اس کے باپ کا ساتھ دیا تھا انھیں اپنے منصب اور جاگیر پر بحال رکھا۔ (8) اپنی زندگی کے سب سے بڑے جرم ابوالفضل کے قتل کی تلافی کے لیے اس نے ابوالفضل کے لڑکے عبدالرحمٰن کو اعزاز دے کر دو ہزار کے منصب پر ترقی دی۔ (9)

---

(5) فارسی تاریخوں اور یورپین سیاحوں کی تحریروں سے ایسی سیکڑوں مثالیں دی جا سکتی ہیں۔ یہاں چند حوالے دیے جاتے ہیں۔ جہانگیر (راجرس و بیورج) جلد صفحات 83، 84، 97، 98، 140، 142، 155، 228، 245، 246، 248، 272، 322، 335، 343، 357، 359، 360، 361، 362، 383، 387، 410، 412، 413 جلد دوم صفحات 96، 98، 99، 130، 98، 224۔

(6) وقائع اسد بیگ (ایلیٹ وڈاؤسن) جلد دوم صفحہ 173۔ جہانگیر راجرس و بیورج) جلد اول صفحات 1، 3، 10 مآثر جہانگیری (مخطوطہ خدا بخش صفحات 32، 33۔ اقبال نامہ صفحہ خافی خاں جلد اول صفحات 240 تا 247۔ بیلی کی مفتاح التواریخ صفحہ 211 اقبال نامہ میں جہانگیر کی تخت نشینی 14/ جمادی الآخر لکھی ہے۔ اور دن جمعرات بتایا ہے لیکن دراصل یہ منگل تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ جہانگیر جمعرات کو تخت نشین ہوا جسے وہ مبارک شنبہ کہتا تھا۔ ڈوجارک کا بیان ہے کہ (جلد سوم باب 16) کہ جہانگیر اکبر کے انتقال کے آٹھویں دن تخت نشین ہوا۔ سر ہنری ایلیٹ وڈاؤسن جلد ششم صفحہ 515) نے قیدیوں کی رہائی پر سخت اعتراض کیا ہے مگر وہ یہ بھول جاتا ہے کہ جہانگیر نے قدیم رسم کی پابندی کی اس لیے کہ اکثر رہا ہونے والے سیاسی قیدی ہوں گے۔ پرایس نے اپنی کتاب جہانگیر (صفحہ ۲) اس حکم کی مبالغہ آمیز تعریف کی ہے اپنے احباب اور افسران کے انتقال پر اس کے رنج کے حال کے لیے دیکھو ایضاً جلد اول صفحات 319، تا 322، 387، 411، 427، 431، 432۔

(7) جہانگیر (راجرس و بیورج) جلد اول صفحات 7 تا 9، 10 ان فرامین کو تمام مورخین نے نقل کیا ہے۔

(8) جہانگیر (راجرس و بیورج) جلد اول صفحات 13، 14، 67۔

(9) جہانگیر (راجرس و بیورج) جلد اول صفحہ 17۔

نئے احکامات

جن لوگوں نے خستہ حالی کے زمانے میں اسے نقصان پہنچایا تھا یا خدمت کی انھیں وہ بھول نہیں سکتا تھا عزیز کوکا کے خطابات اور اعزازات تو بحال رکھے گئے لیکن اسے اقتدار سے نیچے اتار دیا گیا اور بار بار اسے ذلیل کیا گیا اور جھڑکا گیا۔ شروع میں تو جہانگیر نے عقلمندی سے راجہ مان سنگھ کو راضی کر لیا اور دونوں نے پچھلی باتوں کے لیے ایک دوسرے درگزر کا تبادلہ کیا اور اس کے لڑکے مہا سنگھ کو دو ہزار کے منصب پر ترقی دے دی۔(10) لیکن 1606ء میں راجہ مان سنگھ کو جسے جہانگیر، "خرانٹ بھیڑیا" کہتا تھا معزول کر دیا گیا اور اس کی جگہ منظور نظر قطب الدین کو بنگال کا گورنر بنایا گیا اور اسے پانچ ہزار کے منصب پر ترقی دے دی گئی۔(11)

شریف خاں وزیر اعظم امیر الامرا

نامور صناع و خوشنویس عبد الصمد شیریں رقم کے لڑکے شریف خان کو نائب السلطنت وزیر اعظم امیر الامرا اور مہر شاہی کا محافظ بنا دیا گیا۔ اکبر سے سلیم کی آخری مصالحت نے اسے جلا وطن اور مبتلائے مصائب کر دیا تھا۔ اکبر جس سے اس نے بیوفائی کی تھی اس کے انتقال کی خبر اسے نعمت غیر مترقبہ معلوم ہوئی۔ وہ تیزی سے چل کر آگرہ پہنچا اور 8 / نومبر 1605ء کو اپنے پرانے دوست کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ اتنی گرمجوشی کی پذیرائی کسی اور کو نصیب نہ ہوئی ہوگی۔ جہانگیر نے کہا "میں اسے بھائی بیٹے یا رفیق کی طرح سمجھتا ہوں" علاوہ دیگر اعزازات کے اسے پانچ ہزار کے منصب پر ترقی دی گئی مگر وہ قطعی طور پر معمولی سمجھ کا آدمی تھا اور پرانے قابل امرا اس سے نفرت کرتے تھے۔ اس کی صحت تیزی سے گرتی جا رہی تھی اور وہ خود کو اس نئی ذمہ داری کا اہل نہیں سمجھتا تھا۔ اس کے عروج سے دربار میں رشک و حسد پیدا ہو گیا۔(12)

دیوانی مرزا جاں بیگ واعتماد الدولہ کو سپرد کی گئی

خوش قسمتی سے دیوانی کا منصب زیادہ قابل لوگوں کو دیا گیا۔ یہ دو امرا کے سپرد کیا گیا، ایک مرزا جاں بیگ جو شہزادگی کے زمانہ میں جہانگیر کا منتظم مالیہ تھا اور شاہی ملازمت میں منسلک ہو گیا تھا اور اپنی جفاکشی، سوجھ بوجھ انتظامی قابلیت، علمی مہارت اور خوشگوار انداز گفتگو کی بدولت محل شاہی کے منتظم کے

---

(10) وقائع اسد بیگ (ایلیٹ وڈاوسن) جلد ششم صفحات 172 و 173۔ جہانگیر (راجرس و بیورج) جلد اول صفحہ 17۔

(11) جہانگیر (راجرس و بیورج) جلد اول صفحہ 78۔ اقبال نامہ صفحہ 19۔

(12) جہانگیر (راجرس و بیورج) جلد اول صفحات 14، 15 و 18 اقبال نامہ صفحہ 3 خافی خاں جلد اول صفحہ 248 مآثر جہانگیری (مخطوطہ خدا بخش) صفحہ 33 بلوکمین 495 و 517۔

ایک ناحق کی توہین جو نئے وزیر کی خان اعظم نے کی وہ تاریخ میں محفوظ ہے۔ خان اعظم نے وزیر اعظم کو بعض دیگر امرا کے ساتھ ایک ضیافت میں بلایا اور وہاں شریف خاں کو مخاطب کر کے کہا "نواب صاحب! آپ سے میری کوئی دوستی نہیں ہے۔ آپ کے والد عبد الصمد ملا مجھ سے بہت مانوس تھے جس کمرہ میں بیٹھا ہوں اس کی روغن کاری انہیں نے کی تھی۔ خاں جہاں اور مہابت خاں احتجاجاً اٹھ کر چلے گئے اور جہانگیر نے جب اس واقعہ کو سنا تو شریف سے کہا "خان کو اپنی زبان پر قابو نہیں ہے۔ تم اس سے جھگڑا نہ کرو۔" اعتماد الدولہ کے حالات زندگی کے لیے دیکھو اقبال نامہ صفحات 54 تا 55، خافی خاں جلد اول صفحات 203، 205۔

عہدے پر سر فراز ہو گیا تھا۔ شاہی فرامین اس سے بہتر کوئی اور نہیں لکھ سکتا تھا اور نہ اس کے مقابلہ میں کوئی انشا بردیار تھا۔ اس نے کبھی اپنے کسی ملازم کو گالی نہیں دی۔ ہر معاصر مورخ نے اس کی اعلیٰ خوبیوں کو سراہا ہے۔ لیکن بد قسمتی سے مرزا غیاث کے خالص سونے میں ایک ذرا سا میل بھی تھا۔ وہ روپیہ کا حریص تھا اور اکثر اتنا گر جاتا تھا کہ رشوت لے لیتا تھا۔ اب اسے ڈیڑھ ہزار منصب پر ترقی دے دی گئی اور اعتماد الدولہ کا شاندار خطاب عطا کیا گیا۔ (13)

شیخ فرید بخاری کو میر منشی مقرر کیا گیا

اس کے بعد سب سے بڑا عہدہ شیخ فرید بخاری کے حصہ میں آیا جس نے بڑے اہم موقع پر راجہ مان سنگھ اور عزیز کوکا کی مخالف جماعت کی سربراہی کی تھی۔ اس نے شروع ہی میں اڑیسہ کے اندر افغانوں کے خلاف جنگ میں امتیاز حاصل کر لیا تھا۔ اور ڈیڑھ ہزار کے منصب پر فائز ہو گیا تھا۔ اس کی فیاضی بے مثال تھی اور اس کی روح میں خلوص تھا۔ اس نے خود اپنے لیے کوئی محل نہیں تعمیر کیا اور ہمیشہ بطور مسافر کے زندگی بسر کی۔ وہ اپنے آدمیوں کو تنخواہ اپنے ہاتھ سے دیتا تھا۔ اس کے متعلقین سال میں تین مکمل جوڑے لباس کے پاتے تھے اور اس کے سپاہی سال میں ایک کمبل پاتے تھے۔ اپنے مہتروں کو بھی وہ پہننے کے لیے جوتے دیتا تھا۔ اس کے سپاہی جو لڑائی میں مارے جاتے تھے ان کے متعلقین کی پرداخت کا انتظام وہ بڑی فیاضی سے کرتا تھا اور انھیں روپیہ پیسہ اور زمین دیتا تھا۔ کوئی سائل کبھی اس کے دروازہ سے خالی ہاتھ نہ پھرا اور نہ کسی بیوہ یا یتیم کا سوال خالی گیا۔ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ اس نے محتاجی یا افلاس دیکھا ہو اور مدد نہ دی ہو۔ اس نے کئی مسجدیں، مسافر خانے، حمام اور بازار تعمیر کیے اپنی کثیر دولت میں سے اس نے صرف ایک ہزار اشرفیاں ترکہ میں چھوڑیں لیکن اس کی خودداری اور مذہبی احتیاط پسندی کا یہ حال تھا کہ اس نے کبھی کسی چاپلوس یا گویئے کو کبھی ایک پیسہ نہیں دیا۔ میدان جنگ میں اسے شجاعت، دلیری، مردانگی، بے پناہ ہمت اور خطرہ سے دوچار ہونے بے باکی کا امتیاز حاصل تھا۔ یہ شخصیت تھی جسے اب جہانگیر نے میر بخشی کے منصب پر فائز کیا اور صاحب السیف والقلم کے خطاب سے سرفراز کیا۔ (14)

مہابت خاں

کابل کے غیاث بیگ کے لڑکے زمانہ بیگ کو ایک ہزار پانچ سو کا منصب اور مہابت خاں کا خطاب دیا گیا جس خطاب سے وہ اپنی خوش قسمتی سے سارے ملک میں نامور ہوا۔ شروع زندگی میں وہ احدی کے درجہ میں ملازم ہوا تھا اور شہزادہ سلیم کی ذاتی خدمت پر مقرر ہوا تھا۔ اپنی بلند اخلاقی صاف دلی اور صاف گوئی سے اس نے اپنے آقا کے دل میں محبت اور عزت حاصل کر لی۔ جہانگیر نے ہمیشہ اسے پوری آزادی سے بات کرنے کی اجازت دی جس کے عوض میں اس نے بھی بے پناہ وفاشعاری کا اظہار کیا۔ اس کے

---

(13) جہانگیر (راجرس و بیوریج) جلد اول صفحہ 22۔ اقبال نامہ صفحہ 3۔ خافی خاں جلد اول صفحہ 263، 265۔ مآثر الامرا جلد اول صفحہ 127، بلوکمین صفحات 506 تا 511 بیل اور بیل بیاگرافیکل ڈکشنری صفحہ 185 لطیف کی آگرہ میں ایک آدھا افسانوی حال دیا ہے۔ دیکھو باب ہشتم مابعد۔

(14) جہانگیر (راجرس و بیوریج) جلد اول صفحہ 13۔ اقبال نامہ صفحہ 3، 8 خافی خاں جلد اول صفحہ 248 بلوکمین صفحہ 414۔

مزاج میں خودداری کا زبردست احساس غرور کی حد تک پہنچا ہوا تھا وہ صاف گو اور بے باک تھا اور خوشامد سے بہت دور اور کسی کے حکم چلانے کو کبھی برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ میدان جنگ میں اس کی دلیری اور شجاعت بے مثال تھی۔ سپہ سالار کی اعلیٰ حیثیت میں اسے نظم و ضبط کی زبردست صلاحیت، دلیرانہ منصوبہ بندی، عمل میں مستعدی، موقع کے لحاظ سے مناسب طریق عمل، خوش تدبیری اور پامردی کی صفات حاصل تھیں۔ اس کی فوجی ذہانت کا راجپوت سپاہی لوہا مانتے تھے اور بخوشی اس کی رہنمائی قبول کرتے تھے اور اُن کی آسائش کے لیے اُسے جو فکر رہتی تھی اس کے عوض میں وہ بے چون وچرا اس کی وفاداری سے اطاعت کرتے تھے۔ بعد کو راجپوت روایات میں اسے راجپوت نسل کا بتایا گیا۔ لیکن بعض اوقات وہ چالاک حکمت عملی کا مظاہرہ کرتا تھا جس سے راجپوت خوف زدہ ہو جاتے تھے (15) اور جھجک جاتے تھے۔

شہزادہ سلیم کے ادنیٰ درجہ کے ہمراہیوں میں رکن الدین ملقب بہ شیر خاں کو تین ہزار پانچ سو کا منصب ملا اور لالہ بیگ کو (16) باز بہادر کا خطاب اور چار ہزار کا منصب ملا اور بہار کی گورنری (17)۔ میر ضیاء الدین قزوینی کو ایک ہزار کا منصب اور محاسب اصطبل کا عہدہ ملا۔ (18) لیکن سب سے زیادہ ذلت آمیز خونی بیر سنگھ بندیلہ کی ترقی تھی جو اکبر کے انتقال پر جنگل کی روپوشی سے باہر نکلا اور آگرہ میں حاضر ہو کر تین ہزار کا منصب حاصل کیا اور اپنے موکل اور سرپرست پر کچھ اثر بھی پیدا کر لیا۔ اسے ہر معاملہ میں آگے بڑھایا جاتا تھا جس سے اس کا بڑا بھائی رام چندر بندیلہ سخت برہم ہوا اور علم بغاوت بلند کر دیا۔ جسے عبداللہ خاں نے بڑی مشکل سے دبایا۔ (19)

لوگوں کا ایک طبقہ جس کے نصیب جہانگیر کی تخت نشینی سے جاگ اٹھے شیخ سلیم چشتی کی اولاد کا تھا جن کی دعا سے سلیم کی پیدائش ہوئی تھی۔ علاء الدین کو اسلام خاں کا لقب دیا گیا اور بعد کو بنگال کا گورنر بنایا گیا۔ (20) ان کے لڑکے اکرام خاں کو پانچ ہزار ذات اور ڈیڑھ ہزار کا منصب اور میوات کی فوجداری کا عہدہ دیا گیا۔ (21) شیخ کبیر ملقب بہ شجاعت خاں نے بنگال میں اعلیٰ عہدوں کے فرائض امتیاز کے ساتھ انجام دیے۔ (22) شیخ بایزید جس کی ماں نے شہزادہ سلیم کو پیدا ہونے کے پہلے دن دودھ پلایا تھا اسے بھی معقول عہدہ دیا گیا۔ (23)

عام ترقیاں

ان غیر مستحق ترقیوں پر جو رشک و حسد کے جذبات پیدا ہوئے تھے انہیں معتدل کرنے کے لیے عام طور پر مشاہروں میں بیس فیصدی یا اس سے زیادہ کا اضافہ کیا گیا اور بعض صورتوں میں تین سو یا چار

(15) جہانگیر (راجرس و بیورتج) جلد اول صفحہ 24، اقبال نامہ صفحہ 4، خافی خاں جلد اول صفحہ 248 تا (روتج جلد اول صفحہ 282) نے اسے عظیم رانا پرتاب کے غدار بھائی ساگر کا لڑکا بتایا ہے۔

(16) جہانگیر (راجرس و بیورتج) جلد اول صفحہ 17۔ (17) ایضاً صفحہ 21۔ (18) ایضاً صفحہ 28۔

(۱۹) جہانگیر (راجرس و بیورتج) جلد اول صفحات 24، 82، 87، 160 مآثر الامرا جلد دوم صفحہ 99۔ بلوکمین صفحہ 487۔ کیسو داس کی بیر سنگھ چرتر۔ رام چندر کو زکو اکثر رام شاہ بھی کہا جاتا تھا۔ دیکھو بندیلوں کی ہفتادلی مخطوطہ چھترپور۔

(20) جہانگیر (راجرس و بیورتج) جلد اول صفحات 31، 32، 208، 287۔

(21) ایضاً جلد دوم صفحہ 102

(22) صفحہ 29۔

(23) جہانگیر (راجرس و بیورتج) جلد اول صفحہ 32۔

سو فیصدی تک ہوا۔ احدیوں کے چھوٹے عہدہ داروں کی تنخواہوں میں پچاس فیصدی کا اضافہ ہوا۔

خیرات

خیراتی اراضیوں کی تمام عطیات کو برقرار رکھا گیا اور غربا اور محتاجوں کی مد میں بافراد فیاضی کے ساتھ روپیہ دیا گیا۔(24)

شہر آگرہ

بادشاہ کی تخت نشینی اور حکام کی ترقیوں پر جشن و جلوس اور ضیافتوں سے آگرہ چند مہینوں تک جگمگاتا رہا۔ اس وقت یہ شہر دنیا کے خوبصورت ترین شہروں میں تھا۔ بجز چند برسوں کے جب کہ اکبر کی سیکری سے رغبت ہو گئی تھی۔ آگرہ ایک صدی سے زیادہ تک شمالی ہند کا دارالسلطنت رہا۔ جہانگیر کے عہد میں یہ جمنا کے داہنے کنارے پر پندرہ میل تک پھیلا ہوا تھا۔ اس کی چوڑائی جو سات میل سے کچھ زیادہ تھی کم و بیش ہونے کی وجہ سے نصف چاند کی شکل کی ہو گئی تھی۔ اس کے چاروں طرف دریاپار دو مربع میل کے رقبہ میں مضافات پھیلے ہوئے تھے۔ شہر کی سڑکیں پتھر کی تھیں مگر تنگ تھیں۔ تجارت کی ہما ہمی اور آبادی کی سرگرمی نے اسے پانے ہمعصر لندن کے مقابل بنا دیا تھا اور بازاروں میں میلہ جیسا ہجوم ہوتا تھا۔ دوکانوں میں دور دراز ایشیا اور یورپ کی پیداوار اور مصنوعات کا انبار تھا۔ اندرونی حصہ کی بعض عمارتیں تین تین چار چار منزل بلند تھیں لیکن شہر کا سب سے زیادہ خوبصورت حصہ جمنا کے کنارے پر تھا۔ یہاں امرا نے اپنے محل تعمیر کیے تھے جو شان و شکوہ میں قلعہ کے اندر کے شاہی محلات سے دوسرے ہی درجہ پر تھے۔

آگرہ کا قلعہ

آگرہ کا مشہور قلعہ جو بجائے خود ایک شہر تھا اور جسے اکبر نے پینتیس لاکھ روپیہ کے خرچ سے تعمیر کیا تھا۔ آج بھی موجود ہے اور سیکڑوں انقلابات کا خاموش شاہد رہا ہے۔ اس کی سنگ سرخ فیصل اور برجیاں آج بھی ہمیشہ کی طرح پائیدار ہیں۔ بیرونی خندق تو ختم ہو گئی ہے مگر اندرونی خندق موجود ہے۔ اگرچہ اب اس میں پانی نہیں جھلملاتا ہے بلکہ گھاس پھوس اُگی ہوئی ہے۔ پھاٹک کے سامنے دو شاندار پورے قد کے ہاتھی کھڑے تھے جو راجپوت ہیرو جے مل اور پتا کے یادگار تھے۔ جہانگیر کے عہد میں قلعہ کے اندر جو خوبصورت عمارتیں اور محلات تھے انھیں شاہجہاں نے درست کر کے حسن و خوبی کا حیرت انگیز نمونہ بنا دیا تھا۔ لیکن وقت اور تباہ کاروں کی توڑ پھوڑ نے ہر چیز کو بدل دیا۔ تاہم دیوان خاص اور دیوان عام و بنگالی

---

(24) ایضاً صفحات 9، 10 اقبال نامہ صفحات 4، 5 مآثر جہانگیری (مخطوطہ خدا بخش) صفحات 33 تا 35 خافی خاں جلد اول صفحات 248، 249 ڈجارن جلد سوم باب 13۔

(25) رالف فنچ صفحہ 96 پرچہ جات دہم صفحہ 173 ولیم فنچ پرچہ جات چہارم صفحات 72، 75 جوزف سال بینک پرچہ جات سوم صفحات 83، 84۔ مانسریٹ (ہوائے لینڈ و بنرجی) صفحات 22 تا 36۔ ڈی لائٹ (ترجمہ لیتھ برج) کلکتہ ریویو عرلہ 1870ء صفحات 67، تا 71۔ ہربرٹ صفحہ 62۔ جورڈین کا جرنل صفحات 162 تا 164۔ جہانگیر کے عہد کے بعد ستر ہویں صدی کے حال کے متعلق دیکھو پیٹر منڈی جلد دوم صفحات 206 تا 224۔ تھیونات۔ حصہ سوم باب 19 صفحات 33 تا 35۔ برنیر (ترجمہ

محل و جہانگیری محل اور چند دیگر ادنیٰ قسم کی عمارتیں آج بھی جہانگیر کے عہد کے شکوہ اور حسن ذوق کی شہادت دے رہی ہیں۔(25)

نوروز کی پہلی تقریب مارچ 1606ء

یہیں مارچ 1606ء میں جہانگیر نے اپنی تخت نشینی کے پہلے سال کا نوروز غیر معمولی شان و شوکت سے منایا۔(26) لیکن ابھی عیش و عشرت کا شور مدھم نہیں ہوا تھا کہ سلطنت میں اس خبر سے ہلچل مچ گئی کہ بڑے شہزادے خسرو نے علم بغاوت بلند کر دیا۔

(باقی حاشیہ........25)

کانسٹیبل (صفحات 284 تا 288 تھیونیر (مرتبہ بال) صفحات 205 تا 205 خلاصۃ التواریخ دہلی ایڈیشن) صفحات 264 و 265 منوچی (مرتبہ اردن) جلد اول صفحات 132 و 133 حال کے بیانات میں سب سے زیادہ مفصل لطیف کا آگرہ ہسٹاریکل اینڈ ڈسکرپٹو میں ہے لیکن یہ خلط ملط اور بے ترتیب ہے۔ مختصر حال کین کی ہینڈ بک گائڈ ٹو آگرہ صفحہ 6 تا 22 میں ہے۔ قلعہ کے اندر کی عمارتوں کے متعلق آرکیالوجیکل سروے کے رپورٹ میں قیمتی اور صحیح معلومات ہیں۔

(26) جہانگیر (راجرس و بیورج) جلد اول صفحات 28 و 49 اقبال نامہ صفحہ 18۔ مآثر جہانگیری (مخطوطہ خدا بخش) صفحہ 35 خافی خاں جلد اول 249۔

چھٹا باب

شہزادہ خسرو کی بغاوت

جہانگیر کی خسرو سے مصالحت

اکبر کے انتقال کے دوسرے دن راجہ مان سنگھ نے اپنے بھانجے خسرو کو ساتھ لیا اور بنگال کی روانگی کے لیے کشتی تیار کرائی مگر ویسے ہی نئے بادشاہ کی طرف سے مصالحت کی خواہش کی خبر ملی۔ بہادر راجپوت نے مصالحت کی شرط اول کے طور پر خسرو کی پوری پوری حفاظت اور سلامتی کی ذمہ داری طلب کی۔ جہانگیر نے یہ حلف وعدہ کیا کہ خسرو کو کسی طرف سے کوئی نقصان پہنچنے کا مطلق اندیشہ نہیں۔ دوسرے دن مان سنگھ نے خسرو کو دربار میں پیش کر دیا۔ جہانگیر نے اپنے لڑکے کو گلے لگایا اور پیار کیا اور گرمجوشانہ شفقت کا اظہار کر کے مان سنگھ کو عزت واحترام کے سات بنگال روانہ کر دیا۔ چند دن بعد خسرو کو آگرہ میں اپنا محل درست کرانے کے لیے ایک لاکھ روپیہ دیا گیا۔ (1)

خسرو نیم حراست میں

یہ مصالحت ایک طرح کی مدبرانہ چال تھی۔ خسرو کو سامنے رکھ کر مان سنگھ بنگال میں خود مختاری کا اعلان کر سکتا تھا اور سلطنت کے سارے مطمئن عناصر کو اپنے ساتھ ملا سکتا تھا لیکن باپ بیٹوں کے دلوں میں سخت خلش پیدا ہو گئی تھی۔ ایک حال کے واقعات کو معاف نہیں کر سکتا تھا اور دوسرا انہیں فراموش نہیں کر سکتا تھا۔ خسرو نے تخت شاہی کا حوصلہ کیا تھا مگر منزل تک نہ پہنچ سکا۔ خسرو اپنی تمام ذاتی خوبیوں، فطری صلاحیتوں، معقول تعلیم اور بے داغ زندگی کے باوجود ناتجربہ کار جوان، درشت مزاج اور کمزور قوت فیصلہ کا تھا۔ یہی ذہنیت رتبہ اور نام و نمود پا کر جوڑ توڑ اور سازش کا مرکز بن جاتی ہے۔ اس نے جس حیثیت کا تصور کیا تھا کہ جہاں تک نظر جاتی اسی کی حکومت ہوتی اس سے وہ دور پھینک دیا گیا تھا اور اب وہ ماتحتی اور ذلت کی زندگی سے سمجھوتہ نہیں کر سکتا تھا۔ دوسری طرف جہانگیر کے دل میں جو اذیت اور تحقیر کے چرکے لگے تھے اور جیسے ان کے دوبارہ پیش آنے کا خطرہ تھا ان کی بنا پر اس نے اپنے لڑکے کو آگرہ کے قلعہ میں نیم حراست کی حیثیت میں رکھنے پر آمادہ کر لیا۔ اس نوجوان کو ساری عمر کی قید کے تاریک اندیشہ نے نحیف کر دیا۔ بیرونی دنیا کے ربط وضبط سے محروم ہو کر اور صرف چند اشخاص کی صحبت کا پابند ہو کر رہنے کے مقابلہ میں اس نے فرار اور خطرہ مول لینے کی فکر کی۔ چند ماہ پیشتر عوام نے جس گرمجوشی سے اس کا استقبال کیا تھا وہ اس کے ذہن پر نقش تھا اور امرا کے ایک طبقہ نے جس خیر سگالی

(1) وقائع اسد بیگ (الیٹ وڈاوسن) جلد ششم صفحات 173،172۔ (جہانگیر راجرس وبیوریج) جلد اول صفحہ 11۔ یہ محل منعم خاں کا تھا جو اکبر کی حکومت کے ابتدائی زمانہ میں عظیم المرتبت امرا میں تھا۔

اور ہمدردی کا اظہار کیا تھا وہ بھی وہ بھولا نہ تھا۔ وہ اب بھی قسمت آزمائی کر سکتا تھا یا کم از کم گمنامی کی مصیبت اور پریشانی سے نجات حاصل کر سکتا تھا۔ اس کی کم سنی اس کی ذاتی خوبیوں اور اس کی مصیبت زدہ حالت نے چند سو نوجوانوں کو اس کا حامی بنا دیا تھا جس میں اعلیٰ خاندان اور شجاع مرزا شاہ رخ کا لڑکا مرزا حسین بھی شامل تھا۔ (2)

خسرو کا فرار اور پنجاب کی طرف روانگی حسین بیگ بدخشانی سے میل

16/اپریل 1606ء کو وہ اپنے دادا کی قبر پر فاتحہ پڑھنے کے بہانے سے ساڑھے تین سو سواروں کے ساتھ قلعہ سے نکل بھاگا اور تیزی کے ساتھ پنجاب کا رخ کیا۔ متھرا میں حسین بیگ بدخشانی اس کے ساتھ ہو گیا جس کے ساتھ تین سو بہادر سوار تھے اور جو شاہی فرمان کی تعمیل میں دربار جا رہا تھا۔ حسین بیگ کو مشیر خاص بنا دیا گیا۔ شہزادہ نے اُسے خان بابا سے خطاب کیا۔ چند کاشتکار اور قسمت آزما بھی باغیوں کے گروہ میں شامل ہو گئے۔ یہاں تک کہ سب ملا کر بارہ ہزار آدمی ہو گئے۔

لوٹ مار

آس پاس کا علاقہ لوٹتے اور جتنے گھوڑے مل سکے انہیں قبضہ میں کرتے ہوئے وہ آگے بڑھے۔ رات کو انہوں نے ایک غریب گاؤں میں قیام کیا جس سے نازک مزاج خسرو کو سخت تکلیف ہوئی اور بہت سے لوگ کھلے میدان میں لیٹ گئے جہاں گیدڑ ان کے پیروں کو چاٹتے رہے۔ راستہ میں شہزادہ نے ایک لاکھ روپیہ لے جاتے ہوئے ایک شاہی کاروان کو لوٹ لیا اور روپیہ اپنے ساتھیوں میں تقسیم کر دیا۔ دہلی کے پاس سے گذرتے ہوئے انہوں نے نرملہ کی سرائے میں آگ لگا دی۔ یہاں انہیں لاہور کا دیوان عبدالرحیم ملا جو حسین بیگ کی طرح شاہی دربار کو جا رہا تھا۔ شہزادہ نے اسے انور خاں کا خطاب دے کر اپنا وزیر بنا لیا۔ (3)

گروارجن کی دعا

ترن تارن میں خسرو نے گروارجن سے دعا کی استدعا کی جو سکھوں کا ماڑ گرو اور سکھوں کے مذہبی ادب کا ایڈیٹر تھا اور جسے خسرو نے اپنے دادا کی زندگی میں دیکھا تھا۔ خسرو نے اس سے خود کو ایک ستم

---

(2) جہانگیر (راجرس و بیورج) جلد اول صفحہ 53۔ فرد جارک باب 17 نیز دیکھو پرائس کی جہانگیر صفحات 15، 16 بنگالی ایڈیشن کلکتہ صفحہ 26۔

(3) جہانگیر (راجرس و بیورج) جلد اول صفحات 52، 54، 55، 59 اقبال نامہ صفحات 9 و 10 آثر جہانگیری (مخطوطہ (خدا بخش) صفحات 41 و 43 خافی خاں جلد اول صفحات 249، 250، 251۔ انتخاب جہانگیر شاہی (الیٹ وڈاوسن) جلد ششم صفحہ 448 گلیڈون صفحات 4، 5 و 6۔ ڈوجارک باب 17۔ پرائس کی جہانگیر صفحہ 70 بنگالی ایڈیشن کلکتہ صفحہ 121) کے بموجب خسرو نے اپنے ہمراہیوں کو شدت سے ملامت کی کہ انہوں نے گاؤں میں قیام کیا۔ راجپوت روایت کے بموجب جو ٹاڈ جلد دوم صفحہ 287 میں مذکور ہے۔ خسرو کو بغاوت پر ابھارنے کا ذمہ دار راجہ مان سنگھ کو بتایا گیا ہے۔

رسیدہ اور بے بس آدمی ظاہر کیا اور گرو نے اس کو دعا دی۔ (4)

لاہور میں آمد

اس کے بعد خسرو لاہور کی طرف بڑھا جو آج کی طرح اس وقت بھی پنجاب کا صدر مستقر تھا لیکن اس نے دیکھا کہ وہاں کے گورنر دلاور خاں نے اسے خوب مستحکم کر رکھا ہے۔

مزاحمت

دلاور خاں نے عبدالرحیم کو بغاوت سے باز رکھنے کی ناکام کوشش اور پھر سرپٹ گھوڑا دوڑا کر پانی پت کی طرف روانہ ہو گیا اور راستہ میں لوگوں کو خبردار کرتا گیا۔ پانی پت وہ خسرو سے دو دن پہلے پہنچ گیا اور فصیل اور برجیوں کی مرمت کرائی اور توپیں چڑھا کر قلعہ بند ہونے کی تیاری کی۔ قلعہ کی مختصر فوج کو سعید خاں کے آجانے سے کمک مل گئی، جو کشمیر جاتے ہوئے دریائے چناب پر ٹھہر گیا تھا اور بغاوت کی خبر پا کر فوراً پہنچ گیا۔ (5)

پانی پت کا محاصرہ

خسرو کے غیر تربیت یافتہ ساتھیوں کی تعداد قلعہ کے اندر کی فوج سے بہت زیادہ تھی لیکن ان میں ذرا بھی نظم و ضابطہ نہ تھا جیسا کہ ایک حال کے مورخ نے ایک دوسرے موقع کے لیے کہا ہے "غیر تربیت یافتہ رسالہ جس میں گاڑی کے گھوڑے اور سامان ڈھونے والے گھوڑوں پر عام آدمی اور تاجر سوار ہوں اس سے زیادہ مایوس کن کوئی اور فوج نہیں ہو سکتی۔" خسرو نے ایک بیرونی پھاٹک میں آگ لگا دی لیکن دلاور نے فوراً ایک دیوار کھڑی کر دی اور حملہ کے سارے منصوبے کو شکست دے دی۔ شہزادہ نے نو دن تک بلا کسی کامیابی کے انتظار کیا اور پھر یہ خبر سنی کہ شاہی فوج بندوق کی زد تک قریب پہنچ گئی ہے۔ (6)

---

(4) جہانگیر (راجرس و بیورج) جلد اول صفحہ 72 سکھوں کی روایت میں یہ ہے کہ اکبر نے اپنی جانشینی کے لیے خسرو کو نامزد کیا تھا اور وہ کابل جا رہا تھا اور اس نے ارجن سے مالی مدد مانگی۔ گرو نے کہا کہ اس کے پاس غریبوں کو دینے کے لیے روپیہ ہے نہ کہ شہزادوں کو دینے کے لیے۔ اس پر خسرو نے کہا کہ وہ خود اس وقت غریب اور بے کس ہے اور سفر خرچ کے لیے اس کے پاس پیسہ نہیں ہے۔ اس پر گرو نے اُسے پانچ ہزار روپے دیئے۔ دیکھو میکالیف کی سکھ ریلیجن جلد دوم صفحات 84، 85 کننگھم کی ہسٹری آف دی سکھس (مرتبہ گیرٹ) صفحہ 53۔ دبستان جلد دوم صفحہ 273۔ جہانگیر کا بیان ہے کہ ارجن نے خسرو کی پیشانی پر قشقہ یا ٹیکا لگایا۔

(5) جہانگیر (راجرس و بیورج) جلد اول صفحہ 62، اقبال نامہ صفحات 10، 11 خافی خاں جلد اول صفحہ 251۔ مآثر الامرا (بیورج) جلد اول 488 گلیڈون صفحات 6و7۔

لاہور عرض البلد 31و34و50 شمال اور طول البلد 74، 210 مشرق پر واقع ہے۔ معاصر حال کے لیے دیکھو آئین (جارٹ) جلد دوم صفحہ 2و3 مانسٹریٹ کی کمنسٹریس صفحات 159و160 ڈی لائٹ (ترجمہ لیتھ برج) کلکتہ ریویو 1871ء جلد 52 صفحات 77 و78 دیکھو تھیورنیر جلد اول صفحات 94، 95 نیز خلاصۃ التواریخ (ترجمہ سرکار انڈیا آف اورنگ زیب میں صفحات 79 تا 81) حال کی تفصیل کے متعلق لطیف کی لاہور اس کی آرکی ٹیکچرل ریلکس اینڈ انٹی کوئی ٹیز اگرچہ بہت مفصل ہے مگر بے ترتیب۔

(6) جہانگیر (راجرس و بیورج) جلد اول صفحہ 62۔ اقبال نامہ جلد دوم۔ خافی خان جلد اول صفحہ 251 گلیڈون صفحہ 7، مآثر الامرا (بیورج) جلد اول صفحہ 488)۔

جہانگیر نے تعاقب کیا

خسرو کے فرار کا حال چند ہی گھنٹوں کے اندر معلوم ہو گیا تھا ایک شمع روشن کرنے والے نے شہزادہ کا کمرہ خالی پا کر وزیر الملک سے اپنا شبہ ظاہر کیا اور وزیر الملک نے فوراً شریف خان کو اطلاع کر دی شریف خاں فوراً محل شاہی میں پہنچ گیا۔ جہانگیر نے باہر نکل کر یہ غیر متوقع خبر سنی اور دریافت کیا کہ تعاقب کے لیے کیا خود اسے جانا چاہیے یا شہزادہ خرم کو بھیجنا چاہیے۔ شریف خاں نے خود اپنی خدمات پیش کیں اور بادشاہ نے منظور کر لیا۔ امیر الامرا نے دریافت کیا کہ اگر حالات بد سے بدتر ہو جائیں تو اسے کیا کرنا چاہیے۔ جہانگیر نے کہا کہ بادشاہی میں قرابت کا کوئی لحاظ نہیں ہوتا اور اسے پورا پورا اختیار ہے کہ موقع محل کے لحاظ سے جیسا چاہے شہزادے کے ساتھ سلوک کرے لیکن بعد کو سوچ کر بادشاہ نے تعاقب کی سربراہی دلیر شیخ فرید کو منتقل کر دی۔ اکثر لوگوں کا خیال تھا کہ خسرو بھاگ کر مان سنگھ کے پاس بنگال جائے گا مگر خبر رسانوں نے جلد ہی معلوم کر لیا کہ اس نے پنجاب کا راستہ اختیار کیا۔ اس وقت یہ خیال ہوا کہ شاید وہ اُزبکوں یا ایرانیوں کی پناہ لے اور فوراً تعاقب کا تہیہ کر لیا گیا۔ دوسرے دن سویرے ہی میواڑ کے خلاف جو فوجیں بھیجی گئی تھیں انہیں واپس لانے کے احکام جاری کر دیے گئے۔ آگرہ کا انتظام وزیر الملک اور اعتماد الدولہ کے سپرد کر دیا گیا بادشاہ خود ایک بھاری فوج لے کر خسرو کے تعاقب میں روانہ ہو گیا۔ سکندرا میں مرزا شاہ رخ چکر لگاتے ہوئے پکڑ لیا گیا جس نے سازش کا سارا حال بتایا مگر اُسے ہتھکڑی ڈال کر ذلت کے ساتھ ہی ہاتھی پر شہر کا چکر لگایا گیا اور قید خانہ میں ڈال دیا گیا۔

شاہی فوج نے ہوڈل میں قیام کیا جہاں انتظام میں کچھ تبدیلیاں کی گئیں۔ اعتماد الدولہ کو بادشاہ کے پاس بلا لیا گیا اور آگرہ میں اس کی جگہ دوست محمد کو مقرر کیا گیا۔ مرزا محمد حکیم کے لڑکوں کو حراست میں کر دیا گیا۔ ایک ہراول دستہ شیخ فرید کی ماتحتی میں آگے بڑھا اور خود بادشاہ کچھ فاصلہ پر ان سے پیچھے روانہ ہوا۔

فرید پوری تیز رفتار سے نہیں چلا شاید اس خیال سے کہ بادشاہ سے اس کا رابطہ نہ ٹوٹ جائے۔ اس کے رقیب شریف خان اور مہابت خاں نے اس پر سرد مہری کا الزام لگایا اور غداری کا بھی مگر یہ دونوں الزام بے بنیاد ثابت ہوئے۔ جس راستہ سے خسرو گیا تھا۔ اسی پر بڑھتے ہوئے فرید بیاس کے کنارے سلطان پور پہنچ کر خیمہ زن ہو گیا خسرو کو اندیشہ ہوا کہ کہیں وہ دونوں فوجوں کے بیچ میں نہ گھر جائے اس لیے اس نے فوج کا ایک دستہ لاہور میں چھوڑا اور خود دس ہزار کی فوج لے کر جنگ کے لیے نکل پڑا۔ (7)

ناکام گفت و شنید

جہانگیر نے معاملہ کو پرامن طریقہ پر طے کرنے کی کوشش کی اور میر جمال الدین حسین کو

(7) جہانگیر (راجرس و بیورج) جلد اول صفحہ 52، 53، 54، 57، 63، 71، 73، 74، اقبال نامہ صفحات 9، 10، 11 خافی خان جلد اول صفحات 250 و 251 مآثر الامرا جلد سوم صفحہ 334۔ گلیڈون صفحہ 6۔ پرایس کی جہانگیر صفحہ 66۔ نکباسی ایڈیشن صفحات 14 و 15 اس میں اس فقرہ پر کہ بادشاہی میں قرابت کا لحاظ نہیں ہوتا۔ طویل بحث ہے۔

ہوڈل پنجاب (ہریانہ) کے ضلع گوڑگاؤں میں واقع ہے۔

سلطانپور موجودہ سکھ ریاست کپور تھلہ میں ہے۔ دیکھو جارٹ جلد دوم صفحات 110، 310، 317۔

بھیجا کہ خسرو اطاعت پر آمادہ کرنے کی کوشش کرے مگر گفتگو ناکام رہی آئندہ ہونے والی آویزش کا نتیجہ ظاہر تھا تعداد باغیوں کی زیادہ تھی مگر بجز بدخشی رسالہ کے فوج میں نظم و ضابطہ نہ تھا نہ معقول اسلحہ تھے نہ سامان اور نہ کوئی قابل سپہ سالار تھا۔ عین جنگ کے وقت موسلادھار بارش ہو گئی اور سب نے قریب کے دیہاتوں میں پناہ لی۔ دوسرے دن صبح کو سارے راستے بالکل دلدل ہو رہے تھے۔(8)

بھرووال کی لڑائی

چنانچہ جیسے بھی بنا سب واپس ہو کر بھرووال کے میدان میں جمع ہوئے۔ لڑائی مختصر، خونریز اور فیصلہ کن تھی۔ سادات بارہہ جو اگلی صف میں تھے انہیں بدخشی رسالہ نے کاٹ کر رکھ دیا لیکن شاہی فوج کے میمنہ کے حملہ نے میدان صاف کر دیا۔ چار سو بدخشی اور سینکڑوں کمتر نمایاں آدمی کھیت رہے۔ بچے ہوئے لوگوں میں افراتفری اور مایوسی تھی۔ کئی سو تو شاہی فوج کے ہاتھوں میں پڑ کر گرفتار ہوئے اور باقی ادھر ادھر بھاگ گئے۔ خسرو کے جواہرات کا بکس گم ہو گیا اور دشمنوں کے ہاتھ لگا۔

خسرو کی شکست

خود شہزادہ اور عبدالرحیم حسین بیگ بچے ہوئے لوگوں کے ساتھ ایک طرف کو بھاگ نکلے۔ ان کے آپس میں اگلے منصوبہ کے بارے میں شدید اختلاف تھا۔ ہندوستانیوں کی اکثریت میں جن کے خاندان میدانی علاقوں میں آباد تھے اس پر اصرار کیا کہ تیز رفتار گھوڑوں پر آگرہ چلا جائے اور سلطنت کے صدر مستقر میں ہلچل پیدا کر دی جائے اور اگر اس میں ناکامی ہو تو مان سنگھ کی طرف فرار کیا جائے اس بے ہنگم منصوبہ کی حسین بیگ نے مخالفت کی اور کابل کی طرف پسپا ہونے پر اصرار کیا جہاں سے بابر ہمایوں اور سارے ہندوستان پر کامیاب حملہ کرنے والے چلے تھے اس نے یہ بھی پیش کش کی کہ اگر اس کی رائے پر عمل کیا گیا تو (روہتاس کے قلعہ میں) اس کا جو چار لاکھ روپیہ کا اندوختہ ہے وہ شہزادہ کے حوالے کر دے گا۔ اسے اس کی بھی قوی امید تھی کہ وہ دس بارہ ہزار مغل سوار جمع کر سکے گا جس کے ساتھ وہ یا تو کابل میں قلعہ بند ہو جائیں اور یا ہندوستان پر حملہ کریں۔(9)

شہزادہ نے حسین بیگ کی رائے قبول کی اگرچہ اس کے نتیجے میں اس کے افغانی اور ہندوستانی ہمراہیوں نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا۔ چند بچے کھچے ساتھیوں کے ساتھ وہ مغرب کی طرف روانہ ہوا لیکن گھاٹوں اور پایاب دریائی راستوں پر سخت پہرہ تھا۔ راجہ باسو باغیوں کا راستہ روکنے کے لیے شمال کی طرف نکل پڑا تھا۔ سارے کروڑی اور چودھری اور جاگیردار ہوشیار ہو گئے تھے۔ جہانگیر خود بھی تیار تھا کہ اگر شہزادہ افغانستان کی طرف رخ کرے تو اس کا تعاقب کیا جائے۔(10)

گرفتاری

روہتاس جاتے ہوئے خسرو، حسین بیگ اور عبدالرحیم اپنے چند حامیوں کے ساتھ رات کی

(8) جہانگیر (راجرس و بیورتج) جلد اول صفحات 64،65۔ اقبال نامہ جلد دوم صفحہ 14۔ خافی خاں جلد اول صفحہ 231۔
(9) جہانگیر (راجرس و بیورتج) جلد اول صفحات 65،66 اقبال نامہ صفحات 13،14۔ خافی خاں جلد اول صفحہ 252۔
(10) جہانگیر (راجرس و بیورتج) جلد اول صفحات 65 تا 66 اقبال نامہ صفحہ 13،14۔

تاریکی میں شاہ پور کے گھاٹ تک پہنچ گئے۔ یہاں دو کشتیاں تھیں جن میں سے ایک پرا یند حسن اور بھوسا لدا ہوا تھا اور دوسری خالی تھی حسین بیگ نے کوشش کی کہ لدی ہوئی کشتی کے ملاح خالی پر چلے جائیں مگر سودھارا کے چودھری کمال کے داماد کلن کے آجانے سے خلل پڑ گیا اور کلن نے شور مچادیا جس سے دریا کے کنارے ایک ہجوم جمع ہو گیا۔ خوشامد، در آمد، دھمکی، روپیہ پیسہ کا لالچ اور تیروں کی بارش کوئی چیز بھی ملاحوں کو مصیبت زدہ لوگوں کو دریا پار لے جانے پر آمادہ نہ کر سکی۔ عین اسی وقت ابوالقاسم نمکین کے ماتحت سواروں کی ایک جماعت موقعہ پر پہنچ گئی۔ باغیوں نے خود جلدی سے کشتیوں پر قبضہ کر لیا اور انہیں کھیتے ہوئے لے چلے لیکن علی الصباح کشتی خشکی سے ٹکرا گئی۔ اس دوران میں دریا کے دونوں کناروں پر پہرہ دار اور سپاہی کھڑے ہو گئے تھے۔ اجالا ہونے پر شاہی فوج کے سپاہی کشتیوں اور ہاتھیوں پر دریا میں کود پڑے اور ٹوٹی ہوئی کشتی کے لوگوں کو گرفتار کر لیا۔ ابوالقاسم نمکین فوراً ہی سخت پہرے میں انہیں گجرات کے شہر تک لے گیا۔(11)

لاہور لائے گئے

جہانگیر جو لاہور میں کامراں کے باغ میں خیمہ زن تھا۔(12) یہ خبر سن کر خوش ہوا اور قیدیوں کو لانے کے لیے شریف کو روانہ کیا۔ یکم مئی کو قیدی لاہور لائے گئے۔ عوام اور دربار دونوں میں کھلبلی مچ گئی اور لوگ بےچینی اور تشویش کے ساتھ شہزادے کا انجام دیکھنے کے لیے جمع ہو گئے۔ خود جہانگیر رنج و غم میں ڈوب گیا اور اپنے خاندان کے اندر اس کشمکش کو دیکھ زار و قطار رونے لگا۔

دربار

پھر اس نے اپنے جذبات کو قابو میں کر کے دربار طلب کیا۔ افسر اور درباری اپنی اپنی جگہ پر بیٹھ گئے اور عوام ذرا فاصلہ پر۔ جہانگیر خود تخت شاہی پر بیٹھا۔ شہزادہ خسرو کو ہاتھوں میں ہتھکڑی اور زنجیروں میں بندھا ہوا پیش کیا گیا اور وہ لرز رہا تھا اور رو رہا تھا۔ حسین بیگ اس کے داہنے ہاتھ اور اپنے عبدالرحیم نے بائیں ہاتھ پر تھے اس منظر نے سب کے دل ہلا دیئے۔

فہمائش اور قید

خسرو نے بادشاہ کے سامنے سر بسجود ہونا چاہا مگر اس سے سختی سے سیدھا کھڑے رہنے کو کہا گیا حسین بیگ نے اپنی صفائی پیش کرنا چاہی مگر اسے خاموش کر دیا گیا۔ جہانگیر نے خسرو کی سخت ملامت کی اور حراست میں رکھنے کا حکم دیا۔(13)

(11) جہانگیر (راجرس و بیوریج) جلد اول صفحات 66، 67 اقبال نامہ صفحہ 14 خافی خاں جلد اول صفحہ 252 صفحات 8، 9 سودھارا تھ موجودہ ضلع گوجرانوالہ میں ہے۔ دیکھو چارٹ جلد دوم صفحہ 110۔

(12) جہانگیر (راجرس و بیوریج) جلد اول صفحہ 68 اقبال نامہ صفحہ 13 مآثر الامرا (بیوریج) جلد اول صفحہ 524۔ جہانگیر نے اپنا خیمہ یہاں 28 اپریل 1606ء کو لگایا تھا۔

(13) جہانگیر (راجرس و بیوریج) جلد اول صفحہ 68 اقبال نامہ صفحہ 16۔ خافی خاں جلد اول 455۔ ڈو جارک باب 17۔ فادر ہوسٹن کی اینول ریلیشن وغیرہ جرنل آف دی پنجاب ہسٹاریکل سوسائٹی جلد 8 نمبر 1 صفحہ 57۔

باغیوں کو وحشیانہ سزائیں

شہزادہ کے ہمراہیوں کو وحشیانہ سزائیں دی گئیں حسین بیگ کو بیل کی تازہ کھال میں سی دیا گیا اور عبدالرحیم کو گدھے کے کھال میں جس کے سنگ اوپر کو نکلے ہوئے تھے۔ انہیں گدھوں پر دم کی منہ کر کے سوار کیا گیا اور لاہور کی سڑکوں پر گشت کرایا گیا۔ حسن بیگ بارہ گھنٹہ کے اندر گھٹ کر مر گیا مگر عبدالرحیم کی حالت کو اس کے بااثر دوستوں نے سنبھال لیا چوبیس گھنٹہ کی شدید اذیت کے بعد اسے معافی دی گئی اور سابقہ اعزازات پر بحال کر دیا گیا۔ (14) چند دن بعد باغ کامران سے شہر لاہور کو جانے والی سڑک پر دو رویہ سولیوں کی ایک لمبی قطار نظر آئی ان میں سے ہر ایک پر ایک باغی تھا جس کے ہاتھ پیروں پر میخیں ٹھونکیں تھیں اور وہ درد سے چیخ رہا تھا بربریت کے اس مظاہر کی تکمیل کے لیے شہزادہ خسرو کو ہاتھی پر بیٹھا کر شہر کا گشت کرایا گیا اور اس کے آگے غیر شریفانہ مضحکہ کے طور پر اس کے ساتھیوں سے اظہار عقیدت کرایا گیا۔ شہزادے کا نازک دل جو شدید غم سے تقریباً ناقابل برداشت تھا چھلنی کر دیا گیا۔ کئی دن تک وہ کرب کے ساتھ روتا رہا۔ زخمی دل کو کسی ہمدردی یا تشفی سے سکون نہیں ملتا تھا اور اس کا حسین چہرہ جس نے بہتوں کے دل موہ لیے تھے رنج و غم سے پژمردہ ہو گیا اور غمگینی ہمیشہ کے لئے نقش ہو گئی جو ہمیشہ قائم رہی اس کے دو ساتھیوں کو جنہوں نے موقع سے فائدہ اٹھا کر لاہور کے لوگوں کو لوٹ لیا تھا نسبتاً ہلکی سزائیں دی گئیں۔ امبا کو پندرہ ہزار روپیہ جرمانہ کر کے رہا کر دیا گیا اور اس کے ساتھی راجو کو قتل کر دیا گیا۔ (15)

لیکن اس سے زیادہ باوقعت شخصیت جسے قربانی کا بکرا بنایا گیا سکھ گرو ارجن کی تھی جس نے اپنے دو روحانی پیشروؤں کے اقوال و تحریرات قلم بند کر کے آنے والی نسلوں پر مستقل احسان کیا تھا وہ 1565ء میں بمقام گوندوال پیدا ہوا تھا اور چوتھے گرو رام داس کا چوتھا لڑکا تھا بچپن ہی سے اس نے غیر معمولی روحانیت اور غور و خوض کا گہرا رجحان تھا اس کا بڑا بھائی دنیار پرتھوی چند عرف پرتھیا تھا جس پر اس کے باپ نے ارجن کو ترجیح دی اور 1551ء میں اپنا جانشین نامزد کر دیا۔ رقابت کے تیز شعلوں نے پرتھیا کے دل میں برادرانہ اخوت اور انسانی ہمدردی کے جذبات کو جلد راکھ کر دیا۔ اپنی بیوی کے بھڑکانے پر جو لطیف نسوانی جذبات سے خالی تھیں وہ اپنی بھائی کی تباہی کے لیے مسلسل اور انتھک کوشش کرتا رہا اسے ایک

---

(14) جہانگیر (راجرس و بیورتج) جلد اول صفحات 68 و 69۔ اقبال نامہ صفحہ 16 خافی خان جلد اول صفحہ 253 ڈو جارث باب 17 فادر ہوسٹن کی اینول رلیشن وغیرہ جرنل آف دی پنجاب ہسٹاریکل سوسائٹی جلد 8 نمبر 1 صفحہ 57۔

(15) جہانگیر (راجرس و بیورتج) جلد اول صفحات 69 تا 73۔ اقبال نامہ صفحہ ۷ا خافی خاں جلد اول صفحہ 253 بلوکمین صفحات 454 و 455۔ جن لوگوں کے ہاتھوں میں میخیں ٹھوکی گئیں تھیں ان کی تعداد میں اختلاف ہے۔ دو جارث باب 17 کے بموجب دو سو کی تعداد ہے جو بظاہر تقریباً صحیح ہے۔ ٹیری (صفحہ 410) عام لوگوں کے بیان کے بموجب 800 بتاتا ہے پر ایس کی جہانگیر صفحہ 88 منکیاسی ایڈیشن کلکتہ صفحات 153 و 154۔ بے بس لوگوں کی مصیبت پر خوشی ظاہر کرتا ہے لیکن خود جہانگیر نے محض واقعہ کا ذکر کیا ہے۔ خلاصۃ التواریخ کا بیان ہے کہ شہزادہ نے جب اپنے ساتھیوں کی اذیت دیکھی تو موت کی تمنا کی۔ یورپین سیاحوں نے بغاوت کا حال بری طرح بگاڑ کر لکھا ہے۔ جو بازاری گپ پر مبنی ہے۔ (ٹیری صفحہ 410) کا بیان ہے کہ خسرو واقعی لاہور میں تخت نشین ہو گیا تھا اور لوگوں نے اسے مان لیا تھا اس نے لکھا ہے کہ خسرو نے بے قصور لوگوں کو سزا دینے اور خود اسے بچا لینے پر جہانگیر کو برا بھلا کہا۔ نیز دیکھو ہاکنس (پرچہ جات چہارم صفحہ 5) فنچ پرچہ جات سوم صفحہ 38) ڈیلا ویل جلد اول صفحہ 56۔ پٹر منڈی صفحات 103، 106۔ ڈی لائٹ (ترجمہ لیتھ برج کلکتہ ریویو جلد 52۔ 1871ء صفحہ 77) کا بیان مختصر اور گمراہ کن ہے۔ نیز دیکھو بلوچ جلد اول صفحہ 287 ناڈ کا بیان ہے کہ بغاوت کے بعد جہانگیر نے مان سنگھ پر دس کروڑ روپیہ کا بھاری جرمانہ کیا۔

سرکاری افسر چندو ہم خیال مل گیا جسے ارجن سے اس بنا پر سخت مخاصمت تھی کہ اس نے اپنے لڑکے کے لیے چندو کی لڑکی کا رشتہ منظور نہیں کیا تھا۔ لیکن ارجن کامل سکون اور اطمینان کے ساتھ اپنے روحانی مشاغل میں مصروف رہا۔ اس نے ترن تارن کا مقدس شہر آباد کیا اور امرت سر کا مشہور حوض بنایا۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ اس نے اپنے گروؤں اور نیز ہندو مسلم مصلحوں کے حالات بھجن اور اقوال جمع کیے اور خود اپنے الہامی بیانات شامل کر کے ادی گرنتھ تیار کی۔ ارجن کی شہرت اور اثر نزدیک و دور پھیل گیا اور اس کے چیلوں کی تعداد میں اضافہ ہونے لگا جس سے ہندو اور مسلمان اہل مذہب کو سخت جھنجھلاہٹ اور ذلت محسوس ہوئی اور انہوں نے اکبر سے شکایت کی کہ وہ ان کے مذہب کو بدنام کر رہا ہے۔ لیکن اکبر کی کو ادی گرنتھ کے مطالعہ سے ارجن کی بے مثال پارسائی کا یقین ہو گیا۔ اکبر کے انتقال کے بعد نیک دل گرو سے یہ غلطی ہو گئی کہ اس نے مصیبت زدہ باغی شہزادہ کو دعا دی۔ اس بات کا اس کے دشمنوں نے بتنگڑ بنا دیا اور انہوں نے جہانگیر سے کافی رنگ آمیزی کے ساتھ اور دلی کدورت اور مذہبی جنون کے ساتھ گرو کی غداری اور بے دینی کی شکایت کی۔ اس وقت پر تھیا کا تو انتقال ہو چکا تھا لیکن اس کا جانشیں اس کا لائق لڑکا مہربان تھا۔ بادشاہ پہلے تو اس معاملہ میں نرمی برتنا چاہتا تھا مگر بالآخر وہ ارجن کے دشمنوں کے جال میں پھنس گیا۔ گورو کو سزائے موت اور ضبطی جائداد کی سزا دی گئی اور اس کا حجرہ بھی ضبط کر لیا گیا۔(16)

---

(16) جہانگیر (راجرس و بیورتج) جلد اول صفحات 73 و 74 گرو ارجن کے حالات زندگی کے لیے دیکھو رلیجن جلد دوم صفحات 153 تا 258، جلد سوم صفحات 1 تا 101 اس کے بھجنوں کے لیے صفحات 202 تا 224 نیز دیکھو سنگھ کی ہسٹری آف دی سکھس (مترجمہ جارٹ) صفحات 51 تا 53۔ گوکل چند نارنگ کی ٹرنسفارمیشن آف سکھ ازم صفحات 31۔ تا 41۔ ارجن کی موت پر سکھ روایات میں افسانوں کی ایک بڑی عمارت تعمیر کر دی گئی ہے۔

کہا جاتا ہے کہ جہانگیر نے گرو کو بلا کر اس سے یہ کہا "آپ تو بڑے بزرگ، بڑے معلم اور مقدس انسان ہیں امیر غریب کو ایک نظر سے دیکھتے ہیں۔ اس لیے آپ کے لیے یہ مناسب نہ تھا کہ میرے دشمن خسرو کی روپیہ سے مدد کریں۔" ارجن نے جواب دیا "میں سب لوگوں کو خواہ ہندو ہوں یا مسلمان، امیر یا غریب، دوست یا دشمن یکساں خیال کرتا ہوں نہ کسی سے محبت ہے نہ دشمنی۔ اور اسی بنیاد پر آپ کے لڑکے کو سفر خرچ کے لیے روپیہ دیا۔ نہ کہ آپ کی مخالفت میں۔ اگر میں نے آپ کے لڑکے کی بے بسی کی حالت میں مدد نہ کی ہوتی اور آپ کے والد شہنشاہ اکبر نے مجھ پر جو مہربانی کی تھی اس کا لحاظ نہ کیا ہوتا تو لوگ میری سنگ دلی اور ناشکری پر مجھ سے نفرت کرنے لگتے یا یہ کہتے کہ میں بادشاہ سے ڈر گیا یہ ساری دنیا کے گرونانک کے پیرو کے شایان شان نہ ہوتا۔" اس پر جہانگیر نے ارجن کو دو لاکھ روپیہ جرمانہ کی سزا دی اور انہیں حکم دیا کہ گرنتھ میں جو بھجن ہندو یا مسلم مذہب کے خلاف ہوں وہ خارج کر دیں۔ ارجن نے جواب دیا "میرے پاس جو پیسہ ہے وہ غریب اور بے یار و مددگار اور بے بس لوگوں کے لئے ہے۔ اگر آپ چاہتے ہیں تو جو کچھ میرے پاس ہے وہ لے لیں مگر جرمانہ کے نام سے میں ایک کوڑی نہ دوں گا۔ اس لیے کہ جرمانہ بدکار دنیادار لوگوں پر کیا جاتا ہے نہ کہ پجاریوں اور گوشہ نشین لوگوں پر۔ اور آپ نے جو گرنتھ سے بھجنوں کو خارج کرنے کے لیے کہا تو میں گرنتھ سے نہ ایک حرف خارج کر سکتا ہوں نہ بدل سکتا ہوں۔ میں لافانی خدا، روح الارواح کا پجاری ہوں۔ اس کے سوا کوئی مالک نہیں ہے اور جو کچھ اس نے گرونانک سے لے کر گرو رام داس اور مجھ تک الہام کیا وہ مقدس گرنتھ صاحب میں درج ہے۔ اس میں جو بھجن ہیں ان سے کسی ہندو اوتار یا مسلمان پیغمبر کی توہین نہیں ہوتی۔ بیشک اس میں لکھا ہے کہ پیغمبر اور اوتار لافانی خدا کے بنائے ہوئے ہیں جس کی کوئی حد معلوم نہیں کر سکتا۔ میرا اصل مقصد سچائی کا پرچار کرنا اور باطل کو مٹانا ہے اور اس مقصد کے پرچار میں اگر یہ فانی جسم ختم ہو جائے تو میں اسے بڑی خوش قسمتی سمجھوں گا۔"

بادشاہ نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا بلکہ دربار عام سے اٹھ کر چلا گیا۔ اس کے بعد قاضی نے گرو کو اطلاع دی کہ اسے جرمانہ ادا کرنا چاہئے ورنہ ادا نہ کرنے پر اسے قید میں رہنا ہو گا۔ ارجن نے فوراً اپنے پیروؤں کو سختی سے منع کیا کہ وہ جرمانہ ادا کرنے کے لیے ہرگز کوئی چندہ نہ کریں جب قاضیوں اور پنڈتوں نے اسے گرنتھ سے قابل اعتراض حصے نکال دینے پر رہا کرنے کے لیے کہا تو اس نے جواب دیا "گرنتھ صاحب لوگوں کو دنیا اور آخرت میں فلاح دینے کے لیے لکھی گئی ہے نہ کہ مصیبت میں ڈالنے کے

سکھوں کی روایات میں اس افسوسناک واقعہ کو اس رنگ میں دکھایا گیا ہے کہ مغل بادشاہوں کے سکھوں پر مذہبی مظالم کا جو سلسلہ رہا اس کی یہ پہلی کڑی ہے۔ لیکن دراصل ایسی کوئی بات نہیں ہے جہانگیر کی غلطی کی اہمیت کم کیے بغیر یہ واجبی طور پر تسلیم کرنا پڑے گا کہ یہ سارا معاملہ دراصل ایک ہی سزا کا تھا جس کی بنیادی وجہ سیاسی تھی۔ کسی اور سکھ کو نہیں ستایا گیا اور نہ سکھ مذہب پر کوئی پابندی لگائی گئی۔ گرو ارجن کی زندگی بھی امن سے گزر جاتی اگر انہوں نے ایک باغی کی مدد نہ کی ہوتی۔

وفادارانہ خدمات کے انعام

اگر غداری کی سزائیں سخت تھیں تو وفادارانہ خدمات کے انعام بھی فیاضانہ تھے۔ شیخ فرید بخاری کو مرتضیٰ خاں کا اعلیٰ خطاب دیا گیا اور جس مقام پر وہ کامیاب ہوا تھا اس کا نام بھیرووال سے بدل کر فتح آباد کر دیا گیا اور وہ فاتح کو جاگیر میں دیدیا گیا۔ مہابت خاں کو دو ہزار ذات اور تیرہ سو سوار کے منصب پر ترقی دی گئی اور دلاور خاں کو دو ہزار ذات اور چودہ سو سوار کے منصب پر۔ جہلم اور چناب کے درمیان کے ہر چودھری کو زمین کا انعام دیا گیا اور ہر جاگیردار کو جس نے بغاوت کو فرو کرنے میں کوئی حصہ لیا تھا اس کی خدمات کا انعام دیا گیا(17)

(بقیہ حاشیہ نمبر 6) لیے۔ اسے پھر سے لکھتا یا آپ کے کہنے مطابق اس میں کمی بیشی کرنا قطعی ممکن نہیں ہے۔" گرو کے دشمنوں نے اسے سخت اذیتیں دیں جنہیں اس نے پورے سکون اور خاموشی سے برداشت کیا۔ ذرا بھی آہ یا کراہ زبان سے نہیں نکالی۔ جب اس سے پھر توبہ کرنے کو کہا گیا تو اس نے بلاخوف کہا" ارے بیوقوفو! میں تمہارے مظالم سے کبھی خوف زدہ نہ ہوں گا۔ یہ سب خدا کی مرضی ہے۔ اس لیے یہ اذیت میرے لیے باعث مسرت ہے"۔ اس کے بعد اور اذیتیں دی گئیں جس کی بادشاہ کو نہ اطلاع تھی نہ اس کی اجازت بالآخر ایک دن گرو نے اشنان کرنے کی اجازت حاصل کی اور دریا کے کنارے اپنی روح کو روح آفریں کے حوالے کر دیا۔

گرو ارجن کے حالات زندگی کے بارے میں سکھوں کے بیان کے لیے دیکھو میکالیف جلد دوم صفحات 283 تا 287 (اپنے والد کی زندگی کے زمانے کے) اور جلد سوم صفحات 1 تا 101 اس کے بھجوں کے متعلق جن میں سے بعض بہت ہی اعلیٰ اور بلند اخلاق کے ہیں دیکھو جلد سوم صفحات 102 تا 444۔

دبستان مذاہب کا بیان ہے کہ جہانگیر نے گرو ارجن دیو پر جو جرمانہ کیا تھا اسے نہ ادا کرنے پر اسے لاہور میں قید کر دیا گیا اور اس دن گرمی کی شدت سے اور جو لوگ جرمانہ وصول کرنے مقرر کیے گئے تھے ان کے مظالم سے فوت ہو گیا۔

بادشاہ کا پورے وثوق سے بیان ہے کہ اس نے گرو کو سزائے موت اور ضبطی جائداد کی سزا دی لیکن ایک معنی خیز فقرہ کا بھی اس میں اضافہ ہے کہ "جب یہ واقعہ میرے گوش گزار ہوا اور میں اس کی حماقت کو اچھی طرح سمجھ گیا جس سے صاف ظاہر ہے کہ اس نے دوسروں کے کہنے پر عمل کیا۔

باوجود اس ملاحت کے جو مذہب کی بنیاد پر جہانگیر نے گرو کی کی۔ اس میں مطلق شک و شبہ نہیں کہ سزائے موت سولہ آنے سیاسی بنیاد پر دی گئی۔

(17) جہانگیر (راجرس و بیورتج) جلد اول صفحات 69، 77۔ اقبال نامہ صفحات 16، 17۔ خافی خاں جلد اول صفحہ 253۔ گلیڈون صفحہ 10 ذو جارک۔ (باب 17) کا بیان ہے کہ جہانگیر کئی قیدیوں کو مظاہر کے لیے آگرہ لے گیا مگر اس بیان کی کوئی اور مورخ تائید نہیں کرتا اور جہانگیر لاہور سے آگرہ نہیں بلکہ کابل گیا تھا۔

راجپوتانہ میں رائے سنگھ کا انحراف

خسرو کی بغاوت ایک ماہ کے اندر ہی اکبر کے انتقال کی تھوڑی مدت گزرنے پر دبادی گئی مگر اس کی آگ سلطنت کے دوسرے حصوں میں بھڑ کی۔ بیکانیر کے رائے رائے سنگھ کو جو تین ہزار کا منصب دار تھا اور اپریل1606 میں آگرہ کے شاہی نمائندوں سے وابستہ تھا اور راجپوت امرا میں عظیم المرتبت تھا جلد ہی بعد اسے شاہی حرم کے ساتھ پنجاب جانے کا حکم دیا گیا۔ متھرا پہنچ کر وہ اپنی ذمہ داری سے دست بردار ہو گیا اور بیکانیر چلا گیا اور ناگور کے جوار میں علم بغاوت بلند کر دیا۔ کچھ دنوں تک وہ اور اس کا لڑکا دلیپ سنگھ اس علاقہ پر قابض رہے مگر جہانگیر نے میواڑ کی مہم پر متعینہ افواج کو ہدایت کی کہ وہ باغیوں کی سرکوبی کریں۔ راجہ جگناتھ ولد راجہ بھارمل اس مہم کی سربراہی پر مامور ہوا اور معز الملک بخشی نائب سپہ سالار مقرر ہوا۔ رائے رائے سنگھ نے شاہی فوج سے بچ نکلنے کی کوشش کی مگر ایک فوجی دستہ نے ناگور کے قریب اسے پکڑ لیا۔ یہاں جو جھڑپ ہوئی اور اس نے باغیوں کی کمر توڑ دی اور انہیں منتشر کر دیا۔ رائے رائے سنگھ گرفتار ہوا۔ مگر کچھ عرصہ بعد معاف کر دیا گیا اور اپنے اعزازات پر بحال کر دیا گیا۔(18)

بہار کا سنگرام

بہار کے ایک چھوٹے سے رئیس سنگرام نے چار ہزار اور اس سے زیادہ تعداد میں پیدل سپاہ جمع کر لی اور خسرو کے فرار کے جلد ہی بعد علم بغاوت بلند کر دیا۔ بہار کے گورنر جہانگیر قلی خاں نے اسے ایک لڑائی میں شدید نقصان پہنچا کر اور بندوق کی ایک گولی سے زخمی کر کے شکست دے دی۔(19)

لیکن ہندوستان کے اندرونی خلفشار کا ایک بہت ہی اہم نتیجہ یہ ہوا کہ شاہ ایران نے قندھار کے زبردست قلعہ پر چڑھائی کر دی۔

---

(18) جہانگیر (راجرس و بیورج) جلد اول صفحات 76، 84، 130، 131 بلوکمین صفحات 357 تا 359، 387 گلیڈون صفحہ 12۔

(19) جہانگیر (راجرس و بیورج) جلد اول صفحات 82، 83۔

چھٹے باب کا ضمیمہ

خسرو کی بغاوت کی رفتار کی تاریخیں

سنہ ہجری	سنہ الٰہی	سنہ عیسوی		خسرو کی نقل و حرکت	جہانگیر کی نقل و حرکت
1014ء	1 فروردین	1606ء اپریل	دن		
8/ 9/	28/ 29/	6/ 7/	اتوار دوشنبہ	خسرو کا فرار	تعاقب میں روانگی
10/ 11/	30/ 31/	8/ 9/	منگل بدھ		پرگنہ متھرا کے ایک گاؤں میں قیام ہوڈل میں قیام
12/ 13/	اردی بہشت 1 2	10/ 11/	جمعرات جمعہ		فرید آباد میں قیام۔ دو افسران مرزا حسین اور نور الدین لاہور میں داخل جہانگیر کی دہلی میں آمد
14/ 16/	3/ 5/	12/ 14/	سنیچر دوشنبہ		سرائے نرلہ میں قیام۔ دلاور خاں کا ایک پیامبر لاہور میں
17/	6/	15/	منگل		پرگنہ پانی پت میں آمد۔ دلاور قلی چند آدمیوں کے ساتھ لاہور میں داخل۔ پرگنہ کرنال میں آمد
18/ 19/	7/ 8/	16/ 17/	بدھ جمعرات	لاہور میں محاصرہ	پرگنہ شاہ آباد میں آمد
24/ 25/	13/ 14/	1606ء اپریل 22/ 23/	دن منگل بدھ	خسرو کے پانچ مرہی گرفتار خسرو جنگ کے لیے روانہ	

26/	15/	24/	جمعرات	خسرو کی جنگ کے لیے روانگی جہانگیر کو اطلاع بھرووال کی جنگ	
28/ 29/ 30/	17/ 18/ 19/	26/ 27/ 28/	شنبہ اتوار	چناب پر آمد گرفتار ہو گیا	چنیال میں آمد
محرم 1015ھ		مئی کیم	دوشنبہ جمعرات	مرزا کامران کے باغ میں جہانگیر کے سامنے پیش	خسرو کی گرفتاری کی جہانگیر کو اطلاع
9/	28/ اردی بہشت	29/ اپریل تا 7/ مئی	بدھ		مرزا کامران کے باغ میں قیام لاہور میں داخلہ

ساتواں باب

قندھار۔ جہانگیر کی کابل کو روانگی

جہانگیر کے قتل کی سازش۔ پٹنہ کی شورش

قندھار کا محل وقوع

قندھار کے صوبہ شمال اور مشرق میں نیچی پہاڑیوں کی ایک قطار ہے اور جنوب میں بے آب و گیاہ ریگستان بالکل ویرانی کا ہیولیٰ اور مغرب کی طرف ایک خشک جلتا ہوا بنجر جو ایران تک چلا گیا ہے مگر خود قندھار صوبہ خوبصورت اور سرسبز اور پانی سے سیراب وادی ہے جو سطح سمندر سے تین ہزار فٹ کی بلندی پر ہے۔(1)

تجارتی اہمیت

اس قدرتی فوقیت کی بنا پر اس کا خاص شہر مدت ہائے دراز سے تجارت کا مرکز رہا ہے۔ قرون وسطیٰ میں اس کی حیثیت اہم ترین تجارت گاہ کی تھی۔ یہیں ایران، ہندوستان، ترکی اور وسط ایشیا کے تاجر جمع ہو کر ایک دوسرے سے سامان تجارت کا مبادلہ کرتے تھے۔ مغرب کو جانے والا ہندوستان کی تجارت کا کارواں لاہور میں ایک زبردست دھارے سے مل جاتا تھا اور وہاں مسلح حفاظتی دستہ کی نگہبانی میں شمال مغربی وحشیانہ قبائلی علاقہ سے گزر کر قندھار جاتا تھا اور ایران کی طرف سے آئے ہوئے ایسے ہی اجتماع سے ملتا تھا۔ یہاں سے ہر طرف کو جانے کے لیے بکثرت اونٹ کرایہ پر مل جاتے تھے۔ سمندر پر پرتگالیوں کی غارتگری اور موز کا راستہ تجارت کے لیے بند ہو جانے کی وجہ سے قندھار سے گزرنے والی تجارت بہت بڑھ گئی تھی۔ سترہویں صدی کے ابتدائی برسوں میں تقریباً چودہ ہزار اونٹ ہر سال ہندوستان سے ایران جاتے ہوئے قندھار سے گزرتے تھے۔ سارے طویل راستہ پر چھوٹے چھوٹے رئیس اور سرکاری افسر تاجروں سے خوب روپیہ وصول کرتے تھے مگر تجارت سے جو کثیر منافع ہوتا تھا اس کا بہت ہی قلیل حصہ لے پاتے تھے۔ ایک اونٹ کے بار کی قیمت ایک سو بیس سے ایک سو تیس روپیہ تک ہوتی تھی لیکن اس جوکھم کام کا کافی معاوضہ مل جاتا تھا۔ قندھار میں کثیر لوگوں کی آمد و رفت سے اشیائے خوراک کی قیمتیں بڑھ گئیں اور شہر کے لوگ مالدار ہو گئے۔ آس پاس مضافات آباد ہو گئے۔ بڑھتی ہوئی تجارت سے خانہ

(1) چارٹ جلد دوم صفحات 304، 305؛ اسکیل و کرو تھر پرچہ جات چہارم صفحات 272 و 273۔ سال بینک پرچہ جات سوم صفحہ 85۔ دی لایٹ لیتھ برج کلکتہ ریویو لـ 5 1870ء صفحہ 96۔ سر طامس ہولڈ یچ کی گیٹس آف انڈیا صفحہ 528۔ سفرنامہ میسن جلد اول صفحہ 280 سرکاری اورنگ زیب جلد اول صفحہ 120 امپریل گزیٹر جلد اول صفحہ 12۔ اسکیل و کرو تھر لکھتا ہے "سارا ایران خصوصاً اس کے (قندھار کے) اور اصفہان کے درمیان ایک بنجر ہے جہاں تین دن کے سفر میں کوئی ہری چیز نظر نہیں آتی۔ البتہ کچھ تھوڑا پانی اور وہ بھی اکثر کھاری بدبودار اور نمکین" بلوچستان کے آباد علاقہ کے لوگوں میں ایک مثل مشہور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب زمین کو بنایا تو کوڑا کرکٹ بلوچستان میں ڈال دیا۔

بدوش سرحدی قبائل کو بھی فائدہ ہوا۔ وہ اکثر بھیڑ بکری موٹے کپڑے اور بنی ہوئی چیزوں سے مبادلہ کرتے تھے(2)

جنگی اہمیت

قندھار کو جس چیز نے ممتاز تجارتی مرکز بنادیا تھا۔ اس سے جنگی نقطہ نظر سے بھی اس کی اول درجہ اہمیت تھی۔ اس کا حکمراں چھاپہ مار کر بے خبری میں کابل کو لے سکتا تھا۔ ہندوستان کی طرف اس کے دو دروازے ہیں جو ہندوستان پر حملہ کرنے والی ایرانی یا وسط ایشیائی فوج کے جنگی مستقر کا کام دے سکتے ہیں۔ یہ ایک ایسی بیرونی چوکی ہے جسے ہندستان کی حکومت کو اپنے قبضہ میں رکھنا چاہئے یا یہ کوشش کرنا چاہئے کہ وہ دوستانہ اقتدار میں رہے۔

بابر کے عہد میں اس کی تاریخ

قرون وسطیٰ کی قرب وجوار کی سلطنتوں نے قندھار کی دوہری منفعت کو پورے طور پر دیکھ لیا تھا۔ بابر نے کابل کی فتح کے چند ہی سال بعد 1522ء میں قندھار کو فتح کر کے اپنی سلطنت میں شامل کیا اور مضبوطی سے قبضہ رکھا۔ 1530ء میں بابر کے انتقال کے بعد یہ اس کے دوسرے لڑکے کامران کے ہاتھ میں چلا گیا۔

ہمایوں

ہمایوں جس وقت جلاوطنی میں ایران کے دربار میں تھا اسی وقت اس نے اور اس کے میزبان نے کابل اور ہندوستان کو دوبارہ حاصل کرنے کی اہم ترین ضرورت کو محسوس کر لیا تھا۔ شاہ ایران نے ہمایوں کو دس ہزار فوج کی مدد اس شرط پر دی تھی کہ قندھار اس کے حوالے کر دیا جائے۔ ہمایوں بحیثیت مجموعی دیانتدار اور صاف مزاج انسان تھا مگر درمیان جو مفاد کی اہمیت تھی اس نے دیانتداری کو مغلوب کر لیا اور اس نے قندھار پر قبضہ جمالیا اور خفیف خفیف حیلے بہانوں سے وعدہ پورا کیا لیکن ہمایوں کے انتقال پر قندھار آسانی سے ایران کے قبضہ میں چلا گیا اور 1558ء میں سلطان حسین مرزا کی حفاظت میں دے دیا گیا۔ ایک نسل کے بعد مغل سلطنت غیر معمولی قوت اور عروج کے ساتھ ابھری اور اسے اس گراں قدر چوکی کی اہمیت محسوس ہوئی۔ اکبر نے تجویز کیا کہ عبدالرحیم خان خاناں سندھ اور بلوچستان کی فتح کے بعد قندھار پر حملہ کرے لیکن مغلوں کے منصوبہ سے پہلے ہی قسمت نے یاوری کی۔

اکبر کے حوالہ کر دیا گیا

قندھار پر ازبکوں کی متواتر تاخت ہوتی تھی اور اس کے کماندار سلطان حسین کے لڑکے مظفر حسین میں اتنی سکت نہ تھی کہ ان کا مقابلہ کر سکے اور اس نے بار بار اپنے آقا سے مدد مانگی لیکن شاہ ایران کی

(2) اسٹیل وکرو تھر پرچہ جات چہارم صفحات 269، 272، 273 سال بینک پرچہ جات سوم صفحہ 285۔ قندھار کے راستہ سے اسپہان سے آگرہ کے راستہ کے لیے دیکھو نیو رنیر (مرتبہ بال) جلد اول صفحات 90 تا 103

توجہ دوسری طرف تھی اور مظفر نے اپنی طاقت نہ پاکر 1594ء میں مغلوں کے حوالے کر دیا۔ اس طرح سولہویں صدی کی ساری مدت میں قندھار دو نہایت ہی ممتاز خاندانوں کے درمیان مابہ النزاع رہا یعنی مغل اور صفوی جو ہندوستان اور ایران پر حکمراں تھے۔ سترہویں صدی کے ابتدائی برسوں میں ایرانی مناسب موقع کا انتظار کر رہے تھے۔ پھر اکبر کے انتقال اور خسرو کی بغاوت نے بہترین موقع بہم پہنچادیا۔(3)

شاہ عباس 1587ء تا 1636ء

اب ایران پر عظیم ترین ایرانی شاہی خاندان کا عظیم ترین فرماں روا حکمراں تھا۔ خانوادہ صفوی(4) کا بانی اسماعیل ہندوستان کے پہلے مغل حکمراں بابر کا مد مقابل تھا۔ اس کے لڑکے طہماسپ نے ہندوستان کے فرمانروا کو پناہ دی تھی اور سلطان ترکی کو شکست دی تھی۔ 1587ء میں سلطنت شاہ عباس کو ملی جو اس زمانہ کے عہد آفریں افراد کی عظیم ترین شخصیتوں میں تھا۔ وہ گورے رنگ کا خوبصورت واضح خد و خال تیز نظر اور بڑی بڑی مونچھوں کا تھا۔ اس کی شجاعت میں ٹھہراؤ تھا اور اس کی قوت برداشت حیرت انگیز تھی۔ خانگی زندگی میں وہ نرم مزاج تھا لیکن پبلک معاملات میں سخت دل اور بے لوچ وہ اپنے عہد کے لحاظ سے بہت زیادہ ترقی پسند تھا۔ اس کا نقطہ نظر غیر معمولی طور پر وسیع اور سنجیدہ تھا۔ وہ موقع محل کا منتظر رہتا تھا اور جب یہ موقع آ جاتا تھا تو مستعدی اور عزم کے ساتھ پورا پورا فائدہ اٹھاتا تھا۔ کبھی کبھی وہ سخت پیچیدہ حکمت عملی اور بے شرمی کے جھوٹ پر اتر آتا تھا۔ اس نے دیکھا کہ اس کا ملک ایک طرف ازبکوں کے خطرے میں تھا اور دوسری طرف ترکوں سے 1500ء میں اس نے ترکوں سے دب کر صلح کر لی اور ازبکوں کے سیلاب کو روک دیا۔ اس نے اپنی فوج کو از سر نو پورے طور پر منظم کیا اور دس ہزار سوار اور بارہ ہزار پیادہ کی شاہی محافظ فوج تیار کی۔ اس نے "احباب شاہ" کا ایک نظام قائم کیا جو اس کے مفاد سے وابستہ تھا۔ انسانوں پر پیدائشی حکومت کرنے والے دوسرے افراد کی طرح اسے نظم و ضبط اور لائق و مستعد حکومت کا شدید جذبہ تھا۔ اس نے جو سڑکیں اور پل تعمیر کیے یا مرمت کی ان میں بعض آج بھی دیکھے جا سکتے ہیں مسلمانان عالم کے شکوہ کے نمائندہ اس خداداد قابلیت کے فرمانروا نے وسیع شہرت اور ساری دنیا میں وقار حاصل کیا۔

قندھار کے محاصرہ کی ترغیب

یہ وہ فرمانروا تھا جس نے جہانگیر کو اپنی حکومت کی ساری مدت میں نباہنا پڑا اور 1606ء میں شاہ عباس خود تو ترکوں سے جنگ میں مصروف رہا لیکن اس نے خفیہ طور پر سرحدی حکام اور

---

(3) بابر ہمایوں اور اکبر کے عہد میں قندھار کی تاریخ کے متعلق دیکھو توزک بابری، ابوالفضل کا اکبر نامہ، ایلیٹ و ڈاؤسن ارسکن وغیرہ، ایرانی نقطہ نظر کے لیے عالم آرائے عباسی۔

ابوالفضل کا بیان ہے کہ "زمانہ قدیم کے عقلمند لوگ کابل اور قندھار کو ہندوستان کے دو دروازے خیال کرتے تھے۔ ایک ترکستان کو جانے والا اور دوسرا ایران کو۔ ان دو شاہراہوں کی حفاظت نے ہندوستان کو بیرونی حملہ آوروں سے بچایا اور نیز یہ کہ غیر ملکی سفر کے مناسب راستے بھی ہیں" آئین جلد دوم چارٹ صفحہ 404۔

(4) صفوی خانوادہ کے عروج کے بارے میں دیکھو سائیکس کی ہسٹری آف پرشیا جلد دوم صفحات 240 تا 255 شاہ عباس کے حالات کے لیے دیکھو سائیکس جلد دوم صفحات 250 تا 255، مالکم کی تاریخ ایران۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ ٹیری (سفرنامہ ایسٹ انڈیا صفحات 151 تا 152) لفظ "شاباش" کو ایران کے معاصر حکمراں کے نام سے نکلا ہوا کہتا ہے۔

جاگیرداروں کو خاص کر ہرات و فرح و سیستان و خراسان میں متعینہ افواج کے سرداروں اور گورنروں کو ہدایت کی کہ وہ سب مل کر قندھار کو فتح کر لیں۔ ایرانیوں کی ایک غیر منظم جماعت نے قلعہ کا محاصر کر لیا لیکن قلعہ کے قابل اور تجربہ کار کماندار شاہ بیگ خاں کو اس سازش کی پہلے ہی سن گن مل گئی تھی اور وہ محاصرہ کا مقابلہ کرنے پر تیار تھا اور فوری مدد کے لیے اطلاع بھیج دی تھی۔

شاہ بیگ خاں کی مدافعت

اس کی زندہ دلی، بات چیت میں بے تکلفی، یار باشانہ اطوار اور فراخ دلی نے قلعہ کی فوج کو اس کا سرگرم وفادار بنا دیا تھا۔ اس نے دشمنوں کو ذلیل سمجھنے کے لیے عین قلعہ کی چھت پر تفریحی مجلس منعقد کی اور محاصرہ کرنے والوں کو پریشان کرنے کے لیے روزانہ ایک چھاپہ مار دستہ روانہ کیا۔

جہانگیر نے کمک بھیجی

فروری 1607ء کے شروع میں مغل امدادی فوج قندہار کے مضافات میں پہنچ گئی۔ اس کا کماندار مرزا جانی بیگ ترخان کا مرزا غازی تھا جو اپنی عمر سے زیادہ ہوشمند نوجوان، خوش اسلوب شاعر، پورا پورا سیاسی کمانڈر، عاقل مشیر اور تجربہ کار منتظم تھا۔ اس کے ماتحت خواجہ عاقل بطور بخشی اور کئی نامی افسر جیسے قراخاں اور سردار خاں تھے۔ جہانگیر نے اس مہم کے لیے معقول سامان اور کافی روپیہ دیا تھا اور صرف دوران سفر کے لیے 43000 روپیہ الگ کر دیا تھا۔

ایرانیوں نے محاصرہ اٹھالیا

کمک کے آ جانے سے ایرانی فوجوں پر دہشت طاری ہو گئی اور انھوں نے ہڑابڑاہٹ میں محاصرہ اٹھالیا اور ایرانی سرحد کی طرف بھاگ کھڑے ہوئے۔ (5)

شاہ عباس کی معذرت

اس مہم کی ناکامی پر شاہ ایران نے اپنی رعایا کے ان لوگوں پر سخت ناراضی کا اظہار کیا جنھوں نے بغیر اس کے علم کے اس کے عزیز بھائی مغل بادشاہ سے جھگڑا مول لیا۔ اس نے حسین بیگ کو جہانگیر کے پاس یقین دلانے کے لیے بھیجا کہ اسے کمبخت شورہ پشت اہل سرحد کے طرز عمل سے انتہائی نفرت ہوئی اور اس نے خبر ملتے ہی شورہ پشتوں کی سرکوبی کر دی اور یہ امید ظاہر کی کہ جہانگیر کو اس سے بدظنی نہ پیدا ہوگی۔ جہانگیر چونکہ اس وقت لڑنا نہیں چاہتا تھا اس لیے وہ اس معذرت سے مطمئن ہو گیا لیکن اس نے مرزا غازی

(5) جہانگیر (راجرس و بیورج) جلد صفحات 70 تا 71، 85 تا 86، 106 اقبال نامہ صفحات 17 تا 18 خافی خاں جلد اول صفحہ 255 گلیڈوین صفحہ 10 بلوکمین صفحات 377 تا 378۔

کہا جاتا ہے کہ محاصرہ کے دوران میں ہرات کے گورنر نے قلعہ میں ایک ایلچی بھیجا اگرچہ قلعہ میں رسد کی کمی ہو گئی تھی لیکن شاہ بیگ نے جتنا غلہ موجود تھا وہ سب سڑک پر پھینکوا دیا اور اس طرح غنیم کو دھوکہ میں ڈال دیا۔

کی کمان میں پچیس ہزار سوار کی فوج قندہار کے قلعہ میں متعین کر دی۔ (6)

جہانگیر کابل کو روانہ

مارچ 1607ء میں قندھار کا قصہ ختم ہو گیا اور جہانگیر نے آئندہ موسم گرما کابل کی بلند سر زمین اور سرد آب و ہوا میں گزارنے کا فیصلہ کیا۔

قلیچ خاں (7) اور میران صدر جہاں (8) اور میر شریف (9) آملی کو لاہور کا انتظام سپرد کر کے ۷ مارچ کو وہ اپنے حرم اور شہزادوں اور حکام اور فوج کے ساتھ کابل کی طرف روانہ ہو گیا۔

کابل میں داخلہ

راستہ میں شکار کھیلتا ہوا اور تفریح کرتا ہوا اور سلطنت کے معاملات سے نپٹتا ہوا 30 جون کو باغ شاہدرہ میں اور بافراط روپیہ کی بارش کرتا ہوا اگلے دن شان و شوکت کے ساتھ کابل میں داخل ہو گیا۔ (10)

---

(6) جہانگیر (راجرس و بیورج) جلد اول صفحات 85 تا 86، 90، 112۔ اقبال نامہ صفحہ 18۔ گلیڈون صفحہ 10۔ اسٹیل وکروشر پرچہ جات چہارم صفحہ 273۔

(7) قلیچ خاں ایک موقعہ شناس افسر تھا جس نے 1600ء میں آگرہ کا قلعہ شہزادہ سلیم کے حوالہ کرنے سے انکار کر دیا تھا اور جہانگیر کے تخت نشیں ہونے پر اسے گجرات کا گورنر بنا دیا گیا۔ اگلے سال وہ پنجاب بلا لیا گیا۔ وہ زہد و تقویٰ اور علم و فضل اور شاعرانہ ذہانت میں نامور تھا۔ بلوکمین کا بیان ہے کہ بختیار خاں کے مصنفہ ایک مشہور تاریخی مخطوط مرأت عالم کے آخری باب میں اس کے اشعار موجود ہیں۔

(8) میران صدر جہاں کو ایک مرتبہ اکبر اور شہزادہ سلیم کے درمیان مصالحت کی گفت و شنید کے لیے مقرر کیا گیا تھا اور جہانگیر نے چار ہزار کے منصب پر ترقی دے کر قنوج تحویل میں دیدیا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ جہانگیر کے عہد میں پانچ سال کے اندر اس نے اتنی جاگیریں دیں جتنی اکبر نے پچاس سال میں دی تھیں۔ اس کا انتقال 1020ھ 1611ء میں کہا جاتا ہے کہ ایک سو بیس سال کی عمر میں ہوا اور اس عمر میں اس کے قوائے ذہنی بدستور تھے بلوکمین صفحہ 478۔

(9) میر شریف آملی اپنے زمانہ میں ایک بڑا بے باک اور مشہور آزاد خیال اور ایک ملک سے دوسرے ملک میں فرار ہوتا رہا تھا۔ اس نے بلخ میں مولانا محمد زاہد کے مدرسہ میں تصوف کی تعلیم حاصل کی تھی۔ وہ دکن میں پناہ گزیں ہو گیا تھا۔ مگر جب وہاں سے فرار پر مجبور ہوا تو 982ھ (1577ء) میں اکبر کے پاس آ گیا اور جلد ہی کٹر ملا عبد القادر بدایونی کو اس سے سخت کد ہو گئی جنھوں نے اس پر بے شمار گالیوں کی بارش کی لیکن اس نے اکبر کی دوستی حاصل کر لی جو اکثر تخلیہ میں اس سے مذہبی مسائل پر گفتگو کرتا تھا۔ دیکھو بلوکمین صفحات 176، 177 1585ء میں جب مرزا محمد حاکم کے انتقال پر کابل مستقل طور پر سلطنت مغلیہ میں شامل ہو گیا تو اسے اس صوبہ کا امین اور صدر مقرر کیا گیا۔ اس کے بعد اس نے بہار بنگال اور دکن میں خدمات انجام دیں۔ جہانگیر نے اپنی تخت نشینی پر اسے دو ہزار پانچسو کے منصب پر ترقی دی۔ جہانگیر نے گویا قصداً اور زور دار الفاظ میں بدایونی کی تردید میں لکھا ہے "وہ صاحب دل اور خوش مزاج انسان ہے اگرچہ اس میں حال کے علوم کا شائبہ بھی نہیں ہے مگر اس کے الفاظ بلند آہنگ ہوتے ہیں اور اس کی اعلیٰ معلومات اکثر اس سے ظاہر ہوتی ہیں۔ فقیر کے لباس میں اس نے متعدد سفر کیے اور اکثر بزرگوں کو دوست رہا اور تصوف کے ماننے والے بزرگوں کے اقوال نقل کرتا ہے... اس کے الفاظ فصیح اور مخلصانہ ہوتے ہیں۔ اگرچہ وہ عربی سے نابلد ہے اور اس کی تحریریں اشعار سے بھی خالی نہیں ہوتیں۔" جہانگیر (راجرس و بیورج) جلد اول صفحات 47، 48 نیز بلوکمین صفحہ 452۔ مآثر الامرا جلد سوم، صفحہ 285۔

(10) جہانگیر (راجرس و بیورج) جلد اول صفحات 9 تا 108۔ مآثر جہانگیری (مخطوط خدا بخش) صفحات 49 و 50 فوج کا بیشتر حصہ بادشاہ کی واپسی کے انتظار میں اٹک میں چھوڑ دیا گیا تھا۔ حسن ابدال میں جہانگیر نے مچھلیوں کی ناک میں موتی ڈال کر انھیں حوض میں ڈال دیا تھا (توزک راجرس و بیورج) جلد اول صفحہ 19 1611ء میں، ولیم فنچ نے دیکھا کہ مچھلیوں کی ناک میں سونے کی نتھ ہیں جو اکبر نے ڈالے تھے (پرچہ جات چہارم صفحہ 58) عام روایات میں اسے جہانگیر کے مشہور تر والد کے بجائے خود جہانگیر سے منسوب کیا جاتا ہے۔

کابل

قدیم شہروں میں کابل ایک خوبصورت ترین شہر ہے۔ دوہری فصیل اور دیگر عمارتوں سے مستحکم کیا گیا ہے جو اپنی مضبوطی کے لیے مشہور ہیں لیکن اس کی اصل دلفریبی اس کے گردونواح میں باغات اور پھولوں کی روشیں ہیں جن کی چمکتی ہوئی نہریں آبیاری کرتی ہیں اور جس کے نہایت خوبصورت پشتے ہیں۔ پہاڑیوں کا دل کش حسن سبزہ زار کی تازگی اور ٹھنڈی ہوا سے جنت کا ایک گوشہ بنا دیتی ہے۔ قندھار کے ساتھ مل کر ہندوستان کا ایک دروازہ ہو جاتا ہے اور شمال مغرب میں ایک اہم ترین مقام بن جاتا ہے۔(11)

جہانگیر کی سرگرمیاں

یہاں سے جہانگیر نے مہم کا رخ خانہ بدوش بنگش قبائل کی طرف پھیر دیا لیکن یہاں کے گیارہ دن کے قیام سے کئی فائدے ہوئے۔ خاص کر شاہدرہ کا باغ سدھارا گیا اور نئے درخت لگائے گئے، قندھار سے غزنی تک کی سڑک مسافروں کے لیے بالکل بے خوف بنادی گئی۔ کابل میں جو محاصل اور ٹیکس لگائے جاتے تھے وہ منسوخ کیے گئے اور اس کے لیے ایک سنگین ستون پر شاہی فرمان کندہ کر کے باغ میں قائم کر دیا گیا جس میں لکھا ہوا تھا کہ اگر بادشاہ کا کوئی آئندہ جانشیں انھیں پھر سے عائد کرنے کا ارادہ کرے تو اس پر خدا کا غضب نازل ہو۔(12)

کابل سے روانگی

اگست 1607ء کے آخر میں جہانگیر لاہور کے لیے روانہ ہوا، لیکن وہ بہت دور نہیں گیا تھا کہ اسے شکارگاہ میں اپنے قتل کی ناپاک سازش کی خبر ملی۔

جہانگیر کے قتل کی سازش

خسرو کی بغاوت کے خاتمہ پر لاہور میں یہ انتظام کیا گیا کہ خسرو کی حفاظت باری باری امیرالامرا اور آصف خاں کریں۔ آصف خاں کی باری کے زمانہ میں اس کا بھتیجا نورالدین جو محافظوں میں تھا اکثر گھنٹوں شہزادہ سے باتوں میں مصروف رہتا۔ دونوں میں گہری دوستی ہو گئی اور انھوں نے یہ طے کیا کہ موقع ملتے ہی وہ شہزادہ کو رہا کر دیں اور دوبارہ علم بغاوت بلند کریں۔ بادشاہ کی کابل کی طرف روانگی پر بیمار امیرالامرا کو پیچھے چھوڑ دیا گیا تھا اور آصف خاں کو وزیر بنادیا گیا تھا۔ اور خسرو کی حفاظت ایک خواجہ سرا اعتبار خاں کو سپرد کی گئی۔ دوسروں کی طرح اعتبار خاں بھی خسرو کے دلکش اطوار اور انداز گفتگو پر مفتون ہو گیا۔ انھوں نے سازش کا منصوبہ بنایا جس میں بعد کو ایک نوجوان درباری فتح اللہ حکیم ابوالفتح کا لڑکا بھی ان کے ساتھ شریک ہو گیا اور کہنے سننے اور کوشش کرنے سے چار سو دیگر سازشی بھی مل گئے جن میں اعتمادالدولہ کا لڑکا شریف بھی شامل

(11) چارٹ جلد دوم صفحات 403، 404 ڈی لایٹ (ترجمہ برج کلکتہ ریویو 1870ء صفحہ 81 نوریز مرتبہ پال جلد اول صفحہ 192 قسطنطن کی کامل۔

(12) جہانگیر (راجرس و بیورج) جلد اول صفحات 108، 111، 112، اقبال نامہ صفحہ 22۔ گلیڈون صفحہ 15 دو جلد ک باب 18 صفحات 160، 161۔

تھا۔ اعتبار خاں نے ان سب کو ایک ایک کر کے خسرو سے ملا دیا اور سب نے خسرو سے وفاداری کا حلف لیا۔ انھیں امتیاز کے لیے ایک ایک بلا دیا گیا۔ کابل میں جہانگیر نے پدرانہ شفقت سے متاثر ہو کر یا شاید اہل حرم کے اصرار پر خسرو کی بیڑیاں کھول دیں تھیں اور اسے شاہدرہ کے باغ میں ٹہلنے کی اجازت دے دی تھی۔ اس رعایت سے سازشیوں کو اپنا منصوبہ آگے بڑھانے میں آسانی ہو گئی تھی جس وقت شاہی خیمہ کابل سے روانہ ہوا تو سازشیوں نے یہ انتظام کیا کہ کسی شکار کے موقع پر جہانگیر کو قتل کر دیں اور حکومت پر قبضہ کر لیں اور خسرو کو رہا کر کے اس کی شاہی کا اعلان کر دیں چونکہ شہزادہ عوام الناس میں ہر دلعزیز تھا اور کئی بلند مرتبہ لوگ اس کے ہمنوا ہو گئے تھے اس لیے اس سازش کی کامیابی ناممکن نہ تھی۔

انکشاف

لیکن جو راز چار سو آدمیوں کو معلوم ہو اس کا راز رہنا ناممکن ہے۔ ان میں سے کسی نے شہزادہ خرم کے دیوان خواجہ واعظ سے سازش کا سارا حال کھول دیا جس نے بہت خوش ہو کر اس کی اطلاع جہانگیر کو پہنچا دی۔ اسی دوران میں آصف خاں کو بھی سازش کی خبر ملی اور اس نے سارے واقعات صلابت خاں کے گوش گزار کر دیے۔ جہانگیر نے سازش کے لیڈروں کو طلب کیا اور صلابت خاں کی تجویز پر ان میں سے مرزا محمد بیگ از بک سے پورا حال بیان کر دینے پر معافی کا وعدہ کر لیا۔ اسے جو کچھ معلوم تھا وہ سب بتا دیا اور اس کی نشاندہی پر مزید انکشافات ہوئے۔ اعتبار خاں کے خطوط کا ایک بنڈل بھی ہاتھ آ گیا اور پورا اور دربار دہشت سے لرز گیا۔

جہانگیر کی نرم دلی

لیکن صلابت خاں نے بادشاہ سے باصرار التجا کی کہ مزید تحقیقات نہ کی جائے۔ اعتبار خاں کے خطوط جلا دیے جائیں اور جو "مانے ہوئے" وفادار امرا سازش میں شریک پائے جائیں انھیں پبلک میں شرمندہ نہ کیا جائے۔ صرف چار چوٹی کے سازشیوں یعنی نورالدین اعتبار خاں۔ شریف اور بے داغ ترکمان کو قتل کیا گیا۔ ابوالفتح کو ایک گدھے پر دم کی طرف منہ کر کے بٹھا دیا گیا اور شہر کے ایک محلہ اور ایک ایک گھر کے سامنے گشت کرایا گیا۔ شریف کے والد پر غلطی سے سازش سے مطلع ہونے کا شبہ کیا گیا اور اسے چند دن حراست میں رکھ کر اور دو لاکھ جرمانہ کر کے رہا کر دیا گیا۔ (13)

خسرو کی اندھا کر دیا گیا

"اب سوال یہ تھا کہ خسرو کے ساتھ کیا کیا جائے؟" جہانگیر کا دل شاہی حرم کی خواتین اور پرانے امرا میں سے کوئی نہیں چاہتا تھا کہ خسرو کو قتل کیا جائے، تاہم اسے محض حراست میں رکھنا بادشاہ کے لیے اور سلطنت کے شدید خطرہ کا باعث تھا مشیروں نے مہابت خاں کی سربراہی میں اس پر اصرار کیا

---

(13) جہانگیر (راجرس و بیوریج) جلد اول صفحات 111، 122، 123۔ اقبال نامہ صفحات 21، 28، 29، 31، مآثر جہانگیری مخطوطہ خدا بخش) صفحہ 52 (الف) خافی خاں جلد اول صفحہ 150 دو چارک باب 18 صفحات 160، 161 مآثر الامرا (بیوریج) جلد اول صفحات 282 تا 283، 110 گلیڈون صفحات 15، 16۔

کہ خسرو کو اندھا کر دیا جائے۔ جہانگیر بالآخر اس پر رضامند ہو گیا۔ اور یہ بھیانک کام خود مہابت خاں کو سپرد کر دیا گیا۔ جلتا ہوا تار جب خسرو کی آنکھ میں ڈالا گیا تو اس کے منہ سے ایک دردناک چیخ نکلی مگر اس کی بصارت مکمل طور پر ضائع نہیں ہوئی تھی۔

جہانگیر آگرہ میں

جہانگیر نے اپنا سفر جاری رکھا اور لاہور میں مختصر قیام کے بعد 22/ مارچ 1608ء کو آگرہ پہنچ گیا۔ خسرو کو محل ہی میں نظر بند کر دیا گیا۔

جہانگیر کی پشیمانی

لیکن جہانگیر خسرو کے لیے پشیمان ہوا اور اس کی بصارت بحال کرنے کے لئے حکیموں کو طلب کیا۔ ایران کے حکیم سدرہ نے اس کی ایک آنکھ درست کر دی مگر دوسری آنکھ بالکل خشک ہو گئی تھی اور درست نہ ہو سکی۔ (14)

خسرو کی ہردلعزیزی

خسرو کو جو مصیبتیں اور تکلیفیں جھیلنی پڑیں ان سے عوام میں اس کی محبت اور جاگزیں ہو گئی۔ 1610ء میں ایک عجیب واقعہ پیش آیا جس سے ظاہر ہوا کہ اس کے نام کا سحر کتنا زبردست ہے۔

پٹنہ میں شورش اپریل 1610ء بہار میں اوجینی کے ایک مجہول مسلم جوان مسمی قطب نے شہزادے کا روپ بھرا اور کہا کہ وہ قید سے نکل بھاگا ہے اور ثبوت کے لیے اپنی آنکھوں کے گرد وہ نشان

---

(14) انتخاب جہانگیر (ایلیٹ وڈاوسن) جلد ششم صفحات 148، 148 و 153۔ خود جہانگیر نے اپنی توزک میں اس معاملہ کے متعلق ایک حرف نہیں لکھا اور نہ درباری مورخ معتمد خاں نے اس کا حوالہ دیا لیکن اس میں مطلق شک نہیں کہ شہزادہ کو اندھا کر دیا گیا تھا۔ اگرچہ بالکل ہی اندھا اور ناقابل علاج نہیں جزویٹ پادریوں کے بیان کے مطابق شہزادہ کو پچھلے میدان جنگ کے مقام گوبندوال میں بعض پھلیوں کے عرق سے اس کی آنکھیں تر کر کے اسے اندھا کیا گیا۔ جان ہوسٹن بھی یہی کہتا ہے۔ جرنل آف پنجاب ہسٹاریکل سوسائٹی صفحہ 56۔ ہاکنس کو سازش کا مطلق علم نہیں ہے مگر وہ صرف مختصر اور حال بغاوت کا لکھتا ہے اور کہتا ہے کہ خسرو ابھی شاہی محل کے اندر قید ہے۔ اور اندھا ہے (جیسا کہ لوگ کہتے ہیں کہ وہ اپنے والد کے حکم سے اندھا کیا گیا اور قید میں ہے۔ سفرنامہ ہاکنس 428۔ ولیم فنچ جس نے 11-1610ء میں ہندوستان کا دورہ کیا۔ اس نے لکھا ہے کہ اندھا کرنے کے بارے میں دو روایتیں ہیں ایک یہ کہ بادشاہ جب اس جگہ پر واپس ہوا جہاں جنگ ہوئی تھی (جیسا کہ لوگوں کا بیان ہے) تو اس نے حکم دیا کہ اس کی آنکھیں شیشہ سے جلادی جائیں۔ دوسرے کا بیان ہے کہ اس کی آنکھوں پر صرف رومال باندھ کر شاہی مہر لگادی گئی جو اب تک موجود ہے اور وہ آگرہ کے شاہی محل میں قید ہے۔ پرچہ جات چہارم صفحہ 51۔ ڈیلاویل (ٹراویلز ان انڈیا جلد اول صفحہ 56) لویہ معلوم ہوا کہ خسرو کی آنکھیں سی دی گئیں لیکن جہانگیر نے انہیں پھر کھلوادیں چنانچہ وہ اندھا نہیں اور دیکھنے لگا صرف عارضی سزا تھی۔ ایک اور افسانہ یہ مشہور تھا کہ آنکھوں پر کٹوریاں باندھ دی گئیں اور جب وہ کھولی گئیں تو وہ پھر دیکھنے لگا (جہانگیر راجرس و بیورتج) جلد اول صفحہ 174۔ ٹیورنیر جلد اول 334 و 335) کا بیان ہے کہ شہزادہ کی آنکھوں میں لوہے کی سلاخ ڈال کر اسے اندھا کر دیا گیا ہے جیسا کہ ایران میں دستور ہے۔ چنانچہ سارا معاملہ پر اسرار ہے۔ عام طور پر لوگوں کو معلوم نہ تھا کہ شہزادہ بصارت سے محروم کر دیا گیا۔ اگرچہ عارضی طور پر مگر یہ کسی کو معلوم نہ تھا کہ یہ کس طرح کیا گیا۔
جتنی شہادتیں مل سکیں ان سب کو جانچنے کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ انتخاب جہانگیری کا بیان بہ نسبت اوروں کے حقیقت سے زیادہ قریب ہے اس لیے کہ مصنف اندرونی شہادت کی بنا پر لکھا ہے۔

دکھائے جو آنکھوں پر کنوریوں کے باندھے سے پڑ گئے تھے اس نے اپنے گرد ایک بڑا ہجوم جمع کر لیا اور بہار کے مستقر پٹنہ پر چڑھ دوڑا۔ گورنر افضل خاں عرف عبدالرحمٰن خاں جو ابوالفضل کا لڑکا تھا اپنی جاگیر کھڑک پور میں گیا ہوا تھا اور حکومت کا پورا انتظام بخشی شیخ بنارسی اور وزیر مال غیاث بیگ کے سپرد تھا۔ اتوار 18/ اپریل کی صبح کو باغیوں نے انھیں بے خبری میں لے لیا۔ چونکہ دونوں بزدل تھے اس لیے وہ پشت کے دروازہ سے نکل کر کھڑک پور کی طرف بھاگ گئے۔ قطب نے فوراً قلعہ اور شاہی خزانہ اور گورنر کی املاک پر قبضہ کر لیا۔ ایک ہفتہ تک وہ شہر پر حاکم رہا اور اپنے جھنڈے تلے بہت سے آدمی جمع کر لیے۔

افضل خاں کو جیسے ہی ان شرمناک واقعات کی اطلاع ہوئی وہ اپنے سپاہیوں کو لے کر تیزی سے پٹنہ پہنچ گیا۔ قطب نے قلعہ کے اندر کچھ فوج چھوڑی اور خود جنگ کے لیے تیار ہو کر باہر نکلا۔ دریائے پون پون کے کنارے ایک مختصر سی جھڑپ ہوئی جس میں فیصلہ ہو گیا۔ باغی منتشر ہو کر قلعہ کے اندر بھاگے اور افضل خاں نے ان کا سختی سے تعاقب کیا۔ قطب اور اس کے خاص ہمراہی گورنر کے مستحکم محل میں پہنچ گئے اور نو گھنٹہ تک بہادری سے دفاع کیا۔ شاہی فوج کے کم از کم تیس آدمی ضائع ہونے کے بعد باغیوں کی مختصر فوج نے ہتھیار ڈال دیے۔ قطب کو قتل کر دیا گیا اور اس کے بہت سے ساتھی قید کر دیے گئے۔

جہانگیر کو شیخ بنارسی اور مرزا غیاث کی بزدلی پر سخت غصہ آیا اور دونوں کو دربار میں طلب کیا گیا اور سر اور داڑھی منڈوا کر عورتوں کے لباس میں گدھوں پر سوار کرا کے شہر آگرہ میں گشت کرایا گیا تاکہ لوگوں کو عبرت اور سبق ہو۔(15)

---

(15) جہانگیر (راجرس و بیورج) جلد اول صفحات 173 تا 176۔ اقبال نامہ 42 تا 43 مآثر جہانگیری (مخطوطہ خدا بخش) صفحہ 65ب خافی خاں جلد اول صفحہ 261۔ مآثر الامرا (بیورج) جلد اول صفحات 67و 68 گلیڈون صفحات 20و 21۔

پٹنہ کے اس وقت کے حال کے لیے دیکھو الف فتح صفحات 109 تا 112 پرچہ جات دہم 158۔ عبداللطیف ایک معاصر سانج۔ ترجمہ جے این سرور جرنل بہار لد اور سہ، کلکتہ ریویو 5 1870ء صفحہ 29) ہاکنس اینڈ پارکر۔ ہندوستان کی انگلش فیکٹریز 1880ء صفحہ 212۔ پیٹر منڈی کورد دوم صفحہ 101 یادری صفحات 221 تا 222 ڈیلائٹ ترجمہ برج کلکتہ ریویو 5 1870ء صفحہ 160 یادی صفحہ 221و 22۔ سور نیر جلد اول جلد اول حصہ دوم صفحہ 53۔ عبدالرحمان 1607ء میں اسلام خان کی جگہ جو بنگال بھیجد یا گیا تھا بہار کا گورنر مقرر ہوا۔ بعض مخطوطات میں غلطی سے اس کی جاگیر گورکھپور میں بتائی گئی ہے۔ سترہویں صدی میں شہزادوں کی بالکل مشکل نہ تھی اورنگ زیب کے عہد میں کئی بار ان نقلی شہزادوں کی وجہ سے شورش ہوئی تھی۔

ساتویں باب کا ضمیمہ

جہانگیر کے لاہور سے کابل تک سفر کی تاریخیں اور منزلیں

سنہ ہجری	سنہ عیسوی 1607ء		منزل
15/ تا 10ھ ذی الحجہ 7	مارچ 20/	دن جمعرات	جہانگیر کی لاہور سے روانگی
7/ تا 11/ 11/	26/ تا 30 20/	دوشنبہ	راوی کے پار باغ دلاویز میں قیام ہار بھر میں قیام
11/ 14/	31/ اپریل 2	منگل جمعرات	جہانگیر پور پرگنہ چندیل میں قیام
16/ 21/ 22/	4/ 10/	سنیچر جمعرات جمعہ	حافظ آباد کروڑی میر قیام الدین کو تعمیر کردہ قیام گاہ میں چناب کو پار کیا۔ خواص پور
22/ تا 29 1016ھ	10 تا 17	جمعہ تا جمعہ	بہت کو پار کیا۔ پل کی از سر نو تعمیر
محرم 1 3	18/ 20/	سنیچر دوشنبہ	بہت سے روانگی روہتاس
4/ 6/ 7/	21/ 23/ 24/	منگل جمعرات جمعہ	ٹیلہ ہتیا پکا
8/ ذی الحجہ 9/	25/ 26/	سنیچر اتوار	کھار راولپنڈی کے آگے
10/ 11/ 12/	27/ 28/ 29/	دوشنبہ منگل بدھ	خربوزہ کالاپانی باباحسن ابدال
 15/	مئی 2/	 سنیچر	 امروہی
17/ 25/ 26/	4/ 12/ 13/	دوشنبہ منگل بدھ	قلعہ اٹک کے قریب دولاباد سرائے پشاور کے جوار میں باغ سردار خاں

آٹھواں باب

نور جہاں

نور جہاں کی کہانی

ہندوستان کی قرون وسطیٰ کی تاریخ میں کوئی ہستی ایسی نہیں ہے جس کے ساتھ اتنا رومان وابستہ ہو جتنا نور جہاں کا نام آتے ہی ذہن میں آتا ہے۔ جہانگیر کے عہد حکومت کا کوئی واقعہ اتنا جاذب توجہ نہیں ہے۔ جتنا اس کی نور جہاں سے شادی کا۔ پورے پندرہ سال تک یہ خاتون سلطنت مغلیہ کی سب سے زیادہ نمایاں اور بااقتدار ہستی رہی۔ اس لیے کوئی حیرت کی بات نہیں ہے کہ اس کی ابتدائی زندگی افسانوی اور فرضی کہانیوں میں گھری ہوئی ہو۔ وارڈر کی "ہسٹری آف ہندوستان" اور دوسری انگریزی تاریخوں اور خاص کر دیسی زبان کی تاریخوں میں جن کی بے شمار بہتات ہے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ خواجہ عیاض (غیاث بیگ) مغربی تاتار کا ایک معقول تعلیم یافتہ اور عالی خاندان شخص تھا جس نے اپنی ہی جیسی ایک غریب عورت سے محبت کر کے شادی کر لی اور انتہائی عسرت کی حالت میں اس نے ہندوستان کا رخ کیا جو شمال کے مفلوک الحال تاتاریوں کی واحد جائے پناہ تھی۔ اپنی حاملہ بیوی کو ایک گھٹیا سے گھوڑے پر سوار کیا اور اس کے ساتھ ساتھ چلتا رہا۔ یہاں تک کہ ان کا آخری پیسہ بھی ختم ہو گیا اور ان کی گزر خیرات پر ہونے لگی، یہاں تک کہ وہ تن تنہا اس وسیع سنسان مقام کے کنارے پہونچے جو تاتار کو تیمور کے خاندان کی سلطنت سے الگ کرتا ہے۔ تین دن کے فاقہ کے بعد تھکی ماندی فاقہ زدہ خاتون نے ایک لڑکی کو جنم دیا۔ تین گھنٹے وہ اس کے منتظر رہے کہ شاید کسی زمیں دار دردمند سے کوئی مدد مل جائے مگر بالآخر رات کے قرب کے خوف سے انھوں نے وحشی جانوروں کی اس آماجگاہ سے ہٹ جانے کا فیصلہ کیا۔ انسانیت اور احتیاج میں سخت کشمکش ہوتی رہی اور بالآخر بچی کو لے جانے کی کوئی صورت نہ پا کر انھوں نے ایک درخت کے نیچے پتوں سے ڈھانک کر چھوڑ دیا۔ جب یہ لڑکی نظر سے اوجھل ہو گئی تو ماں بے قرار ہو کر رونے لگی اور گھوڑے سے اتر کر "میری بچی! میری بچی" چیخنے لگی۔ باپ بے چین ہو کر پلٹ پڑا اور دیکھا کہ بچی کو ایک کالا ناگ اپنے حلقہ میں لیے ہوئے ہے جسے وہ کافی شور مچا کر بھگا سکے۔ باپ نے بچی کو اٹھا کر ماں کے حوالہ کر دیا۔ انتہائی مشکلات کے ساتھ وہ لاہور پہونچے جہاں خوش قسمتی سے ان کا ایک پرانا دوست مل گیا جس نے انھیں اکبر کے دربار میں پہونچا دیا اور وہاں مرزا غیاث بہت جلد ترقی کرتے کرتے شاہی محلات کے منتظم کے عہدہ تک پہونچے۔ بچی کا نام مہرالنساء رکھا گیا اور وہ بڑھ کر دل کش عورت ہو گئی جو مشرق کی تمام عورتوں سے بڑھ کر حسین اور موسیقی، رقص، شاعری، نقاشی، خوش مذاقی اور حاضر جوابی میں یکتا ہو گئی۔ اس نے شہزادہ سلیم کو حاصل کرنے کی کوشش کی اور ایک ضیافت میں اپنے حسن اور خوبیوں کے اس پر ڈورے ڈالنے میں کامیاب بھی ہو گئی۔ لیکن اس کی شادی ایک بہت ہی باہمت اور بہادر ایرانی شیر افگن سے ہو گئی۔ جہانگیر نے

تخت نشین ہو کر اس سے نجات حاصل کرنے کی ناکام کوشش کی۔ شیر افگن کو ختم کرنے کی کئی کوششیں کی گئیں مگر اس نے ان سب کو ناکام کر دیا۔ ایک زبردست شیر کو جو اس پر چھوڑا گیا اس نے بغیر کسی اسلحہ کے ختم کر دیا۔ ایک ہاتھی اسے کچل دینے کے لیے چھوڑا گیا اس کی سونڈ اس نے کاٹ ڈالی۔ قاتل جو یکے بعد دیگرے بادشاہ کے خفیہ حکم سے اسے قتل کرنے کے لیے بھیجے گئے ان سب کو اس نے قتل کر دیا۔ لیکن بالآخر بادشاہ کے دودھ شریک بھائی دھوکہ باز قطب الدین گورنر بنگال سے ایک ملاقات میں گورنر اور اس کے بہت سے ساتھیوں کو ٹھکانے لگانے کے بعد وہ قتل ہو گیا۔ مہرالنسا کو جب شاہی افسروں نے گرفتار کیا تو اس نے یہ افسانہ بتایا کہ شیر افگن نے اپنے قتل ہونے کی پیش بینی میں اس سے یہ حلف لیا تھا کہ وہ فوراً بادشاہ کی مرضی پر عمل کرے لیکن بادشاہ کو اپنے دودھ شریک بھائی کے قتل کا اتنا شدید صدمہ تھا کہ اس نے مہر النساء سے ملنے سے بھی قطعی انکار کر دیا اور اسے مادر ملکہ کی خدمت میں دے دیا۔ اس چالاک خاتون نے ایک مرتبہ پھر جہانگیر کو پھانسنے کی کوشش کی اور چار سال کے بعد کامیابی حاصل کر لی۔ (داد جلد سوم صفحات 19 تا 33) یہ داستان تو بڑی دلکش ہے مگر تاریخ نہیں ہے۔

نور جہاں کا دادا خواجہ محمد شریف

سنجیدہ تاریخ میں جو روایت ہے وہ اس دلچسپ رومان سے خالی ہے۔ لیکن بڑی انسانی دلچسپی کی ہے۔ نور جہاں کا دادا خواجہ محمد شریف ایران کے ایک صوبہ خراسان کے حکمران بیگلار بیگ کا وزیر تھا اور اپنے سرپرست کے مرنے پر اس کے لڑکے اور جانشین قزق خاں کے عہد میں بھی اسی عہدہ پر قائم رہا، لیکن قزق خاں کے انتقال پر شاہ طہماسپ نے اسے وزیر یزد کے اونچے عہدہ پر منتقل کر دیا۔

غیاث بیگ

شریف کا انتقال 1577ء میں ہوا جس کے بعد اس کے خاندان کا ستارہ گردش میں آ گیا۔ اس کے لڑکے مرزا غیاث الدین احمد عرف غیاث بیگ کو اپنے وطن میں رہنا ناقابل برداشت معلوم ہوا اور اس نے ہندوستان نقل وطن کرنے کا تہیہ کر لیا۔ اپنے دو لڑکوں محمد شریف اور ابوالحسن اور ایک لڑکی اور حاملہ بیوی کے ساتھ وہ ایک قافلہ کی حفاظت میں جو ملک التجار ملک مسعود کی سربراہی میں ایران سے ہندوستان جا رہا تھا وہ روانہ ہو گیا۔

راستہ میں لوٹ لیا گیا

لیکن اتنا بڑا قافلہ بھی جان و مال کی حفاظت کے لیے ناکافی ثابت ہوا۔ غیاث بیگ نے آدھا راستہ بھی طے نہیں کیا تھا کہ اس کے مختصر سرمایہ اور سارے خچر بجز دو کے لوٹ لیے گئے۔

نور جہاں کی پیدائش

قندھار میں اس کی بیوی کے بطن سے ایک لڑکی پیدا ہوئی۔ اس غریب خاندان کو بچی یا اس کی ماں کی نگہداشت ناممکن معلوم ہوئی اور اس کی بے بسی سے نیک دل ملک مسعود کا دل پسیج گیا اور اس نے ان

ی مصیبت کم کرنے میں کافی سے زیادہ مدد کی۔ اسے غیاث الدین بیگ کی اعلیٰ صلاحیتوں کا اندازہ ہو گیا اور دونوں میں دوستی ہو گئی۔

شاہی ملازمت میں

ہندوستان پہونچ کر ملک مسعود نے غیاث بیگ کو فتحپور سیکری (1) میں اکبر کے دربار میں پیش کر دیا اور وہ فوراً ہی شاہی ملازمت میں داخل کر لیا گیا۔

غیاث بیگ کی خصوصیات

مرزا غیاث بیگ جس کی لڑکی کی پیدائش نے اس کی ترقی کا راستہ کھولا۔ عالم اور شائستہ آدمی تھا۔ دل کش خط لکھنے والا اور اعلیٰ درجہ کا خوش تقریر۔ اپنے اوپر قابو رکھنے میں اسے غیر معمولی ملکہ تھا۔ اس کے گھر میں ملازموں کو کوڑے مارنے یا ہاتھ پیر باندھنے یا گالی گفتار کا ذکر نہ تھا۔ البتہ اس کی طبیعت میں حرص کا ایک داغ تھا۔ لیکن وہ دل سے رحیم اور فیاض تھا۔ اسے محنت نظم وضبط اور شائستگی کا بڑا خیال تھا۔ اس کی جفاکشی اور محنت کی ہمیشہ تعریف کی گئی۔ وہ اپنے منصب اور اثر میں برابر ترقی کرتا رہا۔ 1590ء میں وہ تین ہزار کے منصب پر پہونچ گیا اور کابل کے دیوان کے اہم عہدہ پر فائز ہو گیا۔

مہرالنساء

اس دوران میں جو لڑکی قندھار میں پیدا ہوئی تھی وہ جوان ہو کر دل کش اور ہمہ صفت موصوف ہو گئی۔ جب وہ سترہ سال کی ہوئی تو اس کی شادی ایک ایرانی قسمت آزما علی قلی استجلی سے کر دی گئی۔

---

(1) اقبال نامہ صفحات 54، 55 ایلیٹ وڈاوسن جلد ششم صفحات 403، تا 404 لطیف کی آگرہ صفحات 28، 29 نصف افسانوی ہے۔ بیل کی اورئینٹل میں بائیو گریفیکل ڈکشنری صفحہ 185۔ باب پانچواں باب ماقبل۔

مرزا غیاث کا خطاب: مرزا غیاث کو جو خطاب دیا گیا وہ پہلے صرف شاہی خاندان کے افراد کو دیا جاتا تھا لیکن سولہویں صدی میں اس کا دائرہ وسیع کر دیا گیا۔ دیکھو مرزا کامران کا مرزا نامہ جسے مولوی محمد ہدایت اللہ نے مرتب کیا اور انگریزی میں ترجمہ کیا جرنل آف ایشیاٹک سوسائٹی بمبئی۔ سلسلہ جدید جلد 90 1913ء صفحات 1 تا 13 پہلے باب میں اس کے خاص ضوابط ہیں اور دوسرے باب میں ضمنی ضوابط مرزایت کے۔

نورجہاں کو راستہ میں ڈال دینے کی داستان خلیل خاں (جلد اول صفحہ 64) نے اٹھارویں صدی میں لکھا تھا کہ نورجہاں کو پیدا ہونے پر اس کے والدین نے عاجز ہو کر رات کو راستہ میں ڈال دیا تھا۔ اگلے دن صبح کو ملک مسعود نے اسے اٹھالیا اور اس کی خوبصورتی سے متاثر ہو کر اس کی پرورش کرنے کا تہیہ کیا اور اس کی ماں کو اس کے دودھ پلانے پر مقرر کر دیا۔ اسی روایت کو الفنسٹن نے (ہسٹری آف انڈیا مرتبہ کاویلی صفحہ 554) نے نقل کیا اور وہاں سے آجکل کی موجودہ تاریخوں میں نقل ہوتی چلی آئی۔ لیکن معاصر تاریخوں میں اس روایت کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ اگر بچی کو پھینکنا ہی تھا تو اسے سر راہ نہ ڈالا گیا ہوتا بلکہ شاہراہ سے دور کسی گوشہ میں۔ خود بچی کو پھینک دینے کا واقعہ غیاث بیگ کی طبیعت کے منافی ہے۔ یہ افسانہ بہت سے دوسرے افسانوں کی طرح نورجہاں کی اگلی شاندار زندگی کے پس منظر کو تاریکی میں ڈالنے کے لئے گھڑا گیا۔

خافی خان (جلد اول صفحات 64-65) نے بھی غیاث بیگ کی اکبر سے ملاقات کے متعلق اس طرح کی ایک خصوصی روایت بیان کی ہے کہ بادشاہ نے ملک مسعود سے کہا کہ اس مرتبہ تم پہلے کی طرح اچھے تحفے نہیں لائے ملک مسعود نے کہا کہ اس مرتبہ میں چند جیتے جاگتے تحفے لایا ہوں جیسے اب تک ایران سے نہیں آئے اور پھر اس نے غیاث اور ان کے لڑکوں کو بادشاہ کے سامنے پیش کر دیا۔

علی قلی استجلی

علی قلی ایران کے شاہ اسماعیل دوم کا سفارچی (مہتمم (دستر خوان) تھا۔ اپنے آقا کے انتقال یا قتل ہونے پر اسے اپنے وطن سے فرار ہونا پڑا۔ طویل آوارہ گردی اور جوکھم کے حادثات سے گزرتا ہوا وہ قندہار کے راستے سے ملتان پہنچا جہاں عبدالرحیم خاں خاناں ایک بڑی فوج کے ساتھ ٹھٹھہ فتح کرنے کے لیے تیار تھا اور علی قلی اس کی فوج میں شامل ہو گیا۔ اس مہم میں علی قلی نے اپنی شجاعت، ہمت اور جرأت سے بڑا نام پیدا کیا اور خاں خاناں نے اپنے مراسلات میں اس کا ذکر کیا۔ جنگ کے فاتحانہ انجام پر خان خاناں اسے اپنے ساتھ لاہور لے گیا جو اس وقت سلطنت کا مستقر تھا اور 1591ء میں اس کا اعلیٰ طبقوں میں تعارف کرایا۔

مہرالنسا سے شادی، شہزادہ سلیم کے عملہ میں تقرر

تھوڑے ہی دن بعد غیاث بیگ کی لڑکی سے اس کی شادی ہو گئی 1599ء میں وہ شہزادہ سلیم کے عملہ میں مقرر کر دیا گیا جسے اکبر نے میواڑ کی مہم پر مامور کیا تھا۔ علی قلی نے جس بہادری اور ہوشیاری سے ایک شیر کو مارا، اس سے شہزادہ بہت خوش ہوا اور اسے شیر افگن کا خطاب دیا۔

بنگال میں جاگیر

علی قلی نے اپنے آقا کی بغاوت میں کچھ دن تک اس کا ساتھ دیا اور پھر اسے چھوڑ کر اکبر سے مل گیا۔ تخت نشین ہونے پر جہانگیر نے بڑی فیاضی سے اس کے رویہ کو نظرانداز کر دیا اور اسے ایک معقول عہدہ اور بنگال میں جاگیر دے دی۔ (2)

بے وفائی کا شبہ

بنگال اس وقت بغاوت، سازش اور شورش کا اڈا تھا اور تمام غیر مطمئن عناصر کا آماجگاہ بن گیا تھا۔ شیر افگن پر ایک مغویانہ سازش میں شرکت کا شبہ کیا گیا اور قطب الدین کو جو اگست 1602ء میں راجہ مان سنگھ کا جانشین ہوا تھا حکم دیا گیا کہ وہ اسے دربار میں حاضر کرے اور عدول حکمی کی صورت میں سزا دے۔

قطب الدین سے ملاقات

مارچ 1607ء میں قطب الدین بردوان کو روانہ ہوا اور شیر افگن کو ملاقات کے لیے طلب کیا اور اغلباً گرفتاری کے لیے 30 / مارچ کو شیر افگن صرف دو ملازموں کے ساتھ گورنر سے ملاقات کے لیے آیا۔ جیسے ہی وہ خیمہ میں داخل ہوا گورنر نے حکم دیا کہ شاہی فوج کے سپاہی اسے گھیر لیں۔ شیر افگن نے

(2) شیر افگن کے حالات کے لئے دیکھو جہانگیر و راجرس و بیورتج جلد اول صفحات 113، تا 114۔ اقبال نامہ صفحات 23، 24۔ خافی خان جلد اول صفحات 266، 267۔ خلاصۃ التواریخ (دہلی ایڈیشن) صفحات 126، 127۔ مفتاح التواریخ صفحہ 114 گلیڈون صفحہ 15 بلوکمین صفحات 296، 297، 524، 525 بیل کی اور ٹمیل بھیکل ڈائری صفحہ 380۔
شاہ اسماعیل دوئم کے حالات کے لیے دیکھو بکس شہری آف پرشیا جلد دوم صفحات 253 تا 254 تا لکم کی ہسٹری آف پرشیا۔

جب خطرہ محسوس کیا تو اس کا خون کھول گیا اور اس دھوکہ دہی سے اسے غصہ آ گیا۔ اس نے قطب الدین سے سوال کیا "یہ تیری کیا حرکت ہے؟" قطب الدین معاملہ کی توضیح کے لیے آگے بڑھا تو شیر افگن نے جو غصہ میں بھرا ہوا تھا تلوار کھینچ لی اور گورنر پر وار کیا۔

قطب الدین کو مہلک زخم

قطب الدین کی آنتیں نکل پڑیں مگر اس دلیر آدمی نے انہیں ہاتھوں میں تھام لیا اور اپنے آدمیوں کو حکم دیا کہ حملہ آور کا کام تمام کر دیں۔ لیکن اس حکم کی ضرورت نہ تھی۔ ایک کشمیری ملازم اسباخاں نے شیر افگن کے سر پر وار کیا اور جواب میں وہ خود زخمی ہوا۔ تنہا آدمی کو چاروں طرف سے گھیر لیا گیا اور اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے گئے۔ مگر اس نے بھی اپنا انتقام لے لیا۔ اسباخان فوراً مر گیا اور قطب الدین نے چوبیس گھنٹہ کے اندر سانس توڑ دی۔ (3)

قطب الدین کی موت پر جہانگیر کا غم

قطب الدین کی موت سے جہانگیر کو سخت صدمہ پہنچا۔ جس شخص کو وہ "پیارے بیٹے، پیارے بھائی اور قلبی دوست" سے مخاطب کرتا تھا اس کی دردناک موت پر اسے اظہار غم کے لیے الفاظ نہیں ملتے تھے۔ اس نے شیر افگن پر گالیوں کی بارش کر دی اور اسے ہمیشہ جہنم میں جلنے کی بد دعا دی۔ (4)

مہر النساء حاضر دربار کی گئی

شیر افگن کی بیوہ اور لڑکی لاڈلی بیگم دربار میں بھیجی گئیں جہاں اعتماد الدولہ بڑے عہدہ پر ممتاز تھا اور مہر النساء کو فوراً ہی ملکہ سلیمہ بیگم کی مصاحبت میں مقرر کر دیا گیا۔

جہانگیر سے شادی 1611ء

مارچ 1611ء میں جہانگیر نے اتفاقاً اسے موسم بہار کے فینسی بازار میں دیکھا اور اس پر عاشق ہو گیا اور مئی کے آخر میں اس سے شادی کر لی۔ (5)

---

(3) جہانگیر راجرس و بیورتج جلد اول صفحات 113 تا 115 اقبال نامہ صفحات 23، 24 خافی خاں جلد اول صفحات 266، 267 خلاصۃ التواریخ (دہلی ایڈیشن صفحات 126 و 127 مفتاح التواریخ صفحہ 114 گلیڈون صفحہ 15۔ بلوکمین صفحات 496، 497، 524، تا 525۔

شیر افگن کے پہلے حملہ آور کے نام میں اختلاف ہے۔ جہانگیر اسے اسباخاں کہتا ہے۔ معتمد خاں پیر خاں اور کامگار خان ایک خاں، شیر افگن کے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے بردوان میں دفن کر دیے گئے۔ روایات وغیرہ اور شیر افگن کی قبر کے متعلق دیکھو جنرل آف ایشیاٹک سوسائٹی بمبئی سلسلہ جدید جلد 13 1917ء صفحات 184 تا 186۔

(4) راجرس و بیورتج جلد اول صفحات 114 تا 115 اقبال نامہ صفحہ 55 خافی خاں جلد اول صفحہ 267۔

(5) اقبال نامہ صفحہ 56۔ مآثر جہانگیری (مخطوطہ خدا بخش) صفحہ 76 (الف)۔

مورخین کی روایات

یہ تو مشہور اور اہم شادی کا اصل قصہ ہے۔ مورخوں کی یہ روایات کہ جہانگیر اپنے والد کی عین حیات میں اس پر عاشق ہو گیا تھا اور اکبر نے اس کی خواہش پوری کرنے سے انکار کر دیا اور غیاث بیگ کو آمادہ کیا کہ شیر افگن سے اس کی شادی کر دے اور یہ کہ عاشق نامراد نے تخت نشین ہوتے ہی کمینگی سے اپنے کامیاب رقیب کو قتل کرا دیا اور یہ کہ عالی دماغ مہرالنساء نے چار سال تک اپنے شوہر کے قاتل کے پیامات کو ٹھکرایا۔ لیکن بالآخر راضی ہو گئی۔ ان تمام باتوں کا ثبوت معاصر تاریخوں سے بالکل نہیں ملتا۔ یہ تو صحیح ہے کہ جہانگیر خود اپنے قلم سے ایسے گندے جرم کا خیال نہ کرتا لیکن اگر شیر افگن کی موت میں اس کا ذرا بھی ہاتھ ہوتا تو وہ شاید اس واقعہ کا بالکل ہی ذکر نہ کرتا مگر واقعہ تو یہ ہے کہ اس نے شیر افگن کی زندگی اور موت کا بالتفصیل حال بیان کیا ہے۔ معتمد خاں نے شاہجہاں کے عہد میں اس کی داستان کی تکمیل کی اور کامگار حسینی کی تاریخ شاہجہاں کے اشارے سے لکھی گئی۔ یہ دونوں نور جہاں کے دشمن تھے جو ان کے سرپرست کی زبردست رقیب تھی لیکن دونوں میں سے کسی نے اشارتاً بھی نور جہاں کی زندگی کی کسی سنگین بدنامی سے ملوث نہیں کیا۔

غیر ملکی سیاحوں کی فیصلہ کن تردیدی شہادت

یہ تو بیشک کہا جا سکتا ہے کہ کسی درباری مورخ و یہ جرأت نہیں ہو سکتی تھی کہ وہ کسی ایسی بدنامی کا ذکر کرے جو سارے خاندان کے لیے باعث ذلت ہو لیکن اس زمانہ کے غیر ملکی سیاحوں کو کوئی ایسی جانب داری نہیں ہو سکتی تھی۔ برعکس اس کے وہ بدنامی کو خوب خوش ہو ہو کر اچھالتے تھے اور کوئی بھی افواہ جو عالی مرتبہ اشخاص کے اخلاق کردار کو برائی میں ملوث کرے اسے قبول کرتے اور مدح کرنے میں دریغ نہیں کرتے تھے۔ وہ جہانگیر (جو اس وقت شہزادہ سلیم تھا) اور اس کی سوتیلی ماں کے درمیان بے لگام رسوائی کا ذکر کرتے ہیں۔ وہ اسی طرح رسوائی کا نور جہاں اور اس کے سوتیلے لڑکے شاہجہاں کے مابین حوالہ دیتے ہیں لیکن ان میں سے کوئی اس بات کا شبہ بھی نہیں ظاہر کرتا کہ جہانگیر نے اپنی پہلی کی محبت کے پیچھے شیر افگن کو قتل کرا دیا۔ وہ نور جہاں کی ابتدائی زندگی کا ذکر کرتے ہیں۔ اس کے شوہر کی دردناک موت کا اور اس کی جہانگیر سے شادی کا اور جہانگیر پر اس کے زبردست اثر کا لیکن وہ دونوں میں کسی کی پہلی محبت کا اشارہ بھی نہیں کرتے اور نہ دوسرے شوہر کا پہلے شوہر کے قتل میں کسی قسم کی شرکت کا۔ ہاکنس کو ترکی زبان جاننے کی وجہ سے بہت بڑی سہولت حاصل تھی۔ وہ شیر افگن کے انتقال کے تھوڑے ہی دن بعد مغل دربار میں پہنچا اور منصب داروں کے حلقہ میں داخل ہو گیا اور بہت سے ملاقاتی پیدا کر لیے اور جہانگیر کی شادی کے کچھ دن بعد آگرہ سے روانہ ہو گیا۔ سر طامس رو اور ایڈورڈ ٹیری کئی سال مغل دربار میں رہے جب کہ نور جہاں کا اقتدار پورے عروج پر تھا اور عام طور پر لوگ اس کے بارے میں گفتگو کرتے تھے۔ ولیم فنچ جو غائر نظر رکھتا تھا۔ تقریباً اسی زمانے میں ہندوستان آیا۔ پیٹر ڈیلا ویل نے اگرچہ اپنی سیاحت مغربی ساحل کے علاقہ میں محدود رکھی لیکن اس نے اندرون ملک کی جہانگیر کے عہد میں بہت سی باتیں سنیں۔

یہ قرین قیاس نہیں ہے کہ شیر افگن کے معاملہ میں اگر جہانگیر کا کوئی قصور ہوتا تو اس کا ذکر ان میں سے کسی نے نہ سنا ہوتا۔ اس طرح کی بدنامی گلی کوچہ میں مشہور ہو جاتی ہے۔ ایسی بدنامی کی بات جو

کسی بادشاہ یا ملکہ سے متعلق ہو اور جس کے ساتھ ایک شرمناک قتل بھی شامل ہو وہ گھر گھر پہنچ جاتی ہے اور وہ ان لوگوں سے کسی طرح ڈھکی چھپی نہ رہتی جو ایسی باتوں کو قبول کرنے کے لیے ہمہ تن گوش ہوں۔ جہانگیر کے عہد میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے کارکنوں نے سیکڑوں خطوط اپنے بڑے عمال کو لکھے، اگرچہ یہ خطوط بیشتر ان کے تجارتی کاروبار سے متعلق تھے لیکن ان میں اکثر دلچسپ اور اہم سیاسی واقعات کا بھی ذکر ہوتا تھا۔ انہوں نے خسرو کی موت شاہجہاں کی بغاوت اور مہابت خاں کی یورش کا ذکر کیا ہے لیکن ان میں سے کسی نے شیر افگن کے قتل کو جہانگیر کی اس کی بیوی کی ہوس سے منسوب نہیں کیا ہے۔ سر طامس ہربرٹ پٹیری چند سال بعد آئے۔ دونوں نے جہانگیر اور نورجہاں کے متعلق بہت کچھ لکھا لیکن ان میں سے کسی نے ان کی شادی کے سلسلے میں کسی بدنامی کے متعلق ایک حرف بھی نہیں لکھا۔ برنیر ایک نسل کے بعد آیا اور دربار کے اعلیٰ عہدہ داروں میں گھل مل گیا اس نے شاہ جہاں، جہان آرا، روشن آرا اور دوسروں کے متعلق ناقابل بیان باتیں لکھیں ہیں۔ اس نے جہانگیر اور نورجہاں کے اقتدار کا بھی حال لکھا ہے۔ لیکن شیر افگن کے متعلق کسی بات کا مطلق حوالہ نہیں دیتا۔ (6)

---

(6) میرہ (واج لو ایسٹ انڈیا صفحہ 404) صرف اتنا لکھتا ہے کہ جہانگیر نے نورجہاں کو ایک ذلیل خاندان میں سے اٹھا کر عروج پر پہنچایا۔ جس نے 24-1623ء میں ہندوستان کے مغربی ساحل کے علاقوں کا دورہ کیا۔ اس نے نورجہاں کے متعلق بہت کچھ سنا لیکن عجیب بات ہے کہ اس کی بادشاہ سے شادی کس طرح ہوئی اس کے متعلق اسے کچھ معلوم نہ ہو سکا۔ وہ لکھتا ہے "وہ (نورجہاں) ہندوستان میں پیدا ہوئی لیکن ایرانی نسل کی ہے یعنی ایک ایرانی کی لڑکی ہے جو بہت سے اور لوگوں کی طرح نقل وطن کر کے ہندوستان آیا مغلوں کی ملازمت میں داخل ہو گیا اور ان کے دربار میں بڑا عروج حاصل کیا اور اگر میں غلطی نہیں کرتا تو) وہ خان یا ایک صوبہ کا گورنر ہو گیا۔ اس کی شادی پہلے ایک فوجی کماندار سے ہوئی تھی جس نے بھی مغلوں کی ملازمت کی لیکن اپنے پہلے شوہر کے انتقال پر اسے بہت اچھا موقع مل گیا جیسا کہ اکثر حسین نوجوان بیواؤں کو مل جاتا ہے۔ مجھے معلوم نہیں کہ شاہ سلیم نے اسے کیسے دیکھا اور اس پر عاشق ہو گیا۔ (سفر ڈلاویل جلد اول صفحہ 53) اس بیان میں بہت سے غلطیاں معلوم ہوتی ہیں اور وہ شیر افگن کی موت کے حالات سے بالکل ناواقف۔

ڈیلاویل نے شادی کے متعلق یہ بازاری افسانہ بھی درج کیا ہے: وہ (جہانگیر اسے (نور محل کو) اپنے حرم میں لے گیا ہوگا اور اسے دوسری داشتہ عورتوں کی طرح رکھا مگر اس بہت ہی چالاک اور حوصلہ مند عورت نے بادشاہ سے بڑی دیانت داری کا عذر کیا اور اس کے حرم میں جانے سے انکار کیا اور کہا کہ وہ ایک باعزت کماندار کی بیوی رہ چکی ہے اور ایک معزز باپ کی لڑکی ہے اور اپنی عزت پر کبھی حرف آنے نہ دے گی نہ اپنے باپ اور شوہر کی۔ اور اس کا شاہی حرم میں جا کر باندیوں کی طرح اس کے شایان شان نہیں ہے۔ اس لیے اگر بادشاہ سلامت کو اس سے انس ہے تو وہ باقاعدہ شادی کر کے اسے رکھ سکتا ہے جس سے ان کی عرف نہ صرف محفوظ رہے گی بلکہ اور بڑھ جائے گی اور اس شرط پر وہ اس کے لیے حاضر ہے۔ شاہ سلیم پہلے تو اس کے اس گستاخانہ اور مغرورانہ رویہ پر بہت برافروختہ ہوا اور تقریباً یہ طے کیا کہ اسے ذلیل کرنے کے لیے اسے ایک حلال خور سے جو ہر چیز کھاتے ہیں اور اس لیے ہندوستان میں بہت ذلیل سمجھے جاتے ہیں۔ لیکن عورت اپنے عزم پر قائم رہی اور کہا کہ اس عزم کو بدلنے کے بجائے وہ مر جانا گوارا کرے گی۔ تاہم بادشاہ کے دل میں پھر محبت نے زور کیا اور بعض لوگ کہتے ہیں جادو ٹونے سے (جس کا مجھے یقین نہیں ہے) اور عورت کا حسن جو روز افزوں تھا تو بالآخر بادشاہ نے اسے بطور ملکہ اور دوسری ملکاؤں سے بالاتر قبول کرنا منظور کر لیا۔ (سفر نامہ ڈیلاویل جلد اول صفحات 53، 54)

پٹری جس نے 1629ء میں ہندوستان کا دورہ کیا اس نے ایک گندی گپ نقل کی ہے کہ "اس کا شوہر چونکہ باغی تھا اس لیے لڑائی میں قتل کر دیا اور وہ (نورجہاں) بھی گرفتار ہو گئی... اور جیسا کہ لوگ کہتے ہیں... ایک ہاتھی لایا گیا اور نورجہاں نے چونکہ گستاخی اور تکبر کا اظہار کیا تھا اس لیے اسے ہر جگہ نشست کر لیا جائے تاکہ اسے گندی ملیں لیکن اس حکم کی تعمیل نہیں کی گئی (سفر نامہ جلد دوم صفحات 205، 206)

مراکوے برنیر نورجہاں کے جہانگیر پر غیر معمولی کا ذکر کرتا ہے۔ مگر اس کی پچھلی زندگی کے بارے میں خاموش ہے۔ (دیکھو سفر نامہ صفحہ 5)

خود یہ کہانی خلاف ہے

کسی معاصر مورخ نے جہانگیر پر شیر افگن کے قتل کا الزام نہیں لگایا ہے۔ اس معاملہ میں تردیدی شہادت خود ہی فیصلہ کن ہے۔ لیکن مزید براں یہ کہانی بعض معصومہ حقائق اور قیاس کے منافی ہے۔ پہلی بات تو یہ کہ یہ یقین نہیں آتا کہ اکبر نے کس بنا پر مہرالنسا اور سلیم کی شادی کی مخالفت کی۔ مہرالنسا ایک اعلیٰ ایرانی خاندان کی تھی اور اس کا والد دربار میں اعلیٰ عہدہ پر فائز تھا۔ مغل کسی طبقہ خاندان سے رشتہ کرنے میں زیادہ محتاط نہ تھے اور یہاں ایک قدیم خاندان تھا۔ اگر اکبر نے اپنے بیٹے کو واقعی مایوس اور دل برداشتہ کیا ہوتا اور غیاث بیگ سے اصرار کیا ہوتا کہ وہ اپنی لڑکی کو شیر افگن سے بیاہ دے تو وہ اتنا بے عقل نہ تھا کہ شیر افگن کو 1599ء میں شہزادہ سلیم کی ملازموں میں مقرر کرتا اور خود سلیم یقیناً اپنی معشوقہ کے شوہر کو اعزاز اور ترقی نہ دیتا اور تخت نشین ہونے پر وہ اس کے دغا دینے کے قصور کو نظر انداز نہ کر کے اسے بلند اور مالدار نہ کرتا۔ اگر اسے اس کی بیوی کی خواہش تھی تو وہ ایسے بے ڈھنگے پن سے کام نہ کرتا جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ اس نے کیا۔ آخر میں یہ کہ جہاں تک ہمیں نور جہاں کی سرشت کا علم ہے ہمیں یقین ہے کہ اگر اس کے شوہر کے بے قصور قتل میں جہانگیر کا دامن داغدار ہونے کا علم ہوتا تو وہ کبھی اس کی ہم بستر ہونا گوارا نہ کرتی۔ نہ کبھی اس کی والدہ کی خدمت پر آمادہ ہوتی۔ یہ تسلیم شدہ امر ہے کہ اپنی زوجیت کے زمانہ میں اس نے جہانگیر کی محبت کا پورا پورا بدلہ اتارا۔ ایک خوددار خاتون سے یہ توقع کی جا سکتی کہ وہ اپنے شوہر کے قاتل سے اتنی والہانہ محبت کرے۔

بے بنیاد شبہ

اکثر مورخوں نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ قطب الدین کو بنگال کی گورنری پر صرف اس لیے مقرر کیا گیا کہ وہ مہرالنساء کو اپنے آقا کے لیے حاصل کرے لیکن اس نقطۂ خیال کی مطلق کوئی سند نہیں ہے۔ بادشاہ اور راجہ مان سنگھ کے درمیان قطعی اختلاف پہلے ہی ہو چکا تھا۔ اکبر کے انتقال پر دونوں میں ایک رسمی مصالحت ہو گئی تھی لیکن ان کے دل ایک دوسرے سے قطعی بیگانہ ہو چکے تھے۔ صرف وقت کا انتظار تھا کہ مان سنگھ اور اس کے رفیق عزیز کوکا کو مغل سلطنت میں اقتدار سے محروم کر دیا جائے۔ جیسے ہی خسرو کی بغاوت فرو ہوئی جہانگیر نے مان سنگھ کو بنگال کی گورنری سے برطرف کر دیا۔ اور یقیناً اس کی جگہ بادشاہ کے کسی ایسے آدمی کا تقرر ہونا تھا۔ چنانچہ قطب الدین کو اس عہدہ کے لیے منتخب کیا گیا۔ شیر افگن پر بے وفائی کا شبہ ممکن ہے کہ بالکل بے بنیاد ہو۔ لیکن اس میں کوئی حیرت کی بات نہیں ہے کہ بنگال سازشوں، غداریوں اور بغاوت کا اڈہ تھا۔ عثمان نے کچھ ہی دن پہلے بغاوت کی تھی اور جلد ہی وہ پھر ایک زبردست بغاوت کرنے والا تھا۔ ماحول تشویش انگیز تھا اور کسی وقت بھی طوفان برپا ہو جانے کا اندیشہ تھا۔ انتہائی چوکسی اور احتیاط کی ضرورت تھی، اور کوئی حیرت کی بات نہیں کہ ایک ایرانی قسمت آزما پر جس نے ایک مرتبہ شہزادہ سلیم کا ساتھ چھوڑ دیا ہو بے وفائی کا شبہ کیا جائے اور اسے بے اطمینانی کے مرکز سے ہٹا لیا جائے جو ناگوار صورت پیش آئی اور جس میں کئی جانیں تلف ہوئیں وہ قطب الدین کی بد تدبیری کا نتیجہ تھا۔ اس نے بلا آگاہ کیے ہوئے شیر افگن کو گھیر لینے کا سپاہیوں کو حکم دیا اور شیر افگن کو غصہ دلایا۔ یہ بالکل قدرتی

بات تھی کہ اپنے شوہر کے انتقال کے بعد مہر النسا کو دربار بھیجا جاتا جہاں اس کا باپ اور بھائی شاہی ملازم تھے۔ اس بنیاد پر اس میں کوئی حیرت کی بات نہیں کہ وہ مریم الزمانی کی ملازمت پر مامور ہو اور جہانگیر اسے مینا بازار میں دیکھ لے اور اس کی محبت میں گرفتار ہو جائے اور اس سے شادی کر لے۔

یہ قصہ کیسے چلا؟

ان واقعات پر رومان کا رنگ دو نسلوں کے بعد چڑھایا جانے لگا۔ ایک مرتبہ جب جہانگیر پر یہ الزام لگ گیا کہ وہ شیر افگن کی بیوی کا خواہاں تھا تو اس قیاس آرائی کی ضرورت ہوئی کہ وہ اکبر کی زندگی ہی میں اس پر عاشق ہو گیا تھا۔ محمد صادق تبریزی کی خافی خان اور سبحان رائے وغیرہ نے تقلید کی اور اس پر حاشیہ چڑھایا اور یہ قصہ گھڑا کہ جہانگیر اور مہر النساء نے کیا کرتب دکھائے۔ کس طرح جہانگیر نے ایک مرتبہ اسے لگایا، کس طرح وہ جہانگیر سے الگ ہو گئی اور حرم شاہی سے شکایت کی، کس طرح انہوں نے اکبر کو اس کی اطلاع کی جسے سخت غصہ آیا اور اس نے شہزادہ کو اپنی معشوقہ کے وصل سے کامیاب ہونے کی ممانعت کر دی، کس طرح جہانگیر نے قطب الدین سے کہا کہ وہ اس کی محبوبہ کو حاصل کرے۔ کس طرح شیر افگن دشمنوں کی حرب سے نیم جان ہو کر نکلا اور گھسیٹتا ہوا دروازہ تک گیا کہ اپنی بیوی کا خاتمہ کر دے مگر اس کی خوشدامن نے روک لیا اور اس نے خودکشی کر لی اور شیر افگن نے باہر آکر اپنے زخموں پر پٹی باندھی اور کس طرح وہ فوراً ہی اس کے ساتھ ختم ہو گیا۔(7) یہ افسانہ دور دور پھیل گیا۔ سترہویں صدی کے نصف اول میں ہمیں یہ کہیں نہیں ملتا اور بعد کی نسلوں میں اس کا جگہ جگہ چرچا ملتا ہے۔ فارسی مورخین بڑی تفصیل سے اسے بیان کرتے ہیں۔ راجپوت گویئے اس کی تائید کرتے ہیں۔(8) اطالوی سیاح منوشی اس صدی کے آخر میں اسے اور نمک مرچ لگا کر بیان کرتا ہے(9)۔ اٹھارویں صدی میں اصل حقیقت بالکل گم ہو گئی اور دیگر مورخین نے اسے پوری رنگ آمیزی اور گرمجوشی سے ایک ڈرامہ کی شکل میں پیش کیا۔(10) انیسویں صدی میں الفسٹن نے اس خافی خاں سے لے کے بعد کی تمام تاریخی کتابوں میں پھیلا دیا جو بیشتر اسی سے ماخوذ ہیں۔

معاصر تاریخوں کے غائر مطالعہ اور معلومہ حقائق کی روشنی میں اس رومان کے سارے تار و پود بکھر جاتے ہیں اور جہانگیر اور مہر النساء کی سیرت زیادہ پسندیدہ صورت میں نظر آتی ہے۔

نور جہاں کی سیرت

اپنی دوسری شادی کے وقت مہر النساء یا نور محل یا نور جہاں نے جیسا کہ عموماً اسے کہا جاتا تھا اپنے

---

(7) خافی خان جلد اول صفحات 265 تا 267۔ خلاصۃ التواریخ دہلی ایڈیشن صفحات 436، 447 بوکین صفحات 496، 497، 524، 525۔

(8) پھلودی کا راجپوتانہ جسے ایل پی ٹوری نے بارڈک اینڈ ہسٹاریکل سروے آف راجپوتانہ میں نقل کیا جرنل آف ایشیاٹک سوسائٹی بمبئی 1919ء نمبر ا صفحات 56، 58۔

(9) منوشی (مرتبہ اردن) جلد اول صفحات 161 تا 162 نیز دیکھو ماقبل صفحہ 171 لطیف کی ہسٹری آف پنجاب۔ صفحات 153۔ تا 157۔

(10) سوریامل نے اپنی بھنشا بھاسکر میں اور لعل رام بہت نے اس پر گنٹری سلیم کی مہر النساء کے محبت کے قصہ کو اور زیادہ رنگیک باتیں ملا کر پیش کیا ہے۔

حسن کی شادابی کو بدستور قائم رکھا تھا۔ قدرت کی عطا کردہ کوئی رعنائی اس میں مفقود نہ تھی۔ ایران کے بے بہا حسن کی زیبائی اور اس کے ملائم خدوخال کو خوش مزاجی اور اعلیٰ دلکشی نے اور چمکا دیا تھا۔ مصوروں نے اس کے خدوخال کی رعنائی آنے والی نسلوں کے لیے محفوظ کر لیے ہیں۔ اپنی ساری صلاحیت صرف کر دی۔ اس کا نام آتے ہی ایک نازک بیضاوی چہرہ کشادہ پیشانی، بڑی بڑی نیلگوں آنکھیں اور باریک لب نظر کے سامنے آجائیں گے۔ اس کی صحت ہمیشہ بہت اچھی تھی اور وہ گھوڑے پر سوار ہو کر حکومت اور شکار کرتی تھی اور مضبوط ہاتھ سے نشانہ لگاتی تھی۔

قدرت نے اسے تیز فہم عطا کی تھی اور باریک بیں نظر اور ہمہ گیر ذہن اور معقول سوجھ بوجھ فطری صلاحیتوں کو تعلیم نے اور زیادہ روشن کر دیا تھا۔ فارسی ادب میں اسے ملکہ تھا اور وہ صاف اور شستہ شعر کہتی تھی جس سے اسے اپنے شعور پر قابو حاصل کرنے میں مدد ملی۔ (11)

اس کا جمالیاتی شعور بہت بلند تھا اور جن رعنائیوں اور صلاحیتوں سے جنس لطیف کی شان بڑھتی ہے۔ وہ اس میں بدرجہ اتم موجود تھیں۔ جنوری 1613ء (12) میں سلطانہ سلیمہ بیگم کے انتقال پر اسے بادشاہ بیگم یا سلطنت کی خاتون اول اور سلطنت کی خواتین کے فیشن کی سربراہی اور ملکۂ محل کا رتبہ مل گیا اور اس نے فوراً ہی لباس اور آرائش میں انقلاب پیدا کر دیا۔ اس نے زردوزی، زربفت اور قالین کے کئی نمونے ایجاد کیے۔ ایک خاص قسم کا زربفت جو نور محلی کہلاتا ہے اس کا پورا شہمانہ جوڑا دولھا اور دلہن کا پچیس روپیہ میں تیار ہوتا تھا۔ اس کی دو دامی پنج تولیہ، کناری اور فرش چاندنی اب تک مشہور ہے۔ نمونے کے زیوارات کے اس نے نئے نمونے ایجاد کیے اور کمروں کی آرائش اور ضیافت کے نئے نئے طریقے ایجاد کیے۔ ایک صدی بعد خافی خان نے لکھا کہ نور جہاں کا ایجاد کیا ہوا فیشن آج بھی سوسائٹی کی زینت ہے اور پرانا فیشن صرف افغانوں اور پسماندہ قصبوں میں باقی ہے۔ (13)

اس کا دل فیاضانہ تھا اور اتنا معاشرت پسند تھا۔ جہانگیر سے اسے بے پناہ محبت تھی اور اس کے انتقال پر سخت سوگ منایا۔ محمد ہادی لکھتا ہے کہ "وہ تمام مصیبت زدہ افراد اور بے یار ومددگار لڑکیوں کی پناہ گاہ تھی" کسی مظلوم کا حال سن کر وہ فوراً اس کی مدد کرنے میں اپنا پورا اثر استعمال کرتی تھی۔ کسی یتیم لڑکی کا حال سن کر کبھی ایسا نہیں ہوا کہ اس کی شادی کے اخراجات کی مدد نہ کی ہو۔ اپنے سولہ سالہ اقتدار کے زمانہ میں اس

(11) مہرالنساء کو نور محل کا خطاب جولائی 1611ء میں اور نور جہاں کا خطاب مارچ 1616ء میں۔ جہانگیر (راجرس وبیورتج) جلد اول صفحہ 319۔ لیکن ناموں میں الجھن سے بچنے کے لیے ہمیں اسے نور جہاں کہنا چاہیے۔ اس لیے اشعار کے نمونہ کے لیے دیکھو خافی خاں جلد اول صفحات 270 اور 271 وہ مخفی کے تخلص سے شعر کہتی تھی۔

(12) جہانگیر (راجرس وبیورتج) جلد اول صفحہ 232 میں ہے کہ انتقال ساٹھ سال کی عمر میں ہوا۔ برٹش میوزیم کے ایک مخطوطہ کے صفحہ 72 (الف) اور ریو کی جلد اول صفحہ 257 کی سند کے بموجب وہ شوال 945ھ (23/ جنوری 1539ء) عیسوی کو ہوئی تھی (دیکھو بیورتج کا مضمون سلطان سلیمہ بیگم پر جرنل ایشیاٹک سوسائٹی بمبئی 1906ء صفحات 509 تا 510) اس طرح وہ شمسی سال سے 74 برس کی تھی اور قمری سال سے 76 برس کی نیز دیکھو اقبال نامہ صفحہ 68 خافی خان جلد اول صفحہ 276۔

(13) خافی خان جلد اول صفحہ 269 بلوکمین آئین جلد اول صفحہ 510۔

* خافی خان ایک قابل لحاظ واقعہ بھی بیان کرتا ہے کہ ایک مرتبہ جہانگیر نے ایک بہت ہی خوبصورت غیر ملکی کپڑے کا تھان دیکھا جو چمکدار پھولوں اور شوخ رنگ درختوں سے کڑھی ہوئی تھی۔ بادشاہ نے خانساماں سے درخواست کیا کہ یہ کتنے روپیوں میں تیار ہوئی ہے۔ خانساماں نے جواب دیا کہ اسے یہ محل سے ملی ہے۔ جہانگیر نے نور جہاں سے پوچھا کہ اس پوشش پر اس نے کتنا خرچ کیا۔ نور جہاں نے کہا کہ یہ ساری امرا کے یہاں سے آئے ہوئے خطوط کے تھیلوں سے تیار کی۔

نے آٹھ سولڑکیوں کی شادی اور جہیز کے اخراجات اور معمولی خیراتوں کی تعداد تقریباً بے شمار ہے۔ (14)

ذہن اور احساس کی گہرائی جو بڑائی کی لازمی علامت ہیں وہ اس کی ساری زندگی کی خصوصیات ہیں۔ وہ فیشن کی بھی دلدادہ تھی اور خیر خیرات کی بھی۔ جب وہ خسرو کی دوست تھی تو اسے اس نے شہزادگی کے اعلیٰ عروج تک پہنچادیا اور جب اس کی دشمن ہوئی تو اسے خاک کردیا۔ جب اس کے ہاتھ میں اقتدار تھا تو اس نے ہر چیز پر حکومت کی اور جب اقتدار نہیں رہا تو اسے مذہبی اعتقاد کی صورت میں علمی زندگی سے کنارہ کشی اختیار کرلی۔ اس کی سیرت سے یہ بالکل ہم آہنگ تھا کہ وہ سخت جاہ طلب تھی۔ وہ ان تحکم پسند ذہین افراد میں تھی جو اپنی قوت کے سرمایہ سے آگاہ ہوتے ہیں، جو ہمیشہ سرگرم عمل میں اطمینان اور خوشی محسوس کرتے ہیں جن کا رجحان یہ ہوتا ہے کہ وہ غیر شعوری طور پر سارا اختیار اپنے ہاتھ میں لے لیں۔ تحکم پسندانہ اور اقتدار خواہ طبیعت کے ساتھ ساتھ نورجہاں میں عملی استعداد بھی اعلیٰ درجہ کی تھی۔ وہ ہر معاملہ کی اصل کو سمجھ جاتی تھی اور ہر مسئلہ کی تہہ تک پہونچ جاتی تھی۔ اس کے دشمنوں کو بھی اعتراف تھا کہ اس کے ہاتھ لگاتے ہی ہر مشکل آسان ہو جاتی تھی۔ واضح نقطۂ نظر کے ساتھ اس میں حیرت انگیز محنت کرنے اور محنت لینے کی صلاحیت تھی۔ جو کام بھی وہ ہاتھ میں لیتی اس کے انجام دینے میں انتہائی قوت صرف کردیتی۔ اس کی حاضر دماغی اور حسن تدبیر خطرہ کے وقت بھی اس کا ساتھ نہ چھوڑتی تھی ایک موقع پر وہ ایک تیز بہتے ہوئے دریا پر ایک غصہ میں بھرے ہوئے ہاتھی پر سوار تھی۔ اور چاروں طرف سے دشمن کے تیر برس رہے تھے مگر وہ ذرا پریشان نہ ہوئی اور اطمینان سے بیٹھی رہی۔ جس وقت وہ ایک زبردست فوجی قائد اور ماہر زمانہ ساز کی سخت قید میں تھی تو اس نے بہت بڑی ہوشمندی اور انتظامی صلاحیت کا اظہار کیا۔ اپنی حسب معمولی جرأت سے اس دستور کو ٹھکرایا جس کے بموجب مشرق میں عورتیں گوشہ نشیں رہتی تھیں۔ وہ پردہ سے باہر نکل آئی۔ ہر چیز خود اپنی آنکھ سے دیکھی اور مجمع عام میں حکومت اور فرمانروائی کی۔

سارے اختیارات پر قبضہ

یہ تھی وہ خاتون، بہادر اور حسین، فیشن کی دلدادہ اور فیاض، محبت کرنے والی اور تحکم پسند، دلکش اور حکم چلانے والی جسے 1611ء میں جہانگیر نے اپنا شریک زندگی بنایا۔ کئی باتوں میں وہ ایک دوسرے سے مختلف تھے اور اس طرح ایک دوسرے کی کمی کو پورا کرتے تھے۔ ان کا گہرا باہمی ربط اختلاف کی کشش کی بنا پر تھا اور نیز مقصد اور زاویہ نظر کے اتحاد پر بھی جہانگیر کبھی کند ذہن نہ تھا اگرچہ جیسا ایک فلسفی کا قول ہے۔ کند ذہنی بھی ایک طرح کی ذہانت ہے۔ ایک قدرتی دلکشی اور ایک داخلی عطیہ ہے جو محض مشق یا عادت سے نہیں پیدا ہوتا۔ لیکن وہ اپنی عمر کے تینتالیسویں سال میں پہونچ کر آرام پسند ہو گیا تھا۔ وہ یہ دیکھ کر ناخوش نہیں ہوا کہ حکومت کا انتظام ایک ایسی حسینہ کے ہاتھ میں ہے جو اپنی بھرپور قوت کے ساتھ اس سے محبت کرتی تھی اور جس سے وہ خود پورے جوش اور جذبہ کے ساتھ محبت کرتا تھا جو اس کے مزاج کا غائر مطالعہ کرتی تھی۔ جو اس کی حکومت کے تمام ضوابط کی پابندی پر رضامند تھی اور جس پر اسے پورا اطمینان تھا اور جو ساتھ ہی اسے بڑی دردسری اور تفکرات سے نجات دیتی تھی۔ جیسے جیسے دن گذرتے

(14) محمد ہادی (ایلیٹ وڈاوسن) جلد ششم صفحہ 99۔ اقبال نامہ صفحہ 97 (ایلیٹ وڈاوسن) جلد ششم۔

گئے جہانگیر زیادہ سے زیادہ آرام پسند اور کاہل ہو تا گیا اور نور جہاں زیادہ سے زیادہ تجربہ کار اور اقتدار پسند ہو تی گئی۔ اقتدار کی لذت سے زیادہ کوئی لذت ایسی نہیں جسے تاز برداری اتنی تیزی سے نشوونما اور تقویت دیتی ہو جتنی اقتدار کی لذت۔ اس لیے ہمیں ذرا بھی حیرت نہیں ہے کہ نور جہاں نے جلد ہی زمام حکومت اپنے ہاتھ میں لے لی۔

نور جہاں کا جتھا

حکومت کے نظم و نسق میں اسے نہایت ہی معقول امداد اپنے عزیزوں سے ملی۔ اپنے والدین، اپنے بھائی اور اپنی بھتیجی کے شوہر سے۔

اس کی ماں عصمت بیگم

اس کی ماں عصمت بیگم بڑی عقلمند مشیر تھی۔ اس کا نام عطر گلاب کی ایجاد یا بازیافت سے آج تک زندہ ہے۔ جس کا سلطان سلیم نے عطر جہانگیری نام رکھا۔ (15) لیکن دراصل عصمت بیگم نے تاریخ میں اس سے زیادہ اہم کردار ادا کیا۔ زندگی بھر اس نے اپنی شاہانہ حشمت کی نچلے نہ بیٹھنے والی ترقی پر ہموار کرنے والا اثر استعمال کیا اور اس کی عظمت میں اس کی ماں کا بڑا حصہ ہے۔ اس کی ذہانت ہوشمندی اور عقلمندی کی تمام مورخین نے شہادت دی ہے۔

اعتماد الدولہ

لیکن نور جہاں کا اصل سہارا اس کا باپ تھا جس نے شاہی ملازمت میں اپنے بال سفید کر لیے تھے۔ اعتماد الدولہ نے اپنی تمام قابلیت، تمام تجربہ اور تمام اثر بلا تامل نور جہاں کے لیے وقف کر دیا۔ وہ کسی حال میں بھی بلند مرتبہ تک ضرور پہونچتا۔ مگر بادشاہ کا خسر ہو جانے پر اس کی ترقی کی رفتار میں پر لگ گئے جو غیر معمولی طور پر بہت تیزی سے ہوئی۔

حسب ذیل حدول سے اس کی وضاحت ہو گی۔

اعتماد الدولہ

منصب	سنہ ہجری	سنہ عیسوی	کیفیت
1000	1014	1605	
0000	1016	1608	

(15) جب وہ (نور جہاں کی ماں) عطر گلاب تیار کر رہی تھی تو جن پلیٹوں میں آفتابہ سے عرق گلاب اونڈیلا جارہا تھا ان کی سطح پر کچھ جھاگ جمع ہو گئی۔ عصمت بیگم نے اس جھاگ کو تھوڑا تھوڑا کر کے جمع کر لیا اور کافی عرق گلاب تیار ہو جانے پر بہت سا جھاگ جمع ہو گیا۔ پرجوش دلداد خوش ہو کر لکھتا ہے "یہ اتنا خوشبودار ہے کہ ایک قطرہ ہتھیلی پر مل لینے سے سارا مجمع معطر ہو جائے گا اور ایسا معلوم ہو گا کہ گلاب کی بہت سی کلیاں ایک دم کھل گئیں۔ کوئی اور خوشبو اس کے مقابلے کی نہیں ہے یہ بجھے ہوئے دلوں کو زندہ کر دیتا اور مردہ روحوں میں جان ڈال دیتا ہے۔ اس ایجاد پر میں نے ایجاد کرنے والی کو ایک موتیوں کا ہار پیش کر دیا۔" (جہانگیر (راجرس و بیورج) جلد اول صفحہ 271۔

منصب	سنہ ہجری	سنہ عیسوی	کیفیت
2000+500	1020	1611	
4000+2000	1021	1612	
5000+2000	1023	1614	
6000+3000	1024	1615	نیز علم و نقارہ عطا ہوا اور اسے دربار میں لے جانے کی اجازت ملی۔ خسرو کے نقارہ کے بعد نقارہ بجانے کی اجازت ملی نیز تمن تاغ عطا ہوا۔
7000+5000	1025	1616	

لیکن یہ خیال کرنا غلط ہوگا کہ محض اپنی لڑکی کے سہارے عروج پر پہنچا۔ اس کی پختہ عمر اس کا تجربہ اس کی خوش تدبیری اور اس کی قابلیت نے اسے سلطنت میں اقتدار دیا۔ نور جہاں کے عروج میں اس کا سب سے زیادہ طاقت ور سہارا تھا۔

آصف خاں

اس کے سب سے بڑے لڑکے کو تو غداری کے جرم میں موت کی سزا ہوگئی تھی لیکن اس کے چھوٹے لڑکے زندہ رہ کر بڑے عہدوں پر پہنچے۔ ابوالحسن جو بعد کو اعتقاد خاں اور پھر آصف خاں ہوگیا۔ طاقتور آدمی تھا۔ جس کے جسم کو روزانہ خوراک کے لیے ایک من شاہجہانی کی ضرورت ہوتی تھی۔ اس کی ہمہ گیر ذہانت کو معقول اور مختلف علوم کی تعلیم نے اور چمکا دیا تھا۔ وہ تقریباً ہر علم سے مانوس تھا۔ کتب بینی نے اسے فارسی تحریر اور انشا کا ماہر بنا دیا تھا۔ لیکن اس کا دماغ بیشتر عملی تھا۔ شروع میں اس کا رجحان ایسے علوم اور مردانہ ورزشوں کی طرف تھا جو انسان کو محنتی ہوشمند کاروباری بنادیں۔ مالیہ کی مہارت میں سلطنت مغلیہ کے اندر اس کا کوئی مدمقابل نہ تھا۔ بحیثیت منتظم امور مملکت اسے ہمیشہ حالات کو سمجھنے اور مناسب تدابیر اختیار کرنے میں اعلیٰ ترین قابلیت کا اظہار کیا۔ جہانگیر اور شاہجہاں کے عہد میں اس کی نمایاں کامیابی اس کی محنت عادتوں کی رہین منت ہے۔

اسے شان و شکوہ اور طمطراق سے فطری عشق تھا۔ وہ شاہانہ طریقہ سے رہتا تھا لیکن عموماً وہ سرکاری کاموں اور مجلسی بات چیت میں ہمہ تن خلق و انکسار تھا۔ سفارتی امور میں اس کی کامیابی اس کی ملنساری اور خوش تقریری کی بنا پر تھی۔ جن لوگوں کی تباہی کے لیے وہ کام کرتا ہوتا تھا۔ ان کے شکوک و شبہات رفع کر کے اس کا اعتماد حاصل کرنے میں اسے کافی صلاحیت تھی۔ وہ دشمنوں کے دل میں گھر کر کے موقع آنے پر انھیں پامال کر سکتا تھا۔ ایسا شخص موقعہ شناسی اور موقع محل کے مطابق کام کرنے میں تو بہت ممتاز ہو سکتا تھا لیکن کھرے پن اور دلیری کا اظہار نہیں کر سکتا تھا۔ 1611ء میں محلات شاہی کا مہتمم مقرر ہوا۔ اور اس کی شاندار زندگی کا آغاز ہوا۔

اعتقاد خاں و ابراہیم خاں

آصف خاں کے دو چھوٹے بھائی جن کے نام اعتقاد خاں اور ابراہیم خاں تھے اس کے برابر کے درجہ کے نہ تھے مگر وہ بھی اونچے درجہ تک پہنچے۔(16)

---

(16) آصف خاں کے حالات جہانگیر اور شاہجہاں کے عہد میں کسی تاریخ میں دیکھے جاسکتے ہیں اور نیز ماثر الامرا (بیورتج) جلد اول صفحات 295 اور میل کی اور تملیل ڈکشنری صفحہ 18 میں۔

(نوٹ) حسب ذیل نقشوں سے ان تینوں بھائیوں کے عروج کا حال معلوم ہوگا۔

آصف خاں (ابوالحسن)

منصب	سنہ ہجری	سنہ عیسوی	کیفیت
500+100	1020	1211	اعتقاد خاں کا خطاب پایا
1000+300	1021	1612	
2000+500	1023	1624	آصف خاں خطاب پایا
4000+1000	1024	1625	
5000+2000	1025	1616	علم و نقارہ بھی عطا ہوا
4000 دو اسپہ سہ اسپہ	1027	1618	
6000+6000	1031	1663	

اعتقاد خاں (اعتماد الدولہ کا منجھلا لڑکا)

منصب	سنہ ہجری	سنہ عیسوی	کیفیت
700+300			
1500+500	1024	1625	
2000+500	1025	1616	
2000+1000	1027	1618	
4000+3000	1032	1633	

ابراہیم خاں (اعتماد الدولہ کا چھوٹا لڑکا)

1000+600			
2000+1000	1024	1615	
2500+2000	1024	1615	

یہ نقشے خصوصاً توزک جہانگیری اور معتمد خاں کے اقبال نامہ سے مرتب کیے گئے ہیں خافی خاں اور شاہنواز خاں سے بھی مدد لی گئی ہے۔

شہزادہ خرم

اپریل 1612ء اپریل 1612 میں آصف خاں کی لڑکی ارجمند بانو بیگم کی شادی شہزادہ خرم سے ہو گئی جواب دس سال کا ہو گیا تھا۔ اس کی پرورش اس کی دادی رقیہ بیگم نے کی تھی جو ہمیشہ اس پر جان نچھاور کرتی تھی۔ وہ اکبر کا چہیتا تھا جو اکثر جہانگیر سے کہتا تھا کہ اس کے بھائیوں کا اس سے کوئی مقابلہ نہیں ہے۔ خرم نے بھی ان جذبات کی پوری پاسداری کی۔ اپنے دادا کی آخری بیماری میں وہ اس کی پلنگ کی پٹی کے پاس سے بالکل نہیں ہٹا اگرچہ وہ چاروں طرف دشمنوں سے گھرا ہوا تھا۔ اپنے دادا کی آخری خدمت انجام دینے میں اس نے اپنی جان کی مطلق پرواہ نہ کی اور اپنے باپ کہ کہنے اور ماں کے اصرار کے باوجود اپنی حفاظت کی پوری تدبیر کی۔

تعلیم اور سیرت

تمام مغل شہزادوں کی طرح اسے اعلیٰ درجہ کی مختلف علوم و فنون کی تعلیم دی گئی۔ اس کے معلموں کے خاص نام ترکی زبان کے ماہر تاتار بیگ، یونانی فلسفہ کے ماہر حکیم دوائی گیلانی، مذہبی اور غیر علوم کے استاد قاسم بیگ تبریزی اور ایک شیخ مبارک کے سچے جانشیں ابوالخیر تھے۔ تیر اندازی اور شمشیر زنی کی ترتیب میر مراد دکھنی اور راجہ شالی باہن نے دی۔ شہزادہ ہمیشہ اپنے استادوں اور خاص کر حکیم دوائی کے احسانات کا اعتراف کیا۔ لیکن زندگی میں اس کی کامیابی خود اس کی اخلاقی قوت اور کردار کی بلندی سے ہوئی جو اسے اپنے دادا سے ورثہ میں ملی تھی(17) ایسے زمانہ میں جب کہ شراب اعلیٰ رتبہ کا لازمہ سمجھی جاتی تھی، خرم پرہیزگاری کا مجسمہ تھا۔ اس نے اپنی زندگی کے 24 سال گزار دیے اور شراب کا ایک قطرہ بھی نہیں چکھا۔ اس کی چوبیسویں سالگرہ پر جہانگیر نے اسے اعتدال سے شراب پینے کے فوائد سمجھائے اور اپنی تائید میں ابن سینا کا قول نقل کیا اور جشن کے موقعوں پر تھوڑی سی پینے پر اس سے اصرار کیا۔ خرم نے اس عجیب اصرار کو مدت تک رد کیا مگر بالآخر اسے جھکنا پڑا۔ جہانگیر کا بیان ہے کہ "بہت زیادہ سمجھانے پر اور بڑی مشکل سے وہ تھوڑی سی شراب پینے پر راضی ہوا"۔ وہ شان شکوہ اور طمطراق کا بڑا دلدادہ تھا مگر اپنے اطوار کی سنجیدگی ہمیشہ قائم رکھی۔ جن لوگوں کا اس سے سابقہ پڑا۔ انھیں وہ خود پسند اور مغرور معلوم ہوا جس کے لبوں پر نہ کبھی مسکراہٹ ہوئی اور نہ کبھی انکسار یا تواضع کا شائبہ ہوتا۔ اس نے کم سنی ہی میں بہادر جنگ آزما اور ماہر فن سپہ سالار کی شہرت حاصل کرلی اور بڑی بڑی اہم فوجی کمان اسے سپرد کی گئیں اور اس کا شمار سلطنت کے قابل ترین ماہر جنگ اور جنگی چالوں کے استاد کی حیثیت سے ہونے لگا۔ اس میں حوصلہ مندی کی حرارت تھی اور اس کی نظر تخت شاہی پر تھی۔ قسمت نے اس کے حوصلوں کا ساتھ دیا خسرو سازش اور بغاوت کی اور اپنے باپ کی نظروں سے گر گیا۔ پرویز کے معلم ابوالفضل اور سرپرست زین خاں کوکا تھے۔ وہ بھی حوصلہ مند تھا مگر اس میں قابلیت نہ تھی اور شراب میں مست رہتا تھا۔ دکھن کی جنگ میں اس کی بد انتظامی نے اس پر بدنامی کا داغ لگا دیا۔ اس کے دوسرے دو بھائیوں میں جہاندار کا کمسنی میں انتقال ہو گیا اور شہریار جو 1605ء میں پیدا ہوا ابھی بچہ ہی تھا۔

---

(17) بادشاہ نامہ محمد قزوینی۔

جانشینی کے لیے نامزد

جہانگیر کے تمام لڑکوں میں خرم ہی کو ولیعہدی اور جانشینی کے لیے نامزد کیا گیا۔ مارچ 1607ء میں اسے آٹھ ہزار ذات اور پانچ ہزار سوار کا منصب ملا اور علم و نقارہ دیا گیا۔ تھوڑے دن بعد جب اسے جہانگیر کے خلاف قتل کی سازش کا انکشاف کر کے اپنی حیثیت اور مضبوط کر لی۔ 1608ء میں اسے حصار خیز کی وہ جاگیر دی گئی جس سے ساری دنیا کو معلوم ہو گیا کہ وہ جانشین نامزد ہو گیا ہے۔ تین سال بعد اس کا منصب دس ہزار ذات اور پانچ ہزار سوار ہو گیا۔

ارجمند بانو بیگم سے شادی

خرم کی شادی پہلے مظفر حسین مرزا حسین صفوی کی لڑکی سے ہو چکی تھی۔ اپریل 1612 میں بڑی چہل پہل اور رونق تھی۔ اس لیے کہ ولیعہد کی شادی ملکہ کی بھانجی سے ہونے والی تھی۔ شہزادہ اور آصف خاں دونوں شان و شکوہ کے دلدادہ تھے اور جہانگیر بارات کے آگے آگے تھا اور ایک دن ایک رات آصف خاں کے محل میں قیام کیا (18)

کثرت ازدواجی کے گھرانوں میں شاذ و نادر ہی ایسی خوشی کی شادیاں ہوتی ہوں گی۔ ارجمند بانو اعلیٰ درجہ کی حسین اور دلکش ہونے کے ساتھ مخلص اور فراخ دل کی بھی مالک تھی۔ اس کا ہنس مکھ چہرہ کبھی غبار آلود نہیں ہوتا تھا اور انتہائی مصیبت پر بھی وہ صابر و شاکر رہنے والی تھی اور شوہر کے فرائض کا اسے بڑا احساس تھا۔ اس نے اپنا دماغ اور اپنی روح اپنے شوہر کے قدموں پر ڈال دیئے اور شوہر نے بھی اس سے ایسی محبت کی جیسی آج تک کسی بیوی سے نہیں ہوئی "سنگ مرمر کا بنا ہوا حباب" جسے تاج محل کہتے ہیں وہ ان دونوں کی دلکش مخلصانہ محبت کی یادگار ہے۔

نور جہاں کا عروج

تاہم یہ شادی تقریباً سیاسی تھی۔ اس سے نور جہاں، اعتماد الدولہ اور آصف خاں کا ولی عہد سلطنت سے اختلاف نمایاں ہو گیا۔ اگلے دس سال تک ان چار قابل افراد کے گروہ نے سلطنت پر حکمرانی کی جسے نور جہاں کا عروج کہتے ہیں وہ دراصل ان چاروں کا عروج تھا۔ چند ہی سال کے اندر خرم بیس ہزار ذات اور بیس ہزار سوار کے لیے بے نظیر منصب پر پہونچ گیا۔ (19)

---

(18) جلد سوم صفحات 603و786 عمل صالح صفحات 31تا32، 50 جہانگیر (راجرس و بیورتج) جلد اول صفحات 19تا20، 48، 87، 123، 132، 180، 192، 224، 225، 306، تا307 محمد ہادی صفحہ 9 اقبال نامہ صفحہ 167 خافی خاں جلد اول۔ صفحہ 276 گلیڈون صفحات 13تا14، 21 مآثر الامرا جلد سوم صفحہ 78 (بیورتج) جلد اول صفحہ 294 سفارت سر طامس رو صفحات 278، 280، 317، 326، تا329، 426، 428، بیری صفحہ 412۔

(19) سر طامس رو (صفحہ 283) جسے شہزادہ سے کد تھی، اسے مغرور، پر اسرار جھوٹا، ظالم اور سنگ دل کہتا ہے۔ پرویز کے متعلق دیکھو اکبر نامہ جلد سوم صفحات 568، 577، 647۔

حسب ذیل نقشہ سے اس کی وضاحت ہو جائے گی۔

شہزادہ خرم

منصب	سنہ ہجری	سنہ عیسوی	کیفیت
8000+5000	1018	1607	نیز جاگیر حصار
10000+5000	1020	1611	
12000+6000	1021	1612	
15000+8000			
2000+10000	1024	1616	
30000+20000	1025	1617	
30000+20000	1026	1617	

اس کا مقابلہ اس کے بڑے بھائی پرویز کی ترقیوں سے کرو۔

منصب	سنہ ہجری	سنہ عیسوی	کیفیت
15000+8000	1028	1619	1615 میں خرم کا منصب اسی کے برابر کر دیا گیا۔ دو سال پیشتر خرم کا منصب 30000+2000 پر پہنچ گیا تھا۔
20000+10000			

تمام معاصر مبصرین ملکی اور غیر ملکی بالاتفاق راوی ہیں کہ نور جہاں کی سلطنت پر پوری پوری حکمرانی ہے۔ اگرچہ وہ اس کے تین رفیقوں کے اس میں حصہ کا اندازہ کرنے سے قاصر ہیں۔ وہ کبھی کبھی جھروکہ میں بیٹھتی تھی۔ حکام کو احکام نافذ کرتی تھی اور سفیروں کی پذیرائی کرتی تھی۔ کبھی سکوں پر اس کا نام ہوتا تھا اور اکثر فرامین اس کے نام سے جاری ہوتے تھے۔ اگر وہ منصب داری کے زمرہ میں شامل ہو سکتی تو اپنی جاگیروں کے لحاظ سے تیس ہزار کے منصب پر ہوتی۔ اس کی سرپرستی کا انحصار بیشتر اس کے رفیقوں پر تھا۔(20)

---

(20) اقبال نامہ صفحات 56 تا 57 (ایلیٹ وڈاوسن) جلد ششم صفحہ 405 تتمہ وقائع جہانگیری (ایلیٹ وڈاوسن) جلد ششم صفحات 398، 399 مآثر جہانگیری (مخطوطہ خدا بخش) صفحات 76، 77۔ معتمد خاں کا بیان ہے کہ سارے سکوں پر نور جہاں کا نام ہوتا تھا اور سارے فرامین اسی کے نام سے جاری ہوتے تھے۔ مگر یہ بالکل غلط ہے۔ بعض فرامین جو مجھے ملے ہیں۔ ان میں نور جہاں کا نام ہے۔ لس پول، وہائٹ ہیڈ وغیرہ نے سکوں کی جو فہرست مرتب کی ہے ان میں سے بہتوں پر اس کا نام نہیں ہے اس کے نام سے جو سکے مضروب ہوئے ان پر یہ سجع تھا۔ بحکم شاہ جہانگیر یافت صد زیور بنام نور جہاں بادشاہ بیگم زر۔

"اس نے (نور جہاں نے) اپنی محبت سے اتنی فتح حاصل کی کہ اس کہ (جہانگیر کی) محبت پر تقریباً پورا پورا قبضہ کر لیا۔ وہ مملکت میں جو چاہتی تھی کرتی تھی۔ چنانچہ اس نے اپنے بھائی آصف خاں اور دوسرے قریبی عزیزوں کو اقتدار عزت اور منافع کے بلند

باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر...

جہانگیر بے قابو نہ تھا

تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ جہانگیر نے شاید سرسری طور پر یا مذاقاً نہ کہا تھا کہ اسے بخوبی معلوم ہے کہ نور جہاں حکومت کرنے کی اہل ہے۔ اور خود اسے تو عیش کے لیے صرف ایک شراب کی بوتل اور ایک گوشت کا ٹکڑا چاہئے۔ (21) لیکن یہ خیال کرنا صحیح نہ ہوگا کہ بادشاہ بالکل صفر ہو کر رہ گیا تھا۔ اول تو یہ کہ اس کی خارجی اور داخلی پالیسی کے تمام اصول برقرار تھے۔ دوسرے برسر اقتدار گروہ کے افراد بادشاہ کے مزاج پر نظر رکھتے اور یہ کوشش کرتے تھے کہ اس پر قابو حاصل کرنے کے بجائے اسے سہارا دیں۔ تیسرے یہ کہ امور سلطنت میں بادشاہ گہری دلچسپی لیتا تھا اور کبھی کبھی بااقتدار گروہ کے خلاف سختی سے مداخلت کرتا تھا۔ سر طامس رو نے ایک واقعہ بیان کیا ہے کہ ایک مرتبہ جب بادشاہ کے سامنے مغربی ساحلی علاقوں میں شہزادہ خرم کے انگریزوں پر ظلم کا ذکر کیا گیا تو وہ سخت برافروختہ ہوا اور شہزادہ کو سخت فہمائش کی۔ (22)

نور جہاں کے عروج کے دو دور

جہانگیر کی صحت جب بالکل گر گئی تو اس وقت اس نے نظم و نسق میں موثر اقتدار استعمال کرنا ترک کر دیا۔ چنانچہ نور جہاں کے عروج کو دو دور میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ پہلا دور 1611ء سے 1623ء تک جب کہ جہانگیر نظم و نسق کا ایک اہم عنصر تھا اور جب اعتماد الدولہ اور اس کی بیگم زندہ تھے اور خرم اور نور جہاں کی ملی بھگت تھی۔ دوسرا دور 1622ء سے 1627ء تک جب بادشاہ بالکل مریض ہو گیا تھا اور با عظمت وزیر اور اس کی بیگم گزر چکے تھے اور تحکم پسند اور شہزادہ ایک دوسرے سے برسر پرخاش تھے۔ اس دور میں نور جہاں کی حکومت میں ملک کے اندر خونریزی اور شورش پھیل گئی تھی۔ اول الذکر دور میں برسر اقتدار گروہ نے بحیثیت مجموعی ملک میں امن اور خوشحالی برقرار رکھی۔

(حاشیہ نمبر.....20) ترین درجوں تک اس سلطنت میں پہونچایا" ٹیری صفحہ 406۔
خرم اور نور محل کے اثر کا ذکر کرتے ہوئے سر طامس رو نے لکھا ہے "سلطان خرم کا انتہائی اقتدار تھا جتنا نور محل کا جو ہر چیز پر حاوی تھا اس لیے کہ اگر بادشاہ کی حکومت ہوتی تو اس کی فطرت انصاف پسند، معتدل اور معقول ہے اور اپنے خیال میں میرا بہت پاس کرتا ہے... مگر وہ معتدل انسان سادہ لوح ہے اور صرف ایک کان سے سنتا ہے۔" خطوط موصولہ جلد پنجم صفحہ 332۔ "وہ (جہانگیر) نور جہاں سے شادی کر کے اس کا قیدی ہو گیا۔ اس کے عہد میں وہ امیر تقریباً پوری پوری حکومت کرتی ہے۔ اپنے نام کا سکہ جاری کرتی ہے۔ جو چاہتی ہے تعمیر کرتی ہے اور جس طرح چاہتی ہے معاملات طے کرتی ہے۔ جسے چاہتی ہے بادشاہ کی نظروں سے گرا دیتی ہے اور جسے چاہتی ہے اٹھاتی ہے۔" یہ اسی کا بیان ہے کہ جس سے 1629ء سے 1634ء تک ہندوستان کا دورہ کیا (سفر نامہ جلد دوم صفحہ 106) وہ یہ بھی کہتا ہے کہ اس نے نور جہاں اور دوسرے لوگوں کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے وہ عوام الناس کی روایت سے اور عام طور پر مقبول ہے اس نے 125۔ 1624ء میں سنا کہ نور محل اس لیے کہ مغربی ساحلی علاقوں میں اس کا نیا خطاب نور جہاں نہیں سنا تھا) جو اس وقت حرم میں ہے اپنے پورے اختیار سے احکام صادر کرتی ہے اور حکومت کرتی ہے۔ حرم کی دوسری عورتوں کو جن سے اسے رقابت کا اندیشہ تھا اس نے شکایات کر کے یا کسی اور خوبصورت طریقہ سے الگ کر دیا ہے اور میں بھی تقریباً تمام سربراہوں اور افسروں کو معزول کر کے یا برخاست کر کے تبدیل کر رہی ہے اور ان کی جگہ نئے آدمی اپنی مرضی سے یا خود اپنے عزیز اور حمایتی رکھ لیے ہیں، نصاب جلد (صفحہ 54 کو اطلاع غلط ملی کہ تقریباً تمام پرانے افسر بدل دیے گئے ہیں۔ برنیر ((صفحہ 15) نے اورنگ زیب کے عہد میں لکھا ہے کہ جہانگیر کی ملکہ نے بہت دنوں تک حکمرانی کی۔ جہانگیر شراب اور عیاشی میں مست رہا۔

(21) اقبال نامہ صفحہ 157 (ایسٹ وڈاوسن) جلد ششم صفحہ 405 تتمہ (الیٹ وڈاوسن) جلد ششم صفحہ 399۔

(22)۔ سفارت سر طامس رو صفحات 147 تا 148 نیز دیکھو خافی خاں جلد اول صفحہ 270۔

پرانے امرا کی رقابت

خاندانی گروہ بندی سے زیادہ کوئی اور گروہ بندی اتنی باہم وابستہ کرنے والی اور نفرت انگیز نہیں ہوئی۔ یہ گروہ بندی قدرت ہی کی بنائی ہوئی ہے۔ نور جہاں اور اس کے ساتھیوں نے شاہی ملازمت کی تمام خالی جگہوں کو اپنے آدمیوں سے بھر دیا اور منصب پر پہنچنے کا وسیلہ بس انھی کی نظر کرم پر تھا۔ اس سے قدرتاً پرانے امرا میں اور ان لوگوں میں جو اقتدار میں اپنے جائز حصہ سے محروم کر کے اندھیرے میں ڈال دیئے گئے تھے یا سمجھتے تھے کہ وہ اپنی واقعی حق سے محروم کر دیے گئے ہیں۔ رقابت کا جذبہ بھڑک اٹھا۔

مہابت خاں کا احتجاج

عبدالرحیم خان خاناں نے تو صاحب اقتدار گروہ سے سمجھوتہ کر لیا لیکن زیادہ خود دار امرا جیسے مہابت خاں نے ان کے سامنے جھکنا قبول نہ کیا۔ چنانچہ اب شاہی دربار دو گروہوں میں تقسیم ہو گیا۔ یعنی نور جہاں کے گروہ کے حامی اور ان کے مخالف مہابت خاں اس مخالف گروہ کا ترجمان بن گیا اور اس نے اپنی فطری راست بازی سے اپنے آقا کو سمجھایا کہ وہ عورتوں کی محکومی سے اپنا پیچھا چھڑائے۔ اس نے کہا کہ یہ بڑے افسوس کی بات ہے کہ جہانگیر جیسا عاقل اور عالم بادشاہ ایسا کرے جو دنیا میں کسی بادشاہ نے نہیں کیا۔ اور اپنی شہرت سے اتنا بے پروا ہو جائے۔ اس نے اصرار کیا کہ بادشاہ کو یہ بیڑیاں اتار پھینکنا چاہئے۔ جہانگیر اس کی دلیل سے متاثر ہوا مگر خود کو آزاد کرنے کی کوئی تدبیر نہیں کی۔(23) بااقتدار گروہ کے عروج نے مہابت خاں کے روز افزوں کارناموں پر پردہ ڈال دیا تھا۔ 1612ء تک اس نے چار ہزار ذات اور تین ہزار سوار کے منصب تک ترقی کی تھی مگر اگلی ترقی کے لیے اسے 1622ء تک انتظار کرنا پڑا۔ جب اقتدار پسند گروہ میں پھوٹ پڑی اور نور جہاں نے محسوس کیا کہ خود اس کے لیے مہابت خاں کی خدمات کی کتنی شدید ضرورت ہے۔ اس دوران میں اس کی اعلیٰ ذہانت کو حکومت کے مستقر سے دور دکن اور افغانستان کی بے نتیجہ لڑائیوں میں ضائع کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔(24)

شہزادہ خرم اور شہزادہ خسرو کی تخت شاہی کے لیے رقابت

شہزادہ خرم بااقتدار گروہ کی طرف سے تخت شاہی کا امیدوار تھا۔ شہزادہ خسرو کی مخالف گروہ نے اپنی طرف سے امیدوار بنالیا خسرو کی شخصیت کی دل کشی، اس کے بے داغ خانگی زندگی۔ اس کی مصیبتوں اور اس کے باہمت کارناموں نے اسے ہر طبقہ کے لوگوں میں ہر دلعزیز بنا دیا تھا۔ حرم شاہی خواتین کے دلوں میں ان کا انس تھا۔ خانِ اعظم قدرتاً اپنے داماد کا دلدادہ تھا۔ پرانے امرا جو نور جہاں کے بااقتدار گروہ سے بیزار تھے وہ بیشتر اسی کے طرفدار تھے۔ سارے غیر مطمئن عناصر نے اس کی اطاعت شعاری کا حلف لیا۔

---

(23) انتخاب جہانگیر شاہی (ایلیٹ و ڈاوسن) جلد ششم صفحات 415-2۔

(24) حسب ذیل نقشہ سے اس کی وضاحت ہو جائے گی۔

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر...)

پارٹیاں

خواہش خیال کی بنیاد ہوتی ہے چنانچہ عام طور پر خیال کیا جاتا تھا کہ جہانگیر کو خسرو سے محبت ہے اور اس نے قطعی طور سے طے کر لیا ہے کہ مغرور اور تحکم پسند خرم کے بجائے اسے تخت نشینی کے لیے نامزد کرے اگر خسرو کو رہا نہیں کیا جاتا تھا تو اس کی وجہ یہ تھی کہ بادشاہ اس کی غیر معمولی ہر دلعزیزی سے خائف ہے۔(25)

سازشیں

خسرو کے متعلق جہانگیر کے مزاج کے ہر موڑ پر حسب موقع دربار میں خوشی یا غم کا اظہار ہوتا تھا۔1613ء بادشاہ اس حد تک نرم پڑا کہ شہزادہ کی قید کی سختیوں کو کم کر دیا اور روزانہ آداب بجالانے

(باقی حاشیہ...24)

منصب	سنہ ہجری	سنہ عیسوی	کیفیت
500	...	...	اس سال مہابت خاں کا خطاب ملا
1500	1014	1605	
2000 300	1015	1606	
4000 3000	...	...	اب تک تو اس کی ترقی حیرت انگیز تھی لیکن اب نور جہاں کے گروہ کا عروج شروع ہوتا ہے جس سے اس کے تعلقات کشیدہ تھے۔ اپنی اعلیٰ قابلیت اور بادشاہ کی نظر عنایت سے وہ ممتاز عہدوں پر تو مقرر ہوتا رہا لیکن اگلے دس سال تک اس کی ترقی رکی رہی 1622ء میں جب با اقتدار گروہ میں پھوٹ پڑی اور نور جہاں کو شاہجہاں کے مقابلہ کے لئے مہابت خاں کی خدمات ہوئی تو اسے ترقی ملی۔
4000 3500	1019	1610	
2000 5000	1031	1622	

(25)(جلد دوم صفحہ 280 اسی زمانہ میں یورپین مبصر تیمس بلفورڈ نے ایسٹ انڈیا کمپنی کے گورنر سر لی اسمتھ کے نام ایسے ہی خیالات زور دار الفاظ میں ظاہر کیے۔ اس نے لکھا کہ "شہزادہ خسرو اپنے باپ کا بہت چہیتا ہے اور ہمیشہ چہیتا تھا اگرچہ وہ قید میں ہے جس کی وجہ سے اس سے نفرت نہیں بلکہ اندیشہ ہے اس لیے کہ سارا ملک اس سے محبت کرتا ہے جس میں ملک کے بڑے ممتاز اور مغرور افراد شامل ہیں۔ باوجودیکہ بادشاہ نے قسم کھائی ہے کہ اس کے بعد وہی حکمراں ہوگا مگر وہ اس اندیشہ سے اسے زہن میں رکھے ہوئے ہے کہ کہیں وہ نہ ہو جائے خطوط موصولہ جلد پنجم صفحہ 34 (نیز صفحات 401و412) کا بیان ہے کہ عام طور پر خیال کیا جاتا ہے کہ اس کا (خسرو کا) باپ جیسا کہ اکثر اس سے وعدہ کیا ہے اپنے بڑے لڑکے کو اپنا جانشین بنانا چاہتا ہے۔ اگرچہ فی الحال کسی رقابت کی بنا پر (وہ لوگوں میں اس قدر محبوب ہے) وہ اسے آزاد نہیں چاہتا۔ بادشاہ کی محبت کی وجہ سے اس کا بھائی خرم جو بادشاہ کا تیسرا لڑکا اور جو بڑے شان وشکوہ سے رہتا ہے اور تخت شاہی کا حوصلہ مند ہے اس سے نفرت کرتا ہے اور اپنے والد سے جو بہت ضعیف ہو گیا ہے طرح طرح کی شکایتیں کرتا ہے۔

کے لیے دربار میں حاضری کی اجازت دے دی۔ (26) یہ بااقتدار گروہ کے لیے ناقابل برداشت تھا اور اس نے اگلے سال اس اجازت کو منسوخ کرانے کی کوشش کی (27) تقریباً اسی زمانہ میں خان اعظم کو اس جرم میں کہ اس نے خرم کی میواڑ کی مہم میں خسرو کی مفاد میں روڑے اٹکائے تھے اس کے دشمن آصف خان کی سپردگی میں دے دیا گیا۔ (28)

16/ اکتوبر 1616ء میں بااقتدار گروہ کے اصرار سے مجبور ہو کر قیدی خسرو کو رائے دالان اس واقعہ سے محل اور دربار اور سارے ملک میں سخت خوف وہراس طاری ہو گیا۔ اسے قدرتاً بااقتدار گروہ کی بڑی کامیابی خیال کیا گیا جو شہزادہ خسرو کی آئندہ توقعات اور خود اس کی زندگی کے لیے بڑا خطرہ ہے۔ (29) سر طامس رو کا بیان ہے کہ جو اس وقت دربار میں موجود تھا کہ عام لوگوں میں بڑی سرگوشیاں ہو رہی ہیں۔ لوگ کہتے ہیں کہ بادشاہ نے شہزادہ ہی کو نہیں بلکہ خود اپنی زندگی کو بھی ایک تحکم پسند شہزادہ اور فتنہ پرداز گروہ کے ہاتھ میں دے دیا ہے اور یہ کہ خسرو مرا تو اس کی بڑی بدنامی ہو گی یا وہ انتقام لے گا۔ اس لیے پہلے اسے جانا چاہئے اور اس کے بعد اس کی سپردگی سے لے کر آصف خاں کی سپردگی میں دے دیا۔ (30)

---

(26) جہانگیر (راجرس و بیورتج) جلد اول صفحہ 252۔

(27) جہانگیر (راجرس و بیورتج) جلد اول صفحہ 261۔

(28) ایضاً اگرچہ یہ کوشش اس طرح ناکام رہی۔ مگر برسر اقتدار گروہ برابر سازش کرتا رہا اور جس وقت شہزادہ خرم دکن کو روانہ ہو رہا تھا تو اسے اور اس کے رفیقوں نے طے کیا کہ اگر شہزادہ خسرو انی رائے کے قبضہ میں رہا تو خود ان کی خیر نہیں اور یہ کہ اس کی (خرم کی) عدم موجودگی میں شاید اس کی بادشاہ سے مصالحت ہو جائے اور خرم کی تمام امیدیں خاک میں مل جائیں۔ اس لیے انھوں نے پھر بادشاہ کے عزم پر حملہ کیا اور اصرار کیا کہ وہ اپنے لڑکے کو آصف خاں کے سپرد کر دے اور خرم کو اس کا سرپرست بنا دے۔ انھوں نے یہ دلیل دی کہ اس سے خان خاناں اور اس کے حمایتی خائف ہو جائیں گے جب وہ سنیں گے تو کہ شہزادہ پر اتنی عنایت ہے کہ وہ اس کے خلاف جنگ آزما ہونے کو نکل پڑا ہے اور یہ کہ بادشاہ نے اسے آزاد کر دیا ہے جو اس کے برابر ہے جیسے بادشاہی اسی کی ہو اور جانشینی کی امید ہو گئی ہے اور اس کا موجودہ بحال ہے۔ بادشاہ جس نے خود کو ایک عورت کے اختیار میں دیدیا ہے۔ اپنے لڑکے کو سازشوں سے محفوظ نہ کر سکا۔ یا تو خود اس کے حوصلہ پر اس کی نظر نہیں ہے اور یا اسے اپنی بات پر بہت زیادہ بھروسہ ہے اور اس پر راضی ہو گیا ہے۔ چنانچہ آج وہ انی رائے کی حفاظت سے نکال لیا گیا اور آصف خاں نے جو سپاہی تعینات کیے تھے ان کے حوالے کر دیا گیا ہے اور دو سو شہزادہ کے سواروں کی مدد سے رو جلد دوم صفحہ 3 پرچہ جات (جلد چہارم صفحات 322 تا 363) پرانا ایڈیشن جلد اول صفحہ 555۔

(29) سر طامس رو نے شاہی محل کے اندر سنسنی کے بارے میں جو باتیں سنیں انھیں بڑی تفصیل سے بیان کیا ہے "اس کی (خسرو کی) بہن اور حرم شاہی کی دوسری عورتیں غمگین ہیں۔ گوشت کھانا ترک کر دیا ہے اور بادشاہ کے سنھیاپے اور ظلم پر ماتم کر رہی ہیں اور کہتی ہیں اگر وہ مر گیا تو محل کی سو عورتیں اس کے سوگ اور بادشاہ کی اپنے بیٹے کی قربانی پر جل مریں گی۔ بادشاہ تسلی کی باتیں کرتا ہے اور قسم کھاتا ہے کہ وہ شہزادہ کا برا نہیں چاہتا اور اس کی رہائی کا وعدہ کرتا ہے اور عورتوں کے غصہ کو ٹھنڈا کرنے کے لیے نور محل کو اس کے پاس بھیجتا ہے مگر وہ کوستی ہے اور دھمکاتی ہیں اور نور محل کے سمجھانے کو نہیں مانتی ہیں۔ رو (جلد دوم صفحہ 293) خود شہزادہ کے متعلق وہ کہتا ہے کہ اس نے گوشت کھانا ترک کر دیا ہے اور اپنے باپ سے خواہش کرتا ہے کہ وہ قتل کر دے مگر دشمنوں کو کامیاب و مسرور نہ کرے۔

(30) جہانگیر (راجرس و بیورتج) جلد اول صفحہ 236۔ بادشاہ صرف یہ کہتا ہے کہ شہزادہ جو بغرض حفاظت رائے کی سپردگی میں تھا آصف خاں کو سپرد کر دیا گیا۔ لیکن سر طامس رو کامیاب سازش کی دلچسپ تفصیل بیان کرتا ہے جس کے نتیجہ میں خسرو کو آصف خاں کے سپرد کیا گیا۔ شاید یہ محض دربار کی گپ ہو جس کی کچھ بنیاد ہو۔ لیکن رائے عامہ کے رجحان کو ظاہر کرنے کے لیے اور بادشاہ کی بار بار رائے بدلنے کے سلسلہ میں یہ قابل لحاظ ہو۔ ہمیں بتایا گیا کہ برسر اقتدار گروہ نے یہ طے کیا کہ اگر شہزادہ خسرو جس سے امرا محبت کرتے ہیں۔ اگر زندہ رہا تو خود ان کی خیر نہیں ہے اور اس کی آزادی یا زندگی ان کے حوصلوں پر بروقت کاری ضرب لگائے گی اس لیے انھوں نے کوشش کی کہ شہزادہ کو کس طرح اپنے اختیار میں لایا جائے تاکہ زہر سے اس کا خاتمہ

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر....)

لڑکے کو اور اس طرح ان کے خون سے یہ نوجوان (خرم) تخت شاہی پر بیٹھے گا۔ اس کی دوبارہ سپردگی کے متعلق نئی توقعات پیدا ہو کر گشت کرتی ہیں مگر ختم ہو جاتی ہیں۔ ہر شخص اپنے اندیشہ یا خواہش کے مطابق بات کرتا ہے۔ سارے دربار میں کانا پھوسی ہو رہی ہے۔ امرا اور عوام الناس پر غم واندوہ مسلط ہے اور طرح طرح کی افواہیں اور آوازیں سنائی دیتی ہیں جن کا نہ سر ہے نہ پیر۔ بس یہ ابھرتی ہیں اور دب جاتی ہیں اور کوئی نتیجہ نہیں نکلتا۔ (31)

اس وقت بھی کہا جاتا ہے کہ خرم اپنے بھائی کو ختم کرنے کی کوشش میں لگا ہے۔ (32) اس تمام مدت میں امیدوں اور حوصلوں اور رقیب پارٹیوں کی سازشوں اور ریشہ دوانیوں سے دربار میں مسلسل ہیجان ہے۔

خانہ جنگی کا اندیشہ

قطعی طور پر خیال کیا جا رہا ہے کہ جہانگیر کے انتقال پر ایک دوسرے کے رقیب شہزادوں میں خانہ جنگی ہوگی۔ سر طامس رو نے اپنا یہ فرض سمجھا کہ ایسٹ انڈیا کمپنی کو آگاہ کر دے کہ وہ اس ملک میں اپنے کاروبار کو زیادہ نہ پھیلائے اس کے ایجنٹوں کو چند جگہوں میں جمع ہو جانا چاہئے اور ملک کی سیاست میں حصہ لینے سے پرہیز کرنا چاہئے۔ (33)

(باقی حاشیہ نمبر .... 30) کر دیا جائے۔ نور جہاں نے عورتوں کے ناز و انداز اور خوشامد اور دکھاوے آنسوؤں کی مدد سے بادشاہ پر یہ اثر ڈالا کہ خسرو سے اندیشہ ہے اور اس کا بادشاہ بننے کا حوصلہ پست نہیں ہوا ہے۔ بادشاہ نے بات سنی اور تسلی دی مگر جتنی بات صاف صاف کہی گئی تھی اس سے زیادہ کچھ نہ سمجھا۔ اس ترکیب میں ناکارہ ہو کر انہوں نے بادشاہ کے شراب سے مست ہونے کا انتظار کیا۔ شہزادہ اور اعتماد الدولہ اور آصف خاں نے بادشاہ کو یہ سوجھایا کہ سلطان خسرو کی زندگی اور عزت کے لیے یہ زیادہ مناسب ہوگا کہ بجائے غیر مسلم راجپوت کے وہ اپنے بھائی کی سپردگی میں رہے جس کی صحبت خوشگوار ہوگی۔ اس لیے انہوں نے عاجزی سے التجا کی اور بادشاہ نے اسے منظور کر لیا۔ اور پھر سو گیا۔ ان لوگوں نے خود کو بادشاہ کے حکم سے مضبوط کرنا مناسب سمجھا جس سے سرتابی کی کسی کو جرأت نہ ہوگی۔ چنانچہ اسی رات کو آصف خاں ایک محافظ فوجی دستہ لے کر رائے کے یہاں گیا اور اس سے کہہ کر خسرو کو حاصل کر لیا... رائے بیچارہ ملازم تھا۔ تاہم وہ بغیر شاہی حکم کے کسی اور کے حوالے شہزادہ کو نہ کر سکتا تھا۔ اب وہ بادشاہ کی سپرد کی ہوئی ذمہ داری سے آزاد ہو کر آرام کی نیند سونے لگا۔ اس جواب سے سب مطمئن ہو گئے اور انی رائے کو شہزادہ کے متعلق حکم لینے اور اپنے جواب کی اطلاع دینے بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا کہ بادشاہ نے اپنے لڑکے کو اس کے حوالے کیا تھا اور اسے چار ہزار کا منصب دیا تھا اس لیے وہ محل کے دروازے پر جان دے دیگا۔ مگر شہزادے کو اس کے دشمنوں کے حوالے نہ کرے گا۔ اگر بادشاہ کی یہی خواہش ہے تو وہ اس کی تعمیل کرے گا۔ مگر اپنی بے قصوری ثابت کرے گا۔ بادشاہ نے جواب دیا "تم نے ایمانداری اور وفاداری سے کام اور مناسب جواب دیا۔ اب اپنا ارادہ مضبوط رکھو اور کسی کے حکم کی پروانہ کرو۔ میں اس سے بے خبری ظاہر کروں گا اور تم اپنی رائے نہ بدلو۔ نہ وفاداری سے منہ موڑو میں دیکھتا ہوں کہ وہ کیا کرتے ہیں۔" دوسرے دن شہزادہ اور مخالف گروہ نے بادشاہ کو خاموش پا کر یہ خیال کیا کہ اس نے شراب کے نشہ میں جو کہا تھا وہ بھول گیا ہوگا اور اجازت یا انکار کا لحاظ کئے بغیر معاملہ کو وہیں چھوڑ دیا۔

(31) رو جلد دوم صفحہ 294۔

(32) رو صفحہ 299 (پرچہ جات جلد چہارم صفحہ 404۔

(33) آف سر طامس رو صفحات 383، 295۔

نیز ہلفورڈ کا خط سر طامس اسمتھ کے نام خطوط موصولہ جلد ششم صفحات 134 تا 135۔

نواں باب

ہنگامے اور شورشیں

داخلی امن 1605-1623ء

شہزادہ خسرو اور شہزادہ خرم کی بغاوتوں کے درمیان سترہ سال مغل سلطنت میں بحیثیت مجموعی پورے امن وامان سے گزرے۔ جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ ملک کے اندر بکثرت آزاد ریاستیں ہیں۔ نقل وحمل کی عظیم مشکلات ہیں حکومت کی فوج اور مسلح ہجوم میں برائے نام ہی فرق ہے۔ گاؤں کے لوگوں میں لگان دینے سے انکار کرنے کا رجحان ہے اور سب سے آخر میں لیکن سب سے اہم یہ کہ سرحدوں پر طاقتور دشمن موجود ہیں تو ہمیں مغل حکومت کے معقول نظم ونسق اور طریق کار کی تعریف کیے بغیر چارہ نہیں رہتا۔ اس زمانہ کے غیر ملکی سیاح متعدد ڈاکوؤں اور لوٹ مار کا ذکر کرتے ہیں مگر یہ سب سرحدوں اور راستوں پر ہوئے۔

ہنگامے اور بغاوتیں

چند ہنگامے اور شورشیں مقامی نوعیت اور مختصر مدت کی ضرور ہوئیں۔

رائے رائے سنگھ

رائے رائے سنگھ اور بیکانیر کے دلیپ سنگھ کو خسرو کی بغاوت سے یہ جرأت ہوئی کہ ناگور کے قریب شورش برپا کریں۔(1)

رام چندر بندیلہ

رام چندر بندیلہ نے اس بنا پر علم بغاوت بلند کر دیا کہ اس کے بھائی ابوالفضل کے قاتل بیر سنگھ کے ساتھ بڑی جانب داری ہوتی جاتی ہے مگر اسے شکست دے کر گرفتار کر لیا گیا اور بادشاہ کے ساتھ اپنی لڑکی بیاہ دینے پر مجبور کر دیا گیا۔(2)

سنگرام

بہار کے ایک زمیندار کو شاید خسرو کے واقعہ سے بغاوت کی جرأت ہوئی مگر جہانگیر قلی خاں

---

(1) ماقبل باب پنجم۔ گلیڈون صفحہ 12۔
(2) ماقبل باب پنجم۔ گلیڈون صفحہ 14۔

کے گورنر بہار سے مقابلہ میں وہ شکست کھا کر قتل ہو گیا۔ (3)

قطب

قطب کی شہزادہ خسرو کی بھیس میں عجیب و غریب بغاوت (4) کے علاوہ دہلی کے جوار میں بھی 1610ء میں شورش ہوئی جسے معظم خاں نے آگرہ سے آکر فرو کیا۔ (5)

قنوج و کالپی

اگلے سال ایسے ہی ہنگامے قنوج اور کالپی میں ہوئے جنھیں خان خاناں نے فرو کیا جس کی جاگیر اسی طرف کے علاقہ میں تھی۔

دلپت کی شکست گرفتاری اور سزائے موت

14-1613ء میں دلپت کو اس کے بھائی راؤ سورج سنگھ نے گدی سے اتار دیا تھا جس کی وجہ سے وہ بغاوت پر اتر آیا۔ راؤ سورج سنگھ کو اس کی تادیب پر مقرر کیا گیا۔ جس نے اسے سخت شکست دی اور جنوبی پنجاب کی طرف بھگا دیا۔ اسے خوست کے فوجدار حاجی جمال بلوچ نے گرفتار کر کے دربار روانہ کر دیا اور اسے سزائے موت دی گئی۔ (6)

سبحان قلی

ایک معمولی فساد 1618ء میں ہوا جب کہ اکبر کے بہترین شکاری حاجی جمال بلوچ کے لڑکے اور اسلام خاں گورنر بنگال کے قتل کی سازش کرنے والے سبحان قلی اپنی رہائی اور شاہی شکاری کی ملازمت میں شامل ہونے کے بعد گجرات کے دربار سے بھاگ گیا اور آگرہ کے قرب و جوار میں کاشتکاروں سے گھل مل گیا۔ تعاقب کرنے والی شاہی فوج کی آمد پر کاشتکار بھڑک گئے لیکن انہوں نے اطاعت قبول کر لی اور ملزم کو خواجہ جہاں گورنر آگرہ کے بھیجے ہوئے ایک فوجی دستہ کے حوالے کر دیا۔ اسے سزائے موت کا حکم ہوا مگر جلد ہی جہانگیر نے اسے نرم کر دیا لیکن یہ حکم بروقت نہ پہنچ سکا۔ اس وقت سے جہانگیر نے یہ قاعدہ مقرر کیا کہ موت کی سزا شام تک ملتوی رکھی جایا کرے۔

گجرات

گجرات میں سب سے زیادہ چھوٹی چھوٹی شورشیں ہوئیں۔

---

(3) ماثل باب ہفتم۔ جہانگیر (راجرس و بیورج) جلد اول صفحات 173 تا 176۔
(4) جہانگیر (راجرس و بیورج) جلد اول صفحہ 171۔
(5) جہانگیر (راجرس و بیورج) جلد اول صفحہ 199۔ مآثر الامرا (بیورج) جلد اول صفحہ 57۔
(6) جہانگیر (راجرس و بیورج) جلد دوم صفحات 27 تا 28۔

مظفر گجراتی کا لڑکا

مظفر گجراتی جو اکبر کے عہد میں اپنی وراثت کا زبردست مدعی تھا اس کے ایک لڑکے نے اکبر کے انتقال پر احمد آباد میں علم بغاوت بلند کیا مگر اسے جلد ہی کچل دیا گیا۔(7)

جیت پور کا رئیس

کاٹھیاوار میں جیت پور کے شورہ پشت رئیس نے 1617ء میں کچھ شورش برپا کی۔ فدائی خاں کے ماتحت جو فوج اس کی تادیب کے لیے مقرر کی گئی اس سے وہ بچ کر جنگلوں میں چھپ رہا۔ اس کے ہمراہیوں نے فدائی خاں کے بھائی روح اللہ پر بے خبری میں اچانک حملہ کر کے قتل کر دیا۔ لیکن روح اللہ کے سپاہیوں نے پاس کے گاؤں میں آگ لگادی اور اس کے باشندوں کو ذبح کر ڈالا۔

معافی

جیت پور کا رئیس جب بالکل عاجز اور بے بس ہو گیا اور اس نے اطاعت قبول کی اور اسے معاف کر دیا گیا اور درباریوں میں شامل کر لیا گیا۔(8)

فوجیوں اور کاشتکاروں میں جھگڑا

1612ء میں ٹھٹھہ کے اندر فوجیوں اور کاشتکاروں میں جھگڑا ہو گیا۔ جہانگیر نے محل کے بخشی عبدالرزاق کو بحال کرنے کے لیے بھیجا اور یہ کوشش کی کہ رعایا اور فوجیوں میں میل ہو جائے۔(9)

لیکن یہ سب مقامی معاملات تھے جن میں جان و مال کا زیادہ نقصان نہیں ہوا اور جنھیں فوراً دبا دیا گیا البتہ سرحدی صوبوں کا حال اس سے مختلف تھا۔

پورتگالی

مغربی ساحل پر پورتگالیوں نے سخت تکلیفیں پہنچائیں۔ مختلف قوم کے یورپین تاجروں، انگریز، ڈچ اور پورتگالیوں کی سمندر میں باہمی آویزشیں حکام شاہی کے لیے سخت پریشان کن تھیں۔ جہانگیر خود گوا کے پورتگالی حکام سے دوستانہ تعلقات رکھنے کا خواہاں تھا۔ 1607ء میں اس نے مقرب خاں کو پادری پنہیرو کے ساتھ بطور سفیر کے گوا بھیجا مگر 1611ء میں سورت کے قریب پورتگالیوں نے سارے ہی جہازوں پر قبضہ کر لیا جن میں مادر ملکہ کا بھی حصہ تھا اور جن میں کم از کم تیس لاکھ کا خزانہ تھا بادشاہ سخت برافروختہ ہوا اور مقرب خاں گورنر سورت کو تاوان وصول کرنے بھیجا۔ مغل گورنر نے اپنی بحری کمزوری کی تلافی کے لیے جو مغل دفاعی قوت کا کمزور ترین پہلو تھا بڑی عقلمندی اور ہوشیاری سے انگریز بحری کپتان

---

(7) جہانگیر (راجرس و بیورج) جلد اول صفحات۔

(8) جہانگیر (راجرس و بیورج) جلد اول صفحات 389، 390، 391، 393 مآثر الامرا (بیورج) جلد اول صفحات 560 و 561 جیت پور کے رئیس کے لیے دیکھو رٹ جلد دوم صفحات 258۔ امپیریل گزیٹر آف انڈیا جلد سوم صفحہ 192۔

(9) جہانگیر (راجرس و بیورج) جلد اول صفحہ 225۔

ڈاونٹن کو ملا لیا۔ بعد کی جنگ میں پور تگالی وائسرائے کی سخت گوشمالی ہوئی اور بالآخر انگریزی بحری بیڑہ نے اسے سخت شکست دے دی۔ اسی دوران میں شاہی فوجوں نے دمن کا محاصرہ کر لیا۔ مغل سلطنت میں جتنے پور تگالی رہتے تھے وہ تقریباً سب گرفتار کر لیے گئے حتیٰ کہ پادری جیروم زلویر کو بھی مقرب خاں کی حراست میں دیدیا گیا۔ پور تگالی مشنریوں کو جتنی رعایتیں ملی ہوئی تھیں وہ منسوخ کر دی گئیں اور ان کے مذہب اور عبادت کو ممنوع کر دیا گیا۔ دربار میں پور تگالیوں کو نظر انداز کر کے ظاہر اً انگریزوں پر نظر عنایت ہونے لگی۔

اس طرح ہر طرف سے عاجز ہو کو پور تگالیوں نے صلح کی بات چیت شروع کی۔ دونوں طرف سے کافی بھاؤ تاؤ اور لیت و لعل کے بعد ایک معاہدہ ہو گیا اور جہانگیر کے عہد میں مغلوں اور پور تگالیوں کے درمیان کوئی جنگ نہیں ہوئی۔ (10)

بنگال

پورب کی طرف بنگال میں طویل خانہ جنگی کی صورت پیدا ہو گئی۔ دوآبہ کے حکمرانوں کو ہمیشہ گنگا کے دہانہ کے مثلث پر اپنا اثر قائم کرنے میں دشواری ہوئی۔

جغرافیائی حالات

سیکڑوں چشمے جو پانی سے لبریز زمین پر بہتے ہیں حملہ آور فوجوں کی نقل و حرکت میں سخت حارج ہوتے ہیں۔ بارش ساری سرزمین کو سیل آب بنا دیتی ہے اور حملہ آور بے بس ہو جاتا ہے۔ بارش کے بعد ملیریا کی آفت آتی ہے۔ دوسری طرف دفاع کرنے والوں کے لیے ناقابل گذر جنگل بڑی محفوظ پناہ گاہ ہیں جہاں سے وہ کبھی باہر نکل کر غنیم پر چھاپہ مارتے ہیں اور آفات ارضی و سماوی میں جو کسر رہ گئی ہو اسے پوری کر دیتے ہیں۔

تاریخ

سلاطین کے عہد میں 1206ء و 1526ء بنگال کا بیشتر حصہ عملی طور پر آزاد رہا۔

بابر نے جب بالائی حصہ ملک کو فتح کیا تو بنگال کے معزول افغان شاہی خاندان اور قسمت آزماؤں کا آماجگاہ بن گیا۔ ہمایوں کے عہد میں افغانوں کی تاریخ میں سب سے بڑے ماہر جنگ اور مدبر نے مختلف عناصر کو چھوڑ کر ایک جتھا بنا لیا۔

---

(10) جہانگیر (راجرس و بیوریج) جلد اول صفحات 255، و 274 معتمد خاں اور خافی خاں ایک مختصر سے بیان کے ساتھ اس واقعہ سے گذر جاتے ہیں۔ گلیڈون صفحہ 28۔ ماسٹر انٹروڈکشن ٹو ایمبیسی آف سر طامس رو صفحات 10 تا 13۔ خطوط موصولہ جلد دوم صفحہ 107۔ پور تگالیوں کے معاصر حالات کے لیے سر طامس رو، ٹیری، ہاکنس، ڈاونٹن، پی ڈیلاویل، بے رارڈ، ڈی لاول، طامس بسیٹ، ڈان رو آٹ ڈی ملسس کے بیانات۔ حال کی تاریخوں میں ڈانور کی پور تگیزون انڈیا، ہنٹر س ہسٹری آف برٹش انڈیا۔ اسناد کی پوری فہرست کے لیے نالیٹ کا مضمون جنرل آف ایشیاٹک سوسائٹی بمبئی صفحات 193 تا 208

شیر شاہ

جغرافیائی حالات اور اپنے ساتھیوں کے اسلحہ کی مدد سے شیر شاہ نے بکھرے ہوئے مغلوں کو ہندوستان سے نکال باہر کیا اور یادگار خاندان سوری کی بنیاد رکھی۔

انتشار و بربریت

1556ء میں مغل اقتدار بحال ہونے پر بنگال بہت دنوں تک آزاد رہا لیکن انتشار اور خانہ جنگی میں مبتلا رہا۔ مغل فتوحات کے سیلاب سے بھاگتے ہوئے افغان امرا آپس میں لڑتے جھگڑتے، غارتگری کرتے اور جسے چاہا قتل کرتے رہے۔

اکبر کے عہد میں

74-1573ء میں اکبر کے عہد میں ایک زبردست فوج بھیجی جس نے برائے نام بادشاہ داؤد کو عاجزانہ محکومی قبول کرنے پر مجبور کردیا اور سارے صوبہ میں مغل اقتدار کا نفاذ ہوگیا۔ لیکن افغان اس جوئے کو اتارنے کی بھرپور کوشش کئے بغیر مایوسی سے بیٹھ رہنے والے نہ تھے۔ 1575ء میں داؤد نے ایک زبردست فوج جمع کی اور مغل گورنر کی موت سے فائدہ اٹھا کر اپنی خودمختاری کا اعلان کردیا۔ مغل اقتدار کو پھر سے بحال کرنے میں ایک سال سے زیادہ مدت صرف ہوئی اور افغان موقع کے منتظر رہے داؤد کی گدی قتلو خاں کو ملی اور پھر اس کے دست راست عیسیٰ خاں اور اس کے بعد سلیمان کو جو مغلوں سے لڑتے ہوئے جلد ہی ختم ہوگیا اور اس کے بعد اس کے منجھلے لڑکے عثمان کو گدی ملی۔

عثمان

بنگال میں افغانوں کا آخری نمائندہ عثمان مضبوط اور بھاری جسم کا تھا اور بہت جسمانی قوت رکھتا تھا۔ وہ بہادر اور باہمت تھا اور اس کے ساتھ ہی اس میں بڑی جنگی ذہانت تھی اور اپنے فطری جوش سے اپنے ساتھیوں کو متاثر کرنے کی صلاحیت رکھتا تھا۔ اپنے نامور پیشرو شیر خاں کی طرح وہ بہت دنوں تک موقع کا انتظار کرتا رہا اور دلی نفرت کے باوجود مغلوں سے میل جول رکھا اور ان سے وفاداری ظاہر کرکے پانچ لاکھ روپیہ قیمت کی جاگیر حاصل کرلی لیکن 1592ء میں اس نے اپنے چہرہ سے نقاب الٹ دی اور خواجہ سلیمان سے مل کر اڑیسہ پر حملہ کردیا۔ جو حال ہی میں مغلوں کے لیے راجہ مان سنگھ نے فتح کیا تھا۔ دلیرانہ حملہ تو دبادیا گیا لیکن بنگال و اڑیسہ میں امن وامان قائم کرنے کی کوشش میں مان سنگھ کو اپنی ساری صلاحیت صرف کردینا پڑی۔ (11)

بارہ بھیا

افغانوں کے علاوہ مغلوں کو بنگال کے بارہ رئیسوں کا بھی تدارک کرنا پڑا جنھیں بارہ بھیا کہتے تھے اور جن کا لیڈر راجہ پرتاپ دتیہ تھا۔ بنگالی روایات کے بموجب مغلوں کی مزاحمت کے روح رواں یہی

---

(11) اسٹوارٹ (ہسٹری آف بنگال صفحہ 133 بنگباسی پریس کلکتہ ایڈیشن 1910ء صفحہ 214) نے غلطی سے عثمان کو قتلو کا بیٹا لکھا ہے دیکھو ڈورن کی مخزن افغانی صفحہ 179۔ بو کین صفحات 520۔ 521۔

تھے۔ لیکن دراصل افغانوں کے مقابلہ میں جو زیادہ مسلح تھے ان کی ماتحت حیثیت تھی۔ تاہم انہوں نے بنگال کے انتشار کو بد سے بدتر بنانے میں کافی حصہ لیا۔ (12)

مگھ

بنگال کی سرحد کے اس پار آسام اور اراکان تھے جن سے مغلوں کا تنازعہ جہانگیر کے انتقال کے بہت دنوں بعد تک نہیں ہوا لیکن ایک نیم وحشی منگول قبیلہ نے جسے مگھ کہتے تھے کچھ شورش برپا کی۔ (13)

عثمان کی بغاوت 1599ء

گورنر بنگال راجہ مان سنگھ اکثر حاضر دربار ہوتا یا راجپوتانہ میں رہتا اور بنگال کا انتظام اپنے لڑکے جگت سنگھ کو سپرد کر رکھا تھا۔ 1599ء میں جبکہ سلطنت کی بہترین فوجوں کے ساتھ دکھن میں تھا۔ مان سنگھ کو میواڑ کی تسخیر میں شہزادہ سلیم کی مدد پر مقرر کیا گیا۔ عین اس زمانہ میں جگت سنگھ کا انتقال ہو گیا اور اس کا لڑکا مہا سنگھ جانشین ہوا۔ یہ صورت حال تھی جب عثمان نے علانیہ بغاوت کر دی اور بھدارک کے قریب مہا سنگھ کو سخت شکست دے دی۔ اس نے کئی قلعوں پر قبضہ کر لیا اور کئی ضلعوں میں اپنی حکومت قائم کر دی۔ گولہ بارود کا بہت بڑا ذخیرہ اس کے ہاتھ لگ گیا اور اسے یہ دیکھ کر اطمینان ہوا کہ اس کے آدمیوں میں روزانہ اضافہ ہو تا جا رہا ہے۔

مان سنگھ کی فتوحات

راجہ مان سنگھ اپنی فوجوں کو لے کر تیزی سے بنگال پہنچا اور باغیوں کو شکست پر شکست دی اور اس کے توپ خانہ نے بہار در افغانوں کا قلع قمع کر دیا۔ شاہی وقار تو بحال ہو گیا لیکن امن و امان کی منزل ابھی بہت دور تھی۔

---

(12) بارہ بھیون اور خاص کر پرتاپ دتیہ کے حالات میں بہت سا افسانوی عنصر شامل کر دیا گیا ہے۔ دیکھو بنگالی تاریخیں۔ نکھل رائے ناتھ کی پرتاپ دتیہ۔ ستیہ چرن شاستری کی پرتاپ دتیہ، ڈی لاسٹ ہندو کنگ آف بنگال جس میں بظاہر پرتاپ دتیہ کے تاریخی سوانح دیئے گئے ہیں۔ ایک بنگالی ناول منگا دھیپ پرابجے اور ایک ڈرامہ بنگش پرتاپ دتیہ میں بہت سی مروج مقامی روایتوں سے مدد لی گئی ہے۔ نیز دیکھو بنگال کی دو اور تاریخیں نکھل رائے کی ہسٹری آف مرشد آباد اور آر ڈی بنرجی کی ہسٹری آف بنگال۔ زیادہ تنقیدی مواد کے لیے دیکھو بیوریج جرنل آف ایشیاٹک سوسائٹی بمبئی 1904ء صفحات 57 تا 63 ڈاکٹر جیمس وائز کے مضامین جرنل آف ایشیاٹک سوسائٹی بمبئی 1874ء صفحات 194 تا 214 جرنل آف ایشیاٹک سوسائٹی بمبئی 1875ء صفحات 181 تا 183۔ فادر ہوسٹن جرنل آف ایشیاٹک سوسائٹی بمبئی 1913ء صفحات 437 تا 449 بنگالی تصانیف اور نیز ان مضامین میں پرتگیزوں اور اراکانیوں کے متعلق بھی بعض معلومات ہیں۔

(13) 1613ء میں اسلام خاں گورنر بنگال کا لڑکا ہوشنگ مگھ کے چند آدمیوں دربار میں لایا۔ ان کی شکل و صورت اور اطوار سے جہانگیر کو سخت تنفر ہوا اور اس نے لکھا "مختصر یہ کہ وہ انسانی شکل میں حیوان ہیں۔ وہ زمین اور سمندر کی ہر چیز کھا لیتے ہیں اور ان کے مذہب میں کوئی چیز ممنوع نہیں ہے۔ انہیں کسی کے ساتھ کھانے میں عذر نہیں ہوتا اور وہ اپنی سوتیلی ماں کی لڑکیوں کے ساتھ شادی کر لیتے ہیں۔ ان کے چہرے تو قرا قلماق جیسے ہیں مگر ان کی زبان تبتی ہے جو ترکی سے بالکل مختلف ہے۔ ان کا کوئی باضابطہ مذہب نہیں اور نہ کوئی دستور جسے مذہب کہا جا سکے۔ مسلمانوں سے وہ بہت دور ہیں اور ہندوؤں سے بھی بالکل الگ ہیں۔ (راجرس و بیوریج) جلد اول صفحہ 236 معتمد خاں، کامگار اور خافی خاں نے بھی یہی لکھا ہے۔

بنگال میں بدامنی

1604ء میں مان سنگھ دربار کو واپس ہو گیا اور افغانوں نے پھر سر اٹھایا۔ اس مرتبہ انھوں نے منظم بغاوت نہیں کی بلکہ شاہی علاقہ میں لوٹ مار کرتے اور شاہی علاقہ کی باشندوں کو پریشان کرتے رہے۔

1605ء تا 1608ء

جہانگیر کے عہد کے ابتدائی تین برسوں میں یہی صورت رہی 1606ء میں مان سنگھ کی جگہ قطب الدین کا تقرر ہوا جو اگلے سال قتل ہو گیا۔ اس کا جانشین جہانگیر قلی خاں سن رسیدہ آدمی تھا اور آب وہوا کی ناموافقت سے سال کے اندر ہی فوت ہو گیا (14) حکام کی اس جلد جلد تبدیلی کی وجہ سے امن وامان بحال کرنے کی موثر کوشش نہ ہو سکی۔

اسلام خاں گورنر بنگال

اگلے گورنر اسلام خاں (15) کو خاص کر بڑھتے ہوئے خلفشار کو دور کرنے کی ہدایت کی گئی۔ اس کی کم عمری سے درباری حلقوں میں شکوک وشبہات کا اظہار کیا گیا (16) مگر اس پر اعتماد کیا گیا جس پر وہ پورا اترا۔

مستقر کی تبدیلی

سب سے پہلا کام اسلام خاں نے یہ کیا کہ حکومت کے مستقر کو راج محل سے ڈھاکہ منتقل کر دیا اور ڈھاکہ کا نام جہانگیر نگر کر دیا تاکہ وہاں سے صرف عثمان اور اس کے حلیف زمین داروں کا بلکہ مگھ کا کا بھی مؤثر طور پر تدارک ہو سکے۔ (17)

زمینداروں کا استیصال اور عثمان سے مقابلہ کی تیاری

جیسے ہی زمینداروں کو تقریباً اطاعت شعاری پر مجبور کیا جا چکا اسلام خاں نے عثمان کے

---

(14) جہانگیر (راجرس وبیورج) جلد اول صفحہ 78۔ اقبال نامہ 19۔ نیز جہانگیر (راجرس وبیورج) صفحات 192 و 208 اقبال نامہ صفحہ 24۔

جہانگیر قلی خاں جس کا اصلی نام لالہ بیگ تھا۔ محمد حاکم کے ایک غلام کا لڑکا تھا۔ محمد حاکم کے انتقال کے بعد وہ اکبر کی ملازمت میں ہو گیا اور شہزادہ سلیم کے ہمراہیوں میں تعینات کر دیا گیا۔ (دیکھو اقبال نامہ صفحات 33 و 34) مآثر الامرا۔

(15) جہانگیر (راجرس وبیورج) جلد اول صفحہ 32۔

(16) جہانگیر (راجرس وبیورج) جلد اول صفحہ 208۔

(17) جہانگیر (راجرس وبیورج) جلد اول صفحہ 209 رحمان علی کی تاریخ ڈھاکہ۔ بنگال پاسٹ اینڈ پریزنٹ 1909ء صفحات 212 و 213 سترہویں صدی میں ڈھاکہ کے حال کے لیے دیکھو پیڈرو مسٹر دفر سیاسین ماتر ک ترجمہ بنگال پاسٹ اینڈ پریزنٹ 1916ء جلد 13 صفحات 2 تا 3 تھیونات جلد سوم صفحہ 68۔ بادری صفحات 149 تا 150 تو ریز جلد اول صفحہ 128 حصہ دوم صفحہ 55۔ نیز امپیریل گزیٹر آف انڈیا۔

استیصال کی وسیع پیمانہ پر تیاری شروع کردی۔ شجاعت خاں (18) جو شیخ سلیم چشتی کی اولاد میں تھا اور شہزادہ سلیم کا رفیق اور دوست اور شاید اسے بغاوت پر ابھارنے والا بھی اور جسے شہزادہ نے تخت نشین ہوتے ہی اعلیٰ منصب پر سرفراز کردیا تھا۔ اسے اس مہم کا سپہ سالار بنایا گیا۔

دوسرے ماتحت افسران

مقتول قطب الدین خان کا لڑکا کشور خاں اور افتخار خان، سید آدم بارہہ، مقرب خاں کا بھتیجہ شیخ اچھے اور اہتمام خاں دوسرے ماتحت افسران تھے۔ مرزا مراد کا لڑکا میر قاسم فوج کا بخشی اور وقائع نویس مقرر کیا گیا۔

اسلام خاں کے قتل کی سازش

قرب وجوار کے کئی زمینداروں کو راستہ بتانے کے لیے ساتھ لیا گیا۔ ٹھیک اسی زمانہ میں عثمان نے سبحان قلی کو (جو اکبر کے بہترین میر شکار حاجی جمال بلوچ کا لڑکا اور اسلام خاں کے ہر وقت ساتھ رہنے کا ملازم تھا) اسلام خاں کو قتل کرنے پر اجرت دے کر مامور کیا گیا۔ مگر سازش کا حال قبل از وقت ایک سازشی نے کھول دیا جسے سبحان قلی نے رازدار بنایا تھا۔ (19)

فوج کی ڈھاکہ سے روانگی

نیک ساعت میں فوج ڈھاکہ روانہ ہوئی اور تقریباً سو کوس کا سفر طے کر کے ایک مقام پر پہنچی جہاں سے عثمان کے قلعوں پر حملہ کیا جاسکتا تھا۔

مصالحت کی ناکام کوشش

ایک آخری کوشش افغانوں کو پرامن طور پر ہتھیار ڈال دینے پر آمادہ کرنے کی گئی مگر یہ قطعاً

---

(18) اس کا اصلی نام شیخ کبیر تھا۔ شجاعت خاں کا خطاب اسے باغی شہزادہ سلیم نے دیا تھا۔ جس نے تخت نشیں ہونے پر اسے ایک ہزار کا منصب دار کردیا (جہانگیر راجرس وبیورتج جلد اول صفحہ 209) 1607ء میں اسے پندرہ سو ذات اور ایک ہزار سوار پر ترقی ملی اور دکھن پر فوجی خدمت پر بھیجا گیا۔ جہاں اسے ہراول کا عہدہ ملا جسے سادات بارہہ اپنا موروثی حق سمجھتے تھے۔ (ایضاً صفحہ 113 بلوکمین صفحات 519 تا 520) 1611ء میں وہ دکھن سے واپس بلایا گیا اور دو ہزار ذات و ڈیڑھ ہزار سوار کے منصب پر ترقی دے کر اسلام خاں کی مدد پر بھیج دیا گیا۔ بادشاہ کا یہ بیان کہ "میں نے اسے بنگال میں اسلام خاں کی مدد پر بھیجنے کے لیے دکن سے واپس بلالیا۔ مگر دراصل وہاں مستقل تعینات کرنے کے لیے اور صوبہ کا انتظام ہاتھ میں لینے کے لیے رپورٹ کرنے والے کی غلطی پر مبنی ہے اور اس کے بعد کا فقرہ پڑھنے پر یہ بالکل بے معنی ہو جاتا ہے۔ اسلام خاں 1623 تک برابر بنگال کا گورنر شجاعت خاں کی شجاعت وجوانمردی کی بادشاہت بہت زیادہ تعریف کرتا ہے۔ نیز دیکھو مآثر الامرا جلد دوم صفحہ 630۔ بلوکمین صفحات 519 تا 520۔

(19) جہانگیر (راجرس وبیورتج) جلد اول صفحات 27، 28 سبحان قلی کو فوراً گرفتار کرلیا اور کئی سال بعد رہا کیا گیا۔

ناکام ثابت ہوئی۔(20)

نیک اجیال کی لڑائی

اتوار 12 مارچ 1612ء (9 محرم) کو شجاعت خاں نے ڈھاکہ سے سو کوس کے فاصلہ پر نیک اجیال کے ایک چشمہ کے دلدل کے کنارے اپنی فوج کی صفوں کو ترتیب دیا۔(21) سید آدم بارہہ شیخ اچھے اور چند دیگر نامی افسران ہراول میں رکھے گئے اور کشور خاں میسرہ پر اور افتخار خاں میمنہ پر قلب میں شجاعت خاں کے لڑکے بھائی داماد اور خود سپہ سالار تھے۔

شاہی فوج کی تیاریاں دیکھ کر افغان پیدل اور سوار فوج بھی قلعوں اور پناہ گاہوں سے باہر آ گئی۔ ان کی قیادت خود عثمان کر رہا تھا جو اپنے غیر معمولی موٹاپے کی وجہ سے ہاتھی کے سوا کسی اور سواری پر نہیں آ سکتا تھا۔ باغیوں نے شاہی فوج پر پوری طاقت سے بھرپور حملہ کیا اور ہراول فوج کو کاٹ کر رکھ دیا۔ نیز میمنہ اور میسرہ کو سید آدم بارہہ، شیخ اچھے، افتخار خاں اور کشور خاں سب قتل ہو گئے۔ شاہی فوج کا صرف قلب اپنی جگہ ڈٹا ہوا تھا اور اب باغیوں نے جم کر پوری قوت سے اس پر حملہ کیا۔ عثمان خود اپنے منتخب ہاتھی باکھلا پر سوار فوج کی قیادت کر رہا تھا(22) شاہی فوج کے بہت سے آدمی قتل یا زخمی ہو گئے مگر بالآخر افغان فوج کی پیش قدمی روکنے میں کامیاب ہو گئے۔

عثمان نے اپنے بپھرے ہوئے ہاتھی کو شجاعت خاں پر حملہ کے لیے بڑھایا اور باوجودیکہ شجاعت خاں نے برچھی تلوار اور خنجر سے مسلسل بھرپور حملے کیے مگر وہ معہ اپنے گھوڑے کے زمین پر گر گیا۔ خوش قسمتی سے گھوڑا اور سوار دونوں زیادہ زخمی نہیں ہوئے تھے۔ اس لیے پھر اٹھ کھڑے ہوئے۔ شجاعت خاں کے داروغہ اصطبل نے ہاتھی کے اگلے پیر پر دو دستی تلوار سے کاری زخم لگایا اور جب ہاتھی آگے کو جھکا تو اس نے فیلبان کو گھسیٹ لیا۔ شجاعت خاں نے جو اب تک پاپیادہ تھا ہاتھی کی مستک پر بھرپور

(20) جہانگیر اور معتمد خاں (صفحہ 61) کے بیان کے بموجب اس موقع پر خوش تقریر لوگ روانہ کیے گئے کہ عثمان کو فہمائش کریں اور اسے وفاشعاری کی راہ پر لگائیں اور بغاوت کی راہ سے ہٹا کر سیدھی راہ پر کریں۔ اسٹوارٹ نے سفرا کے بھیجنے کا وقت اسلام خاں کے گورنر ہونے کے فوراً بعد بتایا ہے کہا جاتا ہے سفیر دلاسے نے فصیح تقریر کر کے افغانوں کو یقین دلانے کی کوشش کہ بادشاہی فوج کو اپنے خلاف بلانا کتنی حماقت کی بات ہے اور مغلوں کا جوا اتار پھینکنا آسان نہیں ہے اور اس کی امید بھی نہیں اور جو افغانوں کے کاندھوں پر اتنا گراں نہ ہوگا جتنا رعایا کے دوسرے طبقوں پر اور امت محمدی میں دونوں کے ایک ہونے کی وجہ سے بحیثیت اولے اقتدار کے ان کا فرض ہے کہ اعلیٰ اقتدار کے سامنے جھکیں اور فاتحوں میں گھل مل جانے کی کوشش کریں۔ دیکھو 226 قوموں کا عروج و زوال مقرر ہوتا ہے۔ افغانوں نے چھ سو سال تک ہندوستان پر مطلقانہ حکومت کی۔ مگر اب قسمت نے عصا مغلوں کے ہاتھ میں دے دیا ہے تو انہیں چاہیے کہ صبر و سکون کے ساتھ اسے برداشت کریں اور مرضی الٰہی کے سامنے سر جھکا دیں۔ اسٹوارٹ ہسٹری آف بنگال۔ نیا ایڈیشن صفحات 237و238۔

(21) میدان جنگ کی صحیح جگہ کا تعین نہ ہو سکا۔ جہانگیر (راجرس و بیورج جلد اول صفحہ 210) میں صرف اس قدر ہے کہ لڑائی ایک نالہ کے کنارے ہوئی تھی جہاں ایک دلدل تھا۔ اقبال نامہ (صفحہ 61) میں بھی یہی الفاظ ہیں۔ مخزن افغانی میں جیسا کہ بلوکمین (صفحہ 520) میں ہے۔ لڑائی کی جگہ نیک اجیال ہے۔ لیکن بلوکمین کا بیان ہے کہ مشرقی بنگال کے پرگنات سرکار محمود آباد (یونہ) اور سرکار بزوجہ (میمن سنگھ لوگرہ) میں اسی نام کے کئی مقام ہیں۔ اسٹوارٹ (صفحہ 134) قدیم ایڈیشن اور صفحہ 238 جدید ایڈیشن) نے غلطی سے اس جگہ کو دریائے سورن ریکھا کے کنارے لکھا ہے جو اڑیسہ میں ہے۔

(22) توزک کے اصل نسخہ میں ہاتھی کا نام لجیت ہے لیکن جیسا کہ بیورج کا بیان ہے کہ برٹش میوزیم کے مخطوطوں میں باکھلا نام ہے۔ اقبال نامہ نے بھی باکھلا بتایا ہے۔

ضربیں لگائیں کہ وہ اچانک خود ہی اپنی فوج کی طرف بھاگ کھڑا ہوا۔

عثمان اب دوسرے ہاتھی پر سوار ہوا اور عین اس وقت جب کہ شجاعت گھوڑے پر سوار ہو رہا تھا۔ دشمن کے ایک دوسرے ہاتھی نے شاہی علمبردار پر حملہ کیا اور گھوڑے اور جھنڈے کو گرا دیا۔ شجاعت نے خود علم بردار اور علم کو اٹھا کر دوسرے گھوڑے پر سوار کر دیا۔ ہاتھی پر ہر طرف سے تیروں خنجروں اور تلواروں کے وار ہوئے اور لڑائی پوری سرگرمی سے جاری رہی۔

عثمان کو مہلک زخم

عین اس وقت کسی نامعلوم آدمی کی بندوق کی گولی سے عثمان کے سر میں مہلک زخم لگا۔ لیکن یہ جانتے ہوئے کہ زخم مہلک ہے عثمان چھ گھنٹے تک اپنی فوج کو لڑاتا اور نقل و حرکت کی ہدایت دیتا رہا۔ میدان خونریز تھا اور لڑائی زوروں پر تھی۔

افغانوں کو شکست

لیکن دن گزرتے گزرتے جنگ کا نتیجہ واضح ہو گیا۔ افغان اپنے لیڈر کی حالت سے سخت بددل ہو کر پسپائی پر مجبور ہو گئے اور شاہی فوج نے ان کا سختی سے تعاقب کیا۔ افغانوں نے اپنے قلعہ بند استحکامات میں پناہ لی اور فی الحال تھکی ہوئی شاہی فوج کے مقابلہ میں بڑی بہادری سے تیزوں اور بندوقوں سے دفاع کیا۔

عثمان کی موت

یہیں انھوں نے رات گزار۔ . کا ارادہ کیا اور یہیں آدھی رات کے وقت عثمان کا انتقال ہو گیا اور اپنے پیچھے کوئی لائق جانشین نہ چھوڑا۔

افغانوں کی قلعہ کی طرف پسپائی

سورج نکلنے سے چند گھنٹہ پیشتر افغان عثمان کی لاش لے کر اور خیمہ و خرگاہ چھوڑ کر اپنے قلعہ کی طرف روانہ ہو گئے۔

تعاقب

خبر رسانوں نے فوراً شجاعت خاں کو اطلاع دی اور شاہی فوج کے تھکے ہوئے افسروں میں اس پر غور ہونے لگا کہ آیا تعاقب فوراً شروع کیا جائے یا ذرا ٹھہر کر کہ اتنے میں معظم خاں کے لڑکے عبدالسلام کی ماتحتی میں تین سو سوار اور چار سو بندوقچیوں کی خوش آئند کمک آ گئی اور فوراً سختی سے تعاقب شروع کر دیا گیا۔

افغانوں نے اطاعت قبول کر لی

افغانوں نے یہ محسوس کر کے کہ اب فرار کی کوئی صورت نہیں رہ گئی۔ ہتھیار ڈال دینے کا فیصلہ کر لیا۔ سابق افغان لیڈر کے بھائی ولی خاں نے شجاعت خاں کو یہ پیغام بھیجا کہ اب چونکہ شورش کی

اصل بنیاد باقی نہیں رہی اس لیے وہ اطاعت کرنے پر تیار ہیں اور اپنی جانوں کی سلامتی کے وعدہ پر اپنے ہاتھی حوالے کر دیں گے۔ شجاعت خاں نے معتقد خاں اور دیگر افسروں کی رضامندی سے فوراً اس کی ضمانت کر لی اور اگلے منگل 14 / مارچ کو ولی اور نیز عثمان کے لڑکوں، بھائیوں اور دامادوں نے اطاعت قبول کر لی۔ انھوں نے انچاس 49 ہاتھی بطور نذر پیش کیے۔ شجاعت خاں ادھار اور بعض شورہ پشت مفتوحہ مقامات پر معتمد افسروں کو تعینات کر کے ولی اور دوسرے افغان یرغمالیوں کو ساتھ لے کر اسلام خاں سے ملنے مستقر کی طرف روانہ ہو گیا۔ (23)

جہانگیر کو اطلاع

ان حالات کی اطلاع 29 / محرم 1021ء مطابق کیم اپریل 1622ء کو اسلام خاں کے مراسلہ سے جہانگیر کو ملی جس پر اسے بڑی خوشی ہوئی۔ چند ہی دن بعد عثمان کا سر اس کے پاس بھیجدیا گیا۔

انعامات

اسلام خاں کا منصب چھ ہزار ذات کا کر دیا گیا اور شجاعت خاں کو علاوہ اس کے منصب میں ایک ہزار ذات کی ترقی کے رستم زماں کا خطاب دیا گیا۔ دوسرے افسران جنھوں نے اس سلسلہ میں نمایاں خدمات انجام دیں تھیں انھیں مناسب انعامات دیے گئے۔ (24) شکست خوردہ غنیم کے لیے جہانگیر نے جیسا کہ اس کا اصول تھا مصالحانہ پالیسی اختیار کی اور باضابطہ طور سے سلطنت کے ساتھ وابستہ کیا اور ان کی صلاحیتوں سے سلطنت کی خدمت لینے کی کوشش کی۔

افغانوں کی تالیف قلب

عثمان کو یقیناً آخری افغان کہا جا سکتا ہے۔ اب مغل سلطنت کو کسی منظم افغان سازش یا شورش یا ملک کے اندر بغاوت برپا کرنے کا اندیشہ نہیں رہا تھا۔ برعکس اس کے افغانوں نے سلطنت کے عمال سے اپنا مناسب حصہ حاصل کیا۔ افغان مورخ نے بڑی فراخ دلی سے جہانگیر کی پالیسی کی ترقی پسندی اور ہوشمندی کا اعتراف کیا ہے اور اس کے نتیجہ میں جو کامیابی ہوئی اس کا ذکر کیا ہے۔

وہ لکھتا ہے کہ "نور الدین غازی (جہانگیر) نے ان کے پچھلے قصوروں کو معاف کیا اور انھیں داد و دہش سے اپنا گرویدہ بنا لیا اور ان پر اتنی توجہ کی کہ انہوں نے آئندہ کسی قسم کی غداری کا خیال اپنے ذہن سے نکال دیا اور خود کو اس کا پابند سمجھا کہ ہمیشہ اس کے مطیع و فرماں بردار رہیں اور اس کے لیے اپنی جان تک قربان کر دیں اور اپنی جفاکشی سے وہ امرائے اعظم کے درجہ تک پہنچ گئے اور بادشاہ کے ہم صحبت ہونے کی

---

(23) بلوکمین (صفحہ 520) کا یہ بیان صحیح نہیں کہ راستہ میں انہیں قتل کر دیا گیا۔ جہانگیر نے دربار میں ان کے پیش ہونے کا ذکر کیا ہے (راجرس و بیورج جلد اول صفحہ 320)۔

(24) عثمان کی بغاوت کے حالات کے لیے دیکھو جہانگیر (راجرس و بیورج) جلد اول صفحات 208 تا 215، 230۔ اقبال نامہ صفحات 60 تا 63 خافی خاں جلد اول 273 ایم جے گلیڈون صفحات 14، 24، 25، 29، ڈورن صفحات 83 تا 184 بلوکمین 340 تا 341 اور 520 تا 521؛ ڈی لائٹ صفحہ 88۔ نوٹ مآثر الامرا جلد اول صفحہ 188۔ بیورج جلد اول صفحہ 210۔

عزت حاصل کرنے کے قابل ہو گئے اور انہوں نے اپنی طرف سے بادشاہ کی نظر عنایت حاصل کرنے میں سبقت کی اور اعلیٰ مناصب اور شاندار خطابات حاصل کیے۔(25)

مگھ

افغان شورش سے فراغت پاتے ہی اسلام خاں نے سرحد کے نیم وحشی اراکانی قبیلہ مگھ کی سرزنش کی تیاری کی جو بنگال کی شورش سے فائدہ اٹھا رہے تھے۔ پرتگالی بحری ڈاکوؤں سے مل کر وہ دریاؤں کا چکر لگاتے اور خضر پور کے دریائے برہم پتر اور ڈھاکہ کے قرب وجوار میں جو مرد و عورت اور بچے ان کے ہاتھ آجاتے انھیں پکڑ کر لے جاتے اور غلام بنالیتے تھے اور پھر خود اپنے گھروں کو واپس چلے جاتے تھے۔ ان کی تادیب کی شدید ضرورت تھی۔ یہ شہرت تھی کہ جہانگیر کا ارادہ اراکان کا سارا علاقہ فتح کرنے کا ہے۔(26) یہ بہت اچھا ہوتا اگر اس نے کبھی ایسا منصوبہ بنایا ہوتا مگر بدقسمتی سے اس نے اسی کو کافی سمجھا کہ پرتگالیوں اور مگھوں نے ڈھاکہ پر حملوں کا تدارک کر دیا جائے اور ایک تعزیری مہم بھیج دی جائے جو زیادہ کار آمد ثابت ہو۔ مگھوں نے ایک مرتبہ پھر سر اٹھایا اور 1616ء میں مغل کماندار مروت خاں کو قتل کر دیا۔(27)۔ چند سال بعد مغلوں نے پھر اس وبا سے نجات حاصل کرنے کی کوشش کی۔ ابراہیم خاں فتح جنگ گورنر بنگال 23-1617ء چاٹگام فتح کرنے اور بدمعاش مگھوں کو تباہ کرنے کو ایک فوج لے کر گیا مگر یہ مہم ناکام رہی۔(28)

شمالی مغربی سرحد

عین اس وقت جب کہ ہندوستان کے مشرق میں افغانوں کو پورے طور پر دبا دیا کر مطیع کر لیا گیا تھا۔ ان کے قدیم ساتھیوں نے مغرب میں ایسی آگ بھڑکائی جسے جہانگیر کے عہد میں انتہائی کوششوں کے باوجود دبایا نہ جا سکا۔ اس میں شک نہیں کہ اپنی جغرافیائی حیثیت اور ہیئت کی بنا پر شمال مغربی سرحد کبھی پرامن اور پابند قانون نہیں رہی۔

---

(25) ڈورن کا ترجمہ نعمت اللہ کی افغانی کا جلد اول صفحہ 184۔

(26) دیکھو بشپ روم پیڈرڈ کا خط گوا کے وائسرائے کے نام مورخہ 19/ مارچ 1612ء جسے فادر ہوسٹن نے جرنل آف ایشیاٹک سوسائٹی بمبئی 1930ء صفحہ 438 میں نقل کیا ہے بحری ڈاکو اپنے قیدیوں کی ہتھیلی میں سوراخ کر کے بید اس کے آر پار کر دیتے تھے اور انہیں اپنے جہازوں پر تلے اوپر ڈال دیتے تھے جیسے مرغیوں کے آگے دانہ ڈال دیا جاتا ہے۔ ان قیدیوں کے آگے صبح و کچے چاول پھینک دیئے جاتے تھے۔ گھروں کو واپس جا کر وہ چند سخت جان قیدیوں سے جو ان کے مظالم سے سلامت رہ جائیں کھیت جوتتے اور ایسے ہی سخت محنت کے کاموں میں ان کی طاقت کے مطابق بڑی ذلت و رسوائی کے ساتھ لگاتے تھے۔ باقی قیدی دکھن کے بندرگاہوں پر ڈچ انگریز فرانسیسی تاجروں کے ہاتھ بیچ دیئے جاتے تھے۔ شہاب الدین طالش کا اسی زمانے کا فارسی بیان باڈلین کے مخطوطہ نمبر 589 میں محفوظ ہے جس کا ترجمہ جادو ناتھ سرکار نے اپنی اسٹیڈیز ان مغل انڈیا کے صفحات 123 تا 124 میں کیا ہے۔

(27) جہانگیر (راجرس و بیورج) جلد دوم صفحہ 93۔

(28) شہاب الدین طالش ترجمہ سرکار کی اسٹیڈیز ان مغل انڈیا صفحہ 123 نیز آثر الامرا بنگال پاسٹ اینڈ پریزنٹ 1909ء صفحات 215 تا 217۔

جغرافیہ

افغانستان اور پنجاب کے درمیان کا علاقہ جو شمال کے برفانی پہاڑی سلسلہ تک پھیلا ہے۔ کئی وادیوں کا مجموعہ ہے جن میں سے بعض تیس تیس میل لمبی ہیں اور سب کی سب تنگ گھاٹیوں پر جا کر ختم ہوتی ہیں جو یا تو اونچی اونچی ڈھلواں پہاڑیوں سے گھری ہوئی ہیں یا گھنے جنگلوں میں جا کر غائب ہو گئیں ہیں۔ ایسا علاقہ حملہ اور فوج کے لیے پیچ در پیچ اور رکاوٹوں سے بھرا ہے لیکن یہاں کے باشندوں کے لیے جو ایک وادی سے دوسری وادی کو جانے والے دروں سے واقف ہیں ایک دوسرے قبیلہ سے ربط قائم کرنے میں آسان ہیں اور یہ قبائل ایسے ہیں کہ راستہ نہ ہونے پر بھی اپنی راہ نکال لیتے ہیں۔

باشندوں کے حالات

یہاں کے لوگ خوبصورت، جفاکش مضبوط اور محنتی ہیں اور انہیں آزادی اپنی زندگی سے بھی زیادہ عزیز ہے۔ ان کی آبادی میں بڑی تیزی سے اضافہ ہوتا ہے اور اپنی تقریباً بنجر زمین کی بجائے ان کی حریص نگاہیں قریب کے سرسبز علاقہ کی طرف رہتی ہیں چنانچہ اخلاقی اقدار کی نشوونما کا انحصار اس ماحول پر ہے جو سرحدی قبائل جیسے نارتھ میں اور ہائی لینڈرس میں پرورش پاتا ہے جن کے نزدیک لوٹ مار نہایت معزز پیشہ ہے۔ وقتاً فوقتاً وہ دریائے سندھ کے اس پار پنجاب کے اضلاع پر چڑھ دوڑتے ہیں۔ انھیں مار کر پیچھے بھگا دینا تو آسان ہے لیکن ان کے پہاڑی مکانوں میں انہیں نظم وضبط پر آمادہ کرنا بے حد مشکل ہے۔ عام طور پر تو وہ آزاد قبیلوں میں رہتے ہیں لیکن عموماً سیاسی خطرہ یا مذہبی جنون کے ابھار پر یہ سب ایک زبردست متحدہ جماعت بن جاتے ہیں۔

بایزید

سترہویں صدی کی آٹھویں دھائی میں مذہبی جنون سے بھرے ہوئے بایزید نے پیغمبری کا دعویٰ کر دیا اور اپنی پرجوش تقریروں اور قیادت کی صلاحیت سے سرحدی قبائل کو اپنے جھنڈے تلے جمع کر لیا اور روشنیہ جماعت قائم کر کے مغلوں کے خلاف اعلان جنگ کر دیا۔

جلال

1558ء میں اس کے انتقال پر اس کا مستعد لڑکا جلال جانشین ہوا اور جلال کو بھی قابل جانشیں در جانشیں ملتے رہے جنھوں نے پڑوسی علاقوں میں مسلسل شورش برپا کر رکھی۔

احداد

1611ء میں احداد نے گورنر خاں اور ان کی عدم موجودگی میں اچانک کابل پر چھاپا مارا۔ معز الملک جو ایک چھوٹے سے فوجی دستہ کا کماندار تھا۔ اس نے رضاکاروں کی ایک بہت بڑی جماعت بھرتی کر لی۔ راستوں کو روک دیا اور مکانوں کو قلعہ بند کر کے بڑی بہادری سے مدافعت کی۔ حملہ آوروں کے کم

سے کم آٹھ سو آدمی بشمول احداد کے خاص لفٹنٹ برگی کے قلعہ کے اوپر سے تیروں اور گولوں کی بارش میں مارے گئے۔ اس دوران میں دیہات کے لوگ اپنی حفاظت میں مسلح ہو گئے تھے اور حملہ آور دونوں طرف سے سے گھر جانے کے خوف سے تیزی کے ساتھ پسپا ہو گئے۔ تھوڑی دور تک نادعلی جولو ہو گر سے چل کر فوراً میدان جنگ میں آگیا تھا اس کا تعاقب کیا۔ کابل تو بچ گیا مگر شورش نہیں دب سکی۔ معزالملک اور نادعلی کے منصب بڑھا دیے گئے اور بے خبر خاں دوران کا منصب گھٹا کر معزول کر دیا گیا اور اس کی جگہ ضعیف العمر وفادار قلیج خاں کو مقرر کیا گیا۔(29)

قلیج خان کے انتظام میں سابق گورنر اور دوسرے ماتحت عملہ کے لوگ مسلسل رخنہ اندازی کرتے رہے۔ چنانچہ بادشاہ نے تحقیقات کے لیے خواجہ جہاں کو بھیجا۔ قلیج خاں کو روشنیہ کی نقل و حرکت پر نظر رکھنے کے لئے پشاور تبدیل کر دیا گیا جہاں 1613ء میں اسی سال کی طویل عمر پا کر اس نے انتقال کیا۔(30)

قلیج خاں کی موت اور شاہی افسروں میں باہم پھوٹ نے احداد کو آگے بڑھنے کا موقع دیا۔ 1614ء میں وہ پانچ ہزار سوار پیادہ فوج لے کر کوٹ تیرہ پر چڑھ آیا اور شاہی فوج کے بہت سے آدمیوں کو قتل یا قید کر لیا اور جلال آباد اور پش بلاغ پر جو قریب ہی تھے حملہ کی تیاری کرنے لگا۔ خوش قسمتی سے اس کی پشت کی طرف خان جہاں پہنچ گیا اور معتقد خاں نے جو ضلع پشاور کے اہلم گذر کا کماندار تھا پش بلاغ میں اچانک حملہ کر کے احداد کو شکست دے دی جن میں اس کے ایک ہزار آدمی پانچ سو گھوڑے، اور بکثرت جانور اور خیمے اور اسلحہ معتقد خاں کے ہاتھ لگے۔ شاہی فوج نے چند میل تک اس کا تعاقب کیا اور رات کو میدان جنگ ہی میں قیام کیا اور اگلی صبح کو پشاور میں تیمور کے نمونے پر چھ سو انسانی سروں کا اہرام بنایا۔(31)

لیکن احداد بچ کر نکل بھاگا تھا اور اس نے آوارہ گردوں کی ایک بڑی فوج جمع کر لی۔ شاہی فوج کے مسلسل تعاقب سے عاجز ہو کر وہ چرخ قلعہ میں جا کر پناہ گزیں ہو گیا جہاں خان دوران نے اس کا سختی سے محاصرہ کیا۔ جانوروں کا چارہ بالکل ختم ہو جانے کی وجہ سے محاصرین اپنے گھوڑوں اور دوسرے جانوروں کو خفیہ راستوں سے پہاڑوں کے دامن کی چراگاہوں میں لے جانے لگے اور اطلاع ملنے پر شاہی فوج نے شبخون کا انتظام کیا جس میں شدید جنگ ہوئی اور احداد کے تین سو آدمی قتل اور ایک سو قید ہوئے۔ قلعہ چرخ پر قبضہ کر کے اسے نذر آتش کر دیا گیا۔ لیکن احداد بچ کر قندھار کی طرف نکل گیا۔(32) لیکن وہ جلد ہی بے بسی کی حالت میں پہنچ گیا۔ عین اس وقت بنگش کی شورش شروع ہو گئی 1617ء کے آخر میں مہابت خاں کو کابل کا گورنر مقرر کیا گیا اور رشید خاں اور راجہ کلیان کو اس کا خصوصی ماتحت کیا گیا۔ مہابت خاں نے اپنے ساتھ جلال کے لڑکے اللہ داد کو بھی ساتھ لے لیا جو اس وقت حاضر دربار تھا اور اس کے بھائی اور بیٹے کو بطور یرغمال چھوڑ دیا لیکن مہابت خاں کو جو یہ امید تھی کہ اللہ داد افغانوں پر اثر ڈال کر انہیں سلطنت کا فرمانبردار بنا لے گا اس میں سخت مایوسی ہوئی۔ وہ ایک فوجی دستے کے ساتھ افغانوں کے خلاف بھیجا گیا مگر اللہ

---

(29) بدایونی (لو) جلد دوم صفحہ 360 الفنسٹن صفحات 517 تا 521 جہانگیر (راجرس و بیورج) صفحات 197۔199 اقبال نامہ 53 امپیریل گزیٹر۔

(30) جہانگیر (راجرس و بیورج) جلد اول صفحات 230، 231، 253 ٹمیڈون صفحہ 22۔

(31) جہانگیر (راجرس و بیورج) جلد اول صفحات 253۔

(32) جہانگیر (راجرس و بیورج) جلد اول صفحات 311، 312۔

..دکی وجہ سے اس دستہ کو سخت شکست ہوئی اور شاہی وقار کو سخت دھکا لگا اور پھر وہ کھل کر بغاوت پر اتر آیا۔ مہابت خاں کی انتہائی کوششوں کے بعد وہ اطاعت پر مجبور کیا جا سکا۔ اور 1619ء میں دربار روانہ کیا گیا۔ جہاں اعتماد الدولہ کی سفارش پر اس کا قصور معاف کر دیا گیا۔ اس کے بعد سے وہ سلطنت کا وفادار رہا اور بلند مراتب تک پہنچا اور شاہجہاں کے عہد میں رشید خاں کا خطاب پایا۔ (33)

لیکن اللہ داد کی عدم موجودگی میں شورش کی شدت بالکل کم نہ ہوئی اور جہانگیر کے دور حکومت میں ذرا ذرا سے وقفہ سے مسلسل سخت آویزشیں ہوتی رہیں۔ کوئی فریق بھی دوسرے کو دم لینے کی مہلت نہیں دیتا تھا۔ مہابت خاں کا پلہ بھاری رہا جس کی وجہ سے سخت کشت و خون ہوا۔ ایک مرتبہ 1619ء میں فصل کٹنے کے موقعہ پر اس نے تند خو عزت خاں کے ماتحت فوج روانہ کی کہ باغیوں کے علاقہ کو تباہ کر دیا جائے لیکن افغان اس کے لیے تیار نہ تھے اور شاہی فوج کے دستہ کو کاٹ کر رکھ دیا۔ البتہ ایک اور فوج جو اکبر قلی کے ماتحت بھیجی گئی اس نے اس کا پورا پورا انتقام لیا اور بنگش کے علاقہ میں لوٹ مار اور خون خرابہ کا راج ہو گیا۔ (34)

1622ء میں مہابت خاں کو شاہجہاں کی بغاوت فرو کرنے کے لیے واپس بلا لیا گیا اور جہانگیر کے باقی زمانہ حکومت میں شاہی اقتدار علاقہ بنگش میں تقریباً بالکل تباہ ہو گیا۔

---

(33) جہانگیر (راجرس و بیورج) جلد اول صفحہ 402 جلد دوم صفحات 82، 85، 120، 153، 215، 245۔ مآثر الامراء جلد دوم صفحہ 248۔ دبستان صفحہ 390۔

(34) جہانگیر (راجرس و بیورج) جلد دوم صفحات 160، 161۔

دسواں باب

میواڑ

تمہید

جنگ میں مغل فوجی کارروائی اور پالیسی کے بالکل برخلاف راجپوت خود مختاری کی آخری یادگار میواڑ کی تسخیر اور تالیف قلب ہے۔ کرنیل جیمس (1) ٹاڈ کی ہمدردانہ تحریر نے جو رزمیہ قلم بند کیا ہے اور جو اپنے شاعرانہ نام انلز اینڈ اینٹی کوی ٹیز آف راجستھان کے نام سے مشہور ہے اب تک ہندوستان کے ناول نویسوں اور ڈراما نگاروں کے لیے لرزہ خیز پلاٹ اور واقعات مہیا کرتا ہے۔ راجپوت روایات پر نظر کرتے ہوئے یہ دیکھ کر دماغ ششدر ہو جاتا ہے کہ انسان بہادری جاں نثاری اور ایثار کی کتنی بلندیوں تک پہنچ سکتا ہے۔

جغرافیائی حالات

راجپوت اسپرٹ کی پوری پوری روح میواڑ کے نشیب و فراز کی تاریخ میں ظاہر ہوتی ہے۔ ایک بات تو یہ ہے کہ ملک کی جغرافیائی حیثیت اکھڑ اور محنت کش قسم کا مزاج پیدا کرنے میں معاون ہے۔ یہ راجپوتانہ کے جنوب مغرب میں واقع ہے اور اس کے شمال مشرق اور جنوب مشرق میں زرخیز سیراب میدانی علاقہ ہے جس میں حسب ضرورت بارش ہوتی ہے اور سال میں دو فصلیں غلہ کی ہو جاتی ہیں۔ لیکن میدانی علاقہ میں بھی بیچ بیچ بنجر زمین اور پتھریلی اور کوہستانی زمین اور ناہموار کوہستانی سلسلہ ہے جس میں کہیں کہیں ایک پہاڑی دوسروں سے بلند بھی ہوتی ہے لیکن جنوب مغربی حصہ اور خاص کر سارا شمالی مغربی علاقہ پہاڑی سلسلوں، وادیوں اور گھنے جنگلوں کی ملی جلی سرزمین ہے۔ (2)

یہاں کے لوگ

پچھلی کئی صدیوں سے اس ملک پر راجپوتوں کے سیسودیا قبیلہ کی حکومت ہے جس نے قبائلی جذبہ آزادی کی محبت اور جنگ سے دلچسپی کو خوب فروغ دیا جو تاریخ اور معاصری تجربہ دونوں کے مطابق کوہستانی علاقہ کے باشندوں سے وابستہ ہیں۔ علاوہ حکمراں قبیلہ اور دوسرے راجپوت اور عام مہذب باشندوں کے اراولی سلسلہ کوہ کی پہاڑیوں اور وادیوں میں بکثرت قدیم غیر ترقی یافتہ بھیل آباد تھے جو سخت محنت کش نیم مہذب مردوں اور عورتوں پر مشتمل تھے جو زمین کی قلیل پیداوار یا شکار پر گذر کرتے تھے یا لوٹ مار پر۔

---

(1) ٹاڈ کا بہترین ایڈیشن وہ ہے جسے روٹلیج اینڈ سنز لندن نے شائع کیا ہے۔

(2) راجپوتانہ گزیٹر جلد دوم صفحہ 6۔

راجپوتوں کا بھیلوں سے اتحاد

سیسودیا قبیلہ کا یہ بڑا کارنامہ تھا کہ اس نے ان قبائل کو اپنا حلیف بنالیا اور ان کی پر جوش محبت اور جاں نثاری حاصل کر لی۔ ان کی ڈھلوان چٹانوں، تنگ گھاٹیوں، تنگ اور نامعلوم دروں اور چھپے ہوئے پر اسرار راستوں سے گہری واقفیت نے راجپوتوں کے برے وقت میں بڑا کام دیا۔ ان کے بغیر میواڑ کی تاریخ کا رنگ ہی دوسرا ہوتا۔

میواڑ اور سلطنت دہلی

میواڑ یا اس کے قرب وجوار سے ہو کر سر سبز گنگا سے سیراب میدانوں اور مغربی گھاٹ کی تجارت کی منڈیوں کے درمیان تجارتی شاہراہ تھی۔ میواڑ کے آزاد رہنے سے سلطنت دہلی کے تاجران شاہراہوں پر جان ومال کی حفاظت یا محصولوں کی لوٹ سے نجات حاصل نہیں کر سکتے تھے۔ یہ ایک وجہ تھی مغل سلاطین کے میواڑ کی آزادی گوارا نہیں کر سکتے تھے لیکن قدرتی طور پر ایک شہنشاہی مقصد بھی ہو سکتا تھا کہ راجپوتوں کی آزادی کی اس آخری یادگار کو بھی باقی نہ رکھا جائے۔ لیکن مغلوں کے ساتھ بڑی ناانصافی ہوگی اگر اس اقتصادی مقصد کی اہمیت پر بھی زور نہ دیا جائے جسے عام طور پر مورخین نے نظر انداز کر دیا ہے۔

میواڑ کی تاریخ

میواڑ کی تاریخ کا وہ حصہ جو اکبر کے عہد سے پہلے اس کی دوسری راجپوت ریاستوں سے آویزشوں، علاءالدین خلجی جیسے طاقتور بادشاہ دہلی کی بہادرانہ مزاحمت، رانا کمبھ کے زمانہ میں مالوہ کی سیاست پر اس کا عمل دخل رانا سانگا کے عہد میں اس کی پورے شمالی ہند پر اقتدار حاصل کرنے کی قابل یادگار کوشش، گجرات کے بہادر شاہ کے خلاف اس کی جدوجہد اور شہنشاہ ہمایوں سے اس کی چھیڑ چھاڑ ہماری کتاب کے موضوع سے الگ ہیں۔

اکبر کے عہد میں

اکبر کی حکومت کے زمانہ میں میواڑ کی طاقتور مغل سلطنت سے جو اس سے بہت بڑی تھی۔ نبرد آزما ہونا پڑا۔ راجپوتانہ کے شعری ادب میں رانا پرتاپ کے کارناموں کا موضوع بہت شاندار ہے۔ اسے خود تو اپنے ملک کا بیشتر حصہ حاصل ہو گیا مگر چتوڑ کا موروثی قلعہ اور ملحقہ سطح زمین جس پر مغل فوجوں کے دھاوے ہوتے رہتے تھے انہیں پھر سے حاصل کرنے کے سارے حوصلوں سے ہاتھ دھونا پڑا۔

پرتاپ بستر مرگ پر

پرتاپ کو تو اطمینان تھا کہ اس نے اپنی عزت اور اپنی آزادی پر آنچ نہیں آنے دیا لیکن اس کی زندگی کے آخری لمحات اس اندیشہ سے فکر مند تھے کہ اس کا لڑکا امر اپنی شہرت کو شرمناک آرام پسندی

میں گم کر دے گا اس آخری لمحہ کی جو تصویر کشی کی گئی ہے۔ اس سے ہمدردی کا زبردست جذبہ ابھرتا ہے۔ موت کے قریب یہ بطل حریت ایک حقیر سے مکان میں دکھایا گیا ہے جہاں اس کے سردار وفادار ساتھی، شاندار ایام کے ساتھی اس کے گرد حلقہ کیے ہوئے اپنے لیڈر کی روح کے پرواز کرنے کے منتظر ہیں کہ دفعتاً اس کے منہ سے ایک دردناک چیخ نکلی اور سلومبرا نے پوچھا "اس کی روح کو کیا صدمہ ہے۔ جو آسانی سے نہیں نکلتی"۔ پرتاپ کو ذرا افاقہ ہوا اور اس نے کہا: "روح کو یہ انتظار ہے کہ اسے کوئی تسلی دینے والا وعدہ مل جائے کہ اس کا ملک ترک کے حوالہ نہیں کر دیا جائے گا۔ "(3) اور نزع کی حالت میں اس نے ایک واقعہ بیان کیا جس سے اس نے اپنے لڑکے کی مزاجی کیفیت کا اندازہ کیا تھا اور اب اس کی اسے روحانی اذیت ہے کہ ذاتی آرام میں پڑ کر وہ ان تمام زیادتیوں کو بھول جائے گا جو اس کے ساتھ اور اس کے ملک کے ساتھ ہوئی ہیں۔ واقعہ یہ تھا:

"پرتاب اور اس کے سرداروں نے مصیبت کے دنوں میں دریائے پشولا کے کنارے بارش اور دھوپ سے حفاظت کے لیے چند جھونپڑے ڈال لیے تھے (جس جگہ آج اودے پور کا راج محل ہے) شہزادہ امر کو یہ دھیان نہیں رہا کہ جھونپڑے پست ہیں اور ایک بانس کا ٹکڑا چھپر سے باہر نکلا ہوا پرتاپ کی پگڑی میں پھنس گیا اور اسے گھسیٹ لیا۔ اس وقت شہزادہ نے جیسے جذبات کا اظہار کیا اس سے پرتاپ کو دکھ ہوا اور اس نے یہ رائے قائم کر لی کہ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے جن مصائب کا مقابلہ کرنے کی ضرورت ہے اس کی صلاحیت شہزادہ میں نہیں ہے۔ دم توڑتے ہوئے پرتاپ نے کہا: ان جھونپڑوں کی جگہ عالی شان محل تعمیر ہوں گے جن سے آرام طلبی اور عیش و عشرت کی عادت پیدا ہو گی اور ایسی مشکلات پیدا ہوں گی کہ جس آزادی کے لیے ہم نے خون بہایا ہے وہ قربان کر دی جائے گی۔ اور آپ میرے سرداران اسی معتبر مثال کی پیروی کریں گے۔ "سرداروں نے قسم کھائی اور شہزادہ کی ذمہ داری لے کر کہا "بپا رلول کی تخت کی قسم ہم اس وقت تک کوئی محل نہ بننے دیں گے جب تک میواڑ کو پھر سے آزادی حاصل نہ ہو جائے"۔ پرتاپ کی روح مطمئن ہو گئی اور وہ خوش ہو کر چل بسا۔ (4)

---

(3) ٹاڈ جلد اول صفحات 264 تا 278۔

میواڑ کے نشیب و فراز کی تاریخ میں رنا پرتاپ کا شاندار عہد ایسے رنگ برنگ اور حیرت انگیز حالات و حادثات کا حامل ہے کہ جنگ پلوپچیپا یا دس ہزار کی پسپائی میں بھی تاریخ نگار کو اتنا وافر مواد نہیں مل سکتا۔ مگر بد قسمتی سے میواڑ کو کوئی تھیوسی ڈائیڈس یا آسیو فن نہیں مل سکا۔ جو "بے خوف جانبازی، بے لوچ جواں مردی، عزت و وقار کو تابندہ رکھے۔ وفاداری کے ساتھ وہ استقلال جو کسی اور قوم میں نہیں مل سکتا۔ ان سب کے مقابلہ میں بلند حوصلے، اعلیٰ ذہانتیں، بے شمار وسائل اور مذہبی جوش، لیکن سب مل کر بھی ایک ناقابل تسخیر دماغ کو قابو میں نہ لا سکے۔ اراولی کے سلسلہ کوہ میں کوئی بھی درہ ایسا نہیں ہے جس پر پرتاپ کے کسی نمایاں کارنامہ کی چھاپ نہ ہو۔ کوئی شاندار فتح یا بیشتر ایسی ہی شاندار پسپائی۔ ہلدی گھاٹ میواڑ کا تھرما پولی ہے اور دیور اس کا خونریز میدان جنگ" ٹاڈ جلد اول صفحہ 278۔

بکثرت راجپوت کھیات یا منظوم تاریخیں، بھونڈی دنگل نظموں میں میواڑ، بوندی جیسلمیر اور دوسری راجپوت ریاستوں میں محفوظ ہیں۔ سور گباشی کوبراج شیام داس نے اپنی بیر نبود میں ان سے استفادہ کیا ہے جو ریاست اودے پور کے لیے شائع کی گئی تھی اور کہا جاتا ہے کہ اودے پور ہی نے اس کی اشاعت روک دی۔ لیکن اس قابل قدر کتاب کے نسخے کہیں کہیں ملتے ہیں۔ میں نے جودھ پور میں ایک قلمی نسخہ دیکھا اور پھر بنارس کی کاشی ناگری پرچارنی سبھا کی لائبریری میں اس کا چھپا ہوا نسخہ دیکھا تھا کھیات کا اصلی نسخہ میں جودھپور کے منشی دیبی پرشاد کی مہربانی سے دیکھ سکا جس کا میں ممنون ہوں۔

(4) ٹاڈ جلد اول صفحات 177 و 278 کہتے ہیں کہ اکبر کو پرتاپ کے انتقال کا سخت صدمہ ہوا اور وہ خاموش ہو کر بیٹھ گیا جبکہ درسا دھانے فوت شدہ ہیرو کی تعریف میں ایک عمدہ قصیدہ پڑھ کر سنایا۔ بیر نبود صفحہ 241۔

جس رستمانہ عزم کے ساتھ وہ ساری عمر جدوجہد میں مصروف رہا اس سے سارے ہندوستان کے ہندوؤں میں اس کے خاندان کو بہت بڑی عزت حاصل ہو گئی۔(5)

امر سنگھ کی تخت نشینی

رانا پرتاپ کے سترہ لڑکوں میں سب سے بڑا امر سنگھ تھا جس کی فطرت کے بارے میں مرتے وقت اس کے باپ نے اس قدر سخت تشویش ظاہر کی تھی وہی 1597ء میں تخت نشین ہوا۔(6) وہ آٹھ سال کی عمر سے لے کر اپنے باپ کی وفات تک برابر اس کے ساتھ رہا اور اس کے ساتھ جفاکشی اور خطرات کا مقابلہ کیا تھا۔ اس کے محترم باپ نے اسے کوہستانی جنگ کے ہر مرحلہ سے آگاہ کر دیا تھا تخت نشینی کے وقت وہ بھرپور جوانی کو پہنچ چکا تھا اور اس کے لڑکے بھی تھے جو اس قابل تھے کہ اپنی وراثت کا جتنا بھی حصہ وہ اپنی تلوار کے زور سے حاصل کریں اور اس کی حفاظت کر سکیں۔ اگرچہ امر کا رنگ صاف نہ تھا لیکن میواڑ کے شہزادوں میں وہ سب سے زیادہ بلند قامت اور طاقت ور تھا۔ وہ منصف مزاج، فیاض، ہمدردانہ اور بہادر تھا اور اپنے امرا کا احترام اور رعایا کی محبت حاصل کرنے کا اہل تھا۔ گو اپنے باپ کے اندیشوں کو کسی حد تک حق بجانب ثابت کرنا اسے مقدر تھا لیکن تخت نشینی کے بعد جو کام سب سے پہلے اس نے کیے وہ بالکل معقول اور مدبرانہ تھے۔

اصلاحات

اس نے اپنے ملک کے اداروں کی از سر نو تشکیل کی۔ اراضی اور جاگیروں کی تقسیم کا نیا بندوبست کیا اور اور جاگیروں کے ساتھ خدمات بھی وابستہ کر دیں۔ اس نے مناصب کے درجے مقرر کیے جو آج تک رائج ہیں۔ کھانے اور کپڑے کے قانون بنائے حتیٰ کہ پگڑی باندھنے کی بھی(7) اور یہ احکام آج بھی ملک کے مختلف حصوں میں پتھر کے ستونوں پر کھدے ہوئے موجود ہیں۔(8) ہندی ادب پر اس کا سب سے بڑا احسان ہے۔ اسی کی سرپرستی میں چند بردائی کی کتاب پرتھوی راج راسو کی تدوین کی گئی جو ہندی کی عظیم ترین نظموں میں ہے۔ اس رزمیہ شاہکار سے اس کا وہی رشتہ ہے جو پسسٹرا اسس کا ہومر سے تھا۔

سلیم اور مان سنگھ کا حملہ

لیکن زیادہ دن نہیں گزرے تھے کہ ان پرامن کاموں سے اس کی توجہ اس لیے ہٹ گئی کہ اس کے پشتینی دشمن نے اس کے خلاف فوج روانہ کر دی۔ 1599ء میں اکبر نے دکھن روانہ ہوتے وقت شہزادہ

---

(5) ہندوستان کے جو لوگ خدا کے منکر ہیں (ہندو) وہ بھی ہندوستان کے اس حکمراں کا اتنا ہی احترام کرتے ہیں جتنے روما کے لوگ پوپ کا۔ دی لائٹ مترجمہ لیتھ برج کلکتہ ریویو نمبر ان 1870ء صفحہ 351۔

(6) ٹاڈ جلد اول صفحات 278 و 292۔ امر سنگھ کی تاجپوشی امرا ماگھ شکل ست 1653 مطابق 29/ جنوری 1597ء 9/ جمادی الآخر 1005ھ کو ہوئی بیر نیود صفحہ 241۔

(7) امر شاہی پگڑی اب تک رانا کے خاندان کے افراد اور بعض امراء دربار کے موقعوں پر استعمال کرتے ہیں لیکن دوسرے امراء کو یہ حق ہے کہ وہ خود اپنے یہاں کا لباس اختیار کریں۔ ٹاڈ کا نوٹ جلد اول صفحہ 280۔

(8) ٹاڈ جلد اول صفحہ 280۔

سلیم اور راجہ مان سنگھ کو میواڑ پر حملہ کرنے کا حکم دیا۔ شہزادہ تو آرام کے ساتھ اجمیر میں عیش کرتا رہا مگر اس کے ماتحوں نے پوری قوت سے جدو جہد کی اور اننالہ، موہی، باگور، منڈل، منڈل گڈھ، چتوڑ اور دوسرے مقامات پر مضبوط چوکیاں قائم کر لیں۔ راجپوتوں نے ہر جگہ بہادری سے مزاحمت کی۔ امر سنگھ نے دشمن کی تمام چوکیوں پر حملہ کیا۔ لڑائی حسب دستور جاری رہی۔ راجپوتوں نے شاہی علاقہ کے بال پور اور کئی دوسرے مقامات کو لوٹ لیا مگر پسپا کر دیے گئے۔ مغلوں نے اس کے انتقام میں راجپوتوں کے کھیت اجاڑ دیے۔ مکانوں میں آگ لگا دی۔ ہزاروں مقامی باشندے قید کر لیے گئے۔ راجپوت پہاڑوں میں چھپ رہے۔

لڑائی میں خلل

لیکن لڑائی کا سلسلہ دفعتاً منقطع ہو گیا۔ اس لیے کہ راجہ مان سنگھ کو فوری طور پر بنگال جانا پڑا جہاں سے عثمان کی بغاوت کی خبر آئی تھی اور شہزادہ سلیم بے دلی کے ساتھ آگرہ کی طرف چل دیا۔ 1603ء میں اکبر سے صلح صفائی ہو جانے کے بعد سلیم کو پھر حکم ملا کہ 1599ء میں جنگ کا جو سلسلہ منقطع ہو گیا تھا اسے پھر سے شروع کرے لیکن سلیم فتحپوری سیکری تک پہنچ کر وہیں رک گیا اور آگے بڑھنے سے تقریباً انکار کر دیا۔

خسرو کے ماتحت دوسری مہم

اکبر نے شہزادہ خسرو اور غدار ساگر کے ماتحت ایک اور مہم روانہ کرنے کی تجویز کی۔ ساگر کو اکبر نے اپنی بیماری میں میواڑ کا رانا نامزد کیا تھا۔

مہم کا التواء

لیکن اکبر کے انتقال کی وجہ سے یہ مہم ملتوی ہو گئی۔ (9)

جہانگیر اکبر کے نقش قدم پر

تخت نشیں ہونے پر جہانگیر نے حکومت کے ہر شعبہ میں اکبر کی خارجہ پالیسی اختیار کی اور اپنی تخت نشینی کے پہلے ہی سال اس نے بیس ہزار کی زبردست فوج میواڑ کے خلاف روانہ کر دی جس کی کمان

---

(9) اکبر نامہ جلد سوم صفحہ 831 الیٹ وڈاوسن جلد ششم صفحات 98 تا 99 محمد ہادی صفحہ 8۔ ڈی لائٹ ترجمہ لیتھ برج۔ کلکتہ ریویو نمبر 7 ل 1873ء و نمبر 113 صفحہ 195 خافی خاں جلد اول صفحات 216 تا 217 ڈورن کی ہسٹری آف افغانس صفحہ 183۔ گلیڈون جلد سوم۔ جہانگیر (راجرس و بیورج) جلد اول صفحات 16 و 17 بیر نبود صفحہ 243۔

راجپوت روایات میں یہ غلط لکھا ہے کہ رانا کو صرف ایک مرتبہ شکست ہوئی۔ ممکن اپنے آخری دنوں میں خان خاناں کے فیاضانہ رویہ سے حاصل ہوا جو اس کے کارناموں سے بہت متاثر ہو گیا تھا۔ ٹاڈ جلد اول صفحہ 276۔ امیر کے راجاؤں اور میواڑ کے راناؤں میں سخت کشیدگی تھی جو ایک دوسرے کی تذلیل اور سب و شتم سے بہت بڑھ گئی تھی۔ دیکھو کچھواہنساولی مخطوطہ جے پور صفحات 67 تا 68 ساگر کے متعلق کہا جاتا ہے کہ چونکہ رانا نے اس کے ایک تازہ کا لحاظ نہیں کیا تھا۔ اس لیے وہ اسے چھوڑ کر مان سنگھ اور اکبر سے مل گیا۔ بیر نبود صفحہ 245۔249۔

برائے نام شہزادہ پرویز کے ہاتھ میں تھی مگر دراصل آصف خاں جعفر بیگ کماندار تھا جس نے اکبر عہد میں کارہائے نمایاں انجام دیے تھے۔ (10)

دیگر ماتحت افسران

عبدالرزاق معموری کو بخشی مقرر کیا گیا اور آصف خاں کے چچا اعتقاد بیگ کو پرویز کا دیوان مقرر کیا گیا۔ راجہ بھارمل کے لڑکے اور ایک پانچ ہزار منصب کے اعلیٰ امیر جگنا تھ کو اپنی فوج میں شامل کرنے کا

---

(10) جہانگیر (راجرس و بیورتج) جلد اول صفحہ 16۔ اقبال نامہ صفحہ 7۔ مآثر جہانگیری (مخطوطہ خدابخش) صفحہ 36 (الف) خافی خاں جلد اول صفحہ 249۔ گلیڈون کا بیان (صفحہ 2) کہ رانا نے اکبر کے انتقال پر غلامی کا جوا اتار پھینکا تھا غلط فہمی پر مبنی ہے۔
آصف خاں مرزا قوام الدین۔ جعفر بیگ۔ بدیع الزماں کا لڑکا تھا جو شاہ طہماسپ صفوی کے عہد میں کاشان کا وزیر تھا۔ آصف خاں جواں عمری ہی میں 1577ء میں ترک وطن کر کے ہندوستان آگیا تھا۔ اور اکبر کی ملازمت میں داخل ہو گیا تھا۔ اکبر نے اسے اس کے ماموں مرزا غیاث الدین علی آصف خاں بخشی کے شعبہ میں بیس کا منصب دے کر مقرر کر دیا تھا۔ اس حقیر منصب سے غیر مطمئن ہو کر اس نے اسے ترک کر دیا تھا اور دربار میں جانا موقوف کر دیا۔ اس پر اکبر نے ناخوش ہو کر اسے بنگال بھیج دیا جس کی آب و ہوا اس زمانہ میں غیر صحت بخش تھی اور جو مجرم وہاں بھیجے جاتے تھے وہ زندہ نہیں واپس آتے تھے۔
بنگال وہ محض اللہ پر بھروسہ کر کے روانہ ہو گیا اور وہاں معصوم خاں کابلی کی بغاوت کے سلسلہ میں امتیاز حاصل کیا اور گرفتار ہو جانے پر ایسی ہوشیاری سے نکل آیا کہ کسی تاوان یا فدیہ کا کوئی سوال نہیں ہوا۔ چنانچہ وہ اکبر کے دربار میں پھر حاضر ہوا اور تھوڑے دن بعد اسے دو ہزار کے منصب پر ترقی دی گئی اور آصف خاں کا خطاب ملا اور بخشی کے عہدہ پر مقرر کر کے میواڑ کے خلاف مہم پر بھیج دیا گیا۔ بعد کو (93-1587ء) میں سرحدی قبائل کے خلاف مہم میں اس نے امتیاز حاصل کیا۔ 1594ء میں اس نے مفتوحہ ملک کشمیر کے نظم و نسق کو منظم کیا اور تین سال بعد اس کا گورنر بنا دیا گیا۔
1599ء میں اسے دیوان کل کے عہدہ پر مقرر کیا گیا اور دو سال تک اس نے اس کے فرائض کو بڑی قابلیت سے انجام دیا۔ شہزادہ سلیم کی بغاوت کے زمانہ میں وہ شہزادہ کا سخت مخالف رہا۔ 1604ء میں جب شہزادہ سلیم کو گجرات کا گورنر مقرر کیا گیا تو اس نے الہ آباد اور بہار کے گورنری کا عہدہ قبول کر لیا۔ چنانچہ جہانگیر کا بیان ہے کہ "میری شہزادگی کے زمانہ میں آصف خاں نے کئی حماقت کے کام کیے اور بہت سے لوگوں کا خیال تھا حتیٰ کہ خود خسرو کا کہ میں اس کا مخالف ہوں اور (اس کے حق میں ناخوشگوار احکام دوں گا؟" لیکن نئے بادشاہ نے اپنی عام مصالحانہ پالیسی کے تحت اور خود اپنے ارادہ اور خیال کے برخلاف بقول خود اس پر عنایت کی اور اس پانچ ہزار منصب ذات و سوار پر ترقی دی اور کچھ دنوں تک وہ پورے اختیارات کے ساتھ وزیر رہا جبکہ شاہی مراعات برابر جاری رہیں۔" لیکن 1607ء میں جبکہ جہانگیر کابل سے واپس آرہا تھا۔ آصف خاں پر خسرو کی بغاوت میں شرکت کا شبہ کیا گیا۔ (جہانگیر (راجرس و بیورتج) جلد اول صفحات 222 و 223) مآثر الامرا کے مصنف کا بیان ہے کہ وہ ان مغل امرا میں تھا جن میں وسیع علمیت کے ساتھ فوجی اور انتظامی قابلیت تھی۔ "وہ اپنے عہد کے غیر معمولی افراد میں تھا"۔ وہ ہر علم میں اعلیٰ مہارت رکھتا تھا اور ہر قسم کی معلومات رکھتا تھا۔ اس کی تیز ذہانت اور اعلیٰ صلاحیت شہرۂ آفاق تھی وہ خود کہتا تھا کہ "جو معاملہ فوراً میری سمجھ میں نہ آجائے وہ بالآخر بے معنی ثابت ہوتا تھا"۔ کہا جاتا ہے کہ وہ بہت سی سطروں کو ایک نظر میں پڑھ لیتا تھا۔ خوش تقریریں! ہوشمندی اور مالی سیاسی معاملات کو سرانجام دینے میں وہ فوقیت رکھتا تھا اور ظاہری و باطنی خوبیوں سے مزین تھا۔ اس کی شاعری میں بڑی قوت تھی اور نیز تہذیبی ادب میں اکثروں کی رائے یہی تھی کہ خسرو اور شیریں کی کہانی کو نظامی گنجوی کے بعد سے کسی نے اس خوبی سے بیان نہیں کیا۔
خود جہانگیر کی شہادت ہے کہ اس کی سوجھ بوجھ، حاضر جوابی اور عملی صلاحیت بہت بلند درجہ کی تھی۔
آصف خاں کے حالات کے لیے دیکھو جہانگیر (راجرس و بیورتج) جلد اول صفحات 222 و 623۔ اقبال نامہ صفحات ۳ تا ۷ خافی خاں اور معتمد خاں نے مآثر الامرا میں (بیورتج) کی نقل کی ہے۔ صفحات 283 تا 287 بلوکمین صفحات 411 و 412 گلیڈون صفحہ 26 میں کی اور بیل اور ٹمیل ہائیگر افیکل ڈکشنری صفحہ 80۔

حکم دیا گیا۔ رانا امر سنگھ کے چچا(11) "رانا" ساگر کو بھی اس مہم کے ساتھ جانے پر تعینات کیا گیا۔(12) فوجی سالاروں کو ہدایت کی گئی کہ رانا سے اشاعت شعاری اور خدمات انجام دینے کے لیے کہا جائے۔ اگر وہ راضی ہو جائے تو اس کے ملک کو زیادہ نہ چھیڑا جائے۔(13)

راجپوت امراء امر کے پاس گئے

امر سنگھ جو اب آسائش و عیش کی زندگی میں مبتلا ہو گیا تھا شاہی مطالبہ قبول کرنے پر آمادہ ہو جاتا اور اپنے ملک کو نقصان سے بچالیتا مگر متوفی رانا کے ساتھی اپنی ضمیر کا سودا کرنے پر تیار نہ تھے۔ بہار چنداوت شلومبرا کی سربراہی میں محل گیا اور امر سے مطالبہ کیا کہ وہ اپنے باعظمت باپ کے مرتے وقت کے حکم کی تعمیل کرے۔

محل کا منظر

یورپ کا بنا ہوا ایک شاندار آئینہ محل کی زینت تھا۔ شلومبرا کے امرا نے جب دیکھا کہ ان کا رئیس راہ راست پر آنے کی اپیل پر دھیان نہیں دیتا تو انہوں نے اس قالین کے (14) غلام کو سنگار کے کھلونے پر پھینک دیا اور اپنے آقا کا بازو پکڑ کر تخت سے اتار لیا اور چلا کر کہا "امیر صاحبان! گھوڑے کی باگ سنبھالو اور پرتاپ کے لڑکے کو ذلت سے بچاؤ!" اس علانیہ توہین پر جذبات بھڑک اٹھے اور وطن پرور رئیس کو غدار کا تاگوار لقب دے دیا گیا مگر اپنے مقدس فرض کے پیش نظر اور ہر ممتاز ماتحت رئیس کی حمایت پر اس نے اس توہین کی پروا نہ کی۔ جبر اگھوڑے پر سوار ہو کر اور میواڑ کے سارے بہادر سورماؤں کے حلقہ میں امر کا دل بھر آیا اور وہ غم و غصہ کے آنسو بہانے لگا۔

امر کو ہوش آ گیا

اس غمگین فضا میں قافلہ پہاڑی سے اترا جس پر جگہ جگہ محل بنے ہوئے تھے یہاں تک کہ وہ اس مقام تک پہنچا جہاں اب جگمگاتا ہوا مندر ہے اور یہاں امر نے اپنے جذبات پر قابو حاصل کیا اور اس کے آنسو خشک ہو گئے اور مونچھوں پر تاؤ دے کر اس نے سب کو ادب سے سلام کیا اور اپنی بے رخی کی معافی مانگی اور خاص کر شلومبرا کا شکریہ ادا کیا اور کہا "ہماری رہبری کرو۔ آئندہ تمہیں اپنے سابق آقا سے مایوسی کا کبھی موقع نہ ہو گا۔"(15)

---

(11) جہانگیر نے ساگر کو رانا کا قریبی عزیز کہا ہے مگر راجپوت تواریخ میں صاف لکھا ہے کہ وہ رانا پرتاپ کا بھائی تھا اور اس طرح امر کا چچا (دیکھو ٹاڈ جلد اول صفحہ 281)

(12) جہانگیر (راجرس و بیورتج) جلد اول صفحات 16 تا 17۔

(13) جہانگیر (راجرس و بیورتج) جلد اول صفحہ 26 گلیڈون صفحہ 2۔

(14) ایک چھوٹا سا چتل کا میر فرش جو قالین کو دبانے کے لیے رکھا جاتا ہے۔ ٹاڈ کا نوٹ جلد اول صفحہ 280۔

(15) ٹاڈ جلد اول صفحات 280، 281۔

غیر فیصلہ کن جنگ

راجپوت گویوں کا دعویٰ ہے کہ راجپوتوں کو مغلوں پر دیوار (16) کے درے پر زبردست فتح حاصل ہوئی لیکن فارسی مورخین اپنے سرپرستوں کی فتح بیان کرتے ہیں۔(17) واقعہ یہ ہے کہ فریقین کو انفرادی کامیابیاں حاصل ہوتیں لیکن کوئی فیصلہ کن جنگ بالکل نہیں ہوئی۔ البتہ سرحدی علاقہ بے دردی سے تاراج کر دیا گیا اور آبادی کو گھروں سے باہر کر دیا گیا۔

عارضی صلح

لیکن عین اس وقت خسرو کی بغاوت رونما ہو گئی اور شاہی فوجیں واپس بلالی گئیں آصف خاں نے منڈل گڈھ (18) کے پاس عارضی صلح کرلی جس میں امر سنگھ کی نمائندگی پرنس باگھا نے کی۔

ساگر کو رانا بنا دیا گیا

لیکن مغلوں نے چتوڑ میں ساگر کو رانا بنا دیا تھا۔ اگرچہ وہ راجپوت امرا میں پھوٹ ڈالنے میں ناکام رہا۔(19)

مہابت خان کے ماتحت فوج

ڈرامہ کے پہلے سین کا یہ انجام ہوا۔ دو سال بعد 1608ء میں بادشاہ نے ایک اور فوج روانہ کی جس میں بارہ ہزار پورے طور پر مسلح سوار، پانچسو احدی، دو ہزار بندوقچی، ساٹھ ہاتھی اور اسی توپیں اونٹوں اور ہاتھیوں پر تھیں اور بیس لاکھ روپیہ اخراجات کے لیے دیے گئے۔ فوج کی کمان مہابت خاں جیسی عظیم

---

(16) فراخ دلی اور بہادری کے بھرپور جذبات کے ساتھ وہ (راجپوت) دیور تک پہنچ گئے جہاں ان کا مغل فوج سے مقابلہ ہوا جس کا کمانڈر خاں خاناں کا بھائی تھا اور جیسے ہی وہ درہ میں داخل ہوئی طویل اور خونریز جنگ کے بعد اسے پورے طور پر شکست دے دی گئی۔ ان دس کا اعزاز کا خاص طور پر رانا کے چچا بہادر کھیا تا کو حاصل ہوا جو ایک بڑے قبیلہ کا جد اعلیٰ ہے جو اسی کے نام پر کھوات کہلاتا ہے۔ اس لڑائی کی تاریخ 1604ء سمبت 1608ء جو ٹاڈ نے دی ہے وہ صحیح نہیں ہو سکتی۔ ٹاڈ جلد اول صفحہ 281۔

(17) جہانگیر کا بیان ہے کہ قبل اس کے واپس بلانے کا پروانہ پرویز کو ملے۔ رانا اتنا ذلیل ہو گیا تھا کہ اس نے آصف خاں کو پیام بھیجا کہ اس نے خود اپنی حرکات سے خود کو اتنی شرمناک حد تک ذلیل کر لیا ہے۔ اس لیے آصف خاں اس کی طرف سے مداخلت کرے اور شہزادہ باگھا کی نمائندگی کو منظور کرے جو اس کا لڑکا ہے۔ پرویز نے اسے منظور نہ کیا اور کہا یا تو رانا خود آئے اور یا اپنے لڑکے کرن کو بھیجے (جہانگیر راجرس و بیورج) جلد اول صفحہ 74 معتمد خاں کا مگار، خافی خاں اور دوسروں نے اس کی تقلید کی ہے۔

(18) منڈل گڈھ 25.30 شمال اور 75.7 مشرق میں اودے پور سے تقریباً سو میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ 1901ء میں اس کی آبادی 1462 تھی۔ دیکھو راجپوتانہ گزیٹر جلد دوم صفحہ 118۔

(19) جہانگیر (راجرس و بیورج) جلد اول صفحات 70، 74۔ اقبال نامہ صفحہ 17۔ خافی خاں جلد اول صفحہ 254۔ بیر نیود صفحہ 249 ٹاڈ جلد اول صفحہ 281 (دیکھو صفحہ 361)۔

شخصیت کے ہاتھ میں تھی۔(20)

جیسی کہ امید تھی مہابت خاں نے بڑی قوت اور جوش سے لڑائی شروع کی۔ راجپوتوں پر اس کا جو اثر ہوا اس افسانہ کی بنیاد پڑی کہ مہابت خاں راجپوتی خون سے ہے۔ اس نے میدانی علاقہ کو ویران کر دیا اور غنیم کو پہاڑوں اور جنگلوں میں پناہ لینے پر مجبور کر دیا۔ راجہ کشن سنگھ نے جو مہابت خاں کا ماتحت تھا بڑا امتیاز حاصل کیا اور راجپوتوں کو ایک سخت شکست دی اور ان کے بیس امرا کو قتل کر دیا اور تقریباً تین ہزار سپاہیوں کو گرفتار کر لیا۔ اگرچہ خود اس کے پیر میں بھی شدید زخم لگائے۔(21)

اگرچہ کئی لڑائیوں میں رجحان مغلوں کی کامیابی کا تھا لیکن میواڑ کی پہاڑیوں اور وادیوں میں ان کا زور نہ چل سکا اور نہ وہ چھاپہ مارنے والوں کا موثر تدارک کر سکے۔ 1609ء میں مہابت خاں کو واپس بلا لیا گیا اور اس کی جگہ عبد اللہ خاں کو بھیجا گیا جو بڑا بہادر سپاہی بے دھڑک کماندار اور بے رحم قسم کا آدمی تھا۔(22)

---

(20) جہانگیر (راجرس دبیورتج) جلد اول صفحہ 45۔ اقبال نامہ صفحہ ۳۴ خافی خان جلد اول صفحہ 259 گلیڈون صفحہ 17 حیرت ہے کہ کرنل ٹاڈ نے اس سال کے بعض واقعات کو 11-1610ء میں بتایا ہے کہا جاتا ہے کہ جہانگیر نے اس مہم کی کمان جو اجمیر میں منظم ہوئی تھی اپنے لڑکے پرویز کو اس ہدایت کے ساتھ دی تھی کہ "اگر رانا یا اس کا بڑا لڑکا کرن حاضر ہو جائے تو اس کی مناسب اعزاز کے ساتھ پزیرائی کی جائے اور اس کے ملک کو تاراج نہ کیا جائے۔ بالکل یہی ہدایت بادشاہ نے 1608ء میں دی تھی۔ شاہی حکم کے بموجب 1606ء میں پرویز کی واپسی کو 1611ء میں اجمیر کی طرف شدید شکست کی پسپائی بتایا گیا ہے۔ جہانگیر کا یہ قول کہ میں نے اپنے لڑکے پرویز کو حکم دیا کہ وہ چند سپاہیوں کو رانا کی نگرانی کے لیے چھوڑ کر آصف خاں کے ساتھ فوراً آگرہ واپس آئے وغیرہ (راجرس دبیورتج جلد اول صفحہ 70) کو ٹاڈ نے اس طرح بیان کیا ہے "میں نے اپنے لڑکے کو لاہور اپنے پاس آنے کا حکم دیا اور ہدایت کی کہ اپنے لڑکے کو چند سرداروں کے ساتھ رانا کی نگرانی کے لئے چھوڑ دیا جائے۔" جہانگیر 1606ء میں تو یقیناً لاہور میں تھا لیکن پرویز خود 1589ء میں پیدا ہوا تھا۔ اس لیے 1606ء یا 1611ء میں اس کا کوئی لڑکا اتنا جوان نہ ہو تا جو سرداروں کے ساتھ رانا کی نگرانی پر مقرر کیا جاتا لیکن یہ لڑکا جس کی تعلیم عظیم مہابت خاں نے کی تھی پرویز سے بہتر نتیجہ نہ دکھا سکا اسے شکست دے کر قتل کر دیا گیا۔ یہ قطعی غلط ہے۔

(21) جہانگیر (راجرس دبیورتج) جلد اول صفحات 147 و 151 گلیڈون صفحات 17، 18 ٹاڈ جلد اول صفحہ 282 مہابت خاں دربار سے میواڑ کے لیے 24/ ربیع الآخر 1016ھ کو روانہ ہوا۔ جہانگیر نے کشن سنگھ کو دو ہزار ذات اور ایک ہزار سوار کا منصب دے کر انعام دیا۔

(22) خواجہ عبد اللہ خواجہ عبید اللہ نصیر الدین احرار کی اولاد اور خواجہ حسن نقشبندی کا بھتیجا تھا جو 1592ء میں ماورائے جیحون کے حصار سے نقل وطن کر کے اپنے بھائیوں یادگار اور برخوردار کے ساتھ ہندوستان آیا اور اکبر کی ملازمت میں منسلک ہو گیا۔ اس نے کچھ دن اپنے عزیز شیر خواجہ کی ماتحتی میں دکھن میں کام کیا اور جہاں کہیں بھی جنگ ہوئی اس میں امتیاز حاصل کیا بعد کو احدیوں کے زمرہ میں شامل ہو گیا اور شہزادہ سلیم کی ملازمت میں متعین کر دیا اور جب شہزادہ نے اپنے باپ سے بغاوت کی تو اسے خان کا خطاب اور ایک ہزار پانچ سو کا منصب دے دیا اور جب شہزادہ کے خاص ملازم شریف سے اس کی ان بن ہو گئی تو وہ اکبر کی طرف ہو گیا اور اکبر نے صفدر جنگ کا خطاب اور ایک ہزار کا منصب دے دیا۔ جہانگیر نے تخت نشین ہونے پر اس کے منصب اور جاگیر کی توثیق کر دی اور کہا کہ "باوجود اپنے قصور کے وہ بہادر اور پرجوش انسان ہے۔" 1606ء میں اسے دو ہزار پانچ سو ذات اور پانچ سو سوار کے منصب پر ترقی ملی۔ اسی سال اس نے باغی رام چندر کو گرفتار کر کے دربار میں پیش کیا اور اس خدمت کے صلہ میں اسے تین ہزار ذات اور دو ہزار سوار کے منصب پر ترقی دی گئی۔ 1607ء کے اواخر میں ایک جماعت کو جو شورہ پشت بدیع الزماں ولد مرزا شاہ رخ کی سربراہی میں میواڑ کے رانا سے ملنے جا رہی تھی۔ اس نے راستہ روک کر تقریباً سب کو قتل کر دیا۔ عبد اللہ خاں کے حالات کے لیے دیکھو جہانگیر (راجرس دبیورتج) جلد اول صفحات 27، 72، 82، 87، 127، 140، 155، 157، محمد ہادی صفحہ 7۔ مآثر الامرا بیورتج جلد اول صفحات 97 تا 105۔

راجپوتوں کا قافیہ تنگ کر دیا

عبداللہ خاں نے حسب معمول پوری قوت اور شدت سے جنگ شروع کی (23) اور راجپوتوں کو ان کی جنگلی پناہ گاہوں میں سختی سے دبا دیا۔ اس نے خود رانا کی پناہ گاہ مہرپورہ پر حملہ کیا اور اگرچہ وہ رانا کو گرفتار نہ کر سکا مگر اس مقام کو تباہ کر دیا۔ اپنی فوجی چوکی کمبھل میر سے، اس نے ممتاز راجپوت سردار بیرم دیو سولنکھی کا راستہ کاٹ دیا۔ اس نے امر سنگھ کا پھر جنگلوں میں تعاقب کیا اور اسے ایسے حوصلہ شکن خطرات میں مبتلا کر دیا جس سے رانا پرتاپ کے شاندار کارناموں کی یاد تازہ ہو گئی۔ ایک موقعہ پر محض تاریکی نے امر سنگھ کی جان بچائی۔ (24)

رن پور میں شکست

لیکن رن پور کے مقدس درہ پر عبداللہ کو بھی سخت شکست ہوئی۔ (25) لیکن یہ ماننا پڑے گا کہ بحیثیت مجموعی اس نے مہم کا سرانجام غیر معمولی خوش اسلوبی سے کیا۔

کرن سنگھ کو شکست

1611ء میں اس نے میواڑ کی ولی عہد نامور شہزادہ کرن کو جو اپنے چند بہادر ترین راجپوت سرداروں کے ساتھ تھا سخت شکست دے دی۔ (26) اور جیسا کہ مآثرالامرا کے مصنف کا بیان ہے کہ عبداللہ نے اپنا نام پیدا کر لیا اور اس کے آقا نے اسے پانچ ہزار کے منصب اور فیروز جنگ کے خطاب سے سرفراز کیا۔

---

(23) میواڑ کو روانہ ہونے کے جلد ہی بعد عبداللہ خاں کو 370 احدیوں کی کمک اور شاہی اصطبل سے سو گھوڑے افسروں اور احدیوں میں تقسیم کرنے کے لیے بھیجے گئے۔ جہانگیر (راجرس و بیورتج) جلد اول صفحہ 156 مآثر جہانگیری (مخطوطہ خدابخش) صفحہ 61 (الف) و (ب) 1609 میں راجہ جگناتھ کا منڈل میں انتقال ہو گیا۔ اس کی سفید پتھر کی یادگار چھتری آج بھی موجود ہے بیر نبود صفحہ 253 چھتری کے گنبد کے لیے دیکھو ایضاً صفحہ 299۔

(24) کمبھل میر یا کمبھل گڑھ 9 25 شمال اور 3.35 مشرق میں اودے پور سے تقریباً پچاس میل شمال کی طرف واقع ہے اور سطح سمندر سے 3568 فٹ بلند پتھریلی زمین پر ہے جہاں سے اراولی پہاڑی کی جنگلی اور ناہموار سرزمین اور میواڑ کے ریگستانی صحرا کا منظر دکھائی دیتا ہے۔ قلعہ رانا کمبھو نے 1433ء اور 1445ء کے درمیان تعمیر کیا تھا۔ راجپوتانہ گزیٹر جلد دوم صفحہ 118۔ اس مہم کے حالات دیکھو مآثرالامرا (بیورتج) جلد اول صفحات 97، 98 جہانگیر (راجرس و بیورتج) جلد اول صفحہ 157 گلیڈون صفحہ 23۔

(25) ٹاڈ جلد اول 281۔ راجپوتوں کی تاریخ کا یہ بیان غلط ہے کہ شاہی فوج تقریباً بالکل تباہ کر دی گئی لیکن اس میں یہ اعتراف ہے کہ راجپوتوں کے چند بہترین اور بہادر ترین سردار ضائع ہو گئے۔ جیسے دودو سنگاوت، نرائن داس، سورج مل، ایسکر دجو اونچے درجے کے ششودیا قبیلے کے تھے اور سکتاوت کے سردار کا لڑکا پورن مل، ہری داس راٹھور، سدری کا جھالا بھوپت کیر داس پھواہہ، بردلا کا کیشوداس چوہان، مکنداس راٹھور اور جین مل کا قریبی عزیز جیملا۔ ٹاڈ کا نوٹ

"اس فتح پر بڑے دھوم دھام سے خوشیاں منائی گئیں جس سے میواڑ کے زوال کے زمانہ میں بڑی رونق آگئی اور سرخ رنگ کا جھنڈا سارے صوبہ گودلوار میں لہرانے لگا"

(26) بیر نبود صفحات 253 و 254 شہزادہ کرن کے ساتھ جو سردار تھے ان کے یہ نام لیے گئے ہیں۔ اودے سنگھ کے لڑکے شردلسنگھ، مادھو سنگ، پرتاپ سنگھ کے لڑکے شیخارانا سہسمل، رانا امر کے لڑکے باگھ سنگھ، ارجن سنگھ، جھالا شتروشاہ سولنکی، بیر بھدریوا، گوپال داس کا لڑکا راٹھور کشن داس، بلوا کا لڑکا راٹھور ہری داس ششودیا مادھو سنگھ، مندھل بیدو، سانول داس بداوتا، راٹھور بھیم کرنا، دیوراپنہ کلاوت، سیندھل امر بھنداوت، سیندھل ٹوگا بھنداوت، چوداوت دوداسنگاوت وغیرہ۔

گجرات کا تبادلہ

لیکن دکھن کی ضروریات پر بادشاہ نے عبداللہ کا گجرات تبادلہ کر دیا جہاں گورنر کی حیثیت سے اس نے صوبہ کے وسائل کو منظم کیا اور احمد نگر کی زبردست مہم میں مدد دی۔ (27)

راجہ باسو کا تقرر

میواڑ کی کمان پر خود عبداللہ کی سفارش پر اس کی جگہ راجہ باسو کو مقرر کیا گیا جو (28) بہادر مگر بے دھڑک کماندار تھا مگر ایک بھی کامیابی حاصل نہ کر سکا۔

غنیم سے ساز باز کا شبہ

برعکس اس کے اس پر غنیم سے ساز باز کا شبہ کیا گیا۔ (29)

عزیز کوکا کا تقرر

چنانچہ جلد ہی اس کی جگہ عزیز کوکا کو مقرر کیا جو دکن کی صورتحال سے بیزار ہو کر میواڑ میں اپنی بہادری دکھانے کے لیے بیقرار تھا۔ (30)

عزیز کے جہانگیر سے تعلقات

عزیز کے تعلقات بادشاہ سے خوشگوار نہ تھے۔ جسے اس نے تخت سے محروم کرنا چاہا تھا اور اب تک وہ اپنے داماد خسرو سے دلی محبت رکھتا تھا۔ جب خسرو مغرب کی طرف مفرور ہوا تو جہانگیر نے تعاقب میں عزیز کو بھی لے جانا ضروری سمجھا۔ (31) نور دولئے شریف بھی عزیز کے تعلقات اتنے کشیدہ تھے کہ

---

(27) مآثر الامرا (بیورج) جلد اول صفحہ 98 جہانگیر (راجرس و بیورج) جلد اول صفحہ 155 گلیڈون صفحہ 19۔ عبداللہ خان کی میواڑ کی مہم کے لیے نیز دیکھو مآثر جہانگیری (مخطوطہ خدابخش) صفحات 62 تا 63۔

(28) راجہ باسو شمالی پہاڑیوں کے قریب پنجاب میں باری دو آبہ کے مئو اور پٹھان کوٹ کا ایک زمیندار تھا۔ اکبر کے عہد میں کئی مرتبہ علم بغاوت بلند کیا۔ 1586ء، 1596ء، 1603ء اور 1604ء میں اس نے باغی شہزادہ سلیم کا ساتھ دیا اور اس کے ساتھ آگرہ گیا اور اپنا خیمہ شہر کے باہر جمنا کے دوسرے کنارے پر نصب کیا جبکہ شہزادہ اس کی معافی کے لیے سفارش کرنے گیا تھا۔ اکبر نے شورہ پشت راجہ کو گرفتار کرنے مادھو سنگھ کچھواہہ کو بھیجا لیکن راجہ کو خبر لگ گئی اور وہ بھاگ کھڑا ہوا۔ 1605ء میں وہ جہانگیر کے دربار میں حاضر ہوا جس نے اسے تین ہزار کے منصب پر ترقی دی اکبر نامہ جلد سوم صفحہ 833 جہانگیر (راجرس بیورج) جلد اول صفحہ 200 گلیڈون صفحہ 123 مآثر الامرا (بیورج) جلد اول صفحات 392 تا 394۔

(29) کہا جاتا ہے کہ راجہ باسو کو امر سنگھ سے ایک بت ملا جس کی پندرھویں صدی کی مشہور چتوڑ کی رانی میرا بائی پرستش کرتی تھی جو کرشن کو سب کچھ مانتی تھی۔ اس کی کئی پرجوش عقیدتی گیتیں اب تک شمالی ہند میں گائی جاتی ہیں۔ اس بت کے دینے کی سند اب تک محفوظ ہے۔ بیر نیو صفحہ 254۔

(30) جہانگیر (راجرس و بیورج) جلد اول صفحہ 234۔ مآثر الامرا (بیورج) جلد اول 329۔ جہانگیر اور شاہنواز دونوں کا بیان ہے کہ عزیز نے اپنی درخواست کی بنیاد یہ رکھی تھی کہ وہ کفار سے جنگ میں نام پیدا کرنے کا شائق ہے۔

(31) جہانگیر (راجرس و بیورج) جلد اول صفحہ 54۔

کہاجاتا ہے کہ شریف نے جہانگیر کو مشورہ دیا تھا کہ عزیز کو قتل کر دیا جائے۔(32)

خاندیش کے راجہ علی کے نام اس کا خط

اگلے سال لاہور کے کھلے دربار میں عزیز سے وہ خط پڑھوایا گیا جو اس نے چڑچڑے پن میں خاندیش کے راجہ علی کو لکھا تھااور جس میں اس نے اپنے آقا پر سخت حملہ کیا تھااور راجہ کے مہتمم کتب خانہ کے ذریعہ سے ایک شاہی ملازم خواجہ ابوالحسن کے ہاتھ لگ گیا تھااور اس نے اسے دربار روانہ کر دیا تھا۔

جہانگیر کی سرزنش

اس حالت میں عزیز کے متعدد دشمنوں کو اپنے جی کا بخار نکالنے کا موقع ملااور اس پر طعن و تشنیع اور گالیوں کی بارش ہونے لگی اور خود جہانگیر نے اس موقع پر کھل کر اپنے جی کا بخار نکالا اور گرج کر کہا "قطع نظر ان غداریوں کے جو اپنی ناکارہ شخصیت پر اعتماد کی بنا پر تو نے میرے خلاف کیں۔ میرے والد نے تیرا کیا بگاڑا تھا جس نے تجھے خاک سے پاک کیااور بلندی پر پہنچا کر تجھے معاصرین میں قابل رشک بنایااور تو نے ان کی سلطنت کے دشمن کو ایسے الفاظ لکھے تو نے خود کو نمک حراموں کے زمرہ میں شامل کیا۔ حقیقت یہ ہے کہ ذلیل طبیعت سے اس کے سوااور کیا توقع ہو سکتی تھی؟ چونکہ تیرے مزاج کی نشوونما غداری کے ماحول میں ہوئی اس لیے اس سے اور کیا حرکت ہو سکتی تھی؟ میرے ساتھ جو کچھ کیا تو نے کیا اسے نظر انداز کر کے میں نے تجھے اپنے عہدہ پر برقرار رکھا اس خیال سے کہ شاید تری غداری میرے ہی لیے ہو، لیکن اب یہ معلوم ہو گیا کہ تو نے اپنے محسن اور دنیاوی آقا کے خلاف بھی وہی کیا۔ اس لیے میں تجھے تیرے ان خیالات اور اعمال کے حوالے کرتا ہوں جو تجھ سے سرزد ہوئے یا اب ظہور پذیر ہوں۔"(33)

عزیز کوکا کو سزا

اکبری عہد کے پرانے امرا کی حمایت اور خواتین حرم کی سفارش اور خود اس کی ضعیف العمری، شہرت اور سلطنت کی خدمات کی بنا پر خان اعظم کو سزائے موت نہیں دی جاسکتی تھی لیکن اسے

(32) مآثر الامرا (بیورتج جلد اول صفحہ 328) میں عجیب قسم کا قصہ بیان کیا گیا ہے امیر الامرا اور خان اعظم کے درمیان تو تو میں میں ہونے کا معاملہ بادشاہ کے سامنے پیش کیا گیا اور ایک خاص مجلس شوریٰ غالباً غسل خانہ میں منعقد ہوئی۔ امیر الامرا نے اصرار کیا کہ خان اعظم کو فوراً قتل کر دیا جائے۔ مہابت خاں نے کہا "میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اس بحث کا کیا مطلب ہے۔ میں تو ایک سپاہی ہوں اور میری تلوار مضبوط ہے۔ میں اس کی کمر پر ضرب لگاؤں گا اور اگر اس کے دو ٹکڑے نہ ہو جائیں تو میرا ہاتھ کاٹ ڈالا جائے۔ خان جہاں لودی نے اپنی باری میں کہا "میں اس کی خوش قسمتی پر متحیر ہوں کہ جہاں کہیں اعلیٰ حضرت (اکبر) کا نام آتا ہے۔ اس کا بھی نام آتا ہے۔ مجھے اس کا کوئی قصور نظر نہیں آتا جس کی بنا پر یہ قتل کا مستحق ہو۔ اگر آپ نے اسے قتل کیا تو ساری دنیا اسے مظلوم سمجھے گی۔ اس اثنا میں پردہ کے پیچھے سے ایک آواز آئی "جہاں پناہ، حرم کی تمام بیگمات عزیز کوکا کی سفارش کے لیے جمع ہیں۔ بہتر ہوگا کہ آپ یہاں آجائیں ورنہ یہ سب باہر آجائیں گی" بادشاہ سلطان سلیمہ بیگم کو نظر انداز نہیں کر سکتا تھا۔ اس لیے کہ یہ آواز اسی کی تھی اس لیے وہ فوراً زنان خانہ میں گیا۔ خواتین کی التجاؤں نے بادشاہ کو خان اعظم کا قصور نظر انداز کرنے اور اسے معاف کرنے پر مجبور کر دیا حتیٰ کہ اس نے اپنی خاص گولیوں میں افیون اسے عنایت کی۔

(33) جہانگیر (راجرس وبیورتج) جلد اول صفحات 79 تا 81۔ اقبال نامہ صفحات 20، 21 خافی خاں جلد اول صفحات 256، 2579 مآثر الامرا (بیورتج) جلد اول صفحات 338، 339۔

اپنے منصب اور جاگیر سے محروم ہونا پڑا اور حراست میں رہنا پڑا۔

رہائی

جن اثرات نے اسے موت سے بچایا تھا۔ انہیں کی بدولت وہ رہا ہوا اور اپنے منصب پر بحال ہو گیا۔ 1608ء میں بادشاہ نے اسے گجرات کا گورنر مقرر کیا اور یہ شرط رکھی کہ وہ خود دربار میں حاضر رہے اور صوبہ کا انتظام بحیثیت اپنے نائب کے اپنے لڑکے جہانگیر قلی خاں کو سپرد کرے۔ خود جہانگیر نے کبھی اسے نظر عنایت سے نہ دیکھا اس لیے کہ اسی سال کی تحریروں میں اس نے خان اعظم کو پران مکار اور راجہ مان سنگھ جیسا سلطنت کا پران بھیڑیا کہا۔ (34)

دکھن کی مہم

لیکن خان اعظم کی اعلیٰ فوجی قابلیت کے لحاظ سے 1610ء میں بادشاہ نے اسے دکن کی مہم پر معمور کیا جہاں خان خاناں کی غلط پالیسی اعلیٰ حکام کی شدید باہمی رقابت اور ماتحت افسروں کی بزدلی نے ملک عنبر کی قابلیت سے مل کر شاہی افواج کو ذلت اور شکست سے دوچار کر دیا تھا۔ (35) اس کا تقرر مالوہ کی گورنری پر کیا گیا اور اس افوج کی مدد سپرد کی گئی جو وہاں سے 1611ء میں احمد نگر پر زبردست فوج کشی میں تعاون کرنے والی تھی لیکن عبداللہ خاں کی جلد بازی اور خود غرضانہ حرص نے اس منصوبہ کو خاک میں ملا دیا۔

میواڑ کی کمان کی درخواست اور منظوری

دکن کی صورت حال سے زچ ہو کر عزیز نے میواڑ کی کمان کی درخواست کی اور کمان حاصل کر لی۔ مختصر تجربہ کے بعد اس نے بادشاہ سے استدعا کی کہ وہ اپنا مستقر میدان جنگ کے قرب میں قائم کرے۔ (36)

جہانگیر کا مستقر اجمیر میں

جہانگیر نے اس مشورہ کو قبول کر لیا اور اپنا مستقر اور دربار اجمیر میں قائم کر دیا۔ (37) احکام کی پوری تعمیل کے لیے خان اعظم نے یہ بھی استدعا کی کہ شہزادہ خرم کو بھی اس مہم میں مقرر کیا جائے۔

شہزادہ خرم میواڑ کی کمان پر

جہانگیر نے اس مشورہ کو بھی قبول کر لیا۔ مگر یہ شدید غلطی کی کہ بوڑھے چڑچڑے رفیق کار اور نوجوان شہزادہ کے مابین اختیارات کا تعین نہیں کیا حالانکہ شہزادہ نور جہاں کے جتھے کا پرجوش اور

(34) جہانگیر (راجرس و بیورج) جلد اول 81، 138، 153 مآثر الامراء (بیورج) جلد اول صفحہ 329۔

(35) جہانگیر (راجرس و بیورج) جلد اول صفحہ 183 مآثر الامراء (بیورج) جلد اول صفحہ 329۔

(36) جہانگیر (راجرس و بیورج) جلد اول صفحہ 258۔ مآثر الامراء (بیورج) جلد اول صفحہ 329۔

(37) جہانگیر (راجرس و بیورج) جلد اول صفحات 253، 257 مآثر جہانگیری (مخطوطہ خدا بخش) صفحہ 89 (الف) اقبال نامہ صفحہ 72 گلیڈون صفحہ 28۔

حوصلہ مند رکن تھا۔

عزیز کے خلاف شکایت اور تنبیہ

1613ء کے شروع ہی میں شہزادہ دربار سے رخصت ہوا اور اس کے ساتھ بارہ ہزار سوار کی کمک تھی اور بہادر فدائی خان بخشی تھا۔ (38) جلد ہی شہزادہ کی خان اعظم سے ان بن ہو گئی اس لیے کہ وہ خود کو شہزادہ کا سرپرست اور مہم کا اصل کماندار سمجھتا تھا۔ بادشاہ نے بااقتدار گروہ کے اثر سے شاہی ملازمت کے پیر دانشمند کو سختی سے تنبیہ کی۔ اسے یاد دلایا کہ خود اس کے اصرار پر اسے میواڑ کی کمان پر مقرر کیا گیا۔ شاہی مستقر اجمیر میں قائم کیا گیا اور اسی کی فرمائش پر شہزادہ خرم کو بھیجا گیا غرض کہ سارے انتظامات اسی کے مشورہ کے مطابق ہوئے۔ چنانچہ اسے شہزادہ سے تکرار اور مخالفت سے احتراز کرنا چاہیے۔ اور اس سے اطاعت شعاری اور خیر خواہی کا اظہار کرنا اور دن رات میں کسی وقت اس کی خدمت سے الگ نہ ہونا چاہیے۔ ورنہ اسے معلوم ہونا چاہیے کہ نتیجہ برا ہوگا۔ (39)

قید

یہ نہ معلوم ہو سکا کہ اس تہدید اور سرزنش کا بڑے میاں نے کیا جواب دیا لیکن تاریخوں میں یہ درج ہے کہ اس کا جھگڑا شہزادہ سے اس وقت تک ختم نہیں ہوا جب تک شہزادہ نے دلیرانہ اور گستاخانہ کارروائی کر کے اسے قید نہیں کر دیا۔ اپنے والد شہزادہ نے یہ وجہ بیان کی کہ خان اعظم خسرو سے قرابت کی وجہ سے کام میں بگاڑ پیدا کرتا تھا اور اس کی وہاں موجودگی بالکل مناسب نہ تھی۔

دربار میں طلبی

جہانگیر نے اس توجیہہ پر دل سے یقین کیا یا محض ظاہر اً مگر اس نے خان اعظم کو اودے پور سے لانے کے لیے مہابت خاں کو روانہ کر دیا اور محمد تقی کو حکم دیا کہ اس کے اہل و عیال کو لے اجمیر آجائے۔

دربار میں پیشی 15/ فروردین

5/ اپریل 1614ء کو خان اعظم دربار میں پیش کیا گیا اور 9/ کو اسے آرام دہ گوالیار کے قید خانہ میں بھیج دیا گیا اور نگرانی پر اس کا سخت ترین دشمن اعتقاد خاں مقرر کیا گیا جو اب آصف خاں کے خطاب

---

(38) جہانگیر کا بیان ہے کہ "میں نے اسے سنہری زردوزی کی قباعطا کی اور موتیوں کی جھالر کے مرصع پھول اور ایک زردوزی کی پگڑی موتیوں کے ہار کے ساتھ ایک زردوزی کا کمربند موتیوں کی جھالر کا، ایک خاص ہاتھی موسومہ فتح گج موسازو سامان کے، ایک مخصوص گھوڑا، مرصع تلوار مرصع کھپوا اور پھول کٹار (راجرس و بیورج) جلد اول 256 مآثر جہانگیر (مخطوطہ خدا بخش صفحہ 88 (الف)) اقبال نامہ صفحہ 72 خافی خان جلد اول صفحہ 277۔

(39) جہانگیر (راجرس و بیورج) جلد اول صفحات 357، 358 اقبال نامہ صفحہ 73۔

سے ملقب تھا۔ (40) نور جہاں کا جتھا جو کامل حصول اقتدار کی دل و جان سے کوشش کر رہا تھا اس میں خان اعظم کی تذلیل بھی ایک تدبیر تھی۔ اسی زمانے میں خسرو کو جسے کچھ دن دربار میں حاضری کی اجازت ملی تھی۔ اس کا دربار میں آنا ممنوع کر دیا گیا۔ (41) اسی زمانہ میں اعتماد الدولہ اور اس کی اولاد نے دن دونی رات چوگنی ترقی کی اور اپنے کئی ساتھیوں کو سرکاری ملازمت میں داخل کر دیا۔ اسی زمانہ میں شہزادہ خرم نے اپنے حامیوں سیف خاں بارہہ، دلاور خاں، کشن سنگھ سر فراز خاں وغیرہ کو ترقیاں دلائیں۔ (42)

رہائی

اکبر کی روح پھر اپنے دودھ شریک بھائی کے لیے نمودار ہوئی۔ وہ خواب میں اپنے لڑکے کو نظر آیا اور کہا" بابا؟ میری خاطر سے خان اعظم کا قصور معاف کر دو۔!" چنانچہ یہ ضعیف العمر گوالیار کے شاہی قید خانے سے اس شرط پر رہا کیا گیا کہ وہ شاہی دربار میں زبان درازی نہ کرے گا۔ جب تک اس سے کچھ پوچھا نہ جائے۔ جب وہ دربار میں پیش ہوا تو جہانگیر کا بیان ہے کہ "میں نے اپنے دل میں اس سے زیادہ شرم محسوس کی جتنی اسے ہوئی ہوگی اور اس کے سارے قصور معاف کر کے خود اپنی شال جو کمر میں لپٹی ہوئی تھی اسے دے دی۔ (43)

شہزادہ خرم

اس اثنا میں شہزادہ خرم اپنی مہم کو بڑی قابلیت، بے رحمانہ سختی اور غیر معمولی خوش قسمتی کے ساتھ چلا تا رہا۔ اسے عبداللہ خاں کی کمک مل گئی اور اس نے پانچ ہزار سپاہیوں کی ایک جماعت محمد تقی کے ماتحت جو بعد کو شاہ قلی خاں ہو گیا۔ ملک کو تاراج کرنے کے لیے آگے بھیج دیا۔ کھیتیاں اور باغ جلا دیے گئے۔ دیہات اور شہر لوٹ لیے گئے اور مندر مسمار کر دیے گئے۔ میدانی علاقہ جسے مہابت خاں، عبداللہ خاں، راجہ باسو اور عزیز کوکا نے پہلے ہی تاراج کر دیا تھا۔ اب بالکل ہی ویران کر دیا گیا لیکن خرم کی مہم کا اصل مقصد یہ تھا کہ راجپوتوں کو ان کے پہاڑ پناہ گاہوں میں بھوکا مار دیا جائے۔

کئی فوجی چھاؤنیاں قائم کی گئیں

سارے ملک میں خاص کر دروں، گھاٹیوں اور وادیوں کے سروں پر فوجی چھاؤنیاں قائم کر دی

(40) جہانگیر (راجرس و بیوریج) جلد اول صفحات 258، 260، 261 اقبال نامہ صفحہ 74۔ مآثر الامرا (بیوریج) جلد اول صفحہ 330 نے عجیب قصہ بیان کیا ہے جو اگرچہ قیاسی ہے مگر اس سے اس زمانہ کے خیالات کا اندازہ ہوتا ہے کہ وہ خان اعظم جو اس وقت قید میں تھا اس نے ایک مرتبہ کہا کہ اس نے اپنی قوت متخیلہ کا کبھی استعمال نہیں کیا ہے۔ اس سے آصف خاں کو خیال ہوا اور اس نے جہانگیر سے شکایت کی کہ خان اعظم اسے ختم کرنے کے لیے کوئی عمل پڑھ رہا ہے اور چونکہ عملیات میں نفس کشی اور گوشت سے پرہیز کی ضرورت ہوتی ہے اس لیے خان اعظم کو مرغ اور تیتر وغیرہ کی مرغن غذا ملنے لگی۔

(41) جہانگیر (راجرس و بیوریج) جلد اول صفحہ 192 اقبال نامہ 74۔

(42) جہانگیر (راجرس و بیوریج) جلد اول صفحہ 260۔

(43) مآثر الامرا (بیوریج جلد اول صفحہ 330) اس خاموشی کی شرط کا ذکر نہ جہانگیر نے کیا اور نہ معتمد خاں نے مگر جہاں تک ہمیں عزیز کی بے قید زبان درازی کا علم ہے ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ بات یقیناً صحیح ہوگی۔ مآثر الامرا کا یہ بھی بیان ہے کہ ایک رات بادشاہ نے خان اعظم کے بڑے لڑکے جہانگیر علی خاں سے کہا کہ وہ اپنے باپ کی حرکات کو قابو میں رکھے۔ لڑکے نے جواب دیا کہ وہ ہر بات کی ضمانت کر سکتا ہے مگر اس کی زبان درازی کا کوئی علاج نہیں۔

گئیں تاکہ رسد نہ جاسکے اور غنیم عاجز ہو جائے۔ مغلوں نے جو تباہی برپا کی تھی اس سے خود انہیں بھی تکلیف ہوئی ایک سب سے اہم چھاؤنی کمھل میر نوازش خاں کے ماتحت کی گئی جس میں جلد ہی قحط پڑ گیا اور مغل سپاہی سینکڑوں کی تعداد میں مرنے لگے۔ (44)

پھر بھی جنگ پوری شدت سے جاری رہی۔ پرستش کے مقامات پر لڑائی سب سے زیادہ سخت تھی۔ مغل مورخین صاف صاف اقبال کرتے ہیں کہ راجپوت لڑنے والوں کے گروہ ہمیشہ بڑی بے جگری اور بہادری سے لڑتے تھے جس سے اکثر مغل افسروں کے دل پر خوف طاری ہو جاتا تھا۔ رانا امر کے ایک لڑکے کے ماتحت شب خون کو محمد تقی نے بڑی مشکل سے پسپا کیا۔

شدید حملے

لیکن باوجود راجپوتوں کے بہادرانہ کارناموں کے اور باوجود آب وہوا کی تباہ کاریوں کے اور موسم کی خرابی کے شہزادہ نے شدید گرمی، موسلادھار بارش، ناقابل گذر جنگلوں اور وبائی دلدلوں کے فوجی کارروائیاں جاری رکھیں۔ 1614ء کے شروع میں اس نے امر سنگھ کے کئی ہاتھی پکڑ لیے جن میں سب سے بہتر اور سب سے زیادہ پیارا ہاتھی عالم گمان بھی تھا اور انہیں اپنے والد کے پاس اس یقین دہانی کے ساتھ بھیجا کہ رانا بھی جلد گرفتار ہو جائے گا۔ (45)

امر سنگھ کی حالت زار

امر سنگھ ویسی ہی حالت زار کو پہنچ گیا تھا جیسی 80-1579ء میں رانا پرتاپ کی ہو گئی تھی۔ میدانی علاقہ غنیم کے قبضہ میں تھا۔ رسد آنا بند ہو گیا تھا اور روز روز کی جھڑپیں راجپوتوں کی صفوں میں رخنہ ڈال رہی تھیں تاکہ بندی سے قحط اور ہولناک وبائی بیماریاں پیدا ہو گئی تھیں۔ مغل سلطنت کے وسیع وسائل اور شہزادہ خرم کی غیر معمولی دلیری اور استقلال کے پیش نظر مصیبت بہت جلد ختم ہونے کی توقع نہ تھی۔ ان مایوس کن حالات میں بھی رانا پرتاپ کے قدم جمے رہتے اور وہ اطاعت شعاری پر مر مٹنے کو ترجیح دیتا مگر دباؤ کی شدت نے امر سنگھ کی کمر توڑ دی اور اس کے ہمراہی چھوڑ چھوڑ کر بھاگنے لگے۔ اب سرخ جھنڈے تلے مٹھی بھر آدمی رہ گئے تھے۔

صلح کا مشورہ

لڑائی سے تھکے ہوئے امراء نے التجا کے ساتھ صلح کا مشورہ خصوصاً اس لیے کہ محض برائے

---

(44) مآثر الامراء (بیورتج) جلد اول صفحہ 400 شہزادہ خرم نے حسب ذیل فوجی چھاؤنیاں قائم کیں۔ کمھل میر، جھاؤن، کوگندہ، انجوانگنے، چوند، بیجاپور، جادر، مدادی، کیواڑے، سدادی۔

(45) بیر نبود صفحات 264 تا 266 کا بیان ہے کہ کرن سنگھ امراء کے اصرار پر مجبور ہو گیا کہ صلح کر لے۔ راجپوت روایات کا بیان ہے کہ امر سنگھ نے اس مسئلہ پر عبدالرحیم خاں خاناں سے نظم میں مراسلت کی اور خان خاناں نیا سے جمے رہنے کا مشورہ دیا۔ یہ صحیح نہیں ہے۔

نام مغلوں کا اقتدار مان لینے پر صلح حاصل ہو جائے گی۔ شہزادہ کرن نے اسی طرف اپنا اثر ڈالا۔ (46) قوم کے مفاد کا بھی یہی تقاضا تھا۔ تہذیب کے آثار جو نصف صدی کی جنگ میں تباہ ہو گئے تھے۔ ان کی از سر نو تعمیر کے لیے امن کی ضرورت تھی۔

صلح کی گفت و شنید

امر سنگھ نے اپنے چچا شبھ کرن اور اپنے معتمد افسر ہری داس جالا کے ذریعہ صلح کی سلسلہ جنبانی کی۔ اس نے مغل سلطنت کا اقتدار تسلیم کرنے، شہزادہ کی خدمت میں حاضر ہونے اور اپنے لڑکے کو دربار میں حاضری کے لیے روانہ کرنے کی پیشکش کی اور خود دربار کی حاضری سے معذوری کی تجویز کی اور یہ کہ کوئی علاقائی الحاق یا تاوان کا مطالبہ نہ کیا جائے۔

جہانگیر نے رانا کے شرائط مان لیے

شہزادہ خرم نے راجپوت پیام بروں کو خود اپنے سیکریٹری ذی علم ملا شکر اللہ شیرانی اور اپنے ملازم خاص سندر داس کے ہمراہ بادشاہ کی خدمت میں اجمیر روانہ کیا اور مجوزہ شرائط کو قبول کرنے کی سفارش کی۔ جہانگیر نے بخوشی بلا قید و شرط کے یہ شرائط مان لیے اور ایک فرمان نافذ کیا جس پر اپنے دست مبارک کی چھاپ لگائی اور خرم کو صلح نامہ مرتب کرنے کا اختیار دیا۔

چتوڑ کے قلعہ کو مسلح نہ کیا جائے

صرف ایک تکلیف دہ شرط لگائی گئی کہ چتوڑ کا قلعہ تو رانا کو واپس کر دیا جائے مگر اسے مسلح نہ کیا جائے نہ اس کی مرمت کی جائے۔

اپنے والد کی طرح شہزادے نے حسب موقع عمل کیا اور شکست خوردہ غنیم کی پورے آداب و احترام سے پذیرائی کی۔ اس نے ملا شکر اللہ اور سندر داس کو شاہی فرمان لے کر روانہ کیا اور شاہانہ مراعات کا امیدوار کیا۔ یہ طے کیا گیا کہ رانا اور اس کے لڑکے یکشنبہ 26/ بہمن کو ملاقات کریں۔ (47)

امر سنگھ کی شہزادہ سے ملاقات

رانا اپنے چند ہمراہیوں کے ساتھ باہر آیا، آداب بجالایا اور ایک مشہور بڑا ہیرا، چند مرصع اشیاء

---

(46) بیر نبود صفحات 264 تا 266 کا بیان ہے کہ کرن سنگھ امراء کے اصرار سے مجبور ہو گیا کہ صلح کرے۔ راجپوت روایات کا یہ بیان ہے کہ امر سنگھ نے اس مسئلہ پر عبدالرحیم خان خاناں سے نظم میں مراسلت کی اور خان خاناں نے اسے جمے رہنے کا مشورہ دیا۔ یہ صحیح نہیں ہے۔

(47) جہانگیر (راجرس و بیورج) جلد اول صفحات 2-274-273۔ اقبال نامہ صفحات 76 و 77 مآثر جہانگیری (مخطوطہ خدا بخش) صفحہ 103 (الف) خافی خان جلد اول صفحہ 279 مآثر الامراء (بیورج) 149، 412 گلیڈون صفحہ 30 ٹاڈ جلد اول صفحات 286 تا 291 بیر نبود صفحات 266 تا 267 شکر اللہ کے حالات کے لئے دیکھو مآثر الامراء (بیورج) جلد اول صفحات 149 تا 153 بادشاہ نامہ جلد دوم صفحات 339 تا 340 عنایت خاں کا بادشاہ نامہ (الیٹ وڈاوسن) جلد ہفتم صفحہ 103 جہانگیر کے انتقال کے بعد چتوڑ کی قلعہ بندی شاہجہاں کی میواڑ کے خلاف جنگ کا اصل سبب تھا امر سنگھ اور جہانگیر کے مابین صلح نامہ کے فوراً بعد چتوڑ کے حال کے لیے دیکھو صفحہ 102۔

اور سات ہاتھی نذر کیے۔ بس یہی اس کی کائنات رہ گئی تھی اور نو گھوڑے۔ اس نے حسب معمول سلام کیا۔ شہزادہ خرم نے اسے گلے لگایا اور اپنے برابر بٹھا کر بے تکلفانہ گفتگو کی اور اس کی اور اس کے افسروں کی اعلیٰ درجہ کی خلعتوں، مرصع تلواروں اور گھوڑوں اور ہاتھیوں کے تحفہ سے عزت افزائی کی۔ (48)

شہزادہ خرم اور کرن کی ملاقات

رانا کے واپس جانے کے بعد شہزادہ کرن آداب بجالانے کے لیے حاضر ہوا۔ (49) اور اسے اعلیٰ درجہ کی خلعت مرصع تلوار اور خنجر، ایک گھوڑا معہ طلائی ساز اور ایک خاص ہاتھی دیا گیا۔

اجمیر کو روانگی

اسی دن شام کو دونوں شہزادے اجمیر روانہ ہو گئے۔ (50)

تبصرہ

اس طرح میواڑ کی مہم کا خاتمہ ہوا۔ فارسی مورخین نے خوب بغلیں بجائیں کہ آخری راجپوت حکمراں بھی محکوم ہو گیا۔ جہانگیر بہت خوش ہوا کہ جس اہم کام نے اکبر کو چکرا دیا تھا وہ انجام پا گیا۔

امر سنگھ کی کمزوری اور بزدلی کی اکثر مذمت کی جاتی ہے۔ یہ تو ماننا ہی پڑے گا کہ اس میں رانا پرتاپ جیسا آہنی عزم نہ تھا لیکن پرتاپ بھی اس کے سوا اور کیا کرتا کہ چند سال تک اور لڑتا رہتا میواڑ کے لوگوں کے مفاد کا تقاضا تھا کہ آزادی کو قربان کر کے صلح حاصل کی جائے۔ اس لیے کہ اس قربانی کا مطلب صرف اس قدر تھا کہ مغلوں کے اقتدار اعلیٰ کو صرف مان لیا جائے۔ بادشاہ جہانگیر کا رویہ بہت ہی قابل تعریف ہے کہ اس نے شکست خوردہ غنیم سے نہایت ہی مصالحانہ پالیسی اختیار کی۔ میواڑ کے اندرونی نظم و نسق میں کوئی مداخلت نہیں کی، رانا کے احساس خودداری کا پورا احترام کیا کہ اسے دربار کی حاضری سے مستثنیٰ رکھا اور کسی ازدواجی رشتہ کا مطالبہ نہیں کیا پھر بھی رانا نے اپنے وقار کو اتنا مجروح سمجھا کہ کچھ دنوں بعد وہ اپنے لڑکے کے حق میں تخت سے دست بردار ہو گیا۔ (51) اس کے بعد سے میواڑ کے راناؤں نے مغل سلطنت سے وفاداری کا رویہ برقرار رکھا تا آنکہ اورنگ زیب کی پالیسی نے رانا سنگھ کو علانیہ بغاوت پر آمادہ نہیں کیا۔

---

(48) جہانگیر (راجرس و بیورتج) جلد اول صفحہ 276 کا بیان ہے کہ رانا نے خرم کے پیر پکڑے اور اپنے قصوروں کی معافی مانگی۔ یہ بیان علاوہ بذات خود ناقابل قیاس ہونے کے (اس لیے کہ آداب بجالانے کے لیے بادشاہ یا رئیس کے پیر پکڑنے کی رسم نہ مغلوں میں تھی نہ راجپوتوں میں) اس کی تائید دوسرے مورخین نے نہیں کی ہے۔ اقبال نامہ 77 خافی خاں جلد اول صفحہ 279 گلیڈون صفحہ 30۔

(49) راجپوتوں میں یہ دستور تھا کہ کسی بادشاہ یا شہزادے کو آداب بجالانے کے وقت ولیعہد کو اپنے باپ کے ساتھ نہ جانا چاہیے۔ چنانچہ شہزادہ کرن اپنے باپ کے بعد آیا اگرچہ اسی دن۔ اس لیے شام ہی کو خرم اجمیر روانہ ہونے والا تھا۔ میواڑ کے مختصر حالات مآثر الامرا (بیورتج) جلد اول صفحات 283، 319، 399، 419، 457، 587، میں دیکھے جا سکتے ہیں۔

(50) جہانگیر (راجرس و بیورتج) جلد اول صفحہ 176۔ اقبال نامہ صفحہ 77 خافی خاں جلد اول 279 گلیڈون صفحہ 31۔

(51) ٹاڈ جلد اول صفحات 291، 292۔

اجمیر

شہزادہ خرم اور کرن جلد ہی اجمیر پہنچ گئے۔ اس کار آمد مقام کو 1561ء میں اکبر نے مغل سلطنت میں شامل کر لیا تھا۔ اکبر نے قلعہ کی توسیع اور مرمت کی اور شہر کو ایک مضبوط فصیل اور گہری خندق سے مستحکم کر دیا، شاندار محل تعمیر کیے اور اپنے امرا کو اپنے محل تعمیر کرنے کا حکم دیا۔ 1574ء تک شہر کی حالت بالکل بدل گئی تھی۔ یہ اسی نام کے صوبہ کا مستقر بنا دیا گیا اور آس پاس کی ماتحت ریاستوں کے لئے منارہ نگرانی کا کام دینے لگا۔ یہ مغربی ہندوستان اور گنگا کی سطح سرزمین کے مابین تجارت کی ایک شاہراہ پر واقع ہے اور مدتوں تجارت کا مرکز رہ چکا ہے۔ ایسٹ انڈیا کمپنی نے اپنا ایک اولین کارخانہ یہیں قائم کیا تھا۔ (52)

اس کا مذہبی تقدس

لیکن عام طور پر لوگوں کے نزدیک اس کی اہمیت نہ تو اس کی فوجی حیثیت کی بنا پر ہے اور نہ اس کی تجارتی سرگرمیوں کی بنا پر بلکہ باعظمت درویش حضرت معین الدین چشتی کے مزار کی بنا پر۔

حضرت معین الدین چشتی کا مزار

اکبر نے شہزادہ سلیم کی پیدائش پر یہاں کا مشہور پاپیادہ سفر کیا تھا جس کا لوگوں کے ذہن پر گہرا نقش پڑا جس کا تمام معاصر مورخین اور یورپین سیاحوں نے ذکر کیا ہے۔ جس زمانہ کا ہم ذکر کرتے ہیں اس وقت اس مزار کی جو حالت تھی اس کی بڑی خوبی سے تفصیل ولیم فنچ نے بیان کی ہے۔

ولیم فنچ کا بیان

وہ لکھتا ہے۔ قبل اس کے کہ مزار تک پہنچیں آپ کو تین خوبصورت احاطوں سے گزرنا ہوگا جن میں سے پہلا تقریباً ایک ایکڑ زمین پر ہے اور اس میں سفید سیاہ سنگ مرمر کا فرش ہے اور اسی میں "ملاحتی" محمد کے کئی عزیزوں کی قبریں ہیں۔ بائیں طرف ایک خوبصورت حوض ہے جو پتھر کی دیوار سے گھرا ہے۔ دوسرے احاطہ کا فرش بھی پہلے ہی جیسے احاطہ کا ہے مگر زیادہ قیمتی اور لندن کے اکسچینج سے دوگنا وسیع ہے اور جس میں ایک عجیب طرح کا شمعدان لٹکتا ہے جس میں کئی روشنیاں ہیں (شاید موم بتیوں کا درخت یا جھاڑ ہوگی۔ مترجم) تیسرے احاطہ میں آپ ایک ٹوٹے ہوئے دروازہ سے گزریں گے جس کی عجیب ساخت ہے۔ یہ تینوں احاطوں میں سب سے زیادہ خوبصورت ہے۔ خصوصاً مزار کا دروازہ جہاں فرش عجیب طرح کے ملے جلے پتھروں کا ہے۔ دروازہ بہت بڑا اور سیپ کے کام کا ہے اور مزار کے قریب کا فرش سنگ مرمر کا ہے۔ دروازہ عجیب طرح کی سیپیوں اور طلائی کام کا ہے اور مزار کے قریب صحن سنگ مرمر

(52) اکبر نامہ (بیورج) جلد دوم صفحہ 516 نظام الدین (ایلیٹ وڈاوسن) جلد پنجم صفحہ 335 فرشتہ (برگس) جلد دوم صفحہ 234 بدایونی (لو) جلد دوم صفحہ 234۔ اجمیر میرواڑ کا موجودہ صوبہ (25.24 شرقی شمالی عرض البلد اور 75.24 شرقی طول البلد کے درمیان واقع ہے۔ جغرافیائی نقشہ کے لیے دیکھو اجمیر میرواڑ گزیٹر صفحات 1 تا 9 شہر اجمیر آگرہ سے 227 میل دہلی 230 میل، جے پور سے 48 میل اور برہان پور سے 448 میل کے فاصلہ پر ہے۔

سے چنا ہوا ہے۔ خود مزار سیپیوں اور طلائی نقوش سے عجیب طرح کا بنا ہے اور مزار کا کتبہ فارسی میں ہے۔ ذرا سے فاصلہ پر حضرت چشتی کی نشست گاہ ہے جو بالکل الگ تھلگ تاریک جگہ پر ہے جہاں وہ بیٹھ کر آئندہ کی باتیں بتاتے تھے اور اس کا بڑا احترام کیا جاتا ہے۔ مشرق کی طرف تین اور احاطے ہیں جن میں سے ہر ایک میں ایک خوبصورت حوض ہے۔ شمال اور مغرب کی طرف کئی مختلف قسم کے خوبصورت مکان ہیں جن میں اہل سلسلہ رہتے ہیں۔ یہ ذہن نشین رہے کہ ان میں سے کسی جگہ آپ جوتا پہنے ہوئے نہیں جا سکتے ہیں۔(53)

سالانہ عرس

مزار پر جو سالانہ عرس ہوتا ہے اس میں پہلے کی طرح اب بھی کثیر التعداد ہندو اور مسلمان شریک ہوتے ہیں۔

جہانگیر کے زمانے میں

جہانگیر کے عہد میں اگرچہ یہ "حقیر پرانا شہر" نہ تھا جیسا کہ سر طامس رو نے لکھا ہے(54) تاہم وہ آگرہ، لاہور یا دلی کی طرح ایسا موزوں نہ تھا کہ مغل سلطنت کا مستقر بن سکے۔ بادشاہ کی آمد کی امید میں چند عالی شان محل تعمیر ہو گئے تھے اور کئی عنقریب اپنی بلندی پر پہنچنے والے تھے۔

شاہی کیمپ

بادشاہ اور فوج کا بیشتر حصہ اپنے خیموں میں مقیم تھا جن سے ایک پورا شہر بن گیا تھا۔ سر طامس رو کے پادری ٹیری کا بیان ہے کہ "شاہی کیمپ بڑا شاندار ہے جیسا کہ ہر شخص جس نے بکثرت شہ نشینوں اور خیموں کو دیکھا ہو قیاس کر سکتا ہے۔ یہ سب برابر نصب ہیں اور ایک بڑے شہر کا منظر پیش کرتے ہیں۔ میرے خیال میں یہ سب ملا کر بہت وسیع جگہ گھیرے ہیں میرے اندازے میں کہ ایک سرے سے دوسرے سرے تک پانچ انگریزی میل کی لمبائی میں ہیں۔ کسی پہاڑی پر سے دیکھنے میں جہاں سے یہ سب نظر آ سکیں بہت ہی خوبصورت معلوم ہوتے ہیں۔۔۔۔"

"اس لشکر میں جو خیمے نصب ہیں۔۔۔۔۔ وہ بیشتر سفید ہیں جیسے ان کی مکینوں کے لباس، لیکن مغل سرداروں کے خیمے سرخ ہیں اور بلیوں پر کھڑے ہیں جو دوسروں سے زیادہ بلند ہیں۔ یہ خیمے کیمپ کے وسط میں نصب ہیں اور زمین کا وسیع رقبہ گھیرے ہیں اور ہر طرف سے نظر آتے ہیں"۔

"سامنے کی طرف صحن کے باہر خیمہ کے اندر ایک بڑا کمرہ سات بجے اور نو بجے کے درمیان بادشاہ کے قیام کا ہے جسے غسل خانہ کہتے ہیں۔۔۔۔۔"

"بادشاہ کے خیمہ کے گرد قناتیں کھڑی ہیں جیسے ہمارے یہاں کے پردے جو ایک دوسرے سے

---

(53) پرچہ جات جلد چہارم صفحہ 61 نیز دیکھو بیلز منڈی صفحہ 224 گلیڈون 36 موجودہ زمانہ میں اس کی جو صورت ہے اس کی تفصیل کے لیے دیکھو آرکیالوجیکل سروے جلد 23 صفحات 35 تا 39 ہربلاس ساردا کی اجمیر ہسٹاریکل اینڈ ڈسکرپٹیو اجمیر 1911ء

(54) رو جلد اول صفحہ 113۔

ملے ہوئے ہوں۔ یہ قناتیں اس وقت اونچی ہیں جس کا حاشیہ بھی اسی کپڑے کا ہے اور ہر چوڑان پر بید سے مضبوط کیا گیا ہے۔ لیکن باہر کی طرف ان کی حفاظت مسلح سپاہیوں کا ایک بڑا دستہ کرتا ہے جو رات دن پہرہ دیتا ہے۔ بڑے امرا کے خیمے بھی ایسے ہی بڑے بڑے ہیں اور شاہی خیمے کے گرد نصب ہیں کہ ہم ایک جگہ سے دوسری جگہ بالکل سیدھ میں جاسکتے ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہم ایک ہی جگہ کھڑے ہیں۔ مختلف راستوں اور بازاروں سے گزرتے ہوئے ہم اپنا رخ یکساں خیموں کے درمیان بادشاہ کے خیموں کے رخ سے معین کرتے ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنی جگہ پر مستقل ہیں۔ (55)

کئی امرا نے یہاں آنے کے جلد ہی بعد عارضی عمارتیں کھڑی کرلیں جو چند سال بعد کھنڈر ہو گئیں۔ (56)

جہانگیر نے اجمیر میں اپنے تین سال کے قیام میں برابر جھروکہ، دربار اور کونسل میں نشست کی۔ (57) یہاں شہزادہ خرم کو زبردست فتح حاصل ہوئی۔ جب وہ بادشاہ کے سامنے سربسجود ہوا تو بادشاہ نے اسے قریب بلا کر گلے لگالیا اور اس پر تحفوں کی بارش کردی۔ (58) شہزادہ کرن دربار میں حلقہ کی داہنی طرف آگے کھڑا کیا گیا اور ایک اعلیٰ درجہ کی خلعت اور مرصع تلوار اسے دی گئی۔ بعد کو اسے طرح طرح کے تحفے ملے۔ اگلے نوروز کو مارچ 1615ء میں اسے پانچ ہزار ذات و سوار کا منصب ملا اگرچہ نئے ماحول سے وہ کسی طرح سے مانوس نہ ہو سکا تھا۔ (59)

---

(55) ٹیری صفحات 398 تا 400، 201 تفصیلی حالات اور شاندار الفاظ میں دیکھو برنیر صفحات 359 تا 370۔ آئین جلد اول صفحات 45 تا 48۔ دیکھو بلوکمین کی کتاب کے آخر میں تصویریں مختصر حال مانسٹرات (ہوائے لینڈ و بنرجی) صفحات 75 تا 77 میں ہے۔

(56) پیٹر منڈی صفحہ 242۔ نیز دیکھو رو صفحات 105، 133 پرچہ جات چہارم صفحات 440، 60 تا 61 پیٹر منڈی جلد دوم صفحات 242 تا 244 تھیو ناٹ جلد سوم صفحہ 48۔ ناگمین تھملر جلد اول صفحہ 310 ہمر جلد دوم صفحہ 31۔ ٹاڈ جلد اول صفحات 606 تا 613 خلاصۃ التواریخ ترجمہ سرکار انڈیا آف اورنگزیب میں صفحات 57 تا 58 آرکیالوجیکل سروے جلد 23 صفحات 39 تا 40۔

(57) اجمیر میں وہ 18/ نومبر 1613ء کو پہنچا اور 10/ نومبر 1616ء کو وہاں سے روانہ ہوا۔ جہانگیر (راجرس و بیورج) جلد اول صفحہ 340 دربار کے متعلق سرطامس رو کی سفارت صفحات 106 تا 108، 110، 112 ٹیری صفحہ 389۔ کوریات کی کروڈی ٹیزان سیچڈ پرچہ جات جلد چہارم صفحہ 475۔

(58) جہانگیر (راجرس و بیورج) جلد اول صفحہ 277۔

(59) شہزادہ کرن ذرا بے چین اور پریشان رہتا تھا۔ شاید جیسا کہ ٹاڈ کا خیال ہے کہ (جلد اول صفحہ 291) ماتحتی اور ذلت کے احساس کی وجہ سے جس کی تلافی کسی طرح نہیں ہو سکتی تھی۔ جہانگیر نے اسے اس کی جنگلی فطرت اور آدمیوں کے مجمع سے وحشت پر محمول کیا اور اس کے ازالہ کی ہر طرح کوشش کی۔ وہ بڑی سادگی سے لکھتا ہے:-

"چونکہ کرن کا دل ہاتھ میں لینے کی ضرورت تھی اس لیے میں نے روزانہ اس سے طرح طرح کی مہربانی کی چنانچہ اس کی دربار میں حاضری کے دوسرے دن اسے ایک خاص عراقی گھوڑا معہ مرصع ساز کاٹھی کے دیا جس دن وہ زنان خانہ میں گیا تو نور جہاں بیگم کی طرف سے اسے ایک بیش قیمت خلعت، ایک مرصع تلوار، ایک گھوڑا، مع ساز کے اور ایک ہاتھی دیا گیا۔ اس کے بعد میں نے اسے ایک نہایت قیمتی موتیوں کی لڑی دی۔ اس کے دوسرے دن ایک خاص ہاتھی مع ساز کے دیا گیا۔ چونکہ میرا خیال تھا کہ اسے ہر قسم کی کوئی نہ کوئی چیز دی جائے۔ اس لیے میں نے اسے تین عقاب، تین شکرے، ایک خاص تلوار، ایک زرہ بکتر اور دو انگوٹھیاں دیں جن میں سے ایک عقیق اور ایک میں زمرد جڑا تھا۔ مہینہ کے آخر میں نے حکم دیا کہ اسے ہر قسم کے کپڑے اور قالین مع تکیوں کے دیے جائیں اور ہر قسم کے عطر، سونے کے برتن، گجراتی گاڑیاں اور کپڑے سو کشتیوں میں رکھ کر دیے جائیں۔ یہ سب احدی ہاتھوں اور کندھوں پر لے کر دربار عام میں آئیں اور کرن کے حوالے کریں"۔ بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر...

سب سے زیادہ خوشی کی بات جہانگیر کا یہ رویہ تھا کہ اس نے شکست خوردہ غنیم کی ہمت و شجاعت کی سچے دل سے تعریف کی اور آگرہ میں جھروکہ کے نیچے دو پورے جسم کے بت گھوڑے پر سوار رانا امر سنگھ اور کنور کرن کے نصب کرائے۔ (60)

سر طامس رو کے مشن پر تبصرہ

سر طامس رو 1580ء یا 1581ء میں انگلستان کے مقام لٹن میں پیدا ہوا اور اکتوبر 1593ء آکسفورڈ میگڈلن کالج میں داخل ہوا اور 1597ء میں میڈل ٹمپل میں کچھ دن بعد وہ ملکہ الزبتھ کے حفاظتی دستہ میں اسکوایر کے عہدہ پر مامور ہو گیا۔ اور 1605ء میں جیمس اول نے اسے نائٹ کر دیا۔ اسے شہزادہ ہنری اور اس کی بہن الزبتھ کی دوستی حاصل ہو گئی۔ 1610ء میں وہ تحقیقاتی سیاحت پر گیا تا گیا جس میں کہا جاتا ہے کہ وہ غیر معروف دریائے امیزن پر تین سو میل اندر تک چلا گیا اور اس کا کنارہ دہانہ سے لے کر الیسو کر تک چھان ڈالا اور جولائی 1611 میں انگلستان واپس پہنچ گیا تین سال 1614ء میں وہ ٹیمور تھ کی طرف سے ایڈلڈ پارلیمنٹ کا ممبر ہو گیا مگر اسے محسوس ہوا کہ اس کے سیاسی خیالات جیمس اول سے مختلف ہیں۔

(بقیہ حاشیہ... 59) سر طامس رو نے شہزادہ کرن کو دربار میں دیکھا۔ دیکھو ایمبسی (مرتبہ فاسٹر) صفحات 145۔149۔150۔ شہزادہ کرن کو جو عطیات دیے گئے ان کے متعلق سفیر مذکور نے لکھا کہ رانا کو کو (جسے وہ سکندر اعظم کے غنیم پورس کا سچا جانشین سمجھتا تھا) طاقت سے نہیں بلکہ مراعات سے قابو میں کیا گیا۔ بادشاہ نے اس پر قبضہ نہیں کیا بلکہ اس کی آؤ بھگت کی۔ اس کی وجہ سے سلطنت کی آمدنی میں کوئی اضافہ نہیں ہوا بلکہ اس کے برعکس اس کی ایک بھاری پنشن مقرر کی گئی۔ (رو کا خط لارڈ کیریو کے نام ایمبسی صفحہ 111) کرن اور دوسرے راجپوت سرداروں کے نام فرامین اور عطیات جاری کیے گئے جواب تک اودے پور میں محفوظ ہیں۔ ان کے ہندی ترجمے بیر نبود کے صفحات 269 تا 279، 285 تا 295 میں دیکھے جاسکتے ہیں۔
جہانگیر نے ماہ بہمان اور جشن نوروز کے بعد بھی شہزادہ کرن پر عنایات جاری رکھیں۔ کبھی کبھی وہ کرن کو شکار پر لیجاتا اور اپنی نشانہ بازی کے کارنامے دکھاتا۔ (جلد اول صفحات 286، 287)

9/ اردی بہشت کو اس نے کرن کو ایک لاکھ داراب دیے (صفحہ 287) 20/ کو بیس گھوڑے، ایک کشمیری کپڑے کی قبا۔ بارہ ہرن اور دس عربی کتے دیے اور دوسرے دن یکم خورد داد کو چالیس گھوڑے اور 2/ کو اکتالیس گھوڑے اور 3/ کو بیس گھوڑے دیے (صفحہ 289) مختصر یہ کہ مہربان اور خلیق بادشاہ نے میواڑ کے ہونے والے رانا کو اپنا دوست بنانے کے لیے جو کچھ ممکن ہو سکا وہ سب کیا۔ 25 کو کرن اپنے وطن واپس ہوا اور بادشاہ نے رخصتی تحفہ کے طور پر ایک گھوڑا اور ایک خاص ہاتھی، ایک خلعت، ایک بیش قیمت موتیوں کی لڑی پچاس ہزار روپیہ کی قیمت کی اور ایک مرصع خنجر دو ہزار روپیہ کی قیمت کا۔ جہانگیر نے حساب لگایا کہ کرن کے دربار میں پہلے دن حاضر ہونے کے وقت سے اس کے رخصت ہونے تک اس نے نقد زیورات و جواہرات و مرصع اشیا جتنی اسے دیں ان کی مجموعی قیمت دو لاکھ روپیہ ہوتی ہے اور 110 گھوڑے اور پانچ ہاتھی دیے علاوہ ان تحفوں کے جو وقتاً فوقتاً شہزادہ خرم نے اسے دیے۔ (صفحات 293، 294) شہزادہ اگلے نوروز کے دن 5/ فروردین (24/ مارچ 1616ء پھر دربار میں حاضر ہوا اور سو مہر ایک ہزار روپیہ، ایک ہاتھی مع ساز اور چار گھوڑے بادشاہ کو تحفہ دیے۔ (صفحہ 347)

(60) جہانگیر (راجرس و بیورتج) جلد اول صفحہ 332۔ مجسمے 8/ شہریوار کو تیار ہوئے مجسموں کی تفصیل کے لیے دیکھو کیمبل، جرنل آف ایشیاٹک سوسائٹی بمبئی کننگھم 1864ء صفحات 159 تا 161 کرنیل جے ایبٹ، جرنل آف ایشیاٹک سوسائٹی بمبئی 1864 صفحات 375 تا 377 کننگھم جرنل آف ایشیاٹک سوسائٹی بمبئی الحاقی نمبر حصہ اول نمبر 77 تا 81 بیورتج جرنل آف رائل ایشیاٹک سوسائٹی جولائی 1909ء صفحات 743 تا 743 اور آر فراوڈ نوکر۔ جرنل آف ایشیاٹک سوسائٹی اپریل 1910ء صفحات 490 تا 494۔ دو پتھر کے ہاتھی کے مجسمے 1668ء میں اورنگ زیب نے ہٹا دیے (سرکار جلد سوم صفحہ 97) نتیجہ یہ ہے کہ اس وقت ان مجسموں کی موجودگی کا ٹھیک ٹھیک پتہ نہ لگ سکا۔

1614 میں جب ایسٹ انڈیا کمپنی نے مغل اعظم کے دربار میں .بنث جیمس کے سفیر کے عہدہ کی پیش کش کی تو اس نے اسے فوراً منظور کرلیا۔

اس کے فاضل روزنامچہ نگار کا کہنا ہے کہ "اس سے زیادہ خوشگوار انتخاب کوئی اور نہیں ہو سکتا تھا وہ جوان تھا اور تخلیقی ذہانت کا مالک۔ اچھی شہرت کا اعلیٰ علمی قابلیت کا اور محنتی انسان تھا اور بارعی یادداشت 7/ ستمبر 1614ء اس کی بارعب شخصیت اور باوقار انداز ایک مشرقی دربار میں سفارت کے لیے بہت موزوں تھے۔ اور اس سے بھی بڑھ کر اپنی سوجھ بوجھ اور ہوشمندی کے لحاظ سے وہ پوری طرح اہل تھا ایک نامور شہری خاندان کا چشم و چراغ ہونے کی وجہ سے اس کے دماغ میں عقلمندی، خوش تدبیری اور کاروباری قابلیت کا معقول سرمایہ تھا جس نے اس کے اجداد کو بلندی اور ثروت کے نمایاں درجہ تک پہنچایا تھا اور اس کے ساتھ ہی مختلف قسم کی تربیت اور نہایت ہی خوشگوار ماحول نے اسے تہذیب اور شائستگی عطا کر دی تھی۔

2/ فروری 1615ء کو وہ پندرہ ہمراہیوں کے ساتھ ظری ہوپ کی بندرگاہ سے لائن جہاز پر روانہ ہوا اور 18 ستمبر 1615ء کو سورت کے قریب سوالی روڈ پر پہنچ گیا۔ 29/ اکتوبر کو وہ اجمیر کے لیے روانہ ہوا اور راستہ میں برہان پور ٹھہرا جو افواج دکن کے رسمی کماندار شہزادہ پرویز کا مستقر تھا اور 23/ دسمبر کو وہ اپنی منزل مقصود کی طرف روانہ ہوا، مگر راستہ میں سخت علیل ہو گیا۔ جس کی وجہ سے وہ مغل دربار میں 10/ جنوری 1616ء سے پہلے حاضر نہ ہو سکا۔

بادشاہ نے اس کی پذیرائی بڑی مہربانی اور خوش اخلاقی سے کی اور اکثر اس سے یورپ کے حالات کے متعلق گفتگو کی۔ اس نے اپنی سفارت کے مقصد پر فوراً ہی کام شروع کر دیا۔ یعنی ہندوستان اور انگلستان کے مابین ایک تجارتی معاہدہ۔ وہ معمولی طرح کے شاہی فرامین سے مطمئن نہ ہوا بلکہ جیسا کہ فاسٹر نے لکھا ہے کہ وہ اس طرح کے خصوصی مراعات چاہتا تھا جیسے ترکی سلطنت میں یورپیوں کو حاصل تھے۔ معاہدہ کا مسودہ اس نے بنایا اس میں یہ شرائط تھے کہ مغل اعظم کی سلطنت کے ہر حصہ میں بشمول بنگال و سندھ کے انگریزوں کو آزادی سے آنے جانے کی اجازت ہو، ان کا تجارتی مال معمولی کسٹم کے علاوہ ہر قسم کے محاصل سے بری ہو۔ انہیں آزادی سے خرید و فروخت کی اجازت ہو اور کرایہ پر کارخانے اور کشتیاں اور گاڑیاں لینے کی اور حسب معمول قیمتوں پر رسد حاصل کرنے کی اجازت ہو۔ دوسری شرائط میں فوت شدہ عملہ کی املاک کی ضبطی، ساحل پر جانے والوں کی تکلیف دہ تلاشی، بادشاہ کے لیے تحفوں کو کھولنے اور دیگر ایسی ہی بے ضابطگیوں کی ممانعت شامل تھی۔ انگریزوں کی طرف سے وہ یہ پابندی لینے پر تیار تھا کہ بجز دشمن کے ممالک کے جہازوں کے یا کوئی اور جو انہیں نقصان پہنچانا چاہے وہ دوسرے ممالک کے جہازوں کو نہ ستائیں گے اور یہ کہ ان کے جو کارکن ساحل پر مقیم ہوں گے وہ پرامن اور خلیق ہوں گے اور مغل اعظم کے لیے نوادر مہیا کرنے کی کوشش کریں گے اور مغل اعظم کو جس سامان یا فرنیچر یا اسلحہ کی ضرورت ہو گی وہ (بہ قیمت) مہیا کریں گے اور یہ کہ وہ امن عامہ کے کسی دشمن کے خلاف مغل اعظم کی مدد کریں گے اور پرتگالی اگر آمادہ ہوں گے تو ان سے اس معاہدہ میں شرکت کے لیے کہا جائے گا اور انہوں نے چھ ماہ کے اندر اس میں شرکت پر آمادگی نہ ظاہر کی تو انہیں دشمن قرار دیا جائے گا اور سمندر میں ان سے جنگ کی جائے گی جس سے مغل اعظم کو کوئی ناراضی نہ ہو گی۔

(فاسٹر۔ مقدمہ صفحات 20، 21)

اس قسم کا معاہدہ بادشاہ اور اس کے وزیروں کے خیال میں شاہی وقار کے منافی ہو تا سر طامس رو کی تمام شخصی کشش، اصرار، سفارتی تدابیر اور دھمکیاں انہیں ایسے معاہدہ کو منظور کرنے پر آمادہ نہ کر سکیں۔ سفیر کافی مدت تک دربار میں مقیم رہ کر کوشاں رہا جس سے اسے بڑے لوگوں سے ملنے جلنے کا موقع ملا اور باوجود اس کی فارسی سے ناواقفیت کے اسے دربار کی سیاسی سرگرمیوں اور حالات سے واقفیت حاصل کرنے کا موقع ملا۔ اس کی ناکامی نے اسے دربار کے بعض عمائد مثلاً شہزادہ خرم اور وزیر آصف خاں کے متعلق ناخوشگوار رائے قائم کرنے پر مجبور کیا۔ اس نے دربار کا جو نقشہ کھینچا ہے وہ ذرا مبالغہ آمیز ہے۔ اگر اس میں بعض دلچسپ باتیں اور کچھ نئی معلومات ہیں۔

نومبر 1616ء میں وہ بادشاہ کے ہمراہ مالوہ کے صدر مستقر مانڈو گیا جہاں بادشاہ شہزادہ خرم کی دکھن کی مہم میں سہارا دینے اور مدد کرنے کے لیے مقیم تھا۔ اکتوبر 1617ء میں جہانگیر مانڈو روانہ ہو کر احمد آباد گیا جہاں رو پہلے سے روانہ ہو کر 12/ دسمبر کو پہنچ گیا۔ 1618ء کے شروع میں سفیر برہان پور گیا اور وہاں سے شروع مئی میں احمد آباد واپس آگیا۔ ستمبر 1618ء میں وہ دربار سے رخصت ہو کر انگلستان روانہ ہونے کے لیے سورت پہنچا۔ 17/ فروری 1619ء کو وہ جہاز این پر روانہ ہو کر اگست میں پلائی ماؤتھ پہنچ گیا۔

رو کے حالات کے لیے دیکھو فاسٹر کا مقدمہ ایمبسی میں۔ اسٹینلی لین پول کی ڈکشنری آف نیشنل بیا گرافی جلد 49 صفحات 89، 93۔

دسویں باب کا ضمیمہ

جہانگیر کا سفر آگرہ سے اجمیر

تاجپوشی کا آٹھواں سال سنہ ایرانی	مقام
24/ شہر یورا	آگرہ سے روانگی
25/ "	دلناب باغ میں
یکم مہر	باغ سے روانگی
10/ "	روپ باس موجودہ امن آباد میں قیام اور شکار
10/ تا 21 مہر	" میں قیام اور شکار
25 مہر	امن آباد سے روانگی
26/ آبان	اجمیر میں داخلہ

گیارھواں باب

دکن

شمالی ہند اور دکن میں تاریخی تعلقات

مغلوں کی دکن کی پالیسی ایک ہزار سال کی ہندوستانی تاریخ کا ورثہ تھی۔ دکن کی سطح مرتفع کو وندھیا اور ست پورہ پہاڑی سلسلوں نے گنگا کے میدانی علاقہ سے الگ کر دیا ہے مگر دونوں کے درمیان کا راستہ بالکل ہی بند نہیں کر دیا ہے۔ درمیانی سطح مرتفع کی آبادی کے خون۔ ان کی زبان اور طور طریقوں میں شمالی آریوں اور دراوڑی کے نمونے ملے جلے ہیں۔ صورت حال میں اختلاف تو بہت ہے لیکن اس کی وجہ سے ہمالیہ سے لے کر سمندر تک ملک کی وحدت میں فرق نہیں پڑتا۔ نیز دونوں میں ایک مذہب، ایک کلچر اور ایک نقطۂ نظر کے نشوونما میں جو سارے ملک میں مشترک ہو کوئی رکاوٹ نہیں ہوئی۔ شمال اور جنوب کی اس یک رنگی نے ہمیشہ ایک دوسرے پر غلبہ حاصل کرنے کے رجحان کو تقویت دی اور اختلافی عناصر نے ہمیشہ اس کی مزاحمت کی۔ یہ عمل فطرت سے اتنا ہم آہنگ تھا کہ ہندوستانی سیاسی مفکرین نے ایک کل ہند عام حکومت کا مقصد ہر حکمراں کے سامنے رکھا۔ تاہم سیاسی اختلاط اتنا مشکل تھا کہ دور افتادہ حصہ ملک میں حوصلہ مند حکمرانوں نے زیادہ سے زیادہ محض برائے نام اقتدار تسلیم کرنے کو کافی سمجھا۔ چوتھی اور تیسری صدی قبل مسیح کے موریہ حکمرانوں نے جو کئی لحاظ سے مغلوں کے پیشرو تھے دکنی حکمرانوں سے اپنا اقتدار تسلیم کرایا۔ اندھراؤں نے شمال پر اپنا اقتدار مسلط کر کے اس کا انتقام لیا۔ چوتھی اور پانچویں صدی عیسوی میں گپت بادشاہوں نے پورے براعظم پر اقتدار اعلیٰ حاصل کیا۔ مگر محض مختصر مدت کے لیے ساتویں صدی عیسوی میں شمال کا طاقتور حکمراں ہرش وردھن اور جنوب کا پلاکیسن ایک دوسرے جنگ کے لئے صف آرا ہوئے مگر بالآخر ملک کی آپس میں تقسیم پر راضی ہو گئے۔ جنگ ایک سے زیادہ مرتبہ تو برابر کی رہی مگر شمال کی آبادی اور دولت میں فوقیت نے اس کا پلہ بھاری رکھا۔ مسلم حکومت نے جیسے ہی شمال میں قدم جما لیے۔ علاء الدین خلجی نے اپنے ہندو پیشرووں کی روایاتی پالیسی کو پھر سے زندہ کیا چودھویں صدی کے آغاز میں خود علاء الدین اور اس کے جنرل کافور کی مہمات نے کئی ہندو سلطنتوں کی آزادی پر کاری ضرب لگائی لیکن نصف صدی کے اندر ہی علاحدگی کے عناصر نے جو ہمیشہ موجود رہے تھے پھر سے سر اٹھایا۔ دکن کی مسلم ریاستوں نے دہلی کی ماتحتی سے آزاد ہونے کی جدوجہد کی۔ محمد تغلق 51-1325ء کی مستبدانہ پالیسی نے اس رفتار کو اور تیز کر دیا۔ چونکہ شمال اور جنوب کی طرف سے دباؤ نے اتحاد کی ضرورت پیدا کر دی تھی اس لیے 1317ء میں دکن کے افسروں نے حسن گنگو بہمنی کو بادشاہ منتخب کر لیا۔

بہمنی سلطنت 1347-1498ء

اس طرح بہمنی سلطنت وجود میں آئی جو ڈیڑھ صدی عیسوی تک تاریخ کا ایک عنصر رہی۔ اس کی ماتحتی میں دکن کے ہندوؤں اور مسلمانوں نے ایک دوسرے کے ساتھ امن سے رہنا سیکھا اور دیسی ادب میں ایک نئے باب کا افتتاح ہوا۔ فارسی ادب کو بیش قیمت جواہر پاروں سے دولت ملی فنون لطیفہ نے دن دونی رات چوگنی ترقی کی لیکن اس کا تاریک پہلو بھی تھا۔ یعنی فرقہ بندی، سازش، خانہ جنگی فضول خرچی اور دربار کے اخلاق کی خرابی۔

پانچ آزاد ریاستیں

جو اسباب دوسری سلطنتوں کے زوال کا باعث ہوتے ہیں۔ قریب قریب انہیں اسباب سے تقریباً پندرہویں صدی کے آخر میں بہمنی سلطنت پانچ آزاد ریاستوں میں بٹ گئی۔ برار عماد شاہیوں کے ماتحت 1484-1572 بیدر شاہیوں کے ماتحت 1489-1609ء احمد نگر نظام شاہیوں کے ماتحت 1490-1637ء بیجاپور عادل شاہیوں کے ماتحت 1489-1656ء اور گولکنڈہ قطب شاہ کے ماتحت (1489-1686ء) ان کے تمدن کی تاریخ میں کوئی ایسی دلچسپی یا سبق نہیں ہے لیکن ان کی سیاسی تاریخ بیشتر اندرونی چپقلشوں اور بیرونی حملوں پر مشتمل ہے۔ جنوب میں طاقتور ہندو سلطنت وجے نگر کی موجودگی نے ایک اور پیچیدگی کا اضافہ کر دیا۔ ایک وقت یقیناً ایسا تھا کہ جب کہ کوئی بات خلاف قیاس نہیں معلوم ہوتی تھی کہ بیجاپور اور گولکنڈہ کی سیاست جنوب کے زیر اثر ہو جائے گی۔ لیکن رام رائے کی بیجا حوصلہ مندی نے بیجاپور، گولکنڈہ اور احمد نگر کو ایک اتحاد میں منسلک کر دیا جس نے جنوبی سلطنت کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا۔ تالی کوٹ کی لڑائی نے 1569ء میں اس کے مقسوم پر مہر لگا دی، جو ہندوستانی تاریخ کا ایک فیصلہ کن واقعہ ہے۔ شمالی ہند میں کسی طاقتور حکومت کی عدم موجودگی نے دکن کو سیاسی ترقی کرنے کا بہت اچھا موقع دیا۔

مغلوں سے تعلقات

اکبر کی سلطنت جم جانے کے بعد صدیوں پرانی اور جنوب کی کشمکش پھر شروع ہو گئی۔ برار کو احمد نگر نے پہلے ہی ہڑپ کر لیا تھا۔ بیدر کی حکومت بے حقیقت ہو گئی لیکن خاندیش کی چھوٹی سے ریاست جو 1388 میں قائم ہو گئی تھی۔ قوت دولت اور شہرت میں نمایاں ہو گئی تھی۔

خاندیش نے مغل اقتدار مان لیا

اکبر نے جب دکن کی طرف توجہ کی تو اسے چار خود مختاری حکومتوں سے سابقہ پڑا۔ یعنی خاندیش، احمد نگر، بیجاپور اور گولکنڈہ۔ اگست 1591ء میں اکبر نے ان سے مطالبہ کیا کہ اس کا اقتدار تسلیم کریں خاندیش جو بہت چھوٹی سلطنت تھی اور مغل سرحد کے قریب اس نے تعمیل کی مگر اوروں نے مبہم جواب دیے۔ (1)

(1) ابوالفیض فیضی کو خاندیش کے راجہ علی خاں کے پاس بھیجا گیا۔ خواجہ عمودالدین کو احمد نگر کے برہان الملک کے پاس میر محمد امین بیجاپور اور میر مرزا کو گولکنڈہ۔ نظام الدین (الیٹ ڈاؤسن) جلد پنجم صفحہ 460 فیضی کی نہایت دلچسپ رپورٹ کے متعلق دیکھو الیٹ ڈاؤسن جلد ششم صفحات 147 تا 149۔

مغلوں کا احمد نگر پر حملہ

احمد نگر جو مغل سلطنت کی سرحد سے ملا ہوا تھا اس نے بادشاہ کی طاقت کو سب سے پہلے محسوس کیا۔

شہزادہ دانیال کے ماتحت 1593ء

اکتوبر 1593ء میں ستر ہزار رسالہ اور بہت بڑی تعداد پیادہ سپاہ کی برائے نام شہزادہ دانیال کی سربراہی میں لیکن دراصل عبدالرحیم خان خاناں، رائے سنگھ۔ رائے بیل، حکیم عین الملک اور دیگر سرداروں کی ماتحتی میں احمد نگر پر حملہ آور ہوئی۔

شہزادہ مراد کے ماتحت

مگر شہزادہ دانیال کو جلد ہی واپس بلا لیا گیا اور 1595ء میں شہزادہ مراد کو اعلیٰ کمان پر مقرر کیا گیا مگر دونوں شہزادوں نے فوجی کارروائیوں میں رخنہ ڈالنے کے سوا کچھ نہ کیا۔

کمانداروں میں پھوٹ

کماندار ایک دوسرے حسد (2) اور دکن کے روپیہ کے اثر میں آگئے۔ احمد نگر نے برابر جنگ جاری رکھی جس کی اسے گراں قیمت دینی پڑی مگر اس کا دیوالا نہیں نکالا۔

چاند سلطانہ

4/اپریل 1595ء کو برہان الملک کا انتقال ہو گیا اور بیجاپور کے سابق حکمران کی بیوہ چاند سلطانہ اس کی جانشین ہوئی جو برہان الملک کی بہن تھی اور اگرچہ وہ باضابطہ تخت نشین نہیں ہوئی مگر اختیارات سنبھال لیے۔ پرسکون ناقابل شکست ہندوستانی سورمایانہ شجاعت اور حیرت انگیز حاضر دماغی کے ساتھ اس میں اعلیٰ درجہ کی حکمت عملی کی صفت تھی اور اندرونی اختلافات کو سلجھانے کی صلاحیت اور اس کی مقناطیسی شخصیت اس کے ہمراہیوں کا دل بڑھانے والی تھی۔

احمد نگر کا دفاع

جب مغلوں نے احمد نگر پر حملہ کیا تو اس نے ایسی مزاحمت منظم کی جس سے اس کے نام کو شہرت دوام حاصل ہو گئی۔ سرنگوں کو سرنگوں سے اڑا لیا گیا اور شکست و ریخت کی فوراً مرمت کی گئی۔

مصالحت

لیکن یہ بات خود چاند سلطانہ پر بھی واضح ہو گئی کہ احمد نگر کے وسائل بہت جلد جواب دے

---

(2) نظام الدین (ایلیٹ وڈاؤسن) جلد پنجم صفحہ 467۔ اکبر نامہ جلد سوم صفحہ 741۔ (ایلیٹ وڈاؤسن) جلد ششم صفحات 92تا94۔

جائیں گے۔ فریقین مصالحت پر آمادہ تھے۔ احمد نگر نے برار مغلوں کو دے دیا اور مغلوں کا اقتدار اعلیٰ تسلیم کر لیا۔(3) صلح کے شرائط بہت نرم خیال کیے گئے مگر دکن کی سلطنتوں کے سر پر جو سنگین خطرہ تھا اس سے آگاہ کرنے کے لیے کافی تھے۔

متحدہ محاذ منظم کیا

چاند سلطانہ نے موقعہ سے فائدہ اٹھا کر احمد نگر، بیجاپور اور گولکنڈہ کا متحدہ محاذ منظم کیا۔

قتل کر دی گئی

یہ چاند سلطانہ کی آخری کامیابی تھی اس لیے کہ اس کے بعد وہ ایک فرقہ وارانہ مخاصمت میں قتل کر دی گئی۔

مغلوں کی ایک فتح

جب پھر جنگ شروع ہوئی تو مغلوں میں پھر وطن دشمنی کی رقابتیں چھڑی ہوئی تھیں۔ شاہی فوجیں دریائے گوداوری پر فروری 1597ء میں اشتی کے قریب سوپا کے مقام پر کامیاب تو ہو گئی مگر بھاری نقصان اٹھا کر اور اس فتح سے وہ کوئی فائدہ نہ اٹھا سکیں بلکہ غیر فیصلہ کن لڑائی لڑتی رہیں۔(4)

اکبر میدان جنگ میں

اکبر کو جب عبداللہ خاں کی موت سے شمال کی طرف ازبکوں کے طویل خطرہ سے سکون حاصل ہوا تو وہ پنجاب سے روانہ ہوا(5) لیکن قبل ازیں وہ دکن میں پہنچے اسے یہ مایوس کن خبر ملی کہ خاندیش بھی غنیم کے متحدہ محاذ میں شامل ہو گیا۔

اسیر گڈھ کی تسخیر

جس وقت وہ اسیر گڈھ کے تقریباً ناقابل تسخیر قلعہ کو تسخیر کرنے میں مصروف تھا اسی وقت اسے سلیم کی بغاوت کی دل ہلا دینے والی خبر ملی۔

شمال کو واپسی

قلعہ کی تسخیر ہوتے ہی اسے عجلت کے ساتھ شمال کی طرف جانا پڑا اور اس کے اثر سے اس

---

(3) اکبر نامہ جلد سوم صفحات 742و743۔

(4) اکبر نامہ جلد سوم صفحات 719و744 (ایلیٹ وڈاوسن) جلد ششم صفحہ 95۔ مآثر الامرا (راجرس و بیورج) جلد اول صفحات 54۔55 مرا کی سرشت کے متعلق دیکھو بدایونی (لو) جلد دوم صفحات 391۔392 جہانگیر (راجرس و بیورج) جلد اول صفحہ 34۔

(5) اسی زمانہ میں مراد کثرت سے شراب نوشی سے فوت ہو گیا۔ اکبر نامہ جلد سوم صفحہ 802و806 (ایلیٹ وڈاوسن) جلد ششم صفحات 96، 97، جہانگیر (راجرس و بیورج) جلد اول صفحہ 34۔

کے افسروں کی جو کشمکش دبی ہوئی تھی وہ پر ابھر آئی اور اس کی اعلیٰ ذہانت سے جنگی کارروائیوں میں جو زور پیدا ہوا تھا وہ ختم ہو گیا۔ لڑائی چار ناچار جاری رہی اور کبھی ایک کو اور کبھی دوسرے کو کامیابی ہوتی رہی۔

جہانگیر اکبر کی پالیسی پر

جہانگیر نے تخت نشینی ہونے پر ہر سمت میں اکبر کی پالیسی اختیار کی۔ لیکن خسرو کی بغاوت اور قندھار کے محاصرہ کی وجہ سے کچھ دنوں تک وہ دکن میں شدت کے ساتھ حملہ جاری نہ کر سکا اور جب اس نے ادھر توجہ کی تو وہ زیادہ کامیابی حاصل نہ کر سکا۔ اپنی حکومت کی ساری مدت میں وہ دکن کے ایک قابل ترین کماندار اور عقلمند ترین مدبر سے الجھا رہا۔

ملک عنبر

ملک عنبر پیدائشی تو حبشی تھا، مگر وطنیت اختیار کر کے وہ پکا دکنی ہو گیا تھا۔ اس نے احمد نگر کے ایک عظیم ترین امیر چنگیز خاں فاتح برار کے ماتحت سیاسی زندگی شروع کی تھی اس نے اپنے آقا کی خدمت مثالی عقیدت کے ساتھ کی اور اس کے ساتھ ہر طرح کے مواقع سے مستفید ہوا اور اپنا نام پیدا کیا۔ اس کی اعلیٰ ذہانت اور اخلاقی قوت نے رفتہ رفتہ اسے نظام شاہی حکمرانوں کی مجلس شوریٰ میں اول درجہ تک پہنچا دیا۔ مغلوں کے درباری مورخین جو اسے بُرا بھلا کہنے سے کبھی نہیں چوکتے یہ اقبال کرنے پر مجبور ہیں کہ اس کی مثالی سرگرمی اور انتظامی قابلیت کا کوئی جواب نہ تھا۔ احمد نگر کے سقوط پر اس نے حکومت کا مستقر کھڑکی میں منتقل کر دیا جو ایک پہاڑی سر زمین پر تھا اور شاہی خاندان کے ایک لائق فرد کو مرتضےٰ نظام شاہ کے لقب سے تخت نشین کر دیا۔ اس نے نیا مالی نظام رائج کیا جو راجہ ٹوڈرمل کے نظام پر مبنی تھا اور دوسری اصلاحیں کیں۔

مراٹھوں کا چھاپہ مار رسالہ

لیکن اس کی خاص توجہ فوجی وسائل کو منظم کرنے اور مغلوں سے مقابلہ کی تدابیر کی طرف تھی۔ (6) روایاتی طریق جنگ کے برخلاف اس نے ایک نیا طریق جنگ رائج کیا جو اس کی زندگی بھر غیر معمولی طور پر کامیاب رہا اور جس نے اس کے انتقال کے بعد ایک صدی کے اندر اندر مغل سلطنت کو تباہ کر دیا۔ سبک رو مراٹھا رسالہ کی قدر سب سے پہلے اسی نے پہچانی اور اسے منظم کر کے مغلوں کے خلاف کھڑا کر دیا۔

مراٹھوں کا ملک

مراٹھے ست پورہ پہاڑیوں اور گوا سے دریائے واردھا کے کنارے کے مقام چاندہ تک ایک خط کے درمیان کے علاقہ میں آباد ہیں۔ لیکن سترہویں صدی میں ان کی ساری قوت مغربی گھاٹ اور ساحل سمندر کے درمیان ایک پتلی سی سر زمین میں محدود تھی۔ اس نشیب و فراز کی سر زمین کو جسے کونکن کہتے ہیں اس کی نمایاں خصوصیت اس کی جغرافیائی ساخت ہے۔

(6) اقبال نامہ 272،271 (الیٹ و ڈاوسن) جلد ششم صفحات 428، 429 گرانٹ ڈف کی ہسٹری آف مراٹھا جلد اول، صفحا 74،73 گلیڈ ون صفحہ 85۔

الفنسٹن کی تشریح

"ساحل سمندر کی طرف چھوٹے چھوٹے سرسبز میدان ہیں جہاں دھان پیدا ہوتا ہے۔ باقی حصہ پہاڑیوں اور جنگلوں کی وجہ سے تقریباً ناقابل گزر ہے۔ البتہ اسے کاٹ کر دریا نکلتے ہیں جو ساحل کے قریب پہنچ کر درختوں اور جھاڑیوں کے درمیان دلدلی گھاٹیوں میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔ پہاڑیوں کی چوٹیاں سپاٹ پتھریلی ہیں جن کی ڈھلان پر بڑے درختوں اور جھاڑیوں کے جنگل ہیں۔ جنگل سطح مرتفع پر بڑھتا ہوا مشرق کی طرف دور تک چلا جاتا ہے جس کے درمیان گہری چکردار گھاٹیاں اور درے ہیں جو جنگلی جانوروں کی بہترین آماجگاہ ہیں اور یہی ان پہاڑیوں میں رہتے ہیں۔ پہاڑی سے پندرہ میل کے فاصلہ پر وادیاں جنگلی اور سرسبز ہو جاتی ہیں اور رفتہ رفتہ کھلے میدانوں میں گم ہو جاتی ہیں جو ساحل سمندر تک چلے گئے ہیں جہاں کھیت ہیں مگر درخت نہیں ہیں۔ البتہ کہیں کہیں پہاڑیاں ہیں جو زیادہ بلند نہیں ہیں۔ مہینوں بلند مقامات بادل سے ڈھکے رہتے ہیں اور بارش اور طوفان آتے رہتے ہیں لیکن تری بہت جلد بلندیوں سے نشیب میں چلی جاتی ہے اور کوکن کو مرطوب اور غیر صحت بخش بنا دیتی ہے۔.... گھاٹ کی ساری بلندیاں اور آس پاس کی پہاڑیاں اوپر کی طرف چکنی چٹان پر جا کر ختم ہو جاتی ہیں جن کے سب سے اونچے حصے اور نیز ایک دوسرے سے الگ پہاڑیاں ایک طرح کا قدرتی قلعہ بن جاتی ہیں اور صرف مسطح مقام تک پہنچنے کے لیے جو عموماً بلندی پر ہوتا ہے۔ محنت کی ضرورت ہوتی ہے۔ مختلف حکمرانوں نے مختلف اوقات میں ان حالات سے فائدہ اٹھایا ہے۔ انہوں نے چٹانوں تک زینے بنا دیئے ہیں یا چکر کھاتی ہوئی سڑکیں بنا دی ہیں۔ داخلہ کا راستہ جا بجا پھاٹک بنا کر اور قلعہ بند کر کے مستحکم کر دیا ہے اور مینار کھڑے کر دیے ہیں جہاں سے راستہ پر نگاہ رکھی جا سکتی ہے اور اس طرح گھاٹ اور آس پاس کی پہاڑیوں کے سارے علاقے جگہ جگہ قلعے بن گئے ہیں جو بار بار کے تجربات سے تقریباً ناقابل تسخیر سمجھے جاتے ہیں۔"(7)

مراٹھوں میں بیداری

اس علاقہ میں مراٹھے آباد تھے اور ملک میں جو سیاسی اور ذہنی تحریکیں چلتی تھیں ان سے متاثر ہوتے تھے مگر سولہویں صدی تک وہ الگ ہی الگ رہے۔ انہوں نے ادب عالیہ کی تخلیق کی جو آج تک ذہنوں کو متاثر کیے ہوئے ہے۔ یہیں انہوں نے مذہبی اصلاح کی تحریک شروع کی جو شمالی مذہبی تحریک سے غیر معمولی طور پر ملتی جلتی ہے اور جسے ان کی تاریخ میں مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ یہیں ذہنی روشنی اور مذہبی آزادی نے سب سے پہلے ذات پات اور برہمنی تفوق کے قیود ہلکے کیے۔ یہ تحریک سارے مراٹھا علاقہ میں پھیل گئی۔ اس نئی زندگی نے دکن کی سیاست کو متاثر کیا۔ مراٹھے دکن کے حکمرانوں کی ملازمت میں داخل ہوئے۔ سترہویں صدی کے آغاز میں انھیں احمد نگر کے نظام شاہی دربار میں طاقتور عنصر کی حیثیت حاصل تھی۔ دکن کی افواج میں مراٹھا کا تیز رفتار رسالہ ایک گراں قدر امدادی دستہ تھا۔ ملک عنبر نے ان کی اہمیت کو پورے طور پر محسوس کیا اور انھیں کثیر تعداد میں فوج میں بھرتی کر کے منظم کیا اور مغلوں

---

(7) الفنسٹن ہسٹری آف انڈیا مرتبہ کاویل صفحات 600، 601 بمبئی گزیٹر حصہ اول صفحات 2 و 13 راناڈے رائز آف مراٹھا پاور باب اول گرانٹ ڈف۔ ہسٹری آف مراٹھاز، باب اول۔

کے مقابلہ کے لیے تیار کر دیا۔(8)

مراٹھوں کا طریق جنگ

ان کا طریق جنگ وہی تھا جو پہاڑی علاقہ کے بسنے والے ہمیشہ میدانی علاقہ والوں کے خلاف اختیار کرتے تھے۔ وہ دو بدو جنگ سے بچتے تھے اور ہمیشہ غنیم کی فوج کے آس پاس منڈلاتے رہتے تھے۔ اس کی رسد کو روک دیتے تھے۔ علاقہ کو تاراج کر دیتے تھے۔ لوٹ مار کرتے اور چھاپے اور شبخون مارتے۔ اکثر وہ اپنی طاقت پر گھمنڈ رکھنے والے غنیم کو لبھا کر نا قابل گذر پہاڑیوں اور گھاٹیوں میں لے جا کر ان کا برا حال کر دیتے۔ اسپین نے نپولین بوناپارٹ کی طاقتور فوج کو تھکا کر بے بس کر دیا تھا اور مغل جو فنون جنگ میں ہمیشہ کمزور تھے انہوں نے نئے طریق جنگ کو کبھی نہیں اپنایا اور بالآخر اسی کے مقابلہ میں دم توڑ دیا۔

مراٹھا قوم کی تعمیر

اس نقطہ نظر سے مغلوں کی دکن کی مہم کی خاص اہمیت ہے کہ اس سے مراٹھوں کو فوجی تربیت اور اقتدار حاصل کرنے کے مواقع حاصل ہو گئے ملک عنبر جو چھاپہ مار جنگ میں اتنا ہی استاد تھا جتنا خود شیواجی مراٹھا قوم کی تعمیر میں سب سے آگے نظر آتا ہے۔ اس کا بنیادی مقصد تو اپنے آقا کی خدمت تھا لیکن لاشعوری طور پر اس نے ایک ایسی قوت کی پرورش کی جس نے جنوب کی شکستوں کا پورا پورا انتقام شمالی سلطنت سے لے لیا۔

ملک عنبر کی فتوحات

مغلوں نے جو علاقہ چھین لیا تھا اسے پھر سے حاصل کرنے کی ملک عنبر نے جدو جہد شروع کر دی۔ مغل سرداروں کی باہمی رنجشوں اور بزدلی کی بدولت اسے فتح پر فتح حاصل ہوتی گئی اور غنیم کا برا حال ہو گیا۔

خان خاناں

1608ء میں جہانگیر نے خان خاناں کو خود اس کی درخواست پر بارہ ہزار فوج کی کمک کے ساتھ اعلیٰ کماندار کی حیثیت سے دکن روانہ کیا۔(9) لیکن وہ بھی اپنے ماتحتوں کو قابو میں نہ کر سکا۔

شریف خاں

ہم آہنگی اور احکام کی بہتر تعمیل حاصل کرنے کی غرض سے جہانگیر نے درجہ اول کے امیر شریف خاں کو دکن روانہ کیا۔

---

(8) رانا ڈے۔ رائز آف دی مراٹھا پاور۔ باب نہم

(9) جہانگیر (راجرس و بیورنج) جلد اول صفحات 149، 153 مآثر جہانگیری (مخطوطہ خدا بخش) صفحہ 60 (الف) اقبال نامہ صفحات 34، 35 خافی خاں جلد اول صفحہ 259 گلیڈون صفحہ 18۔ خان خاناں نے لکھ کر دیا تھا "اگر میں اس کام کو دو سال کے اندر پورا نہ کر دوں تو میں قصوروار ہوں گا۔ مگر شرط یہ ہے کہ دکن میں جو افواج موجود ہیں اس نے علاوہ بارہ ہزار فوج اور دی جائے اور دس لاکھ روپیہ اخراجات کے لیے"۔

پرویز کماندار اعلیٰ

نیز شہزادہ پرویز کو آصف خاں کی نگرانی میں اعلیٰ کمان پر اور خاندیش و برار کی گورنری پر مقرر کیا گیا۔ 1610ء کے شروع میں شہزادہ ایک ہزار احدیوں اور اس سے زیادہ منصب داری فوجوں کی کمک لے کر برہان پور پہنچا۔ (10)

پرویز کی سیرت

پرویز جواب بیس سال کا ہو گیا تھا۔ مغرور اور جاہ طلب تھا اور شراب نوشی میں مبتلا ہو گیا تھا۔ اس سے کبھی فوجی یا انتظامی قابلیت ظاہر نہیں ہوئی تھی۔ دکن کے کئی سال کے قیام میں وہ محض شیر قالین بنا رہا۔

برہان پور میں اس کا دربار

برہان پور میں اس کا بالکل شاہانہ دربار ہوتا جس کا حال بڑی وضاحت سے سر طامس رو نے بیان کیا ہے جو 1615ء کے آخر میں وہاں گیا تھا۔

سر طامس رو کا بیان

"دربار کے باہر تقریباً سو مسلح سوار تعینات تھے۔ یہ شرفا تھے جو شہزادہ کے باہر نکلنے پر آداب بجالاتے تھے اور دورویہ قطار میں کھڑے تھے دربار میں شہزادہ ایک مدور بلند شہ نشیں پر بیٹھتا تھا جس کے اوپر چھتری تھی۔ شہزادہ بڑی شان سے مگر وحشیانہ انداز سے بیٹھتا تھا اور سامنے قالین بچھا تھا۔ لوگوں کے درمیان سے گزرتا ہوا جب میں قریب پہنچا تو ایک افسر میرے پاس آیا اور کہا کہ مجھے اپنی پیشانی زمین پر رکھنا چاہئے اور اپنی ٹوپی اتار دینا چاہئے۔ میں نے جواب دیا" میں باعزت طور پر شہزادہ سے ملنے آیا ہوں اور یہاں کے ملازمین کے قاعدہ کا پابند نہیں"، چنانچہ میں آگے بڑھتا گیا اور ایک جنگلے کے پاس بالکل شہزادہ کے سامنے پہنچ گیا۔ میں آداب بجالایا اور شہزادہ نے اپنے جسم کو خم کیا یا اور پھر میں اندر داخل ہوا جہاں شہر کے عمائد دست بستہ غلاموں کی طرح کھڑے تھے؟ ایک بیش قیمت شامیانہ اوپر اور قالین کا فرش نیچے تھا۔ اس کا نقشہ ٹھیک ٹھیک ایک تھیٹر کی طرح تھا اور بادشاہ تھیٹر کے مصنوعی بادشاہ کی طرح بیٹھا تھا۔ جب میں اندر پہنچا تو میری سمجھ میں نہیں آیا کہ میری جگہ کہاں ہے اس لیے میں نے شہزادہ کے سامنے جاکر کھڑا ہو گیا جو تین زینہ اوپر تھا اور جہاں شہزادہ کا سکریٹری جو کچھ حکم ہو یا عطا کیا جائے وہ پہنچانے کے لیے کھڑا تھا۔ (11)

لیکن اس سارے شان و شکوہ اور ٹھاٹھ کے باوجود 1615ء میں اور یقیناً 1610ء میں (جیسا کہ رو نے لکھا

---

(10) جہانگیر (راجرس و بیورتج) جلد اول صفحات 156، 157 مآثر جہانگیری (مخطوطہ خدا بخش) صفحہ 61 (ب) اقبال نامہ صفحات 36، 37 خافی خاں جلد اول صفحہ 260 گلیڈون صفحہ 19۔

(11) رو صفحات 91، 92 پرچہ جات چہارم صفحات 322، 345 برہانپور صوبہ خاندیش (یا جیسا کہ اکبر نے نام رکھا تھا۔ دان دیش دریائے تاپتی پر 18.21.25 شمالی طول البلد اور 26 66 76 شرقی عرض البلد پر واقع ہے۔ دیکھو جارٹ جلد دوم صفحہ 223۔ ڈی لائٹ ترجمہ لیتھ برج کلکتہ ریویو 5، 1870ء صفحہ 358۔ ولیم فنچ پرچہ جات چہارم صفحہ 32۔ و ٹیتھنگٹن (پرچہ جات چہارم صفحہ 173 جان جورڈن صفحہ 146۔ منڈی جلد دوم صفحہ 151 ٹیورنیئر جلد اول صفحہ 51 امپریل گزیٹر۔

ہے) یہ صاف ظاہر تھا کہ شان و شوکت تو شہزادہ کی ہے لیکن حکومت خان خاناں) کی۔(12)

صورت حال بدستور پرانے دھرے پر چل رہی تھی۔ مغل افسران ایک دوسرے کی برائی کرتے رہے۔ دکنی ہمیشہ سے زیادہ طاقت کے ساتھ جمے تھے۔ آصف خاں نے بادشاہ کی موقعہ پر موجود ہونے کی تجویز کی۔ جہانگیر نے اس تجویز پر غور کیا مگر خود اپنی فوجی نااہلیت اور خوشامدی اہل دربار کے اصرار سے مجبور ہو گیا اور دکن کے حالات سدھارنے کے لیے خان جہاں کی پیش کش منظور کر لی۔(13)

خان جہاں لودی کا تقرر

خان جہاں لودی یا پیر خاں لودی جو اس کا پہلے نام تھا۔ آگرہ کے قدیم حکمراں کے خاندان کا تھا اور اکبری عہد کے ایک مشہور جنگی ماہر دولت خاں لودی کا منجھلا لڑکا وہ اپنے بچپن میں اپنے باپ سے لڑ گیا اور یکے بعد دیگر راجہ مان سنگھ، شہزادہ دانیال اور شہزادہ سلیم کی ملازمت کی۔

اس کی سیرت

اس کی جنگی صلاحیتوں نے جلد ہی اسے نامور کر دیا۔ جہانگیر کی حکومت کے دوسرے سال اسے تین ہزار ذات اور ڈیڑھ ہزار کا منصب اور صلابت خاں کا خطاب عطا ہوا اور فرزند کہلانے کا امتیاز حاصل ہوا۔ 1608ء میں اسے خان جہاں کا خطاب اور پانچ ہزار ذات و سوار کا منصب ملا۔ شاہی مقربین میں چند ہی امرا ایسے تھے جن کا اتنا رسوخ ہو۔(14)

1610ء میں جب وہ دکن روانہ ہوا تو اس کے ساتھ بیر سنگھ دیو شجاعت خاں اور راجہ بکرماجیت جس کے ماتحت چار ہزار سے اوپر سوار تھے اور سیف خاں بارہہ، حاجی بی اُزبک سلام اللہ عرب اور دوسرے افسران جو تقریباً سات ہزار شاہی رسالہ کے دستہ کے انچارج تھے اس کے ہمراہ تھے۔ محمد بیگ بطور بخشی کے ساتھ تھا جو اخراجات کے لیے دس لاکھ روپیہ لیے تھا اور فدائی خان کو بطور سفیر بیجاپور روانہ کیا گیا۔(15)

مغلوں کو شکستیں

برہان پور پہنچ کر انہیں معلوم ہوا کہ مغلوں کو کئی سخت شکستیں ہو چکی ہیں۔ خان خاناں نے 1610ء کے بارش کے موسم میں غنیم پر اچانک حملہ کا منصوبہ بنایا تھا اور برہان پور سے اپنے عملہ کے

قلعہ لال قلعہ اب بالکل شکستہ حالت میں ہے۔

(12) رو صفحات 90 و 91 فاشر نے احمد آباد سے کیر تج کے ایک خط کا حوالہ دیا ہے، نمبر 1615،201ء (برٹش میوزیم زائد مخطوطہ نمبر 9366، ایف وا) جس میں رو کو متنبہ کیا گیا ہے کہ وہ پرویز سے ضرور ملے جس کا ذہن کمزور ہے اور جو عیاشی میں مبتلا ہے اس سے کسی عزت یا بے عزتی کی توقع نہیں ہے۔ وہ محض نام کے لیے اس جگہ ہے۔ ذمہ دار خان خانان ہے جس کا حکم چلتا ہے اور جو امرا میں ممتاز ہے اور بہادری میں سارے ملک میں یکتا ہے۔

(13) جہانگیر (راجرس و بیورتج) جلد اول 161۔ اقبال نامہ صفحات 38 تا 39 گلیڈون صفحہ 21۔

(14) جہانگیر (راجرس و بیورتج) جلد اول صفحات 87، 89، 128، 139، 161۔ عبدالحمید جلد اول صفحہ 272 بلوکمین صفحات 502 تا 506۔

(15) جہانگیر (راجرس و بیورتج) جلد اول صفحات 161 تا 163 اقبال نامہ صفحات 38 تا 39، خافی خاں، جلد اول صفحات 161۔ تا 262 گلیڈون صفحہ 21۔

معقول مشورہ کے بر خلاف ناکافی رسد لے کر تیزی سے روانہ ہوا اور احمد نگر پر یکایک حملہ کر دیا۔ ملک عنبر ایسا بے خبر نہ تھا کہ وہ اس نادر موقعہ کو ہاتھ سے کھو دیتا۔ اس نے اپنے تیز رفتار مرانھار سالہ کو غنیم کو پریشان کرنے پر مسلط کر دیا اور مغلوں کو دھوکہ دے کر ناہموار پہاڑیوں اور دروں کی طرف لے آیا اور ان کی رسد کا راستہ بند کر دیا اور فوج سے ادھر اُدھر جانے والوں کو کاٹ کر رکھ دیا۔ قحط نے بکثرت آدمیوں، گھوڑوں اور دوسرے جانوروں کو ختم کر دیا۔ مغل افسروں نے کھلم کھلا خان خاناں پر نالائقی، جلد بازی اور غداری کا الزام لگایا جو انتہائی لاچاری میں ایک توہین آمیز صلح نامہ پر دستخط کر کے برہان پور واپس آ گیا۔(16)

اس شکست سے احمد نگر ہاتھ سے جاتا رہا جسے دکنیوں نے بہت دن سے محصور کر رکھا تھا اور مغل کماندار خواجہ بیگ صفوی خان خاناں کی طرف سے کمک آنے کے انتظار میں بڑی بہادری سے مدافعت کر رہا تھا۔ وہ اب بھی جما ہوا تھا مگر میدان جنگ کی شکست نے اس کی قلعہ بند فوج کا دل توڑ دیا اور اس نے مجبور ہو کر برہان پور سے بحفاظت چلے جانے کی شرط پر قلعہ حوالے کر دیا۔(17)

خان جہاں نے یہاں پہنچ کر خان خاناں پر اعتراض کرنے والوں کا ساتھ دیا اور اسے واپس بلانے اور اس کی جگہ پر خود کماندار بنانے پر اصرار کیا اور دو سال کے اندر احمد نگر اور بیجاپور کو فتح کر لینے کا ذمہ لیا۔ جہانگیر نے تجویز کو مان لیا اور خان اعظم کو خان جہاں کی مدد کے لیے روانہ کیا اور مہابت خاں کو شکست کے اسباب کی تحقیق اور خان خاناں کو حاضر دربار کے لیے بھیجا ہر طرف سے لعن طعن کی پکار نے جہانگیر کا دل بھی برا کر دیا۔ اور اس نے اپنے سابق اتالیق خان خاناں کی پذیرائی بڑی سرد مہری سے کی۔(18)

خان اعظم معقول تعداد کی کمک کے ساتھ جس میں دو ہزار احدی اور دس ہزار سپاہی اور خان عالم فریدوں خان برلاس، یوسف خاں، علی خاں نیازی، قلماق جیسے بہادر افسران تھے اور اخراجات کے تیس لاکھ روپیہ لے کر خان جہاں کے پاس پہنچا۔(19) لیکن پرانی مشکلات بدستور موجود تھیں جن کا وہی تباہ کن نتیجہ ہوا۔ مغل فوج چھاپہ مار جنگ کے لیے نئے طریقہ کو اپنانے سے قاصر رہی، اس کے افسران دشمن کا مقابلہ کرنے کے بجائے ایک دوسرے پر الزام لگانے میں زیادہ لطف حاصل کرتے تھے اور ملک عنبر کی ذہانت سے وہ ٹکر نہ لے سکے۔ خان جہاں نے اپنے حسب معمول جوش اور قابلیت سے جان فشانی کی مگر اس کا غرور بہت جلد ٹوٹ گیا۔

زبردست حملہ کا منصوبہ

اب حکومت نے احمد نگر پر حملہ کا زبردست منصوبہ بنایا۔ عبداللہ خاں کو جو میواڑ کی مہم کے کارناموں کا تازہ تجربہ لیے ہوئے تھا گجرات کی گورنری پر مقرر کیا گیا اور یہ ہدایت کی گئی کہ چودہ ہزار کی فوج تیار کر کے ناسک اور ترمبک کی طرف روانہ ہو۔ اسے ان فوجوں سے رابطہ رکھنا تھا۔ جو خان جہاں لودی، راجہ مان سنگھ اور امیر الامرا کی ماتحتی میں برار اور خاندیش کی طرف بڑھ رہی تھیں۔ انہیں غنیم کو چاروں

---

(16) جہانگیر (راجرس و بیورج) جلد اول صفحہ 179۔ اقبال نامہ 261، 262 خافی خان جلد اول صفحات 261 تا 262۔
(17) جہانگیر (راجرس و بیورج) جلد اول صفحہ 182۔ اقبال نامہ صفحات 38، 39 خافی خاں جلد اول صفحات 261، 262۔
(18) جہانگیر (راجرس و بیورج) جلد اول صفحات 178 تا 180 گلیڈون صفحہ 22۔
(19) جہانگیر (راجرس و بیورج) جلد اول صفحات 183 تا 184۔ اقبال نامہ صفحہ 45 [illegible]

طرف سے گھیر کر تباہ کرنا تھا۔ (20)

خان جہاں اور مان سنگھ تو روانہ ہو گئے۔ لیکن عبداللہ خاں نے غرور میں سر شار خود اپنے لیے عظمت حاصل کرنے کے شوق میں اپنے ماتحت افسروں کے مشورے کے بر خلاف اپنی نقل و حرکت کا شمال کی فوج کے ساتھ رابطہ نہیں رکھا۔ اسے یہ گھمنڈ تھا کہ خود اس کی قابلیت اور اس کی فوج کافی ہے وہ گھاٹ کی پہاڑیاں پار کر کے غنیم کے ملک میں داخل ہو گیا۔ ملک عنبر نے فوراً اپنے چھاپہ مار دستوں کو روانہ کیا کہ اسے دھوکہ دے کر ناہموار پہاڑیوں اور ناقابل گذر جنگلوں اور گھاٹیوں کی طرف لے آئیں۔ مغلوں نے ابھی تھوڑا ہی راستہ طے کیا تھا کہ انہیں معلوم ہوا کہ تیز رفتار سواروں کی تعداد برابر بڑھتی جا رہی ہے۔ ان کی رسد کا راستہ بند کر دیا گیا اور ان کا سامان لوٹ لیا گیا، ان کے اونٹ پکڑ لیے گئے اور ان پر ہتھ پھولوں اور گولیوں کی بارش ہونے لگی۔ بہت سے آدمی غنیم کے ہاتھ لگ گئے جن کے انہوں نے ناک کان کاٹ لیے۔ مراٹھوں کو آمنے سامنے لڑائی پر لانا یا ان سے بچنا ممکن نہ تھا۔

عبداللہ خاں کی جلد بازی کا نتیجہ

عبداللہ خاں جب دولت آباد پہنچا جو دکنی افواج سے رابطہ کا مقام تھا تو اس نے اپنی حالت کو ناگفتہ بہ پایا۔ اس کی حماقت کا نتیجہ سب پر ظاہر ہو گیا اور اس نے پسپائی کا ارادہ کیا اور صبح ہوتے ہی اس کی فوجوں نے واپسی شروع کر دی مگر انہیں بری طرح پریشان کیا گیا اور کئی بہادر افسر جیسے علی مردان خاں اور ذوالفقار بیگ راستہ ہی میں ختم ہو گئے اور جب وہ احمد نگر کی سرحد پار کر کے بگلانہ کے دوستانہ علاقہ میں پہنچے تو شاہی افواج نے اطمینان کی سانس لی۔ اور پھر وہاں سے وہ گجرات واپس ہوئے۔ (21)

جہانگیر کی سخت ناراضی

ان واقعات کی خبر پا کر برار کی فوج شہزادہ پرویز کی جائے قیام عادل آباد کو واپس ہو گئی جو برہان پور سے قریب تھا۔ اس زبردست حملہ کی ناکامی سے جہانگیر سخت غضبناک ہوا اور سارے افسروں اور خاص کر عبداللہ خاں پر سخت ملامت کی۔ ایک مرتبہ پھر اس نے میدان جنگ میں جانے کا ارادہ کیا مگر یہ ارادہ بدل دیا۔ (22)

خان خاناں کا پھر تقرر

اب ہر شخص کو خان خاناں کی قدر معلوم ہوئی۔ صورت حال پر غور کرنے کے لیے جو مجلس شوریٰ منعقد ہوئی۔ اس میں خواجہ ابوالحسن نے کہا کہ جس پرانے افسر پر ناحق غداری کا الزام لگایا گیا اس سے بڑھ کر دکن کے معاملات پر کسی اور کو عبور نہیں ہے اور نہ اس سے بہتر کوئی ان کا حل کر سکتا ہے۔ چنانچہ

(20) جہانگیر (راجرس و بیورج) جلد اول صفحہ 219۔

(21) جہانگیر (راجرس و بیورج) جلد اول صفحات 219 تا 221 اقبال نامہ صفحات 65، 66 خافی خاں جلد اول صفحات 273، 276 گرینڈ ڈن صفحہ 25۔

(22) جہانگیر (راجرس و بیورج) جلد اول صفحہ 221۔ اقبال نامہ صفحہ 67۔ مآثر الامرا (بیورج) جلد اول صفحہ 99۔

جہانگیر نے پھر اسے چھ ہزار کا منصب دے کر دکن کی افواج کی اعلیٰ کمان پر مقرر کیا اور اسے ایک اعلیٰ درجہ کی خلعت، اور ایک مرصع خنجر، ایک خاص ہاتھی اور ایک عراقی گھوڑا عطا کیا اور اس کے لڑکوں شاہ نواز خاں، داراب خاں اور رحمان داد کے منصب بڑھا دیے۔

آصف خاں اور امیر الامرا کا انتقال

خان خاناں

1612ء میں پھر دکن پہنچا اور اپنا راستہ صاف پایا۔ (23) آصف خان جعفر بیگ کا برہان پور میں ایک طویل تکلیف دہ بیماری سے انتقال ہو گیا اور امیر الامرا کا 1612ء میں پرگنہ نہال پور میں انتقال ہو گیا۔ اگلے سال خان اعظم کو خود اس کی استدعا پر میواڑ کے محاذ پر تبدیل کر دیا گیا اور اگلے سال راجہ مان سنگھ بھی دنیا سے سدھار گئے۔ (24)

خان خاناں نے حالات کو سدھار لیا

ایک طرف تو خان خاناں کو اندرونی خلفشار سے کچھ سکون حاصل ہوا اور دوسری طرف غنیم کے محاذ میں فرقہ وارانہ کشمکش سے رخنہ پڑ گیا۔ خان خاناں نے خود ان کی مخاصمت کو بھڑکانے میں پوری کوشش کی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ کئی ممتاز دکنی سردار جیسے آدم خاں، یاقوت خاں، جادو رائے، بابو کاتیا، شاہ نواز سے مل گئے جو بالاپور میں مغل افواج میں کمانڈر تھا۔ ملک عنبر نے بیجاپور اور گولکنڈہ سے اتحاد کر لیا تھا مگر اس کے افسروں کی غداری نے اسے بہت کمزور کر دیا۔ دوسری طرف مغلوں کو پچھلی شکستوں کے تجربہ اور غنیم کو چھوڑ کر آنے والوں سے بہت فائدہ ہوا۔ شاہ نواز خاں احتیاط کے ساتھ آگے بڑھا اور راستہ میں دکن کے ایک چھوٹے سے فوجی دستہ کو شکست دے دی اور پھر متحدہ غنیم کی افواج پر ٹوٹ پڑا۔ جنگ سہ پہر کو شروع ہوئی اور دو گھنٹہ تک شدت سے جاری رہی۔ شاہی ہراول دستہ نے جو داراب خاں کی کمان میں تھا اور جس میں بیر سنگھ دیو، رائے چند، علی خاں تاتار اور جہانگیر قلی بیگ جیسے نامی سردار شامل تھے۔ نمایاں کارنامے انجام دیے۔ بالآخر دکنی منتشر ہو کر ہر طرف بھاگے۔ شاہی فوج نے چند میل کا تعاقب کیا اور ان کے کئی سرداروں کو گرفتار کر لیا اور سارا توپخانہ اور ہاتھی اور گھوڑے اور ہتھ پھول سے لدے ہوئے اونٹ اور اسلحہ اور گولہ بارود پر قبضہ کر لیا اور شام کے اندھیرے میں اپنے کیمپ واپس آ گئے اگلے دن انہوں نے کھڑکی پر دھاوا کیا اور عمارتوں کو ڈھا دیا اور شہر کو آگ لگا کر خاکستر کر دیا چونکہ یہ اندیشہ تھا کہ دکنی دوبارہ منظم ہو جائیں گے اس لیے شاہی فوج روہین کھنڈ درے سے ہو کر اپنے کیمپ واپس آ گئی۔ (25)

خان خاناں نے اس دوسری مہم میں مغل وقار کو جزوی طور پر بحال کر دیا مگر اس کے افسران اب بھی مخل ہو رہے تھے۔ وہ 1616ء تک اعلیٰ کمان پر قائم رہا اور اعزاز کے ساتھ کارنامے انجام دیے،

(23) جہانگیر (راجرس و بیوریج) جلد اول صفحہ 221۔ اقبال نامہ 67 خافی خاں جلد اول صفحہ 276۔

(24) جہانگیر (راجرس و بیوریج) جلد اول صفحات 222 تا 223، 231، 234، 266۔ اقبال نامہ صفحہ 67 خافی جلد اول صفحہ 276۔

(25) جہانگیر (راجرس و بیوریج) جلد اول صفحات 311 تا 314، اقبال نامہ صفحات 83 تا 87 خافی خان جلد اول صفحات 282، 285، مآثر الامرا (بیوریج) جلد اول صفحہ 57) خان خاناں کی مہم کے کارناموں کے ساتھ پورا انصاف نہیں کیا ہے۔

پھر بھی دکنی رشوت میں ملوث ہونے کا الزام لگایا گیا۔ شہزادہ خرم کو بڑا اشتیاق تھا کہ وہ دکن کی مہم کو فاتحانہ انجام دے۔ خصوصاً اس خیال سے کہ پرویز نے وہاں سخت بدنامی حاصل کی تھی۔

شہزادہ خرم دکن کی کمان پر

چنانچہ نور جہاں کے گروہ نے یہ انتظام کیا کہ پرویز کو الہ آباد تبدیل کر دیا اور خان خاناں کو واپس بلا کر دکن کی مہم شہزادہ خرم کو سپرد کر دی۔(26)

یہ بھی طے کیا گیا کہ بادشاہ کو اپنا مستقر مالوہ کو دار السلطنت مانڈو میں قائم کرنا چاہئے جو مقام جنگ کے قریب ہے۔ اکتوبر 1616ء کے شروع میں خرم کا ڈیرہ خیمہ اجمیر سے دکن کو روانہ ہوا۔ شروع نومبر میں اسے شاہ کا خطاب دیا گیا جو اس سے پہلے خانوادہ تیمور کے کسی شہزادہ کو نہیں ملا تھا۔ اعزاز اور تحفوں سے لدا ہوا ممتاز امرا کی جماعت اور ایک زبردست فوج کے ساتھ شہزادہ دکن کے لیے روانہ ہوا۔ دربار مورخ معتمد خاں کا ایک ہزار ذات اور ڈھائی سو سوار کا منصب دے کر بخشی مقرر کیا گیا۔(27)

جہانگیر کی اجمیر سے روانگی

منگل 10/ نومبر 1616ء (یکم ذی قعدہ 21 آبان) کو ٹھیک درباری منجموں کی شبیہہ ساعت بتائی ہوئی پر بادشاہ اپنے اہل حرم اور اہل دربار کے ساتھ روانگی کے لیے تیار ہوا۔ اس دن بھی وہ تحفہ لینے

---

(26) سر طامس رو (جلد دوم صفحات 278، 279) انگریزی سفیر بھی عام خیالات کا حامی ہے کہ "خان خاناں یقیناً دکنیوں کے ساتھ ساز باز کرتا تھا جن سے اسے پنشن ملتی تھی" رو نے خان خاناں کی واپس طلبی اور شہزادہ خرم کی دکن میں تعیناتی کے متعلق ایک عجیب روایت بیان کی ہے جو اس وقت مشہور رہی ہوگی مگر جس کی کوئی تاریخی سند نہیں ہے۔

اس نے لکھا ہے کہ "بادشاہ کو شہزادہ خرم کی جاہ طلبی اور گروہ بندی اور اس کے دوسرے بھائیوں کی ناخوشی کا بخوبی علم تھا اور نیز خان خاناں کی قوت کا اس لیے اس نے سب کو خوش کرنا چاہا اس طرح کہ صلح نامہ کو منظور کرے اور خان خاناں کو اس کے موجودہ منصب پر قائم رکھے۔ چنانچہ اس مقصد سے اس نے ایک عنایت آمیز خط لکھا اور مصالحت کی نشانی کے طور پر خان خاناں کو ایک واسکٹ بھیجی لیکن اس کے روانہ کرنے سے پہلے اس نے اپنی ایک عزیز خاتون کو جو محل میں اس کے ساتھ رہتی تھی اس مقصد کی اطلاع دے دی۔ اس خاتون نے خود اپنی مرضی کے خلاف (؟) خود سلطان خرم کے زیر اشیا اپنی فراخ دلی سے کہ اپنے خاندان کے جزے کو تمام خوبیوں کے باوجود اتنے تذبذب کی حالت میں دیکھ کر صاف صاف جواب دیا کہ خان خاناں اس واسکٹ کو کبھی نہ پہنے گا اس لیے کہ اسے معلوم ہے کہ بادشاہ اس سے نفرت کرتا ہے اور دو مرتبہ اسے زہر دینے کی کوشش کی مگر خان خاناں نے اسے منہ میں ڈالنے کے بجائے اپنے سینے پر انڈیل لیا اس لیے کہ وہ یقیناً بادشاہ کی بھیجی ہوئی کوئی چیز استعمال نہ کرے گا۔ بادشاہ نے کہا کہ وہ اسے بھیجنے سے پہلے خود اپنے اوپر اسے ایک گھنٹہ پہن کر آزمائے گا اور وہ خط لکھ کر اس کی شہادت دے سکتی ہے۔ خاتون نے جواب دیا کہ وہ اپنی زندگی کو خطرہ میں ڈالنے کے لیے دونوں میں سے کسی کا اعتبار نہ کرے گا لیکن اگر وہ سکون کے ساتھ اپنے عہد پر قائم رہے تو صدق دل سے بادشاہ کی خدمت کرے گا۔ چنانچہ بادشاہ نے اپنا ارادہ بدل دیا اور سلطان خرم کو مزید فوج کے ساتھ دکن بھیجنے کا فیصلہ کیا۔" رو جلد دوم صفحات 279، 280۔

(27) جہانگیر (راجرس و بیورج) جلد اول صفحات 338، 339۔ اقبال نامہ صفحات 90، 91 خافی خاں جلد اول صفحہ 288۔

رو نے (صفحات 319 تا 320) خرم کو جو تلوار دی گئی اس کی قیمت کا اندازہ ایک لاکھ روپیہ کیا ہے اور جو خنجر اسے دیا گیا اس کی قیمت کا اندازہ چالیس ہزار روپیہ کیا ہے۔ شہزادہ اسی گاڑی میں روانہ ہوا جو اس کی جہانگیر کو نذر دی ہوئی گاڑی کی طرح تھی۔ شہزادہ گاڑی کے بیچ میں بیٹھا جو دونوں طرف کھلی ہوئی تھی۔ اس کے خاص امرا خیمہ تک جو چار میل کے فاصلہ پر تھا اس کے ساتھ پاپیادہ چلے۔ شہزادہ کے آگے پیچھے لوگوں کا ہجوم تھا ان پر شہزادہ چونی کے سکے پھینک رہا تھا اور اپنا ہاتھ اس نے بڑھا کر کوچوان کے ہاتھ میں سو روپے رکھ دیے۔

اور دینے کے لیے جھروکہ میں بیٹھا۔(28) اس کے بعد کا منظر سر طامس رو نے نہایت دلچسپ اور معلوماتی تحریر میں بیان کیا ہے۔ اس عینی شاہد کا بیان ہے کہ دفعتہً بادشاہ اٹھا اور ہم دربار کی طرف چلے گئے اور قالین پر بیٹھ کر بادشاہ کے باہر آنے کا انتظار کرنے لگے۔ تھوڑی دیر میں وہ باہر آیا اور قریب نصف گھنٹہ کے بیٹھا جب تک اس کی حرم کی بیگمات ہاتھیوں پر سوار ہو گئیں۔ ہاتھی پچاس تھے اور سب پر نہایت قیمتی ساز تھا۔ خاص کر تین ہاتھیوں پر جن کے اوپر سونے کی سیڑھیاں تھیں اور باہر دیکھنے کے لیے ہر طرف تاروں کی جالی اور اوپر کمخواب کی چھتری۔ اب بادشاہ زینے سے اترا اور بادشاہ سلامت کا اتنا شور ہوا کہ توپ کی آواز دب جائے۔ زینے کے نیچے جہاں میں کھڑا تھا اور ہجوم کی وجہ سے پیچھے ہٹ گیا تھا وہاں ایک شخص بہت بڑی مچھلی لایا اور دوسرا شخص ایک کلف کی طرح کی سفید چیز کا برتن (یہ دہی ہو گا۔ مترجم) بادشاہ نے اس برتن میں انگلی ڈالی اور مچھلی کو چھوا اور پھر اپنی پیشانی پر لگایا۔ یہ ایک برکت کے شگون کی رسم تھی۔ ایک اور شخص تھیلا لٹکائے تھا جس میں تیر اور ایک کمان تھی۔ یہ تھیلا وہی تھا جو ایران کے سفیر نے نذر کیا تھا۔ بادشاہ کے سر پر پگڑی تھی جس پر ہنس کے پروں کی کلغی تھی۔ پر زیادہ نہ تھے مگر لمبے تھے انہیں میں ایک طرف بغیر ترشا ہوا ہیرا لٹکتا تھا جو اخروٹ کے برابر تھا۔ گلے میں نہایت ہی اعلیٰ درجہ کا موتیوں کا تین لڑی کا ہار تھا جس کے موتی اتنے بڑے تھے کہ میں نے کبھی نہیں دیکھے تھے اس کے بازوبند میں ہیرے جڑے تھے اور کلائی میں کئی طرح کے زیور تھے۔ ہاتھوں میں کوئی زیور نہ تھا مگر ہر انگلی میں ایک انگوٹھی تھی۔ اس کے دستانے انگریزی ساخت کے تھے اور اس کی کمر کی پیٹی سے لٹکے ہوئے تھے۔ اس کے زربفت کوٹ میں آستین نہ تھی اور ایک چھتری (شامیانہ) آب رواں جیسی باریک اون کا۔(29) اس کے پیروں میں زرکار اونچے تلے کے جوتے تھے جس میں موتی جڑے ہوئے تھے اور ان کا اگلا حصہ نوک دار ہو کر پیچھے کو الٹا ہوا تھا۔ اس طرح مسلح اور مرصع وہ کوچ کی طرف گیا جو اس کے لیے تیار تھی۔ اس کا انگریز ملازم ایکٹرون کی طرح نہایت قیمتی اور شوخ رنگ لباس پہنے تھا۔ کوچ میں چار گھوڑے تھے جن کا ساز زرکار مخمل کا تھا۔ کوچ دیسی کاریگروں کا بنایا ہوا تھا بالکل اسی نمونہ کا تھا جیسا انگلستان سے آیا تھا اور بادشاہ اس پر پہلی مرتبہ سوار ہوا تھا۔ یہ انگلستان کے بنے ہوئے کوچ سے اتنا مشابہ تھا کہ میں اس کے ایرانی مخمل کے غلاف سے ہی پہچان سکا۔(30)

بادشاہ کوچ کے آخری سرے پر بیٹھا جس کے دونوں طرف دو خواجہ سرا تھا جن کے ہاتھوں

---

(28) سر طامس رو جس نے اس منظر نامے کو خود دیکھا۔ اس کا بیان ہے کہ بادشاہ جو تحفہ دیتا تھا وہ ایک ریشمی تار کے ذریعہ سے جو ایک پہیہ پر لگا تھا۔ نیچے کر دیا جاتا تھا اور جو تحفہ بادشاہ کو دیا جاتا تھا وہ اسی طرح اوپر کر دیا جاتا تھا اور ایک بوڑھی بد شکل موٹی عورت اسے گھسیٹ لیتی تھی۔ اسی موقعہ پر رو نے شاہی بیگمات کی جھلک دیکھی۔ وہ لکھتا ہے "ایک طرف کھڑکی میں بادشاہ کی دو خاص بیگمات تھیں جنھوں نے باہر دیکھنے کے شوق میں چلمن میں سوراخ کر لیے تھے میں نے پہلے ان کی انگلیاں دیکھیں اور جب انہوں نے ایک آنکھ چلمن سے لگا کر دیکھا تو یکے بعد دیگرے دونوں آنکھیں نظر آئیں۔ ذرا دیر کے لیے میں نے پورا چہرہ دیکھا۔ ان کا رنگ کس قدر صاف تھا اور ان کے سیاہ بال کنگھی سے برابر کیے ہوئے تھے اور اگرچہ وہاں کوئی روشنی نہ تھی مگر ان کے ہیرے اور موتیوں کی چمک کافی تھی جب میں نے ادھر دیکھا تو وہ چھپ گئیں۔ وہ اتنی خوش تھیں کہ میں سمجھا کہ وہ میرے اوپر ہنس رہی ہیں۔" رو جلد دوم صفحات 520 تا 521۔

(29) جیسا کہ فاسٹر نے کہا ہے سیمین شامیانہ) سنا بف کی بگڑی ہوئی شکل ہے جو ایک باریک ہلکے کپڑے کا ہوتا تھا جس کی مسلمان قبا یا کپڑے بناتے ہیں۔ (خطوط موصولہ ایسٹ انڈیا کمپنی جلد اول صفحہ 29)

(30) فاسٹر کو برٹش میوزیم میں کیرنج کا ایک خط ملا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ سر طامس رو نے اپنے دربار میں پہلے دن پیش ہونے کے وقت جو کوچ نذر کیا تھا اس کی انگلستان میں قیمت 151 پونڈ گیارہ شلنگ تھی بادشاہ نے کوچ کے ہر حصہ کو بغور دیکھا اور بہت پسند کیا (دیکھو رو جلد اول صفحات 118 تا 119)

باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر...

میں چھوٹے چھوٹے عصا تھے جو عقیق سے مرصع تھے اور ایک سفید گھوڑے کے بالوں کی چنور کھیاں جھلنے کے لیے تھی۔ اس کے آگے نقارے تھے جو زور زور سے بجائے جا رہے تھے اور کئی چھتریاں اور طرح کے عجیب قسم کے شاہی نشانات تھے جو زربفت کے بنے تھے اور ان میں بڑے بڑے عقیق لگے تھے۔ بعض میں ہیرے اور زمرد تھے اور بعض میں صرف ملمع کیے ہوئے ہیں۔ ایرانی سفیر نے بادشاہ کو ایک گھوڑا نذر کیا پیچھے تین پالکیاں تھیں۔ انھیں میں سے ایک کے جوڑوں اور پایوں پر سونے کی چادر چڑھی تھی جس کے سرے پر قیمتی پتھر موتی تھے۔ غلاف سرخ مخمل کا تھا اور جھالر میں ایک فٹ لمبی موتیوں کی لڑیاں آویزاں تھیں۔ ایک ملازم قیمتی پتھروں سے جڑا ہوا سونے کا پاندان لیے تھا اور دوسر دو پاندان رنگی زربفت کے حاشیے کے تھے۔ ان کے پیچھے ایک انگریزی کوچ تھی جسے نئے سرے سے سجایا اور آراستہ کیا گیا تھا۔ اس کے بعد ایک تیسری کوچ ملکی ساخت کی تھی جو میرے خیال میں پسند کی نہ تھی۔ اس پر بادشاہ کے چھوٹے لڑکے سوار تھے۔ اس کے پیچھے تقریباً بیس ہاتھی تھے جو بادشاہ کی سواری کے لیے فاضل رکھے گئے تھے۔ ان کا ساز اور زیور اتنا بھاری تھا کہ انھیں دھوپ کی پروانہ تھی۔ ہر ہاتھی ہر قسم کے زربفت، گلٹ ساٹن اور کتان کے جھنڈے تھے۔ شاہی امرا پیدل ساتھ ساتھ چل رہے تھے۔ میں بھی پھاٹک تک پیدل گیا اور پھر الگ ہو گیا۔ شاہی بیگمات جو اپنے ہاتھیوں پر تھیں نصف میل پیچھے چلتی تھیں۔ جب بادشاہ اس دروازہ تک پہنچا جہاں اس کا لڑکا قید تھا تو اس نے کوچ رکوائی اور لڑکے کو بلایا جس کی داڑھی بڑھ کر کمر تک پہنچ گئی تھی جو ناراضی کی علامت تھی۔ بادشاہ نے اسے ایک فاضل ہاتھی پر سوار ہونے کا حکم دیا اور اس طرح وہ بادشاہ کے برابر چلا جس پر تمام لوگوں نے خوشی کا نعرہ لگایا اور ان کے دل نئی امیدوں سے بھر گئے۔ بادشاہ نے اسے ایک ہزار روپیہ غریبوں میں تقسیم کرنے کے لیے دیا۔ اس کے جیل کا نگراں آصف خاں اور سارے بڑے بڑے لوگ پیدل تھے۔ میں ہجوم کے دباؤ اور زحمت سے بچنے کے لیے گھوڑے پر سوار ہو گیا اور لشکر کو پار کر کے بادشاہ سے پہلے پہنچ گیا اور بادشاہ کے اپنے خیمے تک پہنچنے کا انتظار کرنے لگا۔ بادشاہ ہاتھیوں کی قطار کے بیچ سے نکلا سب ہاتھیوں کی طرف زینے لگے تھے۔ چاروں کونوں پر کتان کے جھنڈے تھے۔ سامنے ایک گوپھن تھا جس میں ایک گولہ ٹینس کے گیند کے برابر لٹک رہا تھا اور اس کے پیچھے توپ کی تھا۔ ہاتھی تقریباً سو کی تعداد میں تھے اور امرا کے ہاتھی جو ان کے پیچھے تھے ان کی تعداد چھ سو تھی اور سب مخمل یا

(بقیہ صفحہ حاشیہ......30) بادشاہ نے انگریزی کوچ کا سارا چینی کپڑا اتروا دیا اور اس کی جگہ ایک بہت قیمتی زر کا کپڑا اور ریشمی پھولوں سے کڑھا ہوا چڑھا دیا جس کے پھولوں کا رنگ نہایت ہی موزوں تھا اور جو باریک کٹے ہوئے تھے اور بجائے پیتل کی کیلوں کے چاندی کی کیلیں جڑ دیں۔ ان پر دوہرا ملمع تھا اور دونوں کوچوں کو گھوڑوں اور ساز سے آراستہ کر کے باری باری ان پر سواری کرتا تھا اور انگریز کوچوان کو اپنی خدمت کے لیے طے کر لیا اور اسے قیمتی کپڑے اور بھاری پنشن دی اور اگرچہ وہ اسے ان میں سے کسی کوچ پر نہیں لے جاتا تھا مگر اسے کم از کم دس پونڈ انعام دیتا تھا جس سے کوچوان بہت دولت مند ہو گیا تھا۔ اگر اسے جلد موت نہ آجاتی تو وہ اس بڑی ملازمت پر برابر قائم رہتا۔ (ٹیری صفحہ 386)

کوچوان کا نام فاسٹر نے تھامس کیرتج کے خط کی سند پر ولیم ہیمل بتایا ہے۔ وہ پہلے لارڈ فاران اور لارڈ بشپ کوونیٹری لچفیلڈ کا ملازم تھا اور بارکی یادداشت مورخہ 3/ جنوری 1615ء فاسٹر نے انڈیا آفس کے کاغذات کی سند پر اس بڑی پنشن کی مقدار ڈیڑھ روپیہ روزانہ بتائی ہے۔

جہانگیر نے اپنے جنوب کے سفر میں کوچ کی سواری اس ہندو رسم کے بموجب کی تھی کہ بادشاہ اور بڑے لوگوں کو فوجی مہم پر جاتے ہوئے مشرق کی طرف دانت والے ہاتھی پر، مغرب کی طرف ایک رنگ کے گھوڑے پر اور شمال کی طرف پالکی یا ڈولی پر اور جنوب کی طرف رتھ یا بہل پر جانا چاہیے۔ جہانگیر راجرس وبیورتج) جلد اول صفحہ 340۔

زردوزی کی جھول تھی اور ان کے اوپر دو یا مین سنہرے جھنڈے تھے۔ راستہ میں متعدد بہشتی آگے آگے مشکوں سے پانی چھڑک رہے تھے۔ کوئی گھوڑا یا آدمی دو فرلانگ تک بادشاہ کے قریب نہیں جاسکتا تھا بجز ان امراء کے جو ساتھ ساتھ پیدل چل رہے تھے۔ چنانچہ میں جلدی سے خیمہ کے پاس پہنچ گیا کہ بادشاہ کے سواری سے اترنے پر آداب بجالاؤں۔ خیمہ کے چاروں طرف تقریباً ایک انگریزی میل کے احاطہ میں مختلف قسم کی بلند قناتوں کی دیوار کھینچی تھی جو موٹے کپڑے کی تھیں اور باہر کیطرف سرخ اور طرح طرح کے نقوش سے مزین تھیں اور ایک خوبصورت دروازہ تھا۔ ان قناتوں کی بلیوں کے سرے پیتل کے تھے۔ مجمع بہت تھا۔ میں نے اندر جانا چاہا مگر کسی کو اجازت نہ تھی۔ ملک کا بڑے سے بڑا آدمی دروازے پر بیٹھا تھا۔ مگر میں نے کچھ رقم دی تو مجھے اندر جانے دیا گیا۔ اس دربار کے درمیان میں ایک سیپ کا بنا ہوا تخت تھا جو دو ستونوں پر زمین سے اونچا کیا گیا تھا اس کے اوپر ایک بلند شامیانہ تھا اور بلیوں کے سرے پر سونے کی موٹھ تھی اور زربفت کی چھتریاں تھیں اور فرش پر قالین بچھا تھا جب بادشاہ خیمہ کے قریب آیا تھا تو چند امراء اور ایرانی سفیر اندر آئے۔ ہم ایک دوسرے کے قریب اس طرح کھڑے ہوئے کہ بیچ میں ایک راستہ بن گیا بادشاہ نے داخل ہو کر مجھ پر نظر ڈالی اور میں آداب بجالایا پھر اس نے ایرانی سفیر کی طرف اشارہ کیا میں زینہ تک اس کے پیچھے پیچھے گیا سب لوگوں نے مبارک سلامت کی صدا بلند کی اور ہم سب اپنی اپنی جگہ پر بیٹھ گئے بادشاہ نے پانی مانگا اور ہاتھ دھوئے اور اندر چلا گیا۔ شاہی بیگمات دوسری طرف اپنے خیمہ میں چلی گئیں اس احاطہ میں خیموں کے تقریباً تیس قطعات تھے۔ سارے امراء اپنے اپنے خیموں میں چلے گئے جو نہایت خوبصورت تھے کچھ سفید اور کچھ سبز اور کچھ ملے جلے۔ اور سب مکانوں کی طرح آراستہ تھے ایسا بے نظیر شاندار منظر میں نے کبھی نہیں دیکھا۔ ساری وادی ایک خوبصورت شہر معلوم ہوتی تھی جہاں کوئی سامان بے ترتیبی سے نہیں رکھا تھا اور نہ کوئی پھٹا پرانا کپڑا سامان کے ساتھ خلط ملط تھا۔ میرا لباس وغیرہ اس مجمع کے مناسب نہ تھا اور میں اپنے دل میں شرمندہ تھا لیکن میرا پانچ سال کا مشاہرہ بھی مجھے ایک معمولی ایسا لباس مہیا نہیں کر سکتا تھا جو دوسروں کے ساتھ کھپ سکے کہ ہر ایک کے پاس دوہرا سامان تھا اور ہر روز جب بادشاہ بیدار ہوتا تھا لباس بدلا ہوا ہوتا تھا چنانچہ میں اپنے غریب سے خیمہ میں چلا گیا۔ (31)

---

(31) رو جلد دوم صفحات 321 تا 326 رو کے پادری ٹیری نے جہانگیر کے شاہی کیمپ کا مفصل حال لکھا ہے۔ وہ لکھتا ہے: وہ یقیناً نہایت شاندار تھا جیسا کہ ہر وہ شخص جس نے بے شمار خیموں کو دیکھا ہو اور شہ نشیں ایک دوسرے کے پاس نصب کی ہوئی دیکھی ہوں اعتراف کرے گا۔ اس لیے کہ یہ سب مل کر ایک شاندار اور خوبصورت شہر معلوم ہوتا ہے۔ یہ سب خیمے جب پاس پاس نصب ہوتے ہیں تو اتنی وسیع زمین کا احاطہ کرتے ہیں کہ میرے خیال میں وہ ایک سرے سے دوسرے تک کم از کم پانچ انگریزی میل کے رقبہ میں ہوں گے۔ کسی پہاڑی پر سے دیکھنے میں جہاں سے یہ سب نظر آئیں نہایت خوبصورت معلوم ہوتے ہیں۔

"اس لشکر میں بادشاہی کیمپ میں جتنے خیمے نصب ہیں وہ بیشتر سفید ہیں جیسے ان کے مکینوں کے لباس لیکن مغل کے خیمے سرخ ہیں اور جن بلیوں پر وہ نصب ہیں وہ دوسروں سے بہت اونچی ہیں۔ یہ خیمے کیمپ کے وسط میں نصب ہیں اور وسیع رقبہ پر ہیں اور ہر طرف سے نظر آتے ہیں اور یقیناً وہ بہت کشادہ ہوں گے جن میں بادشاہ اس کی بیگمات اور شہزادوں اور خواجہ سراؤں کی گنجائش ہو گی۔ آگے کی طرف یا بیرونی حصہ میں جو بادشاہ کے خیمہ کے اندر صحن ہے وہ بہت وسیع ہے جس میں بادشاہ رات کو سات اور نو بجے کے درمیان داخل ہوتا ہے اور جسے غسل خانہ کہتے ہیں۔

شاہی خیمہ کے چاروں طرف قناتیں کھڑی ہیں جو ہمارے پردوں کی طرح ہیں اور لپیٹی جاسکتی ہیں۔ یہ قناتیں نو دس فٹ اونچی ہیں اور مضبوط چھینٹ کی بنی ہوئی ہیں اور ان کا حاشیہ بھی اسی کپڑے کا ہے اور ہر جوڑائی پر بید سے مضبوط کر دی گئی ہیں لیکن باہر کی طرف ان کی حفاظت مسلح سپاہیوں کا ایک دستہ کرتا ہے جو رات دن پہرہ دیتا ہے۔ شاہی امراء کے خیمے بھی وسیع ہیں جو اس

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر....)

دیورانی میں مقام

دیورانی (32) دیورانی کے مقام پر سات دن قیام ہوا۔ رام سیر میں جو نور جہاں بیگم کی جاگیر ہے ایک شاندار ضیافت کی گئی۔

بادشاہ کی جدروپ سے ملاقات

دوسرا قابل لحاظ مقام اجین کے قریب تھا۔ بادشاہ مشہور ہندو درویش جدروپ سے ملنے چوتھائی میل پیدل گیا۔ درویش ایک کھوہ میں رہتا تھا۔ (33) جہاں نہ چٹائی تھی نہ پیال اور نہ وہ سخت سے سخت سردی میں بجز ستر ڈھانکنے کے ایک چیتھڑے کے کوئی کپڑا پہنتا تھا۔ وہ تاپنے کے لیے کبھی آگ نہیں جلاتا تھا اور ہمیشہ قریب کے ایک تالاب میں دن میں دو مرتبہ نہاتا تھا۔ دن میں ایک مرتبہ وہ اجین کے شہر میں جاتا تھا اور سات برہمن خاندانوں میں سے اسے اپنی پسند سے تین خاندانوں میں جاتا تھا اور ان کا تیار کیا ہوا کھانا پانچ لقمے بغیر چبائے ہوئے کھالیتا تھا۔ اس زمانہ کی ایک تصویر موجود ہے۔ جو شاید اجمیر میں بادشاہ کی فرمائش پر تیار کی گئی تھی جس میں اس درویش کو دبلا پتلا آدمی دکھایا گیا ہے جس کے چہرے پر دماغی قوت اور روحانی بندگی کی چمک ہے۔ وہ خلوت پسند تھا اور شاذ و نادر ہی لوگوں کی صحبت میں باہر آتا تھا۔ علمیت اور پاکبازی اور ریاضت میں اس نے بڑی شہرت حاصل کرلی تھی۔ اس نے (فلسفہ کے چھ سلسلوں میں سے ایک سلسلہ) ویدانت پر عبور حاصل کرلیا تھا جسے باخبر بادشاہ نے تصوف کا ایک سلسلہ کہا۔ اکبر اعظم نے 1601ء میں دکن سے آگرہ جاتے ہوئے اس درویش سے ملاقات کی تھی اور اسے خوب یاد رکھا تھا۔ جہانگیر نے کئی گھنٹہ تک اس سے گفتگو کی اور اس سے بہت متاثر ہوا۔ (34)

(بقیہ حاشیہ.... 31) کے چاروں طرف نصب ہیں۔ لشکر بھر میں سارے خیمے اس طرح قاعدے سے نصب ہیں اور ان کی ترتیب سے ہیں کہ جب ہم ایک جگہ سے دوسری جگہ جاتے ہیں تو ان عارضی مکانوں کے بیچ سے سیدھے چلے جاتے ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہم ایک ہی جگہ موجود ہیں اور مختلف راستوں اور بازاروں سے بادشاہ کے خیموں کے حساب سے راستہ معلوم کرتے ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے وہ کبھی ہٹائے نہیں گئے۔ وانج ٹو ایسٹ انڈیا صفحات 398 تا 401۔

(32) متن میں دیورائے ہے۔ لیکن بیورتج کا بیان ہے کہ انڈیا آفس کے مخطوطہ نمبر 305 میں دیورانی ہے۔ یہ قطعی طور پر کہا گیا ہے کہ شہزادہ خرم نے میواڑ کی فاتحانہ مہم سے واپسی میں دیورانی میں قیام کیا تھا۔ یقیناً اس موقعہ پر جہانگیر نے اسی میدان میں قیام کیا ہوگا۔ تاثر جہانگیری میں ریواری ہے اور گلیڈون نے بھی اسی کی نقل کی ہے۔ (صفحہ 111)

(33) اس کھوہ کی گنجائش کے متعلق مختلف بیانات ہیں جہانگیر (صفحہ 1356) کا بیان ہے کہ اس کا دہانہ 5½ گرہ (ایک گز کے تہائی سے ذرا زیادہ) اور چوڑائی 3½ گرہ (ایک گز کا چوتھائی پانچواں حصہ)

اقبال نامہ (صفحہ 94) نے ذرا سا اختلاف کیا ہے۔ مآثر الامرا (صفحہ 574) نے اسی کی نقل کی ہے۔

(34) جرنل آف رائل ایشیاٹک سوسائٹی جولائی 1919ء صفحات 389 تا 393 ڈاکٹر کمار سوامی کے خیال میں یہ تصویر مغل فنکاری کا بہترین نمونہ ہے۔ ابوالفضل (آئین جلد اول صفحہ 339) نے اسے دوسرے درجہ کے درویشوں میں شمار کیا ہے۔ "جو دل کے اسرار سمجھ سکتے ہیں" جہانگیر نے چند دن بعد پھر اس سے ملاقات کی اور کئی گھنٹے اس کی صحبت میں گزارے (راجرس و بیورتج جلد اول صفحہ 359)۔

اقبال نامہ نے اس کا نام اجھاروپ لکھا ہے اور مآثر الامرا نے بھی یہی نام لکھا ہے۔

رو نے (جلد دوم صفحہ 380) اپنے سفر نامہ 21/ فروری 1617ء کی تاریخ میں یہ اندراج کیا ہے۔ "بادشاہ سوار ہو کر اجین کے ایک درویش سے ملنے گیا جو ایک پہاڑی پر رہتا تھا اور کہا جاتا ہے کہ اس کی عمر 300 سال کی ہے۔"

اس بزرگ کے متعلق کئی افسانے مشہور تھے۔ عام طور سے وہ تین سو سال کی عمر کا کہا جاتا ہے۔ (رو صفحہ 380) جرمن

باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر

مانڈو میں داخلہ

چار ماہ کے آرام کے ساتھ سفر کے بعد شاہی قافلہ 6 مارچ 1617ء کو مانڈو میں داخل ہوا اور ان عالی شان عمارتوں میں قیام کیا جو ماہر تعمیرات عبدالکریم نے حال ہی میں تین لاکھ روپیہ کے خرچ سے دوبارہ اس غرض سے تعمیر کیے تھے۔ (35)

مانڈو کی تاریخ

مانڈو 22.30 شمالی عرض البلد اور 7.28 مشرقی طول البلد پر سطح سمندر سے 1944 فٹ بلندی پر اجین سے تقریباً 65 میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ اور وسط ہند کی مسلم اور ہندو سلطنتوں کا تیرہ سو برس تک خاص شہر رہا ہے۔ دلاور خاں غوری 1405، 1387ء جو مالوہ کی خود مختار سلطنت کا بانی تھا اس نے اپنا مستقر قدیم ہندو دارالسلطنت دھار اور مانڈو میں منقسم رکھا۔ اس کے لڑکے الپ خاں نے سلطنت کا مستقر مستقل طور پر مانڈو میں منتقل کر دیا اور اس قلعہ کی بنیاد رکھی جو دنیا کے اس حصہ میں مضبوط ترین قلعہ مشہور ہوا۔ (36) اس کے جانشینوں نے باغ اور فوارے نصب کئے اور عالی شان مسجدیں، مدرسے، سرائیں، محلات اور مقبرے تعمیر کئے جنھوں نے مانڈو کو سارے ہندوستان میں خوبصورت ترین شہر بنا دیا۔

(بقیہ حاشیہ ... 34) سیاح ہیر چ وان پوزر نے یہ واقعہ سنا اور یقین کیا درویش چوبیس گھنٹہ میں صرف اسی قدر کھانا کھاتا تھا جتنا غلہ اس کی پانچ انگلیوں کی گرفت میں آسکے۔

ولیم اروِن نے جرنل آف رائل ایشیاٹک سوسائٹی 1910ء صفحہ 954 میں اسی کی نقل کی ہے۔

(35) جہانگیر (راجرس و بیورج) جلد اول صفحات 363 تا 364۔ اقبال نامہ صفحہ 96۔

اس سفر کے دوران میں بادشاہ نے دو شیر، ستائیس نیل گاؤ، چھ چیتل، ساٹھ ہرن، تیس خرگوش، اور لومڑیاں اور 1200 دریائی جانور شکار کیے۔ اسی زمانہ میں اس نے وقائع نگاروں، شکار کے محاسبوں اور شکاریوں کو حکم دیا کہ اس نے بارہ سال کی عمر 1580ء سے اب تک یعنی اپنی پچاس سال قمری اور اڑتالیس سال شمسی عمر تک جتنے جانور شکار کیے ہیں ان کی مکمل فہرست پیش کی جائے۔ چنانچہ حساب لگایا گیا کہ 28532 شکار کئے ہوئے جانور اس کے سامنے پیش کیے گئے جن میں سے 17167 خود اس کے شکر کئے ہوئے تھے، ان کی تفصیل حسب ذیل ہے:

چوپائے شیر 86۔۔۔ ریچھ لومڑیاں اور اود بلاؤ اور لکڑ بگھے۔ 9۔۔۔ نیل گاؤ 889۔۔۔ مہاکہ (بارہ سنگھے کی ایک قسم 35۔۔۔ بارہ سنگھے، چکارے، چیتل، پہاڑی بکریاں وغیرہ 1670۔۔۔ مینڈھے اور ہرن 215۔۔۔ بھیڑیے 64 جنگلی بھینسے 36۔۔۔ سور 90۔۔۔ رنگ 26۔۔۔ پہاڑی بھیڑیں 22۔۔۔ ارغلی 32۔۔۔ جنگلی گدھے 6۔۔۔ خرگوش 23

=میزان 3203

پرند: کبوتر 10348۔۔۔ لگڑ جگڑ (شکرے کی ایک قسم) 3۔۔۔ عقاب 2۔۔۔ چیل 23۔۔۔ الو (چغد) 29 چیل (چوہے خور) 5۔۔۔ ططان (سنہری چڑیاں) 2۔۔۔ گنجشک 41۔۔۔ الو (بوم) 30۔۔۔ راج ہنس وغیرہ 150۔۔۔ کوے 3276 میزان 13920۔۔۔ دریائی جانور، مگرمچھ 10 میزان۔ کل میزان 17142۔

(36) فرشتہ کا بیان ہے کہ "یہ قلعہ دنیا میں سب سے عجیب ہے یہ ایک الگ پہاڑ کی چوٹی پر بنا ہے اور کہا جاتا ہے کہ اٹھارہ کوس کے احاطہ میں ہے۔ خندق کی جگہ ایک گھاٹی ہے جو قدرت نے چاروں طرف گھیر دی ہے اور جو اتنی گہری ہے کہ معمولی راستہ سے قلعہ میں پہنچنا ممکن نہیں ہے۔ قلعہ کے اندر پانی اور چارہ کی وافر مقدار ہے اگرچہ کاشت کے لیے کافی زمین نہیں ہے جو فوج بھی اس کا محاصرہ کرے وہ قلعہ کی سڑکوں کو بند کر کے ہی محاصرہ جاری رکھ سکتی ہے اس لیے کہ اتنے وسیع مقام کا محاصرہ تقریباً ناممکن ہے۔ قلعہ سے آنے والی اکثر سڑکیں ڈھلوان ہیں جن پر چلنا دشوار ہے جنوب کو جانے والی سڑک جس کا نام تارا پور دروازہ ہے اتنی ناہموار اور ڈھلوان ہے کہ اس پر رسالہ نہیں لے جایا جا سکتا شمال کی طرف کی سڑک جو دہلی دروازہ کو جاتی ہے وہ نسبتہً آسانی سے استعمال ہو سکتی ہے۔"

سولہویں صدی میں جب دوسری پٹھان سلطنت اور مغل سلطنت کے دور میں مالوہ یکے بعد دیگر میواڑ اور گجرات کا صوبہ بنا تو مانڈو کا زوال تیزی سے شروع ہو گیا۔ چند عالی شان عمارتیں جیسے سلطان ہوشنگ غوری کی تعمیر کردہ جامع مسجد اور سلطان غیاث الدین کا مقبرہ اپنے تمام حسن و شکوہ کے ساتھ باقی رہیں اور قلعہ ہمیشہ کی طرح ناقابل تسخیر رہا مگر شہر کا بیشتر حصہ کھنڈر ہو گیا۔

مانڈو کا حال

اکبر کے عہد میں اسے قدرے زندگی حاصل ہوئی مگر اسے پہلی سی شوکت کبھی نہ حاصل ہو سکی۔ معاصر یورپین سیاحوں کے بیانات سے کچھ تصور کیا جا سکتا ہے کہ 1617ء میں جب جہانگیر نے قیام کیا تو اس وقت شہر کی کیا حالت تھی۔ ٹیری جو اپنے آقا سفیر کے ساتھ دربار شاہی میں مقیم تھا۔ اس نے لکھا ہے "یہ شہر... ایک بلند پہاڑ کے اوپر ہے جس کی چوٹی مسطح میدانی اور وسیع ہے۔ ایک طرف کے علاوہ ہر طرف چڑھائی بہت بلند اور ڈھلوان ہے اور راستہ ہمیں غیر معمولی طور پر طویل معلوم ہوا۔ اس لیے کہ پہاڑ پر چڑھنے میں ہمیں پورے دو دن لگ گئے اور بڑی مشکل سے ہم گاڑیوں پر وہاں پہنچ سکے... جس پہاڑ پر مانڈو واقع ہے وہ خوبصورت درختوں کے بیچ میں ہے جو ایک دوسرے سے اتنے فاصلے پر ہیں کہ خواہ اوپر سے دیکھا جائے یا نیچے سے بہت خوبصورت معلوم ہوتے ہیں۔ یہ پہاڑ.... یہ جگہ... جو ہمارے یہاں آنے سے پہلے زیادہ آباد نہ تھی اس میں سالم مکانوں سے زیادہ کھنڈر ہیں لیکن جو عمارتیں کھنڈروں سے اوپر کھڑی ہیں ان میں چند غیر آباد مسجدیں ہیں۔(37)

ولیم فنچ لکھتا ہے: "یہ قدیم شہر پھاٹک سے پھاٹک تک شمال جنوب میں چار کوس ہے لیکن مشرق مغرب میں دس یا بارہ کوس اور اس کے مشرق میں کئی میل کی چراگاہ ہے۔ پہاڑ کی بلندی پر کوئی سولہ شفاف تالاب ہیں جو شہر کے مختلف حصوں پر پھیلے ہوئے ہیں۔

جو عمارتیں ابھی موجود ہیں وہ سب خوبصورت ہیں اگرچہ پہلی جیسی نہیں۔ یہ سب مضبوط پتھر کی خوبصورت اور بلند دروازوں کی ہیں۔ سارے عیسائی ممالک میں کہیں بھی ایسی عمارتیں نہیں جنوب کی طرف اندر جانے کے دروازے میں اندر شہر کی طرف جواب آباد ہے۔ بائیں طرف ایک خوبصورت مسجد ہے اور اس کے برابر ایک خوبصورت محل جس کے اندر چار بادشاہوں کی نہایت خوبصورت اور بیش قیمت قبریں ہیں۔ اس کے برابر ایک بلند زینہ ایک سو ستر سیڑھیوں کا ہے جس کے چاروں طرف برآمدے اور ہر کمرے میں کھڑکی ہے جو نہایت خوبصورت بنی ہوئی ہیں اور محرابیں اور ستون ہیں اور ساری دیواروں میں سبز پتھر کی پچی کاری ہے جو بے حد حسین ہے۔ جب میں شمال کی طرف آیا تو وہاں زمین میں ایک ڈیڑھ فٹ چوڑا سوراخ تھا۔ دروازہ بہت ہی مضبوط ہے اور نیچے اترنے کے زینے ہیں اور اس کے باہر چھ اور دروازے ہیں۔ سب مضبوط ہیں جن کے پاس دیواروں سے گھرے ہوئے پھاٹک سے پھاٹک پہرہ داروں کے لیے صحن ہیں۔ اسی کے پاس ایک چھوٹا دروازہ بھی ہے لیکن اس کا راستہ بہت ڈھلوان ہے۔ کنارے کے سارے حصہ میں دیوار ہے جس میں جابجا مورچے ہیں۔ پھر بھی پہاڑی اس قدر ڈھلوان ہے کہ چاروں ہاتھ پیروں سے بھی اس پر چڑھنا تقریباً ناممکن ہے۔ یہ بالکل پوشیدہ راستہ ہے... شہر پناہ کے باہر اس سمت میں چار

---

(37) ٹیری صفحات 181، 183۔

کوس تک مضافات پھیلے ہیں مگر بجز چند قبروں، مسجدوں اور سراؤں کے سب شکستہ حالت میں اور بے سب آباد ہیں۔ (38)

کرن شاہ خرم سے مل گیا

اس دوران میں شاہ خرم اپنی فوج کے ساتھ دکن کے محاذ کی طرف راستہ طے کرتا رہا۔ میواڑ کی سرحد پر دودپور میں رانا امر سنگھ نے اس کا استقبال کیا اور شہزادہ کرن کی سربراہی میں ڈیڑھ ہزار سوار کا دستہ اس کے ساتھ کر دیا۔ (39) نربدا کے بائیں کنارے پر خان خاناں، خان جہاں اور مہابت خاں ملے جن کے ہمراہ وہ ٦/ مارچ 1667ء کو برہان پور میں داخل ہو گیا۔

شاہ خرم کی صلح کی سلسلہ جنبانی

شاہ خرم نے حال ہی میں غنیم سے صلح کی سلسلہ جنبانی شروع کی تھی۔ اس نے بیجاپور کے عادل شاہ اور ملک عنبر کے پاس افضل خاں اور راجہ بکرماجیت کو صلح کی شرائط لے کر بھیجا۔ ان سفیروں کا استقبال بڑی عزت اور آؤ بھگت سے کیا گیا۔ صلح کی تجاویز میں خراج دینے اور مفتوحہ علاقوں کی واپسی کا مطالبہ تھا۔ دکنیوں کو یہ اندازہ ہو گیا کہ شاہ خرم کی آمد اور بادشاہ کے قریب سے مغل سرداروں کی باہمی مخالفتوں سے انہیں جو موقعہ حاصل تھا وہ فوراً ختم ہو جائے گا۔ انہوں نے دیکھ لیا ہو گا کہ باوجود ان کے چھاپہ مار طریق جنگ کے وہ شاہ خرم کی زبردست فوج اور ساز و سامان کے مقابلہ میں نہ ٹھہر سکیں گے۔ مزید برآں ملک عنبر نے جو دکنی اتحاد قائم کیا تھا اس میں مغلوں کے روپے اور سفارتی تدابیر سے رخنہ پڑ رہا ہے۔

---

(38) ولیم فنچ پرچہ جات چہارم صفحات 34 تا 37 میں مانڈو کے حالات کے لیے دیکھو جہانگیر (راجرس و بیورتج) جلد اول صفحات 363 تا 367۔ اقبال نامہ صفحات 96 تا 97 پرانی عمارتوں کے حالات 97 تا 98 تاریخی تبصرہ خافی خاں جلد اول صفحات 289 تا 290۔

فرشتہ اصل کتاب جلد دوم صفحات 468 تا 534 خصوصاً صفحات 504 تا 532۔

مانسٹر آف کمبھر لیس (ہوائے لینڈ و نبرجی) صفحات 15 تا 18۔

برگس جلد چہارم صفحات 209 تا 280 نیز دیگر مورخین، ابوالفضل، بدایونی وغیرہ آئین جلد دوم (جیرٹ صفحہ 196)

نمبری صفحات 181 تا 184۔

ڈیلاویل جلد اول صفحہ 97۔ ہربرٹ کا سفرنامہ صفحہ 84۔

ڈی لائٹ، ترجمہ لیتھ برج کلکتہ ریویو 5، 1870ء صفحات 359، 360۔

کوریات کریوڈیز جلد سوم، ملحقات (ان ہیچڈ) جورڈین صفحات 148، 149۔

نیز مسٹر جے مالکم کی سنٹرل انڈیا جلد اول صفحات 29، 40 ہسٹری آف مانڈو و بمبئی کے ایک غیر معلوم سپاہی کی کتاب کی نقل کپتان سی ہیرس کی رونیس آف مانڈو۔ جے ایم کیمپل کا مانڈو پر مضمون۔ رائل ہسٹاریکل سوسائٹی کی بمبئی شاخ کے جرنل نمبر 19، 52 تا 53 بابت 7-1805ء صفحات 154 تا 201۔

کپتان ایف بارنس کا مضمون اسی میں نمبر 21 صفحات 57 تا 59۔ ایضاً 3۔ 1901 صفحات 339 تا 392۔ دھار اور مانڈو دونوں کے متعلق۔ موجودہ زمانہ میں عمارتوں کی جو حالت ہے اس کے نہایت ہی دلچسپ بیان کو دیکھو۔ فرگوسن جلد دوم صفحات 246 تا 252۔ نیز آرکیالوجیکل سروے کی سالانہ رپورٹ 4-1903ء صفحات 30 تا 45 نیز امپیریل گزیٹر۔

(39) جہانگیر (راجرس و بیورتج) جلد اول صفحہ 345 خافی خاں جلد اول صفحہ 288۔ مآثر جہانگیری کا بیان ہے کہ ملاقات اوم لیہہ میں ہوئی۔ اور یہ کہ جگت سنگھ کو شہزادہ کے ہمراہی پر تعینات کیا گیا۔ جہانگیر اور معتمد خاں کے بیانات زیادہ معتبر ہیں نیز دیکھو سرنبود۔

شرائط مان لیے گئے

دکنیوں نے صلح کی پیش کش فوراً قبول کر لی اور عادل شاہ خود دکنی امراء سے وصول کیے ہوئے پچاس لاکھ روپیہ کے قیمتی تحفے لے کر شہزادہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ بالا گھاٹ کا سارا علاقہ جو حال میں ملک عنبر نے فتح کیا تھا مغلوں کو دے دیا گیا۔ اور احمد آباد اور دوسرے۔ قلعوں کی کنجیاں بھی حوالے کر دی گئیں۔

صلح ہو گئی

شاہ خرم نے فوراً سید عبداللہ بارہہ کو شاہی مستقر پر خبر پہنچانے کیلئے بھیجا جو پہلے نور جہاں کی خدمت میں حاضر ہوا اور نور جہاں نے بادشاہ کو اطلاع دی اور اس کے صلہ میں دو لاکھ کی قیمتی جاگیر حاصل کی جشن مسرت منانے کا حکم دیا گیا اور نقارے بجنے لگے۔ (40) چند دن بعد بادشاہ کو خرم کا خط ملا جس میں اطلاع دی گئی تھی کہ افضل خاں اور رائے رایان عادل شاہ کے سفیروں کے ساتھ جواہرات، زیورات، ہاتھیوں اور گھوڑوں کے تحائف کے ساتھ اور ایسے تحائف کے ساتھ جواب تک کسی حکومت اور کسی زمانے میں نہیں آئے لے کر حاضر ہو رہے ہیں۔ شہزادہ نے استدعا کی کہ عادل شاہ کو فرزند شاہ کے لقب سے ممتاز کیا جائے۔ چنانچہ ایک فرمان لکھا گیا جس میں بادشاہ نے خود اپنے قلم سے تحریر کیا "شاہ خرم کی استدعا پر فرزند شاہ کے خطاب سے سرفراز کیا گیا۔" (41)

صلح نامہ ہو جانے کے فوراً بعد خرم نے دکن کے صوبوں کے دفاع اور نظم و نسق کے انتظامات شروع کر دیے۔ خان خاناں برار، خاندیش اور احمد نگر کا گورنر مقرر کیا گیا اور اس کے بڑے لڑکے شاہ نواز خاں کو بارہ ہزار سوار کے ساتھ دکن سے حاصل کیے ہوئے علاقہ میں مامور کیا گیا اور ہر عہدہ پر موزوں افسروں کا تقرر کیا گیا۔ تیس ہزار سوار اور سات ہزار پیادہ بندوقچی دکن کے صوبوں میں رکھے گئے۔ (42)

شہزادہ مانڈو پہنچ گیا

باقی پچیس ہزار سوار اور دو ہزار بندوقچیوں اور خان جہاں لودی، عبداللہ خاں مہابت خاں، داراب خاں اور سردار خاں جیسے ممتاز افسروں کے ساتھ شہزادہ برہان پور سے روانہ ہوا اور 12 اکتوبر 1617ء (11 شوال 1026ھ 20 مہر) مانڈو پہنچ گیا۔ اجمیر چھوڑنے کے بعد سے وہ پورے سال بھر بھی باہر نہیں رہا تھا اور دکن میں تو اس نے صرف چھ مہینے صرف کیے تھے۔

شاندار استقبال

جیسی کہ امید تھی شہزادہ کا استقبال غیر معمولی شان و شکوہ کے ساتھ کیا گیا۔ اس کی دادی اور

---

(40) جہانگیر (راجرس و بیوریج) جلد اول صفحات 368، 380، 381، 382 اقبال نامہ صفحات 99 تا 101 خافی خاں جلد اول صفحات 200، 201۔

(41) جہانگیر (راجرس و بیوریج) جلد اول صفحات 387، 388۔ اقبال نامہ جلد سوم صفحہ 101 خافی خاں جلد اول 292۔

(42) جہانگیر (راجرس و بیوریج) جلد اول صفحہ 393۔ اقبال نامہ صفحہ 102۔

تمام بڑے امرا نے تحفوں کے ساتھ باہر نکل کر استقبال کیا۔(43) جہانگیر نے لکھا ہے "جب اس نے آداب اور زمیں بوسی کی رسم ادا کر لی تو میں نے اسے جھروکہ میں بلایا اور انتہائی شفقت اور مسرت سے اپنی جگہ کھڑا ہو گیا اور اسے پیار سے گلے لگایا۔ جتنا جتنا وہ انکسار کا اظہار کرتا رہا میں مراعات میں اضافہ کرتا جاتا تھا اور اسے اپنے پاس بٹھالیا۔ شہزادہ کو غیر معمولی تیس ہزار ذات و سوار کے منصب پر اور شاہ جہاں کے خطاب سے فائز کیا گیا اور اسے دربار میں بیٹھنے کے لیے تخت شاہی کے پاس کرسی دی گئی۔"

افسروں کے انعامات

شہزادہ کے ماتحتوں خان جہاں لودی، عبداللہ خاں، مہابت خاں، خان خاناں کے لڑکے داراب خاں، عبداللہ خاں کے بھائی سردار خاں، شجاعت خاں عرب، دیانت خاں، شہباز خاں، معتمد خاں، بخشی اور عنبر کو چھوڑ کر آنے والے اودے رام کو بادشاہ سے شرف ملاقات بخشا گیا اور تحفے اور انعامات دیے گئے۔ بیجاپور کے سفیروں کو بھی نظر انداز نہیں کیا گیا۔(44)

شاہجہاں کو انعام

خود شاہ جہاں کو ایک مخصوص خلعت دی گئی اور ایک چوغا معہ گریبان کے جس کی آستینوں اور دامن کے سرے پر پچاس ہزار روپے کے قیمتی موتی ٹکے تھے اور ایک مرصع تلوار اور مرصع خنجر۔(45)

شاہجہاں کے تحفوں کی نمائش

جمعرات 10/ آبان کو دیوان عام میں جگمگاہٹ کا منظر تھا جہاں شاہجہاں کے پیش کیے ہوئے تحفوں کی مع سو عرب و عراقی گھوڑوں اور ڈیڑھ سو ہاتھیوں کے جن کے ساز سونے چاندی کے اور کاٹھیاں مرصع تھیں۔ نیز ایک 9½ ٹنکہ وزن کا عقیق غیر معمولی خوبصورتی کا جس کی قیمت کا اندازہ دو لاکھ روپیہ کا تھا، ایک نیلم چھ ٹنکہ وزن کا اور ے سرخ جس کی قیمت ایک لاکھ روپیہ تھی اور چکورہ ہیرا(46) ایک ٹنکہ 6 سرخ وزن کا چالیس ہزار روپیہ کا قیمتی اور ایک زمرد غیر معمولی حسن و رنگت اور چمک کا۔ آخری تینوں چیزیں ابراہیم عادل شاہ کا تحفہ تھیں۔ ان کے علاوہ دو موتی 64 سرخ اور 16 سرخ وزن کے پچیس ہزار اور بارہ ہزار روپیہ کی قیمت کے اور ایک ہیرا قطب الملک کا تحفہ ایک ٹنکہ وزن کا تیس ہزار روپیہ کی قیمت کا۔

---

(43) ر، صفحات 419 تا 320۔

(44) جہانگیر (راجرس و بیورتج) جلد اول صفحات 394 تا 395۔ اقبال نامہ صفحات 103 تا 104 خافی خاں صفحات 293 تا 294۔

(45) جہانگیر (راجرس و بیورتج) جلد اول صفحہ 395۔ اقبال نامہ صفحات 103 تا 104 خافی خاں صفحہ 194۔

(46) اس ہیرے کا نام چکورہ درخت کے نام پر ہے "جس وقت مرتضیٰ نظام الملک نے برار فتح کیا تو ایک دن وہ اپنی خواتین حرم کے ساتھ باغ میں سیر کرنے لگا وہاں ایک خاتون نے چکورہ کے درخت کے پاس یہ ہیرا پایا اور نظام الملک کو دیا۔ اسی وقت سے اس کا نام چکورہ ہیرا ہو گیا۔ ابراہیم عادل شاہ کے احمد نگر کے قیام کے زمانہ میں یہ اس کے قبضہ میں آگیا۔" جہانگیر (راجرس و بیورتج) جلد اول صفحہ 400۔

ہاتھیوں میں سوا لاکھ روپیہ کی قیمت کا نور بخت خود شاہجہاں نے پیش کیا تھا اور ممی پتی اور بخت بلند، عادل شاہ اور قدوس خان اور امام رضا قطب الملک کے تحفے تھے۔ جن میں ہر ایک کی قیمت ایک لاکھ روپیہ تھی۔ نور جہاں کو شاہجہاں نے دو لاکھ کا قیمتی تحفہ دیا اور اپنی دوسری سوتیلی ماؤں کو ساٹھ ہزار کے قیمتی تحفے۔ تحفوں کی مجموعی قیمت بیس لاکھ روپیہ تھی۔(47)

شاہجہاں نے کیا حاصل کیا؟

جواہرات کی جگمگاہٹ اور ضیافتوں کا جوش و خروش شاہجہاں کے کارناموں پر نمائشی روشنی ڈال رہا تھا۔ در حقیقت اس نے محض خان خاناں کی فتوحات کا چربہ اتارا تھا اور محض ایک عارضی صلح حاصل کی تھی۔ اس حقیقت سے کسی طرح چشم پوشی نہیں کی جا سکتی کہ کروڑوں روپیہ خرچ اور ہزاروں جانوں کے نقصان کے باوجود مغل حدود سلطنت میں 1605ء کے مقابلہ میں ایک میل کا بھی اضافہ نہیں ہوا تھا۔ اس کے برعکس کچھ دنوں کے لیے بہت نقصان ہوا تھا۔ احمد نگر ہاتھ سے جاتا رہا۔ بالا گھاٹ کا بھی وہی انجام ہوا اور مغل سلطنت کو ایک خطرہ پیدا ہو گیا۔ خان خاناں اور اس لڑکے نے صورت حال کو کچھ سنبھالا۔ شاہجہاں نے صرف اتنا کیا کہ اپنی زبردست فوج کا رعب بٹھا دیا اور جیسا تیسا ایک صلح نامہ کر لیا لیکن لوگوں نے اسی کامیابی پر شاندار جشن منایا۔ جس سے اس کے وقار اور شکوہ میں اضافہ ہوا۔

---

(47) جہانگیر (راجرس و بیورتج) جلد اول صفحات 399 تا 401۔ اقبال نامہ صفحہ 105 خافی خاں جلد اول صفحہ 294۔ دکن کے معاملات پر مختصر بیان مآثر الامرا جلد اول صفحات 185، 188 میں ہے۔ (بیورتج) جلد اول صفحات 50، 97، 167، 283، 450، 483، 532 تا 533۔

گیارہویں باب کا ضمیمہ

جہانگیر کا سفر اجمیر سے مانڈو تک

سنہ ہجری	سنہ الٰہی	سنہ عیسوی	مقام
یکم ذی قعدہ	گیارہویں سنہ جلوس		
	21/ آبان		اجمیر سے روانگی
	21/ تا 28 آبان		دیورانی میں قیام
	29/ "		وسالی
	3/ آذر "		بادھل
	4/ "		رام سیر میں ضیافت
	4/ تا 12/ "		رام سیر میں قیام
	13/ "		بلودہ
	13/ تا 1/ "		بلودہ میں قیام
	16/ "		نہال
	18/ ,		جونسا
	20/ "		دیوگاؤں
	20/ تا 22/ "		دیوگاؤں میں قیام
	23/ "		بہاسو
	26/ "		موضع کاکل کے باہر
	29/ "	19/ دسمبر	بودا کے قریب لاسا میں
	2/ دے "		کوزا کے جوار میں
	4/ ..		سورتھ
	6/ ..		برودہ

سنہ ہجری	سنہ الٰہی	سنہ عیسوی	مقام
	7/دے		....
	8/ "		....
	9/ "		خوش تال
	10/ "		رتھمبور
	10/تا12 "		رتھمبور میں قیام
	12/ "		کویالا
	14/ "		اکتورہ
	14/تا16 "		اکتورہ میں قیام
	17/ "		لسایا
	19/ "		کوراکا
	22/ "		سلطان پور و چھپرامل
	25/ "		باسور
	27/ "		چندوہا
	27/تا29 "		چندوہا میں قیام
12/محرم1026ھ	یکم بہمن	20/جنوری1617ء	روپاہیرا
	3/ "		لکھاداس
	6/ "		امہر
	8/ "		خیر آباد کے قریب
	...		سدھارا
	11/ "		....
	12 "	31/جنوری	بچھیا
	14/ "		بلبلی
	16/ "		گیری

سنہ ہجری	سنہ الٰہی	سنہ عیسوی	مقام
	18/ بہمن		امریا
	19/ ,,		قیام
	20/ ,,		سفر
	21/ ,,		قیام
	22/ ,,		بلغاری
	23/ ,,		قیام
	24/ ,,		قاسم کھیڑہ
	25/ ,,		قیام
	27/ ,,		ہندورال
	28/ ,,		کلیادھا
	2/ اسفندرموز		سفر
	4/		جراو
	6/		دیبل پور بھریا
	11/		دولت آباد
	13/		علچاوساگر
	17/		حاصل پور
	22/	اتوار	قلعہ مانڈو کے دامن میں جھیل
	23/	دوشنبہ	مانڈو میں داخلہ

بارھواں باب

جہانگیر گجرات میں

وبائیں

جہانگیر کی گجرات کے دورہ پر روانگی

دکن کا مرحلہ طے ہوتے ہی جہانگیر نے گجرات کے دورہ کا قصد کر دیا تاکہ وہاں کے حالات بچشم خود دیکھے۔ جنگلی ہاتھیوں کا شکار کرے اور وسیع سمندر کے منظر کا لطف حاصل کرے۔ بڑی بیگمات، ملازم اور کچھ سامان آگرہ سے روانہ ہو گیا اور خود جہانگیر، نور جہاں اور شاہجہاں کے ساتھ کھمبیات کی طرف روانہ ہوا جہاں آرام سے سفر کرتے ہوئے دو ماہ میں پہنچا۔ (1)

کھمبیات

کھمبیات جو مغربی ساحل پر سب سے قدیم سب سے بڑا مشہور بندرگاہ تھا اب بڑے جہازوں کی آمد و رفت کے قابل نہیں رہا تھا چنانچہ جہاز اب قریب کی گوگا بندرگاہ پر اپنا سامان اتارتے تھے۔ اس معروف بندرگاہ کے محاصل گجرات کی خود مختار سلطنت کی آمدنی کا خاص ذریعہ تھے۔ جب یہ مغل سلطنت میں شامل ہوا تو اکبر نے اس بندرگاہ اور بازار کو کچھ ترقی دی اور شہر کے گرد تقریباً بارہ فٹ اونچی ایک دیوار تعمیر کر دی جس میں جگہ جگہ مینار تھے۔ بادشاہ کی طرف سے تجارت کی سرگرم ہمت افزائی کی وجہ سے یہ شہر بقول پائی رارڈ ڈی لاوول کے ہندستانی شہروں میں سب سے بڑا اور سب سے زیادہ دولت مند شہر ہو گیا تھا۔ جہاں دنیا کے تمام حصوں سے تاجر آتے تھے۔ سڑکیں کشادہ تھیں جن کے سرے پر پھاٹک تھے جو رات کو بند ہو جاتے تھے۔ عمارتیں بلند اور پختہ بنی ہوئی تھیں جن پر کھپروں کی چھتیں تھیں اور بارش کا پانی روکنے کے لیے حوض تھے۔ ہاتھی دانت کی چوڑیاں، پتھر کے پیالے، ہار اور انگوٹھیاں بکثرت بنتی تھیں۔ اکثر دوکانوں میں خوشبودار عطر، مسالے، ریشم اور ہاتھی دانت کی بکثرت مصنوعات کا ذخیرہ تھا۔ شہر سے بھی بڑے مضافات چاروں طرف پھیل گئے تھے۔ تفریحی باغوں نے گرد و پیش کو بہت خوبصورت بنا دیا تھا۔ آبادی بیشتر ہندوؤں کی تھی۔ (2)

---

(۱) جہانگیر (راجرس و بیورج) جلد اول صفحات 201، 202 اقبال نامہ صفحہ 106 مآثر جہانگیری (مخطوطہ خدا بخش) صفحہ 139 (الف) خافی خاں جلد اول صفحہ 294۔ گلیڈون صفحہ 42۔

(۲) چارٹ جلد دوم صفحہ 241 جہانگیر (راجرس و بیورج) جلد اول صفحات 17-416۔ ڈی لائٹ ترجمہ لیتھ بریج کلکتہ ریویو نمبر 1870ء صفحہ 350 پیئر وڈی لاویل جلد اول صفحات 66، 67 پائی رارڈ ڈی لاول جلد دوم حصہ اول صفحہ 250 تھیوناٹ جلد سوم باب ششم صفحات 12، 13 اور ولیم فنچ برگس سٹیز آف گجراشتر صفحہ 281۔

پرندوں کا اسپتال

سب سے زیادہ عجیب چیز بجز اپول یا جانوروں کا اسپتال ہے۔ ان میں سے ایک پرندوں کا اسپتال ہے جس میں ہر قسم کی چڑیاں جو بیمار یا لنگڑی یا بے سہارا یا کمزور ہوں وہ رکھی جاتی ہیں اور ان کی بڑی احتیاط سے نگہ داشت کی جاتی ہے۔

پیر

پیر کا بیان ہے کہ "... اسپتال کا مکان چھوٹا سا ہے۔ چھوٹا سا کمرہ بہت سی چڑیوں کے لیے کافی ہوتا ہے۔ تاہم جب میں نے اسے دیکھا تو وہ ہر قسم کی چڑیوں سے بھرا ہوا تھا جن کا علاج ہوتا تھا۔ جیسے مرغ، مرغیاں، کبوتر، مور، بطخ اور چھوٹی چڑیاں جو لنگڑی یا بیمار یا بے سہارا ہونے کی وجہ سے یہاں رکھی جاتی ہیں اور تندرست ہونے پر اگر جنگلی ہوتی ہیں تو چھوڑ دی جاتی ہیں اور پالتو ہوتی ہیں تو کسی نیک آدمی کو گھر پر پالنے کے لیے دے دی جاتی ہیں۔ سب سے زیادہ عجیب چیز جو میں نے دیکھی وہ چھوٹی چوہیاں تھیں جو بغیر ماں باپ کے ہونے کے یہاں رکھی جاتی ہیں اور ان کی دیکھ بھال کی جاتی ہے۔ اسپتال میں ایک بوڑھے بزرگ شخص سفید داڑھی کے۔ انہیں روئی میں لپیٹ کر بکس میں رکھتے ہیں اور چڑیوں کے پر سے انہیں دودھ دیتے ہیں۔ ان کی ناک پر عینک ہے۔ یہ چوہیاں اتنی چھوٹی ہیں کہ کوئی اور چیز نہیں کھا سکتی ہیں اور ان بزرگ نے کہا کہ جب یہ بڑھ جائیں گی تو چھوڑ دی جائیں گی کہ جہاں چاہیں جائیں۔ (3)

چوپایوں کا اسپتال

اگلی صبح کو ڈیلا ویل نے ایک اور اسپتال دیکھا جس میں بکری کے بچے بھیڑیں اور مینڈھے تھے جو یا تو بیمار تھے یا لنگڑے اور اسی میں چند مور، مرغ اور دوسرے جانور تھے جنہیں کچھ مدد کی ضرورت تھی اور یہ سب نہایت احتیاط سے ایک وسیع احاطہ میں رکھے تھے۔ یہاں چھوٹے چھوٹے کمروں میں عورتیں اور مرد بھی تھے جو ان کی نگہداشت کرتے تھے۔ ایک اور جگہ یہاں سے ذرا فاصلہ پر ہم نے ایک اور اسپتال دیکھا جس میں گائیں یا گایوں کے بچے تھے جن کے یا تو پیر ٹوٹے تھے یا بہت کمزور دبلے پتلے تھے اور اس لیے علاج کے لیے یہاں رکھے گئے تھے۔ انہیں جانوروں میں ایک مسلمان چور بھی تھا جس کے دونوں ہاتھ کاٹ دیے گئے تھے اور چونکہ اب یہ اپنی روزی کمانے کے قابل نہیں رہا تھا اس لیے رحم دل کفار نے اسے یہاں غریب جانوروں میں رکھا تھا اور اس کی ساری ضروریات پوری کرتے تھے۔ (4)

کھمبیات میں بادشاہ دس دن ٹھہرا اور دلچسپی کے مقامات دیکھے۔ تاجروں سے ملاقات کی اور فیاضی سے خیرات تقسیم کی اور جہاز پر سوار ہو کر سمندر پر گیا۔

احمد آباد

کھمبیات سے 30/ دسمبر 1617ء کو روانہ ہو کر 5/ جنوری 1618ء کو احمد آباد پہنچا یہ شہر

(۳) ڈی لاویل جلد اول صفحات 67، 68۔

(۴) پیٹرو ڈیلا ویل جلد اول صفحہ 71۔

ایک سرسبز علاقہ کے درمیان دریائے سابرمتی پر واقع ہے اور مدتوں گجرات کا دارالسلطنت اور حرفت و تجارت کا مرکز رہا ہے۔ قریب کے سرکھیج اور دوسرے دیہاتوں میں نہایت اعلیٰ قسم کی بکثرت نیل بنتی ہے جو ہندوستان کی تجارت میں بہت اہم سمجھی جاتی ہے خود شہر زربفت، کمخواب، مخمل اور طرح طرح کی حرفتوں کا مرکز تھا جنھیں سارے ملک میں اور باہر شہرت حاصل ہوگئی تھی۔ ہندو مسلم اور عیسائی تاجر اور اہل حرفہ کثیر تعداد میں یہاں جمع ہوتے تھے۔ ایک پوری سڑک درزی سرائے کے نام سے مشہور تھی اور تاجر کاروانوں کے لیے مخصوص تھی جو رات کو بند ہو جایا کرتی۔ دوسری سڑکیں کشادہ صاف اور سیدھی تھیں اگرچہ خاک آلود۔ سارا شہر جو ہمارے لندن کے برابر تھا ایک پختہ مضبوط اینٹ اور پتھر کی دیوار سے گھرا تھا جس کے گوشوں پر مینار اور مورچے مقررہ فاصلے پر تھے اور بارہ بڑے بڑے خوبصورت پھاٹک تھے۔ شاہی محل میں ایک جھروکہ کی کھڑکی تھی جو ایک چوکور صحن کی طرف کھلتی تھی اور تختوں سے بلند کر دی گئی تھی اور اس کے گرد لکڑی یا کٹھرنجہ تھا۔ دیوان عام بہت ہی وسیع صحن تھا جو پالش کی ہوئی سفید دیواروں سے گھرا تھا۔ خوبصورت مسجدوں، مندروں اور وسیع باغات اور دو رویہ درختوں کی قطاریں، فرانسیسی سیاح کو پیرس کی کورڈیلارین کی خوبصورتی کی یاد دلاتی تھیں جن سے یہ شہر ہندوستان کا خوبصورت ترین شہر ہو گیا تھا۔ آگرہ، مانڈو اور لاہور کے ساتھ یہ سلطنت کے چار بڑے شہروں میں تھا۔ شہر پناہ کے باہر وسیع مضافات پھیلے تھے جنوب مشرق میں ایک مشہور مصنوعی جھیل کنکریا تالاب کے نام سے تھی جس میں سورت کی جھیل کی طرح نیچے جانے کے لیے زینے بنے تھے اور بیچ میں ایک خوبصورت عمارت اور باغ تھے جس کے درمیان میں ایک حوض تھا جو ایک طویل محراب دار پل کے ذریعہ سے کنارے کی زمین سے ملایا گیا تھا۔ رات کو جب اس میں روشنی ہوتی تھی تو نہایت ہی دلکش منظر ہوتا تھا۔ (5)

بادشاہ نے احمد آباد میں ساڑھے تین ماہ قیام کیا اور اہل فن اور اہل حاجت میں فیاضی سے روپیہ تقسیم کیا۔ (6)

انفلوئنزا

جہانگیر نے ایک دن شکار سے واپس آکر دیکھا کہ ہر شخص ایک وبائی مرض میں مبتلا ہے جیسی

---

(۵) آئین جارٹ جلد دوم صفحہ 240، 241 جہانگیر (راجرس وبیورتج) جلد اول صفحات 419، 423، 424، تا 425، 429۔ اقبال نامہ صفحات 107، 108 خافی خاں جلد اول صفحہ 294۔ ڈی لائٹ، ترجمہ لیتھ برج صفحات 350، 351۔ ٹیری صفحہ 179، تھکنن پرچہ جات چہارم صفحہ 167۔ جورڈین صفحات 171، 172۔ ڈیلاویل جلد اول صفحات 95، 96، 97 ہربرٹ صفحات 61 و 62 پیٹر منڈی جلد دوم صفحہ 266 تھیونات جلد سوم باب پنجم صفحات 8 و 10 تا فکن تھیلر جلد اول صفحات 374 تا 379 ٹیورنیر جلد اول صفحہ 72، منڈل سلو صفحہ 20 خلاصۃ التواریخ ترجمہ سرکار، انڈیا آف اورنگ زیب صفحات 59 تا 62 برگس سٹیز آف گجراشٹر صفحہ 313۔ گلیڈون صفحہ 22 ہوپ اینڈ فرگوسن، آرکی ٹیکچر آف احمد آباد۔

(۶) جہانگیر کا بیان ہے کہ "احمد آباد کے قیام کے دوران میں میری رات دن کی مصروفیت ضرورت مندوں سے ملنا اور انہیں روپیہ اور جاگیر دینا تھی۔ میں صدر شیخ احمد اور چند دیگر ہوشیار ملازموں کو ہدایت کی کہ وہ جن لوگوں کو حاجت مند سمجھیں انہیں میرے پاس لائیں۔ اسی طرح میں نے شیخ محمد غوث کے لڑکوں اور دیگر ممتاز شیوخ کو ہدایت کی کہ وہ جن لوگوں کو حاجت مند سمجھیں انہیں میرے پاس لائیں۔ نیز چند لوگوں کو بھی مقرر کیا کہ وہ عورتوں میں یہی کام کریں۔ میری ساری کوشش یہ تھی کہ چونکہ میں بحیثیت بادشاہ کے کئی سال بعد اس ملک میں آیا اس لیے کہ کسی شخص کو محروم نہ رہنا چاہیے۔ خدا گواہ ہے کہ میں نے اس میں کوتاہی نہیں کی اور اس غرض سے میں نے کبھی آرام نہیں کیا۔" جہانگیر (راجرس وبیورتج) جلد اول صفحہ 440۔

وہاں ایک مرتبہ 1590ء میں آئی تھی اور جیسی 1779ء میں اور 1824ء میں سارے ہندوستان میں پھیلی تھی جسے اس وقت انفلو ئنزا کہا گیا تھا تقریباً ہر شخص سو جن کے بخار یا درد میں مبتلا رہا۔ بیشتر لوگ صحت یاب تو ہو گئے لیکن کئی ہفتہ تک ضعف میں مبتلا رہے۔ خود جہانگیر پر بھی حملہ ہوا۔ وہ دو دن میں صحت یاب ہو گیا مگر کئی دن تک کمزوری محسوس کرتا رہا۔ شاہجہاں دس دن تک بیمار رہا اور بعد کو چند ہفتہ بہت کمزور رہا۔ وبا کا سبب شدید گرمی اور اس کی وجہ سے ہوائی آلودگی تھا لیکن اس وقت کی طرح اس وقت بھی اصل سبب معلوم کرنا بھی طبی سائنس کے بس میں نہ تھا۔ قابل لحاظ بات یہ ہے کہ یہ وبا جنگ کے اور قحط کے بعد پھیلی۔ (7) یہاں کے رہنے والے یوروپینوں کے لیے یہ مہلک ثابت ہوئی اس لیے کہ وہ اس آب و ہوا کے عادی نہ تھے اور جو شدید گرمی سے سخت مصیبت میں مبتلا ہو گئے۔ (8) احمد آباد کی آب و ہوا اور گرد اور وبا سے سخت عاجز ہو کر (9) بادشاہ نے جمعرات ۱۸ راگست کو نجومیوں کی بتائی ہوئی شبھ گھڑی میں آگرہ روانہ ہونے کی تیاری کی مگر شدید گرمی کے بعد موسلادھار بارش کی وجہ سے روانہ نہ ہو سکا۔

---

(۷) جہانگیر (راجرس و بیوریج) جلد دوم صفحات 10، 13 و 14۔ اقبال نامہ صفحہ 115۔ خافی خاں جلد اول صفحہ 294۔ گلیڈون صفحہ 44۔

(۸) اس وبا نے سر طامس رو کے سفارت خانے میں جو تباہی برپا کی اس کی ہولناک تفصیل ایک بچے ہوئے ایڈورڈ ٹیری نے حسب ذیل بیان کی ہے۔

"یہ وبا ایسی حالت کر دیتی ہے کہ جیسے کسی مکان کو دفعتہً آگ لگ جائے اور سارے مکان میں پھیل جائے۔ احمد آباد شہر جہاں ہم بادشاہ کے ساتھ ٹھہرے ہیں وہاں مئی کے مہینہ میں یہ وبا نازل ہوئی اور ہمارا سارا خاندان اس نہایت تکلیف دہ وبا میں مبتلا ہو گیا۔ اس لیے کہ ہمارے خاندان میں سات آدمی تھے۔ ان میں سے جو انگریز تھے وہ مر گئے اور مرنے والوں میں کوئی چوبیس گھنٹہ سے زیادہ بیمار نہ رہا بلکہ بیشتر تو بارہ ہی گھنٹہ کے اندر ختم ہو گئے۔ ہمارا سرجن جو اس گروہ میں تنہا معالج تھا اس نے سب پر سبقت کی اور دوپہر کو بیمار ہو کر آدھی رات کو چل بسا۔ اس کے بعد ہی تین آدمی یکے بعد دیگرے اور سرجن ہی کی طرح چٹ پٹ ختم ہو گئے اور باقی لوگ بھی جتنی مدت میں نے بیان کی ہے اتنی مدت میں ختم ہو گئے اور جیسا میں نے اوپر بیان کیا ان سب کے جسموں میں بیمار ہوتے ہی جیسے آگ لگ گئی اور جب وہ مرنے لگے یا مر گئے تو ان کے سینوں پر بڑے بڑے سیاہ یا نیلے رنگ کے آبلے نمودار ہوئے اور ان کا جسم بخار سے اس طرح تپتا تھا کہ ہم لوگ جو بچے ہوئے تھے ہاتھ نہیں رکھ سکتے تھے ..."یہ بڑا دکھ بھرا وقت تھا۔ آگ پر چلنے کی آزمائش تھی"

"ہمارا سارا خاندان (بجز اکیلے سفیر صاحب کے) اس بخار میں مبتلا تھا اور ہم سب جو خدا کے فضل سے بچ گئے تھے ان کے جسم پر بڑے بڑے آبلے تھے جن میں ایک زرد رنگ کا گاڑھا مادہ بھرا تھا اور جب یہ ٹوٹتے تھے تو جہاں یہ بہہ کر نکلتے تھے جلد میں جلن اور خراش پیدا کر دیتے تھے۔ سفر نامہ ایسٹ انڈیا صفحات 226، 227۔

(۹) مجھے سخت حیرت ہے کہ اس مقام میں جو خدا کی مہربانی سے بالکل محروم ہے آباد کرنے والوں کو کیا خوبی یا آسائش نظر آئی کہ یہاں شہر بسایا۔ اس کی فضا زہر آلود ہے اور اس کی زمین پر پانی کی قلت ہے اور گرد اور ریگ کی کثرت اس کا پانی بہت خراب ہے اور پینے کے قابل نہیں ہے اور دریا جو شہر کے پاس ہے وہ علاوہ بارش کے زمانہ کے ہمیشہ خشک رہتا ہے اس کے کنوؤں کا پانی کھاری اور تلخ اور شہر کے آس پاس جو تالاب ہیں وہ دھوبیوں کے کپڑے دھونے کی وجہ سے صابن کے جھاگ سے بھر جاتے ہیں۔ شہر کے باہر ہری ہری گھاس اور پھولوں کے بجائے چٹیل میدان ہے جس میں خار دار درخت ہیں اور ہوا ان کے کانٹوں کو اڑا کر پھیلا دیتی ہے اور اس کی حقیقت نمایاں ہو جاتی ہے۔ "اے خداوند کریم میں تجھے کس نام سے پکاروں" اب میں کہہ نہیں سکتا کہ احمد آباد گرد آباد کہوں یا سموں ستان بیمار ستان یا زقوم زار یا جہنم آباد اس لیے کہ اس شہر میں یہ ساری صفات ہیں۔ جہانگیر (راجرس و بیوریج) جلد دوم صفحہ 13۔ اقبال نامہ صفحہ 115۔ اور ماثر جہانگیری نے بالکل یہی خیالات ظاہر کئے ہیں۔ خافی خاں جلد اول صفحات 294، 295 نے اس بیچارے شہر کی تعریف بھی کی ہے اور ابوالفضل (جارٹ جلد دوم صفحہ 240) نے بڑے پر جوش الفاظ میں اس شہر کی آب و ہوا کی تعریف کی ہے۔

جہانگیر کی احمد آباد سے روانگی

2/ ستمبر 21/ شہر یور، 22/ رمضان 1027 کو جو شمسی 1619ء کے حساب سے جہانگیر کی پچاسویں سالگرہ تھی۔ بالآخر وہ سونے چاندی کی بارش کرتا ہوا روانہ ہوا اور کنکریا تالاب پر جو خوب روشن کر دیا گیا تھا خیمہ زن ہوا۔(10)

اورنگ زیب کی پیدائش

اتوار 24/ اکتوبر 1618ء ۱۳/ آبان، 15/ ذی القعدۃ 1027ھ دوہد میں ممتاز محل کے بطن سے برج طلا کے 19 ویں درجہ پر تیسرا لڑکا پیدا ہوا جس کا کچھ دن بعد اس کے دادا نے اورنگ زیب نام رکھا اور انسانی خواہشات کی بے بنیادی کا اس سے بڑا ثبوت نہیں ہو سکتا کہ جہانگیر نے یہ دعا مانگی "اس کی (اورنگ زیب کی) پیدائش اس ابدی سلطنت کے لیے مبارک و مسعود ہو" اٹھارہ دن بعد جب شاہی خیمہ اوجین میں نصب ہوا تو شاہجہاں نے لڑکے کی پیدائش کی خوشی میں شاندار ضیافت کی اور زیور جواہرات سے بھری ہوئی ایک کشتی اور پچاس ہاتھی بادشاہ کو نذر کیے۔(11)

گلٹی کا طاعون

شاہی کارواں ابھی آگرہ سے بہت فاصلہ پر تھا کہ سردی کا موسم آگیا اور دارالسلطنت سے خبر آئی کہ دوآبہ میں طاعون کی وبا پھر آگئی ہے۔ یہ مہلک وبا جو 1897ء سے ہندوستان میں مانوس ہے سب سے پہلے پنجاب کے مغربی اضلاع میں نمودار ہوئی اور شاید 17-1616ء کے شروع میں وسط ایشیا سے یہاں آئی۔ جہانگیر کا مختصر بیان کہ "بغل میں جانگھ میں یا گلے کے نیچے گلٹی نکلتی ہے اور آدمی مرجاتا ہے۔" آج بھی ویسا ہی صحیح ہے جیسا اس وقت تھا(12)

یہ وبا بڑی تیزی سے لاہور میں اور وہاں سے سارے دوآبہ میں پھیل گئی۔ معاصر مورخ معتمد خاں لکھتا ہے "جب یہ وبا پھیلنے کے قریب ہوتی ہے تو ایک چوہا دوڑتا ہوا اپنے سوراخ سے نکلتا ہے اور گھر کے دروازہ یا دیوار سے ٹکرا کر مرجاتا ہے۔ اگر اس اشارہ کے ملتے ہی گھر کے لوگ مکان چھوڑ کر جنگل میں چلے جائیں تو ان کی جان بچ جائے گی ورنہ بستی کی ساری آبادی ختم ہو جائے گی۔ اگر کوئی شخص اس بیماری سے مرے ہوئے آدمی کو چھولے یا اس کے کپڑے کو ہاتھ لگا دے تو اسے بھی یہ مہلک بیماری لگ جاتی ہے۔ ہندوستان میں اس وبا کا اثر زیادہ ہوا۔ لاہور میں اس کی تباہ کاریاں اتنی شدید تھیں کہ ایک ایک گھر میں دس دس بیس آدمی مرجاتے تھے اور پڑوس کے لوگ تعفن سے عاجز ہو کر اپنے مکان چھوڑ دیتے تھے۔ مردوں سے بھرے ہوئے مکان مقفل کر دیے گئے اور کوئی شخص اپنی جان کے خوف سے ان کے قریب جانے کی جرأت نہیں کرتا تھا۔ کشمیر میں بھی اس کی شدت تھی جہاں یہ حالت تھی کہ (مثال کے طور پر)

---

(۱۰) جہانگیر (راجرس و بیورج) جلد دوم صفحات 25، 27۔ اقبال نامہ صفحہ 117 جلد اول صفحہ 296۔

(۱۱) جہانگیر (راجرس و بیورج) جلد دوم صفحہ 47۔ خافی خاں جلد اول صفحہ 296۔ گلیڈون صفحہ 45۔ اقبال نامہ صفحہ 119 میں اورنگ زیب کی تاریخ پیدائش 11/ ذی القعدہ 20/ اکتوبر 1618ء دی ہے۔

(۱۲) جہانگیر (راجرس و بیورج) جلد دوم صفحہ 65۔

ایک درویش جس نے اپنے دوست کے جنازہ کو غسل دیا دوسرے ہی دن اپنے دوست سے جا ملا اور ایک گائے جس نے اس جگہ کی گھاس کھائی تھی جہاں مردہ نہلایا گیا تھا وہ بھی وہیں مر گئی۔ ہندوستان میں کوئی جگہ اس وبا سے محفوظ نہ تھی جو آٹھ سال تک ملک میں تباہی برپا کیے رہی۔"

اس مدت میں 1616ء تا 1624ء میں طاعون موسم سرما میں کسی نہ کسی جگہ ابھرتا اور عموماً گرمی کے موسم میں ختم ہو جاتا۔ کبھی کبھی جیسا کہ 18-1617ء میں ہوا۔ سردی میں کچھ دنوں کے لیے وبا کم ہو جاتی اور موسم بہار میں پھر آ جاتی۔ 19-1618ء میں اس نے آگرہ اور آس پاس کے علاقہ کو تباہ کر دیا لیکن مغرب کی طرف وہ اٹھارہ میل کے فاصلہ پر امن آباد سے آگے نہ بڑھی اور فتح پور سیکری بالکل محفوظ رہا۔ شاید ہندوستان کا یہ سابق دار السلطنت اور امن کے لوگوں کے گھر چھوڑ کر جانے سے محفوظ رہے۔ (13)

بدقسمتی سے ہر سال ہر علاقہ میں اس وبا سے اموات کی تعداد کے متعلق کوئی سرکاری اندراجات موجود نہیں ہیں۔ سب سے پہلے جب یہ وبا اکتوبر 1616ء میں نازل ہوئی تو سال بینک نے ایسٹ انڈیا کمپنی کو لکھا تھا کہ یہ عجیب و غریب ہولناک طاعون کبھی کبھی دن میں ایک ہزار جانیں لیتا تھا۔ مبالغہ کو نظر انداز کرنے کے بعد موتیں یقیناً اوسطاً روزانہ سیکڑوں تک پہنچتی ہوں گی۔ سر طامس رو نے 25/نومبر 1616ء کو لکھا کہ ماسٹر کروتھر نے آگرہ سے آ کر اطلاع دی کہ وہاں طاعون شدت سے پھیلا ہوا ہے۔ پھر 15/دسمبر 1616ء کو ماسٹر فسٹی پلس آگرہ سے لشکر آیا اور چونکہ اس کا کاروبار بند تھا اس لیے اس ماسٹر سال بینک کو سامان کے ساتھ چھوڑ دیا جس نے یہ قصد کر لیا کہ وہ مکان کو مقفل کر کے فتح پور چلا جائے گا۔ اس لیے آگرہ میں طاعون بہت شدت سے پھیلا ہے۔ 14/جنوری 1617ء کو رو نے آگرہ کی یہ خبر درج کی ہے کہ آگرہ میں طاعون روزانہ سو جانیں لیتا ہے اور شہر میں صفائی ہونے کی امید ہے۔ (14) جس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ پچھلے نومبر و دسمبر میں بہت موتیں ہوئی ہوں گی۔ 19-1618ء کی وبا جیسا کہ موجودہ صدی میں اکثر ہوا ہے۔ 1619ء کے سارے موسم بہار میں پھیلی رہی۔ (15) آگرہ کے سرکاری افسروں نے بادشاہ کو جو رپورٹ بھیجی اس میں دار السلطنت کے اندر روزانہ سو اموات کا تخمینہ کیا ہے۔ (16) اور اس سال کے متعلق اس تخمینہ کو صحیح مان لینا چاہئے۔ غریب لوگوں کو قدرتاً اس وبا سے نسبتاً زیادہ نقصان پہنچا لیکن امراء کے گھر بھی محفوظ نہیں رہے۔ آصف خاں جعفر بیگ کی لڑکی اور خان اعظم کے لڑکے عبداللہ خاں کی بیوی نے ایک واقعہ بادشاہ سے نقل کیا جو عجیب و غریب ہونے اور مفصل ہونے کی وجہ سے بجنسہٖ نقل کرنے کے قابل ہے۔

---

(۱۳) جہانگیر (راجرس و بیورج) جلد اول صفحات 330 جلد دوم صفحات 16 و 65 اقبال نامہ 89-88 (ایسٹ وڈاوسن) جلد ششم 405-406۔ یہ بات سمجھ میں نہیں کہ لوگ مردوں سے بھرے مکان کو مقفل کیوں کر دیتے تھے۔ شاید مورخ نے کچھ غلطی کی ہے۔

(۱۴) رو جلد دوم صفحہ 307، 308، 352، 366، 375 نیز دیکھو خطوط موصولہ ایسٹ انڈیا کمپنی 5 صفحہ 104 خطوط موصول ایسٹ انڈیا کمپنی جلد ششم صفحات 198 و 199 نیز دستاویزات انڈیا آفس (او سی نمبر 568) جسے فاسٹر نے نوٹ، صفحہ 307 میں اپنے رو کے جرنل کے ایڈیشن میں نقل کیا ہے۔ 29/اکتوبر 1616ء کے خط میں رو نے ذکر کیا ہے کہ وہ اپنا سامان قحط زدہ مقام کو نہیں بھیج سکتا۔ جہاں کمپنی کا کوئی سامان نہیں جا سکتا اور کمپنی کے ملازموں سے لینا مشکل ہے۔

(۱۵) طامس کیرتیج، ولیم بڈلف، طامس سٹیل اور کاٹس نے سورت سے 12/13/مارچ کو کم ہو جانے کے خوف سے نقل کے ساتھ خط بھیجا اور آگرہ سے آئی ہوئی اطلاع پر لکھا کہ وہاں یہ وبا تیزی سے پھیل رہی ہے۔ انگلش فیکٹریز انڈیا 21-1618ء صفحہ 82۔

(۱۶) جہانگیر (راجرس و بیورتج) جلد دوم صفحہ 65۔ فرانسس فسٹی پلس انے یکم دسمبر 1618ء کو صرف اس قدر لکھا کہ آگرہ میں طاعون کا زور ہے۔ انگلش فیکٹریز ان انڈیا 21-1618ء صفحہ 47۔

ایک واقعہ

اس کا بیان ہے کہ ایک دن صحن میں ایک چوہا شرابی کی طرح لڑکھڑاتا ہوا اور گرتا پڑتا نکلا جو ہر طرف دوڑ رہا تھا اور معلوم نہیں کہ کدھر جانا چاہتا تھا۔ میں نے ایک لڑکی سے کہا کہ اس کی دم پکڑ کر بلی کے سامنے ڈال دے۔ بلی نے بہت خوش ہو کر اسے دبوچ لیا۔ لیکن فوراً ہی کراہیت ظاہر کر کے اسے چھوڑ دیا۔ رفتہ رفتہ اس کے چہرے سے درد تکلیف کے آثار ظاہر ہوئے۔ دوسرے دن جب وہ میرے گھر آئی تو قریب مردہ تھی۔ میرے جی میں آیا کہ اسے تھوڑا سا تریاق دے دوں۔ جب اس کا منہ کھولا گیا تو اس کا تالو اور زبان بالکل سیاہ تھے۔ تین دن اس نے تکلیف سے گذارے اور چوتھے دن اسے ہوش آیا۔ اس کے بعد لڑکی کے طاعون کی گلٹی نکل آئی اور بخار اور درد کی شدت سے وہ سخت بے چین تھی۔ اس کا رنگ بدل گیا۔ پہلے زرد ہوا پھر کالا ہو گیا۔ اور بخار سخت تیز تھا۔ دوسرے دن اسے قے ہوئی اور دست آئے اور وہ مر گئی۔ اسی دن گھر میں سات یا آٹھ آدمی مر گئے اور کئی بیمار ہو گئے تو میں گھر چھوڑ کر باغ میں چلی گئی جو لوگ بیمار تھے وہ باغ میں مر گئے مگر ان کے گلٹی نہیں نکلی تھی۔ مختصر یہ کہ آٹھ نو دن میں سترہ آدمی دنیا سے سدھار گئے۔ اس نے یہ بھی لکھا کہ "جن لوگوں کے گلٹی نکلی انہوں نے اگر کسی اور سے پینے یا منہ دھونے کے لیے پانی مانگا تو اسے بھی بیماری لگ گئی اور آخر کار صورت یہ ہوئی کہ سخت ڈر کی وجہ سے کوئی بیمار کے قریب نہیں جاتا تھا۔"(17)

یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کہ بیماری کی کسی حد تک کامیابی سے تدارک کرنے سے بیسویں صدی کی طبی سائنس قاصر رہی۔ اس سے سترہویں صدی کے لوگ یقیناً بوکھلا گئے ہوں گے "جس کی مثال انہوں نے پہلے زمانہ میں کبھی دیکھی یا سنی نہ تھی۔"(18)

انہوں نے یہ تو اچھی طرح دیکھ لیا کہ چوہوں سے یا بیمار آدمی کو چھونے سے یہ بیماری لگ جاتی ہے مگر بظاہر وہ علم جراثیم جیسی چیز سے واقف نہ تھے اور اس کا موثر علاج انہیں معلوم نہ ہو سکا تھا۔ صرف ایک ہی سنجیدہ اور مفید حفظ ماتقدم کی صورت جو انہیں معلوم تھی اور جس پر بڑے پیمانہ پر عمل ہوا وہ گھر چھوڑ دینا تھا۔ چنانچہ امن آباد جیسے پورے پورے شہر خالی ہو گئے۔

دمدار ستارہ

1616-17ء میں اس وبا کا سبب پچھلے دو برسوں کا قحط یا اس کی وجہ سے جو ہوا مسموم ہو گئی تھی یا ایسا کوئی سبب سمجھا گیا۔(19) لیکن جب معقول بارش اور وافر پیداوار کے زمانہ میں بھی یہ وبا چلتی رہی تو

---

(۱۷) جہانگیر (راجرس و بیورج) جلد دوم صفحات 66، 67۔

(۱۸) اقبال نامہ صفحہ 118 الیٹ وڈاوسن) جلد ششم صفحہ 407 معتمد خاں نے مزید لکھا ہے "نہ کوئی ایسی چیز ہندوؤں کی معتبر کتابوں میں مذکور ہے۔" جہانگیر (الیٹ وڈاوسن) جلد اول صفحہ 330 میں ہے کہ "زیادہ عمر کے لوگوں سے یہ معلوم ہوا اور نیز قدیم تاریخوں سے یہ بیماری اس ملک میں کبھی نمودار نہیں ہوئی۔ 121۔ اور نیری صفحہ 393 میں ہے۔

(۱۹) جہانگیر (راجرس و بیورج) جلد اول صفحہ 230 اور نیری صفحہ 393 میں ہے کہ 98-1595ء کے ہولناک قحط کے بعد بھی ایک قسم کا طوفان آیا جس نے بڑے بڑے شہروں کو اجاڑ دیا۔ دیکھو شیخ نور الحق کی زبدۃ التواریخ (الیٹ وڈاسن) جلد ششم صفحہ 193 طاعون کی مزید وباؤں کے متعلق دیکھو مآثر عالمگیری، جادو ناتھ سرکار کی اورنگ زیب جلد چہارم میں صفحہ 291 میں منقول (بیجاپور میں 1658ء میں) منوشی جلد چہارم صفحہ 97 (دکن میں 4-1703ء میں)

لوگوں نے اسے خدا کے غضب یا آسمان پر نحس آثار ظاہر ہونے سے منسوب کرنے پر قناعت کرلی۔ ایک غبار جیسی چیز ایک کالم کی شکل میں سولہ راتوں تک پہلے برج عقرب میں اور پھر برج میزان میں ظاہر ہوئی جو گھٹتی بڑھتی تھی جیسا کہ منجموں کو مختلف زاویوں سے پیائش پر معلوم ہوا اور اس کے بعد ایک عجیب شکل کا دمدار ستارہ نمودار ہوا۔ (20)

آگرہ میں داخلہ

آگرہ میں دبا پھیلی ہوئی ہونے کی وجہ سے جہانگیر نے 1619ء کا موسم بہار فتحپور سیکری میں گزارا اور وسط اپریل (یکشنبہ یکم اردی بہشت) کو ساڑھے پانچ سال کی غیر حاضری کے بعد دارالسلطنت میں داخل ہوا۔ (21)

---

(۲۰) اس علامت کی پوری تفصیل کے لیے دیکھو اقبال نامہ صفحات 117 تا 118 (الیٹ و ڈاوسن) جلد ششم صفحات 406 و 406 نیز خافی خاں جلد اول صفحہ 207۔ نیری صفحہ 393 گلیڈون صفحہ 44۔

(۲۱) جہانگیر (راجرس و بیورج) جلد اول صفحات 78 تا 84۔ اقبال نامہ صفحات 125 تا 147 مآثر جہانگیری (مخطوطہ خدا بخش) صفحہ 129 (الف) خافی خاں جلد اول صفحات 297 تا 298۔

بارھویں باب کا ضمیمہ

(I)

جہانگیر کا سفر مانڈو سے احمد آباد تک

سنہ الٰہی	دن	مقام
1 آبان	جمعہ	مانڈو سے روانگی
...	...	نعلچا میں قیام
14 "	دوشنبہ	قائد حسن گاؤں
20 "	اتوار	حاصل پور تنہا شکار کھیلا
26	سنیچر	کال پور
3/ آذر	جمعہ	پرگنہ دیکھن
4/	سنیچر	دھار
8/	چہار شنبہ	سادل پور
11/	سنیچر	بلوات
12/	یکشنبہ	پرگنہ بدنور
14/	سہ شنبہ	سیل گڈھ
15/	چہار شنبہ	رام گڈھ کے قریب
16/	جمعرات	سفر اور قیام
17/	جمعہ	دھاول
18/	سنیچر	باکوریا ناگور
...	یکشنبہ	موضع ثمریا کا تالاب
20	دوشنبہ	پرگنہ دوہد کا مستقر
22	چہار شنبہ	رنیاویار ینار
24/ آذر	جمعہ	موضع جالوث
26/	یکشنبہ	موضع نمدہ
27/	دوشنبہ	ایک تالاب کے کنارے
28/	سہ شنبہ	قصبہ سہرا

سنہ الٰہی	دن	مقام
یکم دے	جمعہ	جھسورہ
2/ "	سنیچر	دریائے ماہی کے کنارے
3/ "	یکشنبہ	موضع بردلہ
4/	دوشنبہ	چترسین
5/	سہ شنبہ	مونڈا
6/	چہار شنبہ	پرگنہ زیاد
7/	جمعرات	پرگنہ پٹلاد
8/	جمعہ	ساحل کھمبیات
8تا18/دے	...	کھمبیات میں قیام
19/ "	سہ شنبہ 30/دسمبر 1610ء	کھمبیات سے روانگی اور سولا میں قیام
20 "	چہار شنبہ	بہرہ پرگنہ سے گزر کر دریا کے کنارے
22/ "	جمعہ	برچا
23/ "	سنیچر	کنکریا تالاب
24/ "	یکشنبہ	قیام
25/ "	دوشنبہ	احمد آباد میں داخل
یکم اسفندرموز	دوشنبہ	احمد آباد سے روانگی
یکم تا 4 "	...	کنکریا میں قیام
5/ "	جمعہ	احمد آباد کے دربار پر قیام
8/ "	دوشنبہ	مونڈا (مہوندت 4½ کوس)
9/ "	سہ شنبہ	جریسما 5½ کوس
17/اسفندرموز	چہار شنبہ	براسینو (بال سینور) 6 کوس
18/ "	...	دریائے ماہی کے کنارے 2½ کوس
20/ "	سنیچر	جھرمود تالاب 3½
23/ "	سہ شنبہ	بیاب کے کنارے 3½ کوس
24/ "	چہار شنبہ	ہمد 1½ کوس
26/ "	جمعہ	موضع جلودہ 3½ کوس
27/ "	سنیچر	بود 31 کوس
28/ "	یکشنبہ	دوہد 5 کوس

سنہ الٰہی	دن	مقام
11/ فروردین	سنیچر	کرابارہ (گربارہ)
12/ "	یکشنبہ	موضع سجارا (سجوارہ)
13/ "	...	ہاتھی کا شکار
16/ "	جمعرات	کرامارہ
18/ "	سنیچر	پرگنہ دوہد
21/ "	سہ شنبہ	احمد آباد کی طرف روانہ
23/ "	...	جلود
27/ "	...	موضع بدو والا پرگنہ سہرا میں
29/ "	چہار شنبہ	دریائے ماہی کا کنارہ
یکم اردی بہشت	سہ شنبہ	سفر میں
4/ "	سنیچر	محمود آباد دریا پر
6/ "	جمعرات	کنکریا تالاب
7/ "	جمعہ	احمد آباد میں داخلہ

جہانگیر کا سفر احمد آباد سے آگرہ

سنہ الٰہی	دن	مقام
	1618ء	
7/ شہریور	جمعرات	اگلا خیمہ روانہ مگر بارش کی وجہ سے ٹھہر گیا
21/ "	2/	اصل خیمہ بھی روانہ اور کنکریا تالاب پر نصب
26/ "	...	کنج یا گنج
27/ "	چہار شنبہ	محمود آباد
8/ مہر	دوشنبہ	مودا
10/ "	...	اینایاالبتا
22/ "	...	سفر میں
23 "	...	(ایضاً)
28/ "	یکشنبہ	ماہی سے روانہ
29/ "	دوشنبہ	پھر روانہ
30/ "	سہ شنبہ	دریائے بتاس

سنہ الٰہی	دن	مقام
3/ آبان	جمعہ	سفر میں
7/ "	سہ شنبہ	"
8/ "	چہار شنبہ	"
10/ "	جمعہ	"
11/ "	سنیچر	دوہد
15/ "	چہار شنبہ	سمرنا تمرنا
16/ "	جمعرات	باخور
17/ "	جمعہ	سفر
18/ آبان	سنیچر	رام گڈھ
20/ "	دوشنبہ	ستیل کھیرہ
22/ "	چہار شنبہ	مدنپور بدھنور
25 "	سنیچر	نواری یا نولائی
26/ "	یکشنبہ	دریائے چمبل
27 "	دوشنبہ	دریائے کمتاریا گھمبار
28/ "	سہ شنبہ	اوجین (اورنگزیب کی پیدائش کی خوشی میں ضیافتیں)
3/ آذر	یکشنبہ	قاسم کھیڑہ
4/ "	دوشنبہ	سفر
5/ "	سہ شنبہ	"
6/ "	چہار شنبہ	"
7/ "	جمعرات	تالاب کے کنارے
8/ تا 13/ "	جمعہ تا چہار شنبہ	سفر
14/ "	جمعرات	سندھرا
17/ "	یکشنبہ	گھاٹی چندا پار کیا
20/ "	چہار شنبہ	سفر
22/ "	جمعہ	"
23/ "	سنیچر	"
2/ دے	یکشنبہ	تھمبور

سنہ الٰہی	دن	مقام
5/ دے	چہار شنبہ	5کوس کا سفر
7/ "	جمعہ	5کوس کا سفر
8/ "	سنیچر	4¼کوس کا سفر
10 "	دوشنبہ	3¼کوس کا سفر
11/ آذر	سہ شنبہ	5¾کوس کا سفر
12/ "	چہار شنبہ	3½کوس کا سفر
14/ "	جمعہ	5¼کوس کا سفر
15/ "	سنیچر	بیانہ 3کوس
16/ "	یکشنبہ	بادھا
18/ "	سہ شنبہ	دیارمان
19/ "	چہار شنبہ	فتحپور جھیل
28/ "	...	فتحپور میں داخلہ
یکم اردی بہشت	...	آگرہ

تیرھواں باب

چھوٹی چھوٹی فتوحات

اور

سلطنت میں الحاق

چھوٹے تبت پر ناکام حملہ

جہانگیر نے ماورائے جیحون کا خیال پہلے ہی ترک کر دیا تھا۔ 1612ء میں چھوٹے تبت پر حملہ کیا گیا جو تباہ کن ثابت ہوا۔ اور پھر جہانگیر کے عہد حکومت میں اس کی کبھی کوشش نہیں کی گئی۔ (1) دکن میں اس کی فوجیں کامیاب نہیں ہوئیں۔ سلطنت میں اضافہ صرف میواڑ کا ہوا اور چند منتشر علاقوں کا جو اکبر کے عہد میں سلطنت میں شامل ہونے سے رہ گئے تھے۔

کھوکھرہ کا الحاق

کھوکھرہ جو بہار کے جنگلوں میں تھا اور اس کے دریا کی تہہ کے ہیرے مشہور تھے اس جنگل اور وادیوں سے اس کی قدرتی حفاظت تھی اور اس کے ہیروں نے کئی مغل سرداروں کو رام کر لیا تھا۔ لیکن 1615ء میں بہار کی رشوت سے نہ متاثر ہونے والے گورنر نور جہاں بیگم کے بھائی ابراہیم خاں نے اس کے رئیس درجن سال پر یکایک حملہ کر دیا اور نہ جنگلوں نے نا قابل گزار راستے اور نہ ہاتھیوں اور ہیروں کی رشوت اس کی راہ میں حائل ہوئے۔ درجن اور اس کے اہل خاندان جنگل میں چھپ گئے مگر وہاں بھی دیکھ لیے گئے اور پوری طرح لوٹ لیے گئے۔ تیئیس ہاتھی مغلوں کے ہاتھ آئے۔ کھوکھرہ سلطنت میں شامل کر لیا گیا اور اس کے ہیرے حکومت کی اجارہ داری میں لے لیے گئے۔ ابراہیم خاں کو فیروز جنگ کا خطاب اور چار ہزار کے منصب پر ترقی ملی اور اس کے ماتحتوں کو بھی معقول انعام دیے گئے۔ (2)

---

(1) عبدالحمید کا بادشاہ نامہ جلد اول حصہ دوم صفحہ 281 (الیٹ وڈاوسن) جلد ہفتم صفحہ 62۔

(2) جہانگیر (راجرس وڈاوسن) معتمد خاں، کامگار اور خافی خاں نے اس کی نقل کی ہے۔ گلیڈون صفحات 34، 35۔
جہانگیر نے لکھا ہے کہ "وہاں ایک چھوٹا سا دریا ہے جس سے نادر ہیرے نکلتے ہیں جس موسم میں پانی کم ہو جاتا ہے تو اس میں نالے سوراخ بن جاتے ہیں اور جو لوگ اس کام پر مقرر ہوتے ہیں۔ ان کا تجربہ یہ ہے کہ جس سوراخ میں ہیرے ہوتے ہیں ان کے اوپر تیتری کے جانور اڑتے رہتے ہیں جہاں دریا کے پیٹ میں پہنچا جا سکتا ہے ان سوراخوں سے پتھر چن لیے جاتے ہیں اور پھر پھاوڑے سے ان سوراخوں کو گز ڈیڑھ گز گہرا کھودا جاتا ہے اور اس میں پتھروں کے درمیان چھوٹے اور بڑے ہیرے ملتے ہیں جو نکال لئے جاتے ہیں۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ اتنا بڑا ہیرا مل جاتا ہے جو ایک لاکھ روپیہ کی قیمت کا ہوتا ہے۔

کھر دا

اڑیسہ اور گولکنڈہ کی سرحد پر ایک غیر ترقی یافتہ ضلع ہے جسے کھر دا کہتے ہیں۔ یہ پہاڑوں اور جنگلوں سے بھرا ہوا ہے جس پر اکبر کے عہد میں مغلوں نے کئی بار حملے کیے مگر اسے کبھی زیر نہ کیا جا سکا۔ یہ علاقہ ساحل سمندر تک پھیلا ہوا ہے جس میں پوری کا مشہور جگن ناتھ مندر بھی ہے جہاں آج کی طرح اس وقت بھی ہندوستان کے ہر حصہ سے یاتریوں کے ہجوم آتے تھے۔ یہاں کا حکمراں ہزاروں کی تعداد میں پیادہ اور سوار کی فوج میدان جنگ میں جمع کر سکتا تھا اور ایسی گاڑیاں جو چلتے پھرتے قلعوں کی طرح ہوتی تھیں۔ جس وقت اڑیسہ کا مغل گورنر ہاشم خان کھر دا کی فتح کا منصوبہ بنا رہا تھا؟ تو اس کے راجپوت افسر کیشو داس مارو جس کی اپنی ذات سے اور بادشاہ کی عقیدت نے اس کے دل سے مذہب اور صداقت کے جذبات کو بالکل دبا دیا تھا۔ معاملہ کو نزاکت کی حد تک پہنچا دیا اور یاترا کا بہانہ کر کے جگنا تھ مندر تک گیا اور دھوکہ سے اس پر قابض ہو گیا اور اس کی ساری املاک کو جس کا اندازہ دو یا تین کروڑ روپیہ کیا جاتا تھا۔ اپنے قبضہ میں کر لیا اور چھپے ہوئے خزانہ کو نکلوانے کے لیے برہمن پجاریوں پر تشدد کیا اور انتہا یہ کہ اس مقدس عمارت کو قلعہ بنا دیا

جنگ ناتھ مندر کا محاصرہ

اس بے حرمتی کی اطلاع جب پر شوتم دیو کو ملی تو وہ پیادہ اور سوار کی بہت بڑی فوج اور گاڑیوں کے ساتھ جنہیں سیکڑوں آدمی کھینچ رہے تھے پہنچ گیا اور مندر کا محاصرہ کر لیا۔ لیکن کیشو داس نے راجپوتی شجاعت سے دفاع کیا اور باسوں میں گھی اور تیل لگا کر ان اونچی گاڑیوں میں آگ لگا دی لیکن پھر بھی لڑائی میں پر شوتم دیو کا پلہ بھاری رہا اور کیشو داس کے ساتھ صرف سو راجپوت رہ گئے۔

لیکن اس خبر سے کہ اسلام خاں گورنر بنگال نے ہاشم خاں وغیرہ کی سرکردگی میں بڑی کمک تیزی کے ساتھ موقع پر پہنچنے کے لیے روانہ کر دی ہے۔ پر شوتم دیو ہراساں ہو گیا اور دبتی ہوئی شرائط پر صلح کر لی۔ اس نے اپنی لڑکی کی شادی بادشاہ کے ساتھ اور اپنی بہن کی شادی کیشو داس کے ساتھ کرنا منظور کر لیا اور شاہی خزانہ میں تین لاکھ روپیہ بطور خراج جمع کرنے اور اپنے ہونے والے بہنوئی کو ایک لاکھ روپیہ دینا منظور کیا۔ کیشو داس کی شادی تو کھر دا میں ہو گئی لیکن اس تقریب کے بعد ایک جھگڑا ہو گیا جس کی وجہ سے اسے فوراً وہاں سے روانہ ہو جانا پڑا۔

راجہ کلیان کا حملہ

پر شوتم دیو نے پھر خود مختاری حاصل کر لی لیکن تھوڑے دن بعد راجہ ٹوڈر مل کے لڑکے راجہ کلیان نے جواب اڑیسہ کا گورنر تھا اس کی ریاست پر حملہ کر کے اسے تباہ کر دیا۔ ایک بار پھر ابتر حالت میں پہنچ کر پر شوتم نے صلح کر لی اور اپنی لڑکی شاہی حرم میں بھیج دی اور مقررہ خراج کی رقم کے ساتھ مشہور ہاتھی شیش ناگ بھی تحفہ میں دیا۔

مکرم خاں نے سلطنت میں شامل کر لیا

تاریخ نے پھر خود کو دہرایا اور پرشوتم نے پھر خود مختاری کا اعلان کر دیا۔ 1617ء میں جواب اڑیسہ کا گورنر تھا حملہ کر کے ریاست کو جلا کر دیا اور کھردا کو سلطنت میں شامل کر کے اس کے حکمراں خاندان کو زمیندار کی حیثیت میں کر دیا لیکن چند ہی سال بعد اس نے پھر بغاوت کی اور کافی پریشان کیا۔ اس مرتبہ مغل فوج گولکنڈہ سے ہو کر گذری جس پر وہاں کے حکمراں قطب الملک کو سخت تشویش ہوئی اور اس نے شاہجہاں سے جواب دکن کا گورنر تھا استدعا کی کہ مکرم خاں کانداراً آئندہ اس کے ملک کے اندر ہو کر نہ گذرے۔ (3)

جام اور بہارا کا قبول اطاعت

اسی سال دو بڑی ریئسوں نے جنھوں نے اب تک کسی مغل حکمراں کی اطاعت نہیں کی تھی اب اطاعت قبول کر لی۔ جام کی ریاست سورتھ اور ساحل سمندر کے درمیان تھی جہاں ہندوستان کے سب سے بہتر گھوڑے پیدا ہوتے تھے اور پانچ ہزار سے چھ ہزار تک رسالہ کی فوج رکھتی تھی جو ضرورت کے وقت اس سے دوگنی ہو سکتی تھی۔ بہارا ساحل سمندر پر ایک چھوٹی سی ریاست ساحل سمندر کے کنارے پر حکمراں تھا جو سندھ کی سرحد سے ملی ہوئی تھی۔ دونوں ایک طرح سے خود مختار تھے۔ شاہجہاں کے نائب راجہ بکرماجیت گورنر گجرات نے دونوں کو شکست دی۔ چند سال بعد دونوں جہانگیر کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آداب بجالائے۔ (4)

کشتوار

تین سال بعد شمال میں ایک اس سے زیادہ اہم فتح حاصل ہوئی کشتوار ایک چھوٹی سی ریاست کشمیر کے جنوب میں پنجاب کی سرحد سے ملی ہوئی تھی۔ تیز رو دریائے چناب کو پار کرنے کا صرف ایک ہی طریقہ تھا کہ دو رسیوں میں بندھے ہوئے تختے دونوں کناروں کی پہاڑیوں پر باندھ دیے جاتے تھے اور اسی سے اس کی بیرونی حملوں سے حفاظت تھی۔ دو تیروں کے نشانے کے فاصلے پر ایک پہاڑی چشمہ مارو تھا جو اس کی دوسری حفاظتی لائن تھی۔ گیہوں، جو، مسور، جوار اور دالیں یہاں کی خاص زرعی پیداوار تھیں۔ عمدہ قسم کے سنترے، لیموں، خربوزے، انگور اور خوبانی بکثرت پیدا ہوتی تھیں۔ یہاں کا زعفران کشمیر کے زعفران سے بھی بہتر سمجھا جاتا تھا۔ یہاں کا من ہندوستانی دو سیر کے برابر تھا اور تبادلہ کا سکہ سنہاسی روپیہ کے دو تہائی کے برابر تھا۔

---

(3) جہانگیر (راجرس و بیورتج) جلد اول صفحہ 433 کھردا کے خلاف مغل کارروائیوں کا حال بہارستان غیبی (مخطوطہ فرانس) پر مبنی ہے جس کا خلاصہ جادوناتھ سرکار نے جرنل آف بہار اینڈ اڑیسہ ریسرچ سوسائٹی جلد دوم حصہ اول صفحات 53 تا 56 میں کیا ہے۔ بہارستان غیبی نے پرشوتم دیو کے قبضہ میں دس لاکھ سوار فوج، تین چار لاکھ پیادہ فوج اور بہت سی گاڑیاں درتھا بتائی جاتی ہیں جن میں سے ہر ایک میں پانچ سو سے ایک ہزار سپاہی سوار تھے۔ مولانا شیخ مبارک کا بیان ہے کہ ہر گاڑی میں ایک ہزار پہیے تھے جنہیں ایک ہزار آدمی کھینچتے تھے۔ اکبر نامہ جلد سوم صفحہ 491 (ایلیٹ وڈاؤسن) جلد ششم صفحات لے تا 80 میں غلطی سے کھردا کا نام کوکرہ لکھا ہے۔

(4) جہانگیر (راجرس و بیورتج) جلد اول صفحہ 442۔ اقبال نامہ صفحات 110، 111 مآثر الامرا (بیورتج) جلد اول صفحہ 413۔ فتح کا مگرہ (مخطوطہ رامپور) (ایسٹ وڈاؤسن) جلد ششم صفحات 519، 521۔

کشتواڑی کا مالی نظام عجیب قسم کا تھا۔ کاشت پر من حیثیت کوئی لگان نہ تھا بلکہ ہر گھر سے تقریباً چار روپیہ سالانہ وصول کیا جاتا تھا۔ ہر خریدنے والے کو دو ہندستانی سیر زعفران کی قیمت چار روپیہ دینا ہوتی تھی۔ لیکن ریاست کی سب سے بڑی آمدنی وہ بھاری جرمانے تھے جو خاص کر دولتمند لوگوں سے ذرا ذرا سے قصور پر وصول کیے جاتے تھے۔ ریاست کی مجموعی آمدنی ایک لاکھ روپیہ تھی۔ زعفران سے جتنی آمدنی ہوتی تھی اس کے خرچ سے راجپوت بندوقچیوں کا ایک دستہ رکھا جاتا تھا۔ گھوڑے بہت ہی کمیاب تھے لیکن لڑائی کے وقت راجہ سات ہزار پیادہ فوج جمع کر سکتا تھا۔ (5)

اس قسم کا ملک تھا جسے فتح کرنے کا جہانگیر نے قصد کیا۔ 1616ء میں احمد بیگ کابلی نے کشمیر کا گورنر مقرر ہونے پر یہ ذمہ لیا تھا کہ وہ دو سال کے اندر کشتوار اور تبت کو فتح کرے گا۔

دلاور خاں گورنر کشمیر

احمد خاں چونکہ اپنا وعدہ پورا نہ کر سکا اس لیے اسے معزول کر کے اس کی جگہ دلاور خاں کو مقرر کیا گیا اور اس نے بھی تحریر لکھ کر یہی وعدہ کیا۔ (6)

کشتوار پر چڑھائی

اسی زمانہ میں کشمیر کے قدیم حکمراں خاندان کے دو افراد گوہر چک اور ایبا چک نے جو کشمیر کی حکومت کے دعویدار تھے کشتوار کے راجہ کے یہاں پناہ لی تھی اور اپنے ہمراہیوں سے راجہ کو تقویت پہنچائی تھی۔ (7)

چنانچہ دلاور خاں نے بڑے پیمانے پر تیاریاں کیں۔ اپنے لڑکے حسن کو گرد علی امیر بحر کے ساتھ اس نے سری نگر میں حکومت کے انتظام پر مقرر کیا اور اپنے بھائی ہیبت کو پیر پنجال کے درہ کے پاس دیسو کے مقام پر اچانک حملوں سے حفاظت کے لیے مقرر کیا اور خود دلاور خاں دس ہزار آدمیوں کو لے کر جو یقیناً سب پیدل تھے کشتوار پر چڑھائی کی جہاں ہیبت تعینات تھا۔ دلاور نے اپنی فوج کو دو حصوں میں تقسیم کیا۔ ان میں سے ایک کو اس نے اپنے لڑکے جلال کو نصر اللہ عرب علی ملک کشمیری کو اس کا ماتحت بنا کر ایک راستہ سے روانہ کیا اور دوسرے حصہ کے ساتھ جس کی کمان خود دلاور خاں کر رہا تھا تیزی سے سڑک کے ذریعہ سے سنگین پور روانہ ہوا۔ جوانوں کی ایک جماعت دلاور کے دوسرے لڑکے جمال کی سربراہی میں

---

(5) جہانگیر (راجرس و بیورج) جلد دوم صفحات 137 تا 139۔ اقبال نامہ صفحات 143 تا 146۔ مآثر الامرا (بیورج) جلد اول صفحہ 490۔

نیز دیکھو امپیریل گزیٹر کشتوار 33.18.30 شمالی طول البلد۔ اور 75.48 شرقی عرض البلد پر چناب کے بائیں کنارے پر واقع ہے۔

(6) ابراہیم دلاور خاں نے راجپوت اکھی راج کے تین لڑکوں کے معاملہ میں جنھوں نے 1605ء میں رانا سے مل جانے کا ارادہ کیا تھا اور جنھیں گرفتار کرنے کا حکم دیا گیا تھا امتیاز حاصل کیا اور اس طرح بادشاہ کی نظر عنایت حاصل کرنے پر وہ پنجاب کا گورنر مقرر کر دیا تھا جہاں باغی شہزادہ خسرو کے مقابلے میں قلعہ لاہور کے دفاع میں امتیاز حاصل کیا جس پر اسے مزید ترقی ملی 1613ء میں وہ میواڑ کی کامیاب مہم میں شہزادہ خرم کے ساتھ کیا گیا۔ پانچ سال بعد وہ احمد بیگ خاں کابلی کی جگہ کشمیر کا گورنر مقرر ہوا۔ جہانگیر (راجرس و بیورج) جلد اول صفحہ 29۔ جلد دوم صفحات 5 و 6۔ اقبال نامہ صفحہ 114۔

(7) جہانگیر (راجرس و بیورج) جلد دوم صفحہ 135۔ مآثر الامرا (بیورج) جلد اول صفحہ 488۔

اس دستے کے ہراول پر تعینات ہوا۔ تھوڑے فاصلہ پر داہنے اور بائیں طرف دو اور دستے روانہ ہوئے۔

جلال اور جمال کے فوجی دستے کشتوار کے ایک مضبوط قلعہ نارکوٹ کے پاس ایک دوسرے سے مل گئے۔ راجہ کو اتنی بڑی فوج سے مقابلہ کی طاقت نہ تھی۔ اس لیے کہ اس کے آدمیوں نے قلعہ چھوڑ دیا اور بھاگ کھڑے ہوئے۔ راجہ نے اپنی فوج کی مارو کے بائیں کنارے پر صف بندی کی جہاں ایک جھڑپ ہوئی۔ ایبا چک مارا گیا اور راجہ دریا کے اس پار پسپائی پر مجبور ہوا جہاں اس نے عموماً دریا کے کنارے اور خاص کر پل کی حفاظت پر اپنی ساری توجہ مرکوز کر دی۔ یہاں وہ چند دن تک غیر معمولی طور پر کامیاب رہا۔ بیس دن اور رات مغلوں نے دریا پار کرنے کی ہر ممکن کوشش کی مگر پسپا کر دیے گئے پل کے سرے پر کشتوار کی فوجیں برابر کامیاب رہیں اور اپنے دشمنوں کو سخت نقصان پہنچایا۔

لیکن بیس دن جب دلاور خاں جو مفتوحہ علاقہ میں فوج تعینات کرنے اور رسد کا معقول انتظام کرنے کے لیے پیچھے رہ گیا تھا جلال کی فوجوں سے آ کر مل گیا تو راجہ کا دل ٹوٹ گیا اور اس نے صلح کی سلسلہ جنبانی کی اور اپنے بھائیوں کو فوراً تحفوں کے ساتھ روانہ کیا اور یہ وعدہ کیا کہ صلح مکمل ہو جانے پر وہ خود بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہو گا لیکن دلاور نے اپنے شکار کو پوری طرح قابو کرنے کی امید میں صلح کی پیش کش کو رد کر دیا اور اپنی ساری کوشش مارو کو پار کرنے پر صرف کر دی۔ جوانوں کا ایک دستہ لے کر جمال نے دریا کے بہت اوپر کی طرف ایک مقام پر دریا کو پار کر لیا اور اچانک دشمن کو بے خبری میں جا لیا اور باقی فوج نے پل کے سرے پر پوری قوت سے حملہ کر دیا۔ تھوڑی سی جد و جہد کے بعد کشتوار والوں نے اپنی ابتر حالت کا اندازہ کر لیا اور تختوں کا پل توڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ شاہی فوج نے پل پھر سے بنا لیا اور دریا پار کر لیا۔ دشمن ان کی آمد پر فرار ہو گیا اور بھندار کوٹ میں مضبوطی سے قلعہ بند ہو گیا۔ اگلا اور سب سے مشکل کام دریائے چناب کو پار کرنا تھا جس کے اس طرف غنیم نے پڑاؤ ڈال لیا تھا اور جہاں کہیں اس کا پل بنانے یا کشتی استعمال کرنے کا موقعہ تھا وہاں بند وقچی، تیر انداز اور فوج تعینات کر دی تھی۔ دلاور نے رات کی تاریکی میں اسی جانباز سپاہیوں کو کشتی میں سوار کر کے دریا پار کرنے اور صبح کو دشمن پر اچانک حملہ کی کوشش کی لیکن کشتی تیز دھارے میں بہہ گئی اور اڑسٹھ آدمی غرق ہو گئے۔ دس بہادر جوان جان پر کھیل کر تیرتے ہوئے واپس آئے اور دو جو دوسری طرف پہنچ گئے تھے وہ پکڑ کر قید کر دیے گئے۔

شاہی فوج نے دریا پار کر لیا

چار مہینے دس دن تک شاہی فوج کی ساری کوششیں کشتیوں کے ذریعہ سے یا رسی کا پل بنا کر دریا پار کرنے کی ناکام رہیں۔ بالآخر ایک مقامی زمیندار نے ایک ایسی جگہ بتائی جو کشتیوں کے استعمال کے لیے موزوں تھی اور جو کشتوار کے لوگ دیکھ نہیں پائے تھے اور محفوظ نہیں کر سکے تھے۔ چنانچہ یہیں ایک رسی کا پل بنایا گیا اور رات کی تاریکی میں جمال دو سو افغانوں اور کچھ اور لوگوں کو لے کر چپکے سے اور حفاظت کے ساتھ دریا کے پار ہو گیا اور علی الصباح دشمن پر پوری قوت سے حملہ کر دیا اور اچانک راجہ کے کیمپ کو گھیر لیا۔

اچانک حملہ

اس اچانک حملہ میں راجہ کے بہت سے آدمی مارے گئے اور بہت سے بھاگ گئے۔

راجہ گرفتار ہو گیا

خود راجہ ایک سپاہی کی تلوار کی زد میں آ گیا تھا مگر اس نے چلا کر کہا "میں راجہ ہوں۔ مجھے زندہ دلاور خاں کے پاس لے چلو" چنانچہ اسے قتل نہیں کیا گیا بلکہ قید کر کے دلاور خاں کے پاس لایا گیا۔
نصر اللہ عرب کو مفتوحہ علاقوں کا انتظام سپرد کر کے مغل کماندار جلد ہی صدر مستقر کی طرف روانہ ہو گیا۔(8)

راجہ بادشاہ کے سامنے پیش کیا گیا

سہ شنبہ 21 / مارچ 1620ء (12 / فروردین) کو شاہی کیمپ سری نگر پہنچنے کے دوسرے ہی دن دلاور خاں نے راجہ کو زنجیر میں جکڑا ہوا بادشاہ کے سامنے پیش کیا۔ جہانگیر نے لکھا ہے کہ "یہ رعب داب سے خالی نہیں ہے۔ اس کا لباس ہندوستانی طرز کا ہے اور یہ ہندی اور کشمیری دونوں زبانیں جانتا ہے اور اس علاقہ کے دوسرے زمینداروں کے برخلاف شہر کا رہنے والا معلوم ہوتا ہے۔ میں نے اس سے کہا کہ باوجود اپنے قصور کے اگر وہ اپنے لڑکوں کو دربار میں حاضر کرے تو وہ قید سے رہا کر دیا جائے گا اور اس ابدی سلطنت کے زیر سایہ آرام سے زندگی بسر کرے گا ورنہ ہندوستان کے کسی قید خانہ میں بند رہے گا۔ میں نے کہا کہ وہ اپنے متعلقین اور اہل خاندان اور لڑکوں کو دربار میں لے آئے گا اور میرے مراحم خسروانہ کا امیدوار رہے گا۔"
دلاور خاں کو کشتوار کی ایک سال کی آمدنی دی گئی جو ایک لاکھ روپیہ تھی یعنی تقریباً ایک ہزار ذات و سوار کے منصب دار کے مشاہرہ کے برابر۔(9)
کشتوار فتح تو ہو گیا لیکن شاہی حکام نے وہ صلح نامہ روش اختیار نہیں کی جس سے ہندوستان کی دوسری جگہوں پر اتنے خوشگوار نتائج ظاہر ہوئے تھے۔ اس کے برعکس نصر اللہ نے لوگوں کو اتنا تنگ کیا کہ انہیں بغاوت کی حد تک پہنچا دیا اور جب وہ اپنی امدادی فوجوں کے اصرار پر اپنی ترقی کی امید اور اپنے خانگی معاملات کا انتظام کرنے حاضر دربار ہو تو اس کا اچھا موقع ہاتھ آ گیا۔ شاہی افواج کی تخفیف نے چاروں طرف آگ بھڑکا دی۔ پل توڑ دیے گئے اور راستوں پر رکاوٹیں ڈال دی گئیں اور نصر اللہ کو قلعہ میں محصور کر دیا گیا چند دن کے بعد شاہی افواج کے پاس نہ خوراک سامان رہ گیا اور نہ کسی فوری کمک کی امید تو انہیں زیر کر کے قتل اور قید کر دیا گیا۔

جلال پھر تعینات ہوا

27 / شہر پور (ستمبر 1620ء کو جمعہ کے دن جب جہانگیر نے یہ خبر سنی تو فوراً جلال کو کشمیری افواج اور کچھ اس کے والد کے ہمراہیوں اور قریب کے زمینداروں کے ساتھ پھر روانہ کیا گیا اور جموں کے راجہ سنگرام کو ہدایت کی گئی کہ وہ جموں سے پہاڑی کے راستہ کے ذریعہ وہاں پہنچ جائے۔(10)

---

(8) جہانگیر (راجرس و بیورج) جلد دوم صفحات 135 تا 138، 170۔ اقبال نامہ صفحات 145۔ تا 146۔ خافی خاں جلد اول صفحات 301 تا 302۔ گلیڈون صفحہ 17، 19۔ مآثر الامرا (بیورج) جلد اول صفحات 488 تا 489۔
(9) جہانگیر (راجرس و بیورج) جلد دوم صفحات 123، 139 تا 140۔ اقبال نامہ صفحہ 146۔
(10) جہانگیر (راجرس و بیورج) جلد دوم صفحات 170 تا 171 گلیڈون صفحہ 51۔

جلال کی ناکامی

جلال اپنا فرض انجام دینے سے قاصر رہا تو اسے معزول کر کے ارادت خاں کو ملک میں امن قائم کرنے کے لیے سفارتی اختیارات دے کر روانہ کیا گیا اور باغیوں کو سختی کے ساتھ کچل دیا گیا۔(11) لیکن دو سال بعد ملک میں پھر بغاوت کی آگ بھڑک اٹھی۔ کشمیر کا گورنر ارادت خاں ایک زبردست فوج لے کر پہنچ گیا اور بغاوت کو فرو کر کے فوجی لحاظ سے موزوں مقامات پر قلعہ بند فوجیں تعینات کر دیں۔(12)

کانگڑہ

جہانگیر کے عہد میں چھوٹی چھوٹی فتوحات میں سب سے بڑی قلعہ کانگڑہ کی تسخیر تھی جو اب تک کبھی مسلمانوں کے قبضہ میں نہیں رہا تھا۔

کانگڑہ کا علاقہ جو شمال مغربی پنجاب میں واقع ہے متوازن پہاڑیوں کا ایک سلسلہ ہے جو ساتھ ساتھ کی وادیوں میں منقسم ہے۔ مناظر کی خوشنمائی اور شکوہ میں کشمیر کے بعد ہی اس کا شمار ہے۔ اس میں بکثرت قدرتی قلعے ہیں جنہیں دشمنوں سے مدتوں مدافعت کے لیے معمولی سے خرچ اور فن کاری کی ضرورت ہے۔

ان سب میں مستحکم ترین کانگڑہ کا قلعہ ہے جو 1905ء کے زلزلہ میں تباہ ہو گیا تھا۔ یہ قلعہ ایک بلند پہاڑی کی چوٹی پر بنا ہوا تھا جو نصف میل لمبا اور تقریباً ڈیڑھ میل کے احاطہ میں اور تقریباً ساٹھ گز اونچا تھا۔ اس میں تیئیس مورچے اور سات دروازے تھے قلعہ کے اندر دو وسیع تالاب تھے جن سے برابر تازہ پانی حاصل ہوتا تھا۔ آس پاس کی پہاڑیوں سے قلعہ کے صرف ایک حصہ کو زیر کیا جا سکتا تھا اس کے آس پاس ہی اور پہاڑی قلعے تھے جیسے دھمری، بری پور، پہاڑی، ہاڑہ، تھمڈہ، بکرودتہ، سور، جوالی، تارا گڑھ وغیرہ جو سب پہاڑی رئیسوں کے قبضہ میں تھے۔

قریب کا جوالا مکھی یا آتش پہاڑ کہا جاتا ہے کہ اسی مقام پر جہاں پاربتی کا سینہ گرا تھا۔ جب اس نے اپنے شوہر کی توہین پر اپنے باپ سے ناراض ہو کر خودکشی کی تھی۔ یہ قدیم ترین زمانہ سے پرستش کا مقام رہا ہے۔ نگر کوٹ جو اس علاقہ کا خاص مقام ہے۔ اس کے مندر کا فرش خالص چاندی کا تھا۔ چھت چمکدار جگمگاہٹ کی تھی۔ چھوٹا سا پتھر کا بت جو درگا یا برجیشور دیوی کے نام پر ہے اسے عالمگیر احترام حاصل ہے۔ اکثر عقیدت مندوں نے اس موہوم امید پر کہ وہ دوپہر تک تندرست ہو جائیں گے اپنی زبان یا حلق کاٹ کر اس پر بھینٹ چڑھا دی تھی۔(13)

1009ء میں محمود غزنوی نے اس کی بے شمار دولت کو لوٹ کر اس کے آس پاس کے علاقہ کو تباہ

---

(11) جہانگیر (راجرس و بیورج) جلد دوم صفحات 209 تا 210 گلیڈون صفحہ 54۔

(12) جہانگیر (راجرس و بیورج) جلد دوم صفحات 235، 238 گلیڈون صفحہ 54۔

(13) موجودہ ضلع کانگڑہ شمالی عرض البلد 20. 31. 58. 32 اور مشرقی طول البلد 39. 75. 75. 78 کے درمیان واقع ہے۔ قلعہ آتش فشاں پہاڑ اور مندر کے حالات کے لیے دیکھو آئین جلد دوم (جارٹ) صفحہ 314۔ جہانگیر (راجرس و بیورج) جلد دوم صفحات 223 تا 224، 225۔ اقبال نامہ نے اسی کی نقل کی ہے۔ فتح کانگڑہ (مخطوطہ رام پور۔ ایلیٹ و ڈاؤسن) جلد ششم صفحہ 526۔ خافی خاں صفحات 306 تا 307 مآثر الامراء (بیورج) جلد اول صفحات 415 تا 416۔ ولیم فنچ پرچہ جات چہارم صفحات 69 تا 70 نیری صفحات 82 تا 83 خلاصۃ التواریخ ترجمہ سرکار انڈیا اور نگ زیب صفحات 93، 94 تا ٹامس کھکر جلد اول صفحہ 108۔ گلیڈون صفحات 55 تا 56 پنجاب ڈسٹرکٹ گزیٹر کا نمبر 10 کانگڑہ 1904ء صفحات 1 تا 8 نیز کانگڑہ ڈسٹرکٹ گزیٹر کا نقشہ صفحہ 356۔

کر دیا تھا لیکن ایک نسل کے بعد ہندوؤں میں بیداری پیدا ہوئی اور قدیم راجاؤں کا خاندان پھر سے حکمراں ہو گیا۔ دہلی کے حکمرانوں نے بار بار اس قلعہ کو فتح کرنے کی کوشش کی لیکن ہر دفعہ پسپا کر دیے گئے۔ دوسروں کے علاوہ فیروز تغلق 1351ء تا 1388ء نے ایک زبردست فوج سے حملہ کیا لیکن ایک ناکام محاصرہ کے بعد راجہ کے برائے نام قبول اطاعت پر قانع ہو گیا۔ کہا جاتا ہے کہ سلطان غیاث الدین تغلق کے عہد حکومت سے لے کر اکبر کی تخت نشینی تک دہلی کے حکمرانوں نے 52 ناکام محاصرے کیے۔ (14)

اکبر کے عہد میں چند سال بعد اکبر نے حسین قلی خاں کی سربراہی میں ایک فوج کانگڑہ کا محاصرہ کرنے کے لیے روانہ کی لیکن ابراہیم حسین مرزا کی بغاوت کی وجہ سے اس میں خلل پڑ گیا۔ 1582ء میں ایک اور کوشش دوسری معرفتوں اور حکمراں راجہ جے چند کی رضاکارانہ اظہار اطاعت اور ایک افسانوی روایت کے بموجب دیوی کے دخل دینے پر ملتوی ہو گئی۔ بعد کی مہم نے پہاڑی علاقوں کو تو تباہ کر دیا مگر خود قلعہ کانگڑہ کے سامنے شکست کھائی۔ (15)

جہانگیر کے عہد میں

مارچ 1615ء میں جہانگیر نے مرتضیٰ خاں گورنر پنجاب کو حکم دیا کہ وہ راجہ باسو کے لڑکے سورج مل کو بطور ماتحت ساتھ لے جا کر قلعہ کانگڑہ کو فتح کرے۔ سورج مل کو قدرتاً اپنی موروثی ریاست سے اس قدر قریب اقتدار کی توسیع گوارانہ تھی۔ چنانچہ اس نے اپنے سردار کے کاموں میں رخنہ ڈالا اور شاید دشمن سے سازباز بھی کیا۔ مرتضیٰ خاں نے بادشاہ سے شکایت کی اور سورج مل نے شہزادہ خرم کو بیچ میں ڈالا۔ شاہی فرمان کی تعمیل میں وہ مارچ 1616ء میں حاضر دربار ہوا اور شہزادہ کو اپنی بے قصوری کا یقین دلا دیا۔

اگلے اکتوبر کو وہ شہزادہ کے دکن کی مشہور مہم میں گیا اور اپنے سرپرست کے دل میں جگہ کر لی مرتضیٰ خاں کے انتقال پر اسے برسر اقتدار گروہ نے خود جہانگیر کی معقول رائے کے برخلاف کانگڑہ کی سربراہی سپرد کی گئی۔ اس نے یہ وعدہ کیا کہ وہ ایک سال کے اندر قلعہ فتح کر لے گا لیکن میدان کارزار میں پہنچتے پر وہ اپنے شریک کماندار تقی سے لڑ پڑا اور شہزادہ خرم سے اس کی برطرفی کا پروانہ حاصل کر لیا اس لیے

---

(14) جہانگیر (راجرس و بیورج) جلد دوم 184 فتح کانگڑہ (ایلیٹ وڈاؤسن) جلد ششم 526۔ (ایلیٹ وڈاؤسن) جلد دوم صفحات 34، 444 تا 445 (ایلیٹ وڈاسن) جلد سوم 405 تا 407، 515، 570 (ایلیٹ وڈاؤسن) جلد چہارم صفحات 67 و 415 و 544۔ بلوکمین، انڈین اینٹی کویری 1872ء صفحہ 264۔ جرنل آف ایشیاٹک سوسائٹی بمبئی 1875ء صفحہ 192 کانگڑہ ڈسٹرکٹ گزیٹر جلد اول صفحات 24 تا 29۔

جہانگیر اور اس کے درباری مورخین نے ایک روایت نقل کی ہے کہ سلطان فیروز تغلق نے راجہ کی طرف سے قلعہ کے اندر ایک ضیافت قبول کی۔ سلطان نے سب طرف دیکھ کر اور قلعہ کا معائنہ کر کے راجہ سے کہا کہ قلعہ کے اندر کسی بادشاہ کو بلانا احتیاط کے خلاف ہے اگر اس کے فیروز کے ساتھ جو آدمی ہیں وہ راجہ پر حملہ کر دیں اور قلعہ پر قبضہ کر لیں تو وہ کیا کرے گا۔ راجہ نے اپنے آدمیوں کو اشارہ کیا اور دفعتاً خفیہ مقامات سے بہت بہادر مسلح سپاہی نکل آئے اور سلطان کو سلامی دی۔ سلطان کے دل میں شبہ پیدا ہو گیا تو راجہ نے آگے بڑھ کر زمین بوسی کی اور کہا کہ اس کے دل میں اطاعت شعاری اور خدمت کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ لیکن کہیا کہ شبہ کرنے والوں نے کہا ہے کہ میں دور اندیشانہ احتیاط کرتا ہوں اس لیے ہر موقع ایک جیسا نہیں ہوتا سلطان نے راجہ کی تعریف کی اور راجہ چند منزل تک سلطان کے ساتھ آیا اور پھر رخصت لے کر واپس آ گیا۔

(15) اکبر نامہ جلد سوم صفحہ 348۔ فیضی سرہندی کا اکبر نامہ (ایلیٹ وڈاؤسن) جلد ششم صفحات 125 تا 129۔ جہانگیر (ایلیٹ وڈاؤسن) جلد دوم صفحہ 184، مآثر الامرا (بیورج) جلد اول صفحات 414 تا 415۔

کہ اس شہزادہ کانگڑہ کے معاملات کا مختار کل تھا۔ اب سورج مل نے سپاہ بر طرف کر دی اور علم بغاوت بلند کر دیا اور پہاڑی رئیسوں سے مل گیا۔ اس نے شاہی علاقہ کو تاراج کر دیا اور سید صفی بارہہ کو جو شاہی کماندار تھا شکست دے دی مگر راجہ بکرماجیت نے جو تقی کو معزول کر کے اس کی جگہ مقرر کیا گیا تھا جلد ہی اس کے باغیانہ منصوبوں کو شکست دیدی۔ سورج مل کی جاگیر تاراج کر دی اور شاہی قبضہ میں لے لی گئی خود سورج مل نے بھاگ کر پہاڑی قلعوں میں پناہ لی جن پر راجہ بکرماجیت نے یکے بعد دیگرے حملہ کیا۔ لڑائی کے دوران میں ایک شاہی فوج کا دستہ ناقابل گزر گھاٹیوں میں بہت دور تک اندر چلا گیا اور اسے کاٹ کر رکھ دیا گیا۔ مگر بحیثیت مجموعی مغلوں کا پلہ بھاری رہا۔ سورج مل شکستہ دل ہو کر ایک مہلک بیماری میں مبتلا ہو گیا۔ اس کے میزبان راجہ چمپا نے بلا شرط اطاعت قبول کر لی اور سورج مل کی ساری املاک بشمول چودہ ہاتھیوں اور دو سو گھوڑوں کے شاہی فوج کے حوالے کر دی اور جواب بحق سرکار ضبط کر لیے گئے۔ قلعہ اور راجہ باسو کی بنائی عمارتیں ڈھادی گئیں۔ سابق رئیس کے بھائی جگت سنگھ کو ایک ہزار ذات اور پانچ سو سوار کا منصب دے کر اس شرط کے ساتھ گدی پر بٹھادیا گیا کہ وہ کانگڑہ کی مہم میں راجہ بکرماجیت سے تعاون کرے گا۔(16)

محاصرہ اب پورے زور کے ساتھ جاری کیا گیا۔ رسد کی قطعی بندش کر دی گئی اور قلعہ کے چاروں طرف مورچے کھڑے کر دیے گئے۔ محصورین کو فاقہ کی نوبت آگئی اور کئی دن تک انہوں نے ابلی ہوئی گھاس پر بسر کی اور قلعہ بند فوج کو موت کا سامنا تھا۔ بالآخر چودہ ماہ کے محاصرہ کے بعد 16/نومبر 1620ء کو محاصرین نے ہتھیار ڈال دیے۔(17) قلعہ میں جمع شدہ بہت بڑا خزانہ شاہی فوج کے ہاتھ آیا۔(18)

جہانگیر کو اس فتح پر بہت بڑی خوشی ہوئی اس لیے کہ ہندوستان کسی مسلمان بادشاہ کو حتی کہ اکبر کو بھی یہ کامیابی حاصل نہیں ہو سکی تھی۔(19) ایک سال بعد وہ قاضی القضاۃ، میر عدل اور کئی راسخ العقیدہ مسلم علماء کے ساتھ وہاں گیا اور ایک ایسا متعصبانہ فعل انجام دیا جو اس کے عہد میں بہت کم ہوا تھا یعنی قلعہ میں ایک بیل ذبح کر دیا اور ایک مسجد تعمیر کرنے کا حکم دیا۔(20)

---

(16) جہانگیر (راجرس و بیورج) جلد اول صفحات 283، 311، 324، 325تا388، 392، 393 جلد دوم صفحات 54 تا56، 74تا75، 166۔ اقبال نامہ صفحات 117، 120، 121، 122تا124، 125، فتح کانگڑہ (مخطوطہ رام پور) ایلیٹ وڈاؤسن جلد ششم صفحات 520 تا 524 خافی خاں جلد اول صفحہ 297 مآثر الامرا (بیورج) جلد اول 413تا414، 525 جلد دوم صفحہ 178 گلیڈون صفحات 35، 45، 46۔

(17) جہانگیر (راجرس و بیورج) جلد دوم صفحہ 185 خافی خاں جلد اول صفحات 306 تا 307 گلیڈون صفحات 50، 51 فتح کانگڑہ کے مصنف (ایسٹ وڈاؤسن) جلد ششم صفحات ۵۲۵ و ۵۲۶ کا بیان ہے کہ شاہی فوج نے ایک شگاف کر دیا اور شاہی فوج اور محاصرین میں سخت خونریز لڑائی ہوئی اور دن کے آخر میں جا کر شاہی فوج کو قلعہ پر قبضہ ملا۔ لیکن ہتھیار ڈالنے کے متعلق جہانگیر کا بیان بالکل واضح ہے۔ نیز دیکھو اقبال نامہ۔ مآثر جہانگیری۔ خلاصۃ التواریخ

(18) فتح کانگڑہ، ایلیٹ وڈاؤسن جلد ششم صفحہ 525۔ ایلیٹ وڈاؤسن جلد ششم صفحات 527تا533۔ فتح کانگڑہ کے مصنف کے متعلق دیکھو ایلیٹ وڈاؤسن جلد ششم۔ تتمہ نوٹ۔ صفحات 517۔ تا 518 جرنل آف یوپی ہسٹاریکل سوسائٹی جون 1919ء صفحہ 56تا62 مضمون کے مصنف کا یہ خیال غلط ہے کہ بکرماجیت اور سندر داس دو مختلف اشخاص تھے۔ فتح کانگڑہ کے مصنف کے بارے میں میرا خیال وہی ہے جو سر ایچ ایلیٹ کا کہ اسے نعمت علی خان نے نہیں بلکہ جلال طباطبائی نے تصنیف کیا ہے۔

(19) جہانگیر (راجرس و بیورج) جلد دوم صفحات 185 تا186 فتح کانگڑہ (ایلیٹ وڈاؤسن) جلد ششم صفحات 525، 526۔

(20) جہانگیر (راجرس و بیورج) جلد دوم صفحہ 223۔ معتمد خاں، کامگار، خافی خاں،، سبحان رائے اور دیگر مورخین کا بھی یہی بیان ہے۔

چودھواں باب

نور جہاں کے گروہ میں پھوٹ

جہانگیر کی صحت گرنے لگی

قدرت نے جہانگیر کو اعلیٰ درجہ کی جسمانی ساخت عطا کی تھی جسے شراب، افیون، آرام طلبی اور عیاشی نے بگاڑ دیا۔ بڑھاپے کی عمر کو پہنچ کر وہ بالکل معذور ہو گیا اور اس کا حال بد سے بدتر ہو گیا۔ 1618ء میں گجرات کی امس کی گرمی اس سے برداشت نہ ہوئی اور وہ انفلوئنزا میں مبتلا ہو گیا اور دمہ کی شدید شکایتیں رونما ہو گئیں (1) طبیبوں کے مشورہ سے اس نے شراب ذرا کم کر دی مگر اس سے کوئی فائدہ نہ ہوا۔ (2) 1619ء میں خون کے انجماد سے اس کی آنکھوں میں سخت تکلیف ہو گئی اور ایک رگ میں نشتر دینے سے اس میں کچھ کمی ہوئی۔ (3) وہ ہر سال کشمیر جاتا رہا مگر اس سے کوئی مستقل فائدہ نہ ہوا۔ مارچ تا اکتوبر 1620ء کو اس کا پہلا سات ماہ کا قیام اس لحاظ سے خاص کر دلچسپ ہے کہ اس دوران میں اس نے کشمیر کے قدرتی حسن کی بڑی دلکش تصویر کشی کی ہے۔ (4) مگر اس سے اس کے مرض میں کچھ افاقہ نہ ہوا۔ اس کے برخلاف اس پر بار بار دمہ کا دورہ پڑتا رہا۔ حکیم روح اللہ کے علاج سے اسے کافی فائدہ ہوا لیکن نومبر

---

(1) جہانگیر (راجرس و بیورج) جلد دوم صفحات 12، 13، 35۔

(2) "پہلے ہر شام کو ساڑھے سات سات تولہ شراب کے چھ جام ہوتے تھے سب ملا کر 45 تولہ۔ شراب میں عموماً پانی ملایا جاتا تھا۔ اب میں فی جام چھ تولہ 3 ماشہ شراب کے چھ جام پیتا ہوں۔ گویا کل 37½ تولہ" جہانگیر جلد دوم 35۔

(3) جہانگیر (راجرس و بیورج) جلد دوم صفحات 77۔

(4) جہانگیر (راجرس و بیورج) جلد دوم صفحات 97، 98، 139۔

اقبال نامہ صفحات 127 تا 128 مآثر جہانگیری (مخطوطہ خدابخش صفحہ 122) (الف) پرائس جہانگیر (139 تا 140) میں اس سفر کا عجیب و غریب حال لکھا ہے۔

باوجود صحت کی خرابی کے جہانگیر یہاں کے قیام سے بہت لطف اندوز ہوا۔ اس نے یہاں کے جتنے تفریح اور خوبصورتی کے مقامات تھے وہ سب دیکھے جیسی کہ ایک فطرت کا گہرا مطالعہ کرنے والے اور حسن پرست سے توقع تھی۔ وہ کشمیر سے بہت مسحور ہوا اور دلی مسرت کے جوش کے ساتھ لکھا ہے "اگر کوئی کشمیر کی تعریف لکھنا چاہے تو پوری کتاب کی ضرورت ہو گی" کشمیر ایک سدابہار باغ ہے یا شاہی محل کا ایک آہنی قلعہ، درویشوں کے لیے ایک پھولوں سے لدا ہوا دلفریب ورثہ، اس کے خوبصورت مرغزار اور دلکش چشمے اور بے شمار فوارے تعریف سے بالاتر ہیں۔ یہاں بے شمار بہتے ہوئے دریا اور آبشار ہیں۔ جہاں تک نظر جاتی ہے سبزہ زار اور پھول ہیں۔ سرخ گلاب، بنفشہ اور نرگس از خود اُگے ہیں۔ میدان میں طرح طرح کے پھول اور خوشبودار گھاس ہے جس کا شمار نہیں ہو سکتا۔ روح پرور موسم بہار میں پہاڑ اور میدان پھولوں سے بھر جاتے ہیں اور دروازے، دیواریں اور صحن لالہ زار ہو جاتے ہیں جہاں ضیافت کا دستر خوان سجانے والے گل لالہ جگمگاتے ہیں۔ ان وسیع مرغزاروں اور خوشبودار پتیاں پھولوں کا ہم کیا بیان کریں"۔ جہانگیر (راجرس و بیورج) جلد دوم صفحات 142 تا 144۔

طامس مور اپنی لالہ رخ میں لکھتا ہے

وادی کشمیر کا حال کس نے سنا ہے۔

اس کے بہترین دہکتے ہوئے پھول جو خود رو ہیں سارے پھولوں سے زیادہ شوخ رنگ ہیں۔ (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر۔۔۔)

1620ء میں جب وہ میدانی علاقہ میں آیا تو بیماری پھر عود کر آئی اور اس نے خود کو قریب المرگ محسوس

(باقی حاشیہ.....4)

اس کے مندر اور مینار اور شفاف چشمے

جن کے لہرانے پر محبت بھری نظر جم جائے

جہانگیر کا بیان ہے "اس پھولوں سے بھری ہوئی سر زمین کی جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے۔ جہاں تک نظر جاتی ہے ہر رنگ کے پھول لہلہاتے ہیں۔ میری موجودگی میں پچاس قسم کے پھول چنے گئے۔ شاید ان کے علاوہ اور بھی ہوں گے۔ جو میں نے نہیں دیکھے۔ ایضاً جلد دوم صفحات 162 و 163۔ ایک اور علاقہ کوری مارگ کے متعلق اس نے بالکل شاعرانہ انداز میں لکھا ہے:" میں اس کی تعریف کہاں تک کروں جہاں تک نظر پہنچ سکتی ہے رنگ برنگ کے پھول لہلہاتے ہیں اور سبزہ زار کے درمیان پانی کے خوبصورت چشمے رواں ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ کاتب تقدیر کے تخلیقی قلم سے ایک دلفریب نقش کھینچ دیا ہے اسے دیکھ کر دل کی کلیاں کھل جاتی ہیں۔ بیشک اس علاقہ کا دوسرے علاقوں سے کوئی مقابلہ نہیں ہے۔ اور کہا جاتا ہے کہ کشمیر میں دیکھنے کے لائق اس سے بہتر کوئی اور مقام نہیں ہے۔" ایضاً جلد دوم صفحہ 164۔ نیز مچھی بھون کے خوبصورت چشمہ کا حال بیان کرنے کے بعد اس نے ایک اور چشمہ اچھابل (اچھی بل) کا حال لکھا ہے "اس کا چشمہ (مچھی بھون) چشمہ سے بھی زیادہ خوبصورت ہے اور اس میں ایک خوبصورت جھرنا بھی ہے۔ اس کے گرد فلک بوس چنار کے درخت کھڑے ہیں جن کے سر باہم مل کر خوشنما ستانے کی جگہ بناتے ہیں۔ ایک خوبصورت باغ میں جہاں تک نظر جاتی ہے۔ جعفری کے پھول کھلے ہیں۔ گویا یہ بالکل جنت کا ایک ٹکڑا ہے۔ ایضاً جلد دوم صفحہ 173۔

پھر ویرناگ کے چشمہ کا ذکر ہے جو دریائے جہلم کے سرے پر ایک پہاڑی کے دامن میں واقع ہے جہاں اپنی شہزادگی کے زمانہ میں جہانگیر نے ایک خوبصورت عمارت تعمیر کرنے کا حکم دیا تھا۔ "تالاب کا پانی اتنا شفاف ہے کہ باوجودیکہ چار گز (بارہ فٹ) گہرا ہے تاہم اس میں اگر ایک سر دل دی تو وہ صاف نظر آئے گی۔ نہر کی خوبصورتی اور چشمہ کے نیچے جو گھاس اگتی ہے اسکی سرسبزی کی کہاں تک تعریف کی جائے۔ مختلف قسم کے پودے اور خوشبودار گھاس یہاں بکثرت اگتی ہے اور اس میں ایک پودے کی ڈنڈی نظر آئی جو ہو بہو مور کی دم کی طرح مختلف رنگوں کی تھی وہ چشمہ کی لہروں میں بل کھاتی تھی اور کہیں کہیں اس میں پھول بھی تھے۔ مختصر یہ کہ سارے کشمیر میں اس سے زیادہ خوبصورت کوئی اور جگہ نہیں جو اتنی دلفریب ہو۔ مجھے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کشمیر میں وادی کا اوپری حصہ جتنا خوبصورت ہے اس کا نشیبی حصہ کی خوبصورتی سے کوئی مقابلہ نہیں ہے۔ ان علاقوں میں کچھ دن قیام کرنا چاہیے اور قرب و جوار کے مناظر دیکھنا چاہئے۔ میں نے حکم دیا کہ اس چشمہ کے دونوں طرف چنار کے درخت لگائے جائیں" ایضاً جلد دوم صفحہ 174۔

مناظر. دریاؤں، چشموں، دیہاتوں، وادیوں، پہاڑیوں، پودوں، پھولوں، پرندوں، جانوروں اور نیز لوگوں کا جو حال اس نے لکھا ہے وہ نہایت رواں شستہ اور خوبصورت فارسی میں ہے جسے تقریباً لفظ بہ لفظ معاصر مورخین جیسے معتمد خاں اور کامگار اور نیز بعد کے مورخین جیسے خافی خاں، سبحان رائے اور دوسروں نے نقل کیا ہے اور آج بھی وہ دلچسپی اور لطف سے پڑھا جاسکتا ہے۔

دیکھو چڑیوں اور جانوروں کی وہ فہرست جو کشمیر میں نہیں پائے جاتے ہیں۔ (جہانگیر جلد دوم صفحات 168، 169، 170 دوسری چیزوں کے علاوہ دیکھو اندھی مچھلی کا حال جو لودھ ناگ میں پائی جاتی ہے۔ جہانگیر (راجرس و بیورج) جلد دوم صفحہ 174۔ نیز اقبال نامہ، مآثر جہانگیری۔ گلیڈون صفحہ 49۔ خافی خاں جلد اول صفحات 302 تا 304۔ سبحان رائے۔ کشمیر کی مزید تفصیلات کے لیے دیکھو آئین (جارٹ) جلد دوم صفحات 337 تا 368 حال کا نہایت ہی دلچسپ بیان سر رچرڈ ٹمپل کے جرنل جو حیدر آباد، کشمیر، سکم اور نیپال میں محفوظ ہیں۔ (مرتبہ آر۔ سی۔ ٹمپل، لندن 1887ء کشمیر کے لیے جلد اول صفحات 267 تا 314 (مقدمہ) اور جلد دوم صفحات 1 تا 149۔ خصوصاً نقشے بہت اہم ہیں۔ برنیئر (مرتبہ کانسٹبل) صفحات 390 تا 428 ڈریو کی جموں اینڈ کشمیر سر فرانسس ینگ ہسبینڈ کی کشمیر والٹر ڈیل مار کی رومانٹک (ایسٹ، برما، آسام اور کشمیر، سر ڈبلیو لارنس کی دیلی آف کشمیر نیز تی اور دی ڈان کشمیر، اینڈ راس مغل گارڈنس کلکتہ ریویو نمبر 288۔ اپریل 1917ء۔ جے جے مودی کا مضمون مغل ایمپررس ان کشمیر جرنل آف بمبئی ایشیاٹک سوسائٹی جلد 25 نمبر 18-1917ء صفحات 26 تا 75۔

جہلم کے نکاس کی جگہ کو جہانگیر کے حکم سے پہلے ایک خوبصورت اور ایک باغ سے خوبصورت بنادیا گیا۔ جہانگیر (راجرس و بیورج) جلد دوم صفحات 141 تا 142۔ اب اسے شالا مار باغ کو جنت کے ایک گوشہ کا نمونہ بنادیا۔ جہانگیر کے منظر کی خوبصورتی

کیا۔ مغرور اور برخود اعتماد حکیم رکنا اور ایرانی حکیم سدرہ جو اس عہد کا مسیحا مشہور تھا اور حکیم ابوالقاسم جس کی دور دور تک شہرت تھی اس کے علاج سے مایوس ہو گئے۔ اس نے شراب کی کثرت سے اپنے درد کو دبانا چاہا مگر ہمیشہ سے زیادہ ابتر حالت میں ہو گیا۔ شہزادہ پرویز جلد ہی اس کے بستر کے پاس پہنچ گیا۔ نور جہاں کی محبت بھری تیمارداری ہی نے اس کی جان بچائی۔ اس نے آہستہ آہستہ اس کی شراب کم کرا دی۔ مضر صحت کھانوں سے پرہیز کرایا اور مناسب دواؤں کے استعمال پر آمادہ کیا۔ اسے شفا تو ہو گئی مگر کمزوری برابر رہی۔ اس نے ارادہ کیا کہ آگرہ چھوڑ دے اور گنگا کے کنارے پہاڑ کے دامن میں اپنے لیے نیا شہر بسائے لیکن پھر یہ ارادہ ترک کر دیا اور سالانہ کشمیر جانے پر قناعت کی۔ 1623ء کے شروع میں وہ اپنا روزنامچہ لکھنے پر قادر نہیں رہا اور یہ کام معتمد خاں کو سپرد کر دیا۔ پہلی سی صحت اور قوت اسے پھر کبھی نہ حاصل ہو سکی۔ (5) حکومت کا سارا انتظام نور جہاں کے ذمہ ہو گیا۔

نور جہاں کو اگرچہ اب کامل اختیارات حاصل تھے مگر بادشاہ کی تیزی سے گرتی ہوئی صحت سے اسے سخت پریشانی تھی۔ مطلقانہ اختیارات برتنے کی وہ بالکل عادی ہو گئی تھی مگر اس کے مضطرب دماغ اور حاکمانہ جذبات کسی کی دخل اندازی کو برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ اس کے دماغ اور جسمانی قویٰ پوری پوری طرح کام کر رہے تھے لیکن اس کے شوہر کا کسی وقت بھی انتقال ہو سکتا تھا اور سوال یہ تھا کہ کیا شوہر کے انتقال کے بعد اس کا یہی اقتدار قائم رہے گا؟ اس کا جانشیں شاہجہاں ہو گا جس نے اب اپنی عمر کے تیس سال پورے کر لیے تھے اور جو ایسے اعزازات اور مناصب کے ساتھ جو کسی اور شہزادہ کو حاصل نہیں ہوئے تھے تخت نشینی کے لیے نامزد کیا گیا ہے۔ پوری قلمرو کو سکھایا گیا ہے کہ وہ اسی کو اپنا مستقبل کا آقا سمجھے۔ کئی صوبوں میں اور کئی ممتاز فوجی کمانداروں اور فوجی دستوں پر اس نے اپنا اثر قائم کر لیا ہے۔ نور جہاں کا اس سے بہت دنوں تک اور بہت قریبی رابطہ رہا ہے۔ اور اسے پورا احساس ہے کہ شاہجہاں مغرور اور بہت طاقتور ہے اور جاہ پسندی اس میں کوٹ کوٹ کر بھری ہے اور نیز اس میں حکومت اور اقتدار کی بھرپور صلاحیت ہے۔ وہ جہانگیر جیسے کمزور اور آرام پسند بادشاہ سے بالکل مختلف قسم کا ہو گا۔ وہ اپنی مرضی کا خود مختار ہو گا اور کسی بھی دخل اندازی کو برداشت نہ کرے گا اور خاص کر نور جہاں جیسی حکم چلانے والی کا ایک ہی سلطنت میں نور جہاں اور شاہجہان جیسے دو اقتدار پسند افراد کا گذر نہیں ہو سکتا۔ دونوں ایک دوسرے کو خوب اچھی طرح سمجھے ہوئے تھے اور کسی طرح کے مغالطہ کی گنجائش نہ تھی۔ معاملہ بالکل صاف تھا۔ نور جہاں کو یا تو سیاست سے بالکل کنارہ کش ہو جانا چاہئے اور شاہجہاں کی جگہ کسی ایسے بادشاہ کو بنانا چاہئے جو

(بقیہ حاشیہ ...4) کی واضح شہادت ان مقامات کے انتخابات سے بہتر نہیں ملتی جہاں عمارتیں بنوائیں اور باغ لگائے اور آرام گاہیں تعمیر کیں۔

وہ لکھتا ہے: "میں نے اکثر کشتی میں گشت لگایا اور پھاک اور شالامار کے پھولوں کا نظارہ کیا۔ پھاک جھیل (ڈل) کے قریب دوسرے کنارہ پر ایک پرگنہ ہے۔ شالامار جھیل کے قریب ہے جہاں ایک دلکش چشمہ ہے جو پہاڑیوں سے نکلتا ہے اور ڈل جھیل میں گرتا ہے۔ میں نے اپنے لڑکے کو حکم دیا کہ وہ یہاں ایک جھرنا بنوا دے جو دیکھنے میں دلکش معلوم ہو۔ جہانگیر کی تعمیر کردہ عمارتیں شکستہ حالت میں آج بھی دیکھی جا سکتی ہیں۔

نیز دیکھو شالامار کی موجودہ حالت کا خوبصورت رنگی نقشہ ٹمپل کے جرنلس میں جلد دوم مقابل صفحہ 117۔

(5) جہانگیر (راجرس و بیورج) جلد دوم صفحات 176، 178، 212، 213، 214، 215، 217، 246، 248۔ اقبال نامہ صفحہ 184۔ مآثر الامرا جلد اول صفحہ 577۔ بادشاہ نامہ عبدالحمید جلد اول حصہ دوم صفحہ 347۔

اس کی مرضی پر جھک سکے اور اس کا آلہ کار بن سکے۔ اپنی فطری جرأت اور جاہ پسندی کے جذبہ سے اس نے ایک دوسرے طریقہ کا انتخاب کیا۔ مشکلات بہت بڑی تھیں مگر نور جہاں ایسی نہ تھی جو مشکلات سے خائف ہوتی۔ اس نے اپنے چاروں طرف نظر ڈالی اور جانشینی کے لیے شہریار کو طے کر لیا۔

شہریار

شہریار جہانگیر کی اولاد میں سب سے چھوٹا تھا اور ابھی اس کی عمر صرف سولہ سال کی تھی اور اس سے کبھی کسی قابلیت کا اظہار نہیں ہوا تھا۔ ہاکنس نے البتہ اس کی شدید درد میں غیر معمولی قوت برداشت کا ذکر کیا ہے۔ مگر یہ اگر سچ بھی ہے تو اس سے کوئی مفید مطلب بات ثابت نہیں ہوتی۔ اس میں کبھی اخلاقی قوت کی نشو و نما نہیں ہوئی وہ عظمت حاصل کرنے کا اہل نہ تھا اور نہ اس میں یہ اہلیت تھی کہ اگر عظمت اس سے زبردستی وابستہ کر دی جائے تو وہ اسے نباہ سکے۔ جب وہ چار ناچار شہرت کی روشنی میں لایا گیا تو اس کے متعلق جو عام خیال تھا وہ ابھر آیا اور "ناشدنی" کا لقب اس کے ساتھ لگ گیا۔

اس کی جانشینی کے لیے نور جہاں کی کوشش

یہی وہ آلہ کار تھا جس کی نور جہاں کو ضرورت تھی۔ خسرو زیادہ قابل اور جاہ پسند تھا اور عوام میں بہت مقبول تھا اور اس کے ساتھ نور جہاں نے اتنی زیادتیاں کی تھیں کہ وہ اب اس کے کام کا نہیں رہا تھا۔ پرویز سخت شرابی، شراب کا بندہ، علوئی ذہانت کا اور قابلیت سے بے بہرہ تھا۔ اگرچہ جاہ پسندی اور غرور کے جذبات سے بھرا ہوا تھا اور جیسا کہ صاف ظاہر ہو رہا تھا وہ جلد ہی قبر میں جانے والا تھا۔ شہریار کی کم عمری، تربیت پذیر طبیعت، کمزور ذہنیت اور ضعیف العقل مزاج نے اسے ایک اقتدار پسند خاتون کا آلہ کار بننے کے لیے بالکل موزوں بنایا تھا۔ (6)

مذہبی عنصر

ان ہیر پھیر کی سازشوں اور انقلابی منصوبوں کا فیصلہ تو سیاسی ضرورت کے ماتحت کیا گیا لیکن اس میں تھوڑا سا اثر مذہبی عنصر کا بھی تھا۔ خسرو اپنی تربیت کے لحاظ سے کامل مذہبی مساوات کا حامی تھا لیکن

(6) نور جہاں کی اپنی لڑکی خسرو سے بیاہنے کی تجویز جس کی 17-1616ء میں شہرت تھی اور جسے سر طامس رو نے نقل کیا ہے اس کی کوئی خاص بنیاد نہ تھی۔

12/ دسمبر 1616ء کو رو نے خط سورت لکھا اس میں یہ ذکر کیا "سلطان خسرو کی نور محل کی لڑکی سے شادی اور وہ قید سے آزاد ہو جائے گا۔ اور سب جماعتیں اس کا ساتھ دیں گی۔ پھر 21/ اگست 1617ء کو اس نے لکھا "نور محل اور آصف خاں اپنے والد کے مشورہ سے خسرو کے ساتھ صلح اور اتحاد کرنے آئے اور بڑی خوشی سے خسرو کی رہائی کی توقع ہے۔ "25/ اگست کو اس نے پھر لکھا" آج نور محل اور شہزادہ سلطان خسرو کی ضیافت تھی اور جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ اتحاد کے مزید استحکام کے بعد خسرو ایک بیوی لے کر آئے گا جس کا مطلب اس کی پوری آزادی اور ہمارے متکبر آقا (خرم) کی تباہی ہوگی" دیکھو رو صفحات 263،404،407 ایسے ہی اشارات خطوط موصولہ اور انگلش فیکٹریز انڈیا میں ملتے ہیں۔ دیلا ویل جلد اول صفحات 56 تا 57 میں صاف صاف لکھتا ہے کہ نور محل نے کئی مرتبہ اپنی لڑکی کی خسرو سے شادی کی پیشکش کی اور یہ کہ خسرو کی بیوی نے خود اسے مشورہ دیا کہ اس رشتہ کو منظور کر لے جس سے اسے آزادی اور فلاح و بہبود حاصل ہو جائے گی لیکن اس کی اپنی بیوی سے محبت نے ہمیشہ اس تجویز کو رد کرنے پر آمادہ کیا۔ مایوس ہو کر نور محل نے اپنی لڑکی شہریار سے بیاہ دی۔

ان افواہوں میں صداقت صرف اس قدر ہے کہ شاید نور جہاں نے ایک مرتبہ خسرو کی جماعت سے اتحاد کا خیال کیا ہوگا لیکن یہ یقینی ہے کہ اس نے اس معاملہ کو آگے نہیں بڑھایا۔

شاہجہاں پر جیسے جیسے دن گزرتے گئے سنی عقیدہ کا غلبہ ہوتا گیا اور وہ زیادہ سے زیادہ راسخ العقیدگی کی طرف مائل ہوتا گیا اور اپنے شیعہ ساتھیوں سے بیزار ہوتا گیا۔ نور جہاں کبھی متعصب تو نہ تھی مگر پھر بھی شیعہ تھی اور شیعوں کی حمایت پر زیادہ سے زیادہ بھروسہ کرنے پر مائل ہوتی گئی۔ شاہجہاں کے سنی جتھے کے بڑھتے ہوئے عروج میں ایرانی مفادات نے اپنے لیے خطرہ محسوس کیا۔ بالآخر سنیوں نے اپنے اقتدار کو مسلط ہوتے ہوئے دیکھا۔ اس فضا میں غلط فہمیوں، ناچاقیوں اور چہ میگوئیوں کی پرورش ہوئی۔ خلیج دن بدن بڑھتی گئی اور بالآخر پرانی گروہ بندی پاش پاش ہو گئی۔

نئی گروہ بندی

دربار اب تین پارٹیوں پر منقسم ہو گیا تھا جو تین شہزادوں خسرو، شاہجہاں اور شہریار کی طرفدار تھیں۔ جہانگیر کے عہد حکومت کے آخری سات سال کے جوڑ توڑ کا سر رشتہ نور جہاں کی اپنے امیدوار کے لیے راستہ صاف کرنے کی کوشش میں ملتا ہے۔ اس کا یہ انتخاب ناسزاوار ثابت ہوا اس لیے کہ اس سے صحیح الخیال افراد کی ہمدردی جاتی رہی۔ شہریار جیسے نااہل انسان کے لیے کسی کے دل میں الفت یا احترام یا جوش و خروش کا جذبہ پیدا نہیں ہو سکتا تھا مگر نور جہاں اپنے منصوبہ پر برابر کام کرتی رہی۔ اس نے اپنے راستہ سے یکے بعد دیگرے کئی رکاوٹیں دور کیں۔ اس نے ایک کے بعد دوسرے رقیب کو ختم کیا۔ مگر بالآخر اس کی کوششوں کا کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوا۔

شہریار کی لاڈلی بیگم سے منگنی

سیاسی جماعتوں کے ادل بدل کی پہلی علامت دسمبر 1630ء میں ظاہر ہوئی جبکہ شہریار کی منگنی نور جہاں کی شیر افگن سے لڑکی کی لاڈلی بیگم سے ہو گئی۔ لاہور جسے جہانگیر کی کشمیر سے واپسی کے لیے نئی عمارتوں سے آراستہ کیا گیا تھا وہیں حسب معمول تزک و احتشام سے یہ رسم منائی گئی۔ بادشاہ نے ایک لاکھ روپیہ کا جہیز دیا اور ضیافت میں بذات خود شریک ہوا۔

شادی

اگلے اپریل کے مہینے میں شادی کی تقریب شان و شکوہ اور طمطراق کے ساتھ آگرہ میں منعقد ہوئی۔ بادشاہ اور حرم شاہی کی بیگمات لڑکی کے نانا اعتماد الدولہ کے مکان پر گئے۔ قسمت کی نیرنگی یہ تھی کہ جہانگیر نے اپنی اس توقع کو روزنامچہ میں درج کیا کہ یہ شادی "اس روز افزوں سلطنت کے لیے مبارک ثابت ہو گی"۔ اسی وقت شہزادہ کو آٹھ ہزار ذات اور چار ہزار سوار کے منصب پر فائز کیا گیا اور تحائف و اعزازات کی بارش ہوئی۔(7)

نور جہاں کی والدہ کا انتقال

جس خطرناک مہم کو نور جہاں نے شروع کیا تھا اس میں اسے اس بدنصیبی سے دوچار ہونا پڑا کہ

(7) جہانگیر (راجرس و بیورج) جلد دوم صفحات 183، 188، 199، 202، 203۔ اقبال نامہ صفحہ 171۔

وہ اپنے والدین کے تجربہ کار اور قابو میں رکھنے والے اثر سے محروم ہو گئی۔ اس کی والدہ عصمت بیگم کا 1621ء میں انتقال ہو گیا۔(8) اس کا انتقال اس ضعیف العمر عقیدت شعار شوہر کے لیے صدمۂ جانگسل تھا۔ اس کے زخمی دل کو اس کے لڑکے یا لڑکی یا داماد کوئی بھی تسلی نہ دے سکے۔ وہ دن بدن ضعیف سے مضمحل ہوتا گیا۔ 21-1920ء کے موسم سرما میں جہانگیر اسے اپنے شمالی ہند کے دورے پر ساتھ لے گیا مگر راستہ میں بھل وان کے مقام پر وہ بیمار ہو گیا۔ بادشاہ اور ملکہ نے اپنا کانگڑہ کی طرف کا سفر جاری رکھا۔ لیکن اگلے دن انہیں اس اطلاع پر واپس آنا پڑا کہ اعتمادالدولہ کی حالت خراب ہے اور وہ زندگی سے مایوس ہے۔ اسی روز شام کو دونوں اس کے بستر کے پاس تھے۔ نور جہاں نے بادشاہ کی طرف اشارہ کر کے پوچھا "آپ انہیں پہچانتے ہیں؟" قریب المرگ اعتمادالدولہ نے عرفی کے شعر میں جواب دیا جس کا مطلب یہ ہے

مادر زاد اندھا بھی ، اگر یہاں ہوتا
سو وہ جہان زیب کی عظمت کو پہچان لیتا

چند ہی گھنٹوں کے اندر سب کچھ ختم تھا۔(9)

اعتمادالدولہ کا انتقال جنوری 1622ء

اپنے عہد کی ایک سب سے زیادہ نمایاں ہستیوں میں سے ایک کا اس طرح خاتمہ ہو گیا۔ مفلس بے خانماں قسمت آزما کی حیثیت سے ترقی کر کے وہ دنیا کی شاندار ترین سلطنت کی اولین منزل تک پہنچ گیا اور ہوشمندی اور علمیت میں اپنا نام چھوڑ گیا۔ اس کا لڑکا اعتقاد خاں اس کی لاش لے کر آگرہ آیا اور جمنا پار اس کے باغ میں سپرد خاک کر دیا۔ مشہور ہے کہ نور جہاں نے اس کا مقبرہ خالص چاندی کا بنوانے کی تجویز کی تھی مگر زیادہ پائیدار سنگ مرمر پر راضی ہو گئی۔ یہ عمارت جو اب تک موجود ہے اور جس پر اس کا نام نقش ہے۔ کثیر اخراجات سے 1628ء میں مکمل ہوئی۔

مقبرہ اعتمادالدولہ

مشہور نقاد فن فرگوسن نے لکھا ہے یہ دریا کے بائیں کنارے پر ایک باغ میں ہے جس کے چاروں طرف دیواریں ہیں۔ ہر طرف 540 فٹ لمبی ہیں۔ اس کے وسط میں اصل قبر ہے جو مربع ہے اور ہر طرف 69 فٹ کی ہے۔ عمارت دو منزلہ ہے جس کے چاروں گوشوں پر ہشت پہل مینار ہیں۔ جس کے گرد کھلی ہوئی شہ نشیں ہیں لیکن مینار پست ہیں اور عمارت کا عمومی نقشہ اس سے کم حیثیت کی قبروں کے مقابلہ میں اتنا خوشگوار نہیں ہے اگر اسے سنگ سرخ سے بنایا گیا ہوتا خواہ مقبرہ ہمایوں کی طرح اس میں سنگ مرمر کی پچی کاری ہوتی تو بھی اس کی طرف توجہ نہ ہوتی۔ اس کی اصلی خوبی یہ ہے کہ ساری عمارت سنگ

---

(8) جہانگیر (راجرس و بیورج) جلد دوم صفحہ 216۔

(9) جہانگیر (راجرس و بیورج) جلد دوم صفحات 221 تا 223 اقبال نامہ صفحات 187، 188 خافی خاں جلد اول صفحہ 335 خلاصۃ التواریخ صفحہ 469۔ گلیڈون صفحہ 55 بلوکمین صفحہ 59۔

جہانگیر کے سفر کانگڑہ کے متعلق نیز دیکھو انگلش فیکٹریز ان انڈیا 23-1622ء صفحات 44، 53، 91، 92۔

مرمر کی بنی ہے اور سارے میں پچکاری ہے جو اس قسم کی آرائش میں ہندوستان کے اندر پہلی اور شاندار مثال ہے

اعتماد الدولہ کا مقبرہ اس قسم کے سنگ مرمر کی پچی کاری کا پہلا اور یقیناً کمترین کامیابی کا نمونہ ہے۔ اکثر نقوش جہاں بنائے گئے ہیں وہاں کے لیے موزوں نہیں ہیں اور فاصلے ہمیشہ مناسب نہیں ہیں۔ لیکن دوسری طرف اس کی کھڑکیوں کی سنگ مرمر کی جالی دار سلیں، فتح پور سیکری میں شیخ سلیم چشتی کے مزار کے مشابہ ہیں۔ اس کی سنگ مرمر کی دیواروں کی خوشنمائی اور اس کی آرائش کے شوخ رنگ اتنے حسین ہیں کہ ان کا نقص شاہجہاں کی عمارتوں سے مقابلہ کرنے پر ہی معلوم ہو سکتا ہے۔(10)

اعتماد الدولہ کے سارے اعزازات نقارہ، شہنائی، اختیارات سب نور جہاں کو دے دیے گئے۔ اگر وہ منصبداروں کے زمرے میں شامل ہو سکتی تو اس کا منصب بیس ہزار کا ہوتا۔

جتھا ٹوٹ گیا

وہ جتھا جس نے دس سال سے اوپر سلطنت پر حکمرانی کی تھی، بالآخر ٹوٹ گیا۔ اعتماد الدولہ ختم ہو چکا تھا اور نور جہاں اور شاہجہاں ایک دوسرے کے جانی دشمن تھے۔ آصف خاں دل سے اپنے داماد کا ہمدرد تھا اور اپنی بہن کے داماد کے عروج کا مخالف تھا مگر اپنے خیالات دل ہی میں رکھتا کہ یہ لوگ اسے نقصان نہ پہنچائیں۔ وہ بظاہر بادشاہ اور ملکہ کا طرفدار رہا اور ملکہ کی جاہ پسندی پر آخری ضرب لگانے کی جرأت کو محفوظ رکھا۔

(10) فرگوسن ہسٹری آف ایسٹرن اینڈ انڈین آرکی ٹیکچر جلد دوم صفحات 306، 307 عبد اللطیف کی آگرہ صفحات 182، 184 کینی کی آگرہ۔ مرے کی ہنڈ بک فار بنگال 1882ء ایڈیشن) صفحات 294 تا 295۔

چودھویں باب کا ضمیمہ

(ا)

جہانگیر کا سفر آگرہ سے کشمیر تک

سنہ الٰہی	دن	مقام
13/ شہریور	جمعرات	نور منزل
13/ تا16/ "	...	نور منزل میں قیام
یکم آبان	جمعرات	سکندرہ
3/ "	...	اگلی منزل
8/ "	جمعرات	بندرابن
16/ آذر	یکشنبہ	دہلی سے روانگی
21/ "	جمعہ	پرگنہ کیرانہ
5/ بہمن	جمعرات	اکبرپور سے روانگی

یہاں تک 34 دن سفر میں اور 17 دن قیام۔ کل ملا کر 70 دن۔

سنہ الٰہی	دن	مقام
5/ تا11/ بہمن	جمعرات یا چہار شنبہ	مسلسل سفر
3/ "	جمعرات	کلانور
28/	دوشنبہ	جہلم کے کنارے کروہی میں
1/4 سفندرموز	سنیچر	روہتاس
14/ "	سہ شنبہ	حسن ابدال

اکبر سے حسن ابدال 178 میل تھا اور جہانگیر نے اسے 69 دن میں طے کیا جس میں 48 سفر کے اور ۲۱ دن قیام کے تھے۔

سنہ الٰہی	دن	مقام
14/ تا 16/ اسفندرموز	...	حسن ابدال میں قیام
17/ "	جمعہ	سلطان پور
18/ "	سنیچر	نجی
19 "	یکشنبہ	نوشہرہ
20/ "	دوشنبہ	سلہر
21/ "	سہ شنبہ	مال گلی
24/ "	جمعہ	سوادنگر
27/ "	چہار شنبہ	تین سکھ کو پار کیا
30/ "	جمعرات	کشن گنگا میں قیام
2/ فروردین	سنیچر	بکر
3/ "	یکشنبہ	مسران
4/ "	دوشنبہ	بھول باس
6/ "	چہار شنبہ	ایوان
7/ "	جمعرات	وچاہا
8/ "	جمعہ	بل تار
9/ "	سنیچر	بارہ مولا میں جہلم کو پار کیا
10/ "	اتوار	شہاب الدین پور
11/ "	دوشنبہ	ڈل جھیل کے کنارے

حسن ابدال سے کشمیر کا 75 کوس کا فاصلہ تھا جو 19 دن سفر اور 6 دن قیام میں طے کیا کل 25 دن۔ آگرہ سے کشمیر تک 168 دن 376 کوس کا فاصلہ 102 دن سفر اور 63 دن قیام میں طے ہوئے۔ خشکی کے راستے معمولی راستہ 2/3041 کوس۔

جہانگیر کا واپسی کا سفر کشمیر سے آگرہ

کشمیر جانے اور آنے کے سفر کے متعلق دیکھو نقشہ ٹمپل کے جرنلس جلد دوم میں

سنہ الہٰی	دن	مقام
27/ مہر	دو شنبہ	سری نگر سے روانگی اور پام پور میں قیام
یکم آبان "	جمعہ	خان پور
2/ "	سنیچر	کلام پور
4/ "	دو شنبہ	پیر پنجل
5/ "	سہ شنبہ	پوشانہ
6/ "	چہار شنبہ	بہرام گولا
7/ "	جمعرات	تھانہ
8/ "	جمعہ	راجور
10 "	یکشنبہ	نوشہرہ(ا)
11/ "	دو شنبہ	چوکی ہٹی(ا)
12 "	سہ شنبہ	بھیم

شاید یہاں ایک غلطی ہو گئی ہے چوکی ہٹی موجودہ سرائے چنگیز کو شاید نوشہرہ سے پہلے آنا چاہئے جہانگیر کے سفر کا حال کے سیاحوں کے سفر سے مقابلہ کرو جیسا کہ ٹمپل نے اپنے جرنلس کے جلد دوم صفحات 1 و 2 میں دیا ہے۔

سنہ الہٰی	دن	مقام
16/ آبان	سنیچر	گیر جھک کی طرف روانگی
16/ تا 21/ "	سنیچر تا جمعرات	سفر
25/ "	دو شنبہ	متھیالا کے شکار گاہ میں شکار
5/ آذر	جمعرات	جہانگیر آباد
6/ "	جمعہ	خیم عشق باز کا باغ
9/ "	دو شنبہ 20/ نومبر 1920ء	لاہور میں داخلہ
9/ تا 20/ "		لاہور میں قیام
....	چار دن	جہانگیر کا قیام

سنہ الٰہی	دن	مقام
21/ آذر	اتوار	اگلا کیمپ لاہور سے روانہ
4/ دے		جہانگیر کی لاہور سے روانگی اور نوشہرہ میں قیام
6/		راجہ ٹوڈر مل کے تالاب کے کنارے
1/ تا 10		دریائے گوندوالی پر قیام
13/ دے		قیام
13/ تا 17/ "	..	نور سرائے
21/ "		قیام
21/ تا 23/ "		سرہند کے باہر
یکم بہمن	جمعرات	شہر مصطفےٰ آباد کے جوار میں
7/ "		اکبرپور
8/		پرگنہ کیرانہ
1/3/8		دہلی
21/ تا 22/ "		سلون گڑھ میں قیام
23/ "		شخشے تالاب کے کنارے
22/ تا 30	سنیچر	سلون گڑھ کے جوار میں شکار وغیرہ
یکم اسفندارمذ		سلون گڑھ سے روانگی
3/ تا 9/		بندرابن
10/ "		گوکل
11/ "		باغ نور افشاں
11/ تا 13/ "		باغ میں قیام
14/ "		آگرہ

لاہور سے آگرہ تک کا سفر 70 دن میں طے ہوا۔ (49) دن سفر اور 21 دن قیام (حصہ دوم صفحہ 197) میں دو ماہ اور دو دن کا سفر غلط لکھا ہے۔

پندرھواں باب

دوبارہ دکن میں

سلطان خسرو کی وفات

مغل فوجوں کی ناکامیاں

جیسے ہی دکن میں جہانگیر اور شاہجہاں کا پیچھا ہوا وہاں کی سرحد پر پہلے جیسے حالات پیدا ہو گئے۔ مغل فوجی افسران آپس کی کشمکش اور الزام تراشیوں میں لگ گئے۔ ملک عنبر نے بیجاپور اور گولکنڈہ سے اتحاد کر کے ایک جتھا بنالیا اور اپنے مرا ٹھا دستوں کو طلب کر کے پوری ساٹھ ہزار کی فوج جمع کر لی 1620ء میں اس معاہدہ کو ختم کر دیا جو بزور قوت اس پر عائد کیا گیا تھا اور جس سے اس کی قوت میں کوئی رخنہ نہیں پڑا تھا۔ اس نے طوفان کے سامنے گردن جھکادی تھی مگر اب پھر سر اٹھایا۔ اسے بہترین موقعہ بھی مل گیا اور وہ سیلاب کی طرح مغل فوجوں پر ٹوٹ پڑا۔ خنجر خاں کو قلعہ کے اندر بھگا کر محصور ہونے پر مجبور کر دیا گیا۔ دوسرے مغل سردار داراب خاں کی فوج سے ملنے کے لیے پیچھے ہٹے جن کا مراٹھا رسالہ نے سختی سے تعاقب کیا۔ تین آمنے سامنے کی لڑائیاں ہوئیں اور سب میں مغلوں کو فتح ہوئی مگر ایسے غنیم کے مقابلہ میں اس قسم کی فتوحات سے کام نہیں چل سکتا تھا۔ مغل چوکیوں پر یکے بعد دیگرے غنیم کا قبضہ ہوتا گیا یہاں تک کہ لڑائی کے شروع ہونے سے تین ماہ کے اندر احمد نگر اور برار کا بیشتر حصہ اپنے سابق قابضوں کے پاس چلا گیا۔ مغل فوجیں روہن گڈھ درہ سے ہو کر پسپا ہوئیں اور بالاپور میں جمع ہوئیں جہاں یہ پتہ چلا کہ ہر جائی دشمن سے وہ کسی جگہ محفوظ نہیں ہیں۔ بالاپور کا قرب وجوار پورے طور پر لوٹ کر تباہ کر دیا گیا۔ مغل فوجیں اور پیچھے ہٹیں اور اب دوبدو جنگ کی صورت پیدا کر کے دکنیوں کی ایک پہلے سے بڑی فوج کو شکست دے دی اور ان کے کیمپ کو تاراج کر دیا۔ لیکن جیسے ہی مغل فوج اپنے کیمپ کو روانہ ہوئی اور اس پر چاروں طرف سے حملہ ہو گیا اور کئی آدمیوں کی قربانی کے بعد وہ اپنے کیمپ تک پہنچ سکی۔ بالاپور کو اب محاصرہ کی ساری مصیبتوں کا سامنا تھا۔ خطرے اور سامان کی کمی سے بکثرت لوگ چھوڑ کر بھاگ گئے۔ غنیم کی روزانہ بڑھتی ہوئی قوت اور کسی طرف سے کمک نہ آنے پر مایوسی کی وجہ سے مغل فوجیں شمال کی طرف اور پیچھے ہٹ کر برہان پور کے قلعہ میں پہنچ گئیں۔ دکنیوں نے تعاقب کیا اور خود برہان پور کا محاصرہ کر لیا اور گردو پیش کا سارا علاقہ غنیم کے ہاتھ میں چلا گیا جس نے نربدا کو عبور کر کے خود مانڈو کے گرد کے علاقہ کو تاراج کر دیا۔ اگر رسد کی وافر مقدار پہلے سے جمع نہ کر لی گئی ہوتی تو مغل فوجیں فاقہ سے تنگ آکر ہتھیار

ڈالنے پر مجبور ہو گئی ہوتیں لیکن موجودہ صورت میں وہ چھ ماہ کے محاصرہ کو جھیل گئیں۔(1)

شاہجہاں کو دکن جانے کا حکم

خان خاناں نے کمک بھیجنے کی اشد ضرورت پر بار بار صدر مستقر سے استدعا کی تھی۔ اب جہانگیر نے شاہجہاں کو حکم دیا کہ وہ اپنی فوجیں لے کر دکن جائے لیکن اس کی فوج کے بہت سے آدمی کانگڑہ کے محاصرہ میں لگے تھے اور اس قلعہ کے فتح ہو جانے کے بعد بھی سیاسی صورت حال کے متعلق اسے جو اندیشے تھے ان کی وجہ سے وہ اپنی روانگی ملتوی کرتا رہا۔
معاملات نازک ہوتے جارہے تھے مگر شاہجہاں نے اپنی روانگی کے متعلق یہ شرط لگائی کہ اس کا بھائی خسرو اس کے حوالے کر دیا جائے۔ شاہجہاں کو اپنی قوت معلوم تھی۔ وہ سلطنت کا سب سے بڑا فوجی کماندار تھا اور دوسروں کے مقابلہ دکن کے حالات سے زیادہ واقفیت رکھتا تھا۔ اس کی شہرت اور وقار کی فوج میں جان اور دشمنوں پر رعب بٹھانے کے لیے ضرورت تھی۔ اسی کے ساتھ وہ خود اپنے خطرات سے بھی باخبر تھا۔ دارالسلطنت سے اس کی غیر حاضری پر اسے محروم کر دینے کا زرین موقع ہاتھ آجائے گا۔ وہ روانگی سے صاف انکار تو نہیں کر سکتا تھا اس لیے کہ اس کا مطلب بغاوت ہوتا۔ لیکن اس نے یہ تہیہ کر لیا کہ کم از کم اپنے ایک رقیب کو بطور یرغمال اپنے ساتھ لے جائے۔ پرانے امرا میں ابھی کچھ خسرو کے طرف دار تھے۔ عوام میں وہ بہت ہر دلعزیز تھا اور وہ شہریار کی طرح بے وقوف بھی نہ تھا۔ اگر جہانگیر کی نازک صحت نے جواب دیدیا تو یقیناً خسرو کے بادشاہ ہونے کا اعلان کر دیا جائے گا۔ مزید براں اس کا بھی امکان تھا کہ نور جہاں اس کے ساتھ عارضی طور پر اتحاد کر لے جس کی افواہیں گذشتہ چار سال سے اڑ رہی تھیں۔

خسرو ساتھ کر دیا گیا

جہانگیر کا اپنے بڑے لڑکے کو اس کے رقیب کے رحم و کرم پر چھوڑ دینا یقیناً بہت ہی ناگوار ہو لیکن نور جہاں کو یہ صورت حال ناپسند نہ ہوئی کہ اس کے دو رقیبوں میں سے ایک کا دوسرے کے ساتھ خاتمہ ہو جائے۔ اگر سر طامس رو کچھ دنوں اور دربار میں رہتا تو ہمیں پتہ چلتا کہ حرم شاہی میں کتنا واویلا اور سوگ برپا ہوا ہوگا اور عوام پر کتنا خوف طاری ہوا ہوگا۔
لاہور میں شاہجہاں جہانگیر سے رخصت ہوا۔ دونوں کو اس کے بعد پھر کبھی ملنا نصیب نہ ہوا۔

جنگی کارروائیوں کا آغاز

1620-21ء ایک ہزار احدی، ایک ہزار ترک بندوقچی، پانچ ہزار توڑے دار بندوقوں والے سپاہی، 650 منصبدار اور ان کے ہزاروں اہل عملہ اور توپخانہ اور ہاتھیوں کی کثیر تعداد کے ساتھ شہزادہ دکن کی طرف روانہ ہوا۔ اوجین میں اس نے پانچ ہزار رسالہ کا ایک دستہ الگ کر کے مدار المہام خواجہ ابو الحسن کی ماتحتی میں روانہ کیا کہ مانڈو کے قرب و جوار میں مراٹھوں کا استیصال کرے۔ اس فوج نے مانڈو کی

(1) جہانگیر (راجرس و بیورج) جلد دوم صفحات 155 تا 157، 188 تا 190 و 206۔ اقبال نامہ صفحہ 181۔ خافی خاں جلد اول صفحہ 314۔ انگلش فیکٹریز ان انڈیا 1618-21ء صفحات 207، 210، 211، 217، 287، 333۔ بحوالہ خصوصی جنگ کی وجہ سے تجارتی کاروبار میں خلل۔ گلیڈون صفحات 50 تا 52۔

قلعہ بند فوج کی مدد لے کر مرا ٹھوں کو مار بھگایا اور ان کا تعاقب کر کے سخت ہلاکت برپا کی اور انہیں نربدا کے پار بھگا کر شاہجہاں کے حکم کے بموجب دریا کے جنوبی کنارے پر ڈیرہ ڈال دیا۔ شہزادہ خود پوری فوج لے کر پہنچ گیا اور تیزی کے ساتھ برہانپور کی طرف بڑھا۔ دکنی خوف زدہ اور مرعوب ہو کر محاصرہ سے دست بردار ہو گئے۔ شاہجہان نے مبتلائے مصیبت قلعہ بند فوج اور خود اپنی تھکی ہوئی فوج کو نو دن آرام لینے کا موقع دیا اور پھر چالیس ہزار فوج لے کر روانہ ہو گیا۔

دکنیوں نے راہ فرار اختیار کی اور احمد نگر کے نئے دارالسلطنت کھڑکی تک ان کا تعاقب کیا نظام شاہی فرمانروا اور اس کے اہل خاندان مغل فوج کے ہاتھ آ گئے ہوتے مگر دور اندیش ملک عنبر نے بہ نظر احتیاط انہیں ایک ہی رات پہلے دولت آباد کے قلعہ میں روانہ کر دیا تھا۔ کھڑکی میں شاہی افواج نے تین دن قیام کیا اور شہر کو مع ان خوبصورت عمارتوں کے جو گذشتہ عمارتوں کے جو گذشتہ بیس سال میں تعمیر ہوئی تھیں توڑ پھوڑ کر رکھ دیا۔ یہاں سے شاہی فوج احمد نگر کی مخلصی کے لیے روانہ ہوئی۔ جہاں خنجر خاں رسد کی کمی کی وجہ سے مبتلائے مصیبت ہونے کے باوجود بڑی بہادری سے جما رہا تھا۔ یہ فوج ابھی پٹن تک پہنچی تھی کہ ملک عنبر نے جو دولت آباد میں خیمہ زن تھا اور قلعہ اس کی پشت پر تھا اور دلدل سامنے تھا۔ قبول اطاعت کی پیش کش کی۔ شاہجہاں سیاسی وجوہ سے لڑائی جلد سے جلد مناسب موقع پر ختم کر دینا چاہتا تھا۔ مزید برآں اس کی فوج نے برہان پور میں جو رسد کا سامان لیا تھا اس کا بیشتر حصہ صرف ہو چکا تھا اور علاقہ میں جو تباہ کاری کی گئی تھی اس کی وجہ سے فوج میں فاقہ کی نوبت آ چلی تھی۔ عین اس وقت یہ خبر آئی کہ دکنیوں نے خوف زدہ ہو کر احمد نگر کا محاصرہ اٹھا دیا ہے۔

صلح

چنانچہ شاہجہاں صلح کرنے پر اور غنیم کو تسجازم شرائط پر چھوڑ دینے کے لیے آمادہ ہو گیا۔ سارا شاہی علاقہ جو گذشتہ دو سال میں دکنیوں نے فتح کر لیا تھا اور چودہ کوس کا ملحقہ علاقہ مغلوں کے حوالہ کیا جائے اور پچاس لاکھ روپیہ بطور خراج دیا جائے۔ اٹھارہ لاکھ بیجاپور سے، بارہ لاکھ احمد نگر سے اور بیس لاکھ گولکنڈہ سے۔ ایک کمک کا دستہ اور کچھ رقم خنجر خاں کو بھیجی گئی اور بارش ختم ہونے پر شہزادہ نے برہانپور کی طرف کوچ کیا۔ (2)

جس شاندار طریقہ سے دکن کا معاملہ چھ مہینے سے کم کی مدت میں فیصل ہوا اس سے شاہجہاں کے اعزاز اور وقار میں بہت اضافہ ہو گیا لیکن جو صورت حال تھی اس کے لحاظ سے پائیدار صلح کی کوئی توقع نہیں ہو سکتی تھی۔ دکنی ایک مرتبہ پھر طوفان کے دباؤ سے جھک گئے تھے مگر ہمت نہیں ہارے تھے۔ مغلوں سے یہ توقع نہ تھی کہ وہ جارحانہ منصوبوں سے باز آ جائیں گے اور نہ دکنیوں سے یہ امید کی جا سکتی تھی کہ وہ بغیر شدید جدوجہد کے اپنی آزادی سے دست بردار ہو جائیں گے۔ مرا ٹھوں کے عروج نے ایک نیا عنصر پیدا کر دیا گیا تھا اور کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ اس پیچیدہ صورتحال پر اس کا کیا اثر ہو گا۔

---

(2) جہانگیر (راجرس و بیورج) جلد دوم صفحات 190، 191، 206، 208ء۔ اقبال نامہ 182 تا 184 خافی خاں جلد اول صفحہ 314۔ مآثر جہاں گیری (مخطوطہ خدا بخش) صفحہ 150 (ب) و مابعد گلیڈون صفحات 53، 54۔

بادشاہ کو فتح کی خبر ملی 1621ء

لیکن اس وقت فاتح کے کیمپ اور سارے ملک میں خوشیاں منائی گئیں۔ شاہجہاں کا دیوان افضل خاں جو اپنے آقا کی فتوحات کی خبر بادشاہ کے پاس لے گیا اسے انعام میں ایک خلعت ملی اور ایک ہاتھی، ایک مرصع قلمدان دیا گیا، خنجر خاں کو چار ہزار ذات اور ایک ہزار سوار کا منصب دیا گیا۔ دوسرے بتیس افسروں کو خلعت اور اعزاز سے سرفراز کیا گیا۔ خواجہ ابو الحسن چند مہینوں میں دیوان اعلیٰ کر دیا گیا۔ خود شاہجہاں کو ایک قیمتی یاقوت کی کلغی دی گئی جو شاہ ایران کی دی ہوئی تھی اور ایک شاندار گھوڑا رومِ رتن نامی جو شاہ ایران کو ترکی کے مال غنیمت میں ملا تھا۔ (3)

اگلے چند مہینے شہزادہ نے دکن میں صرف کیے اور ملک جو حال ہی میں دشمن کے ہاتھوں بری طرح تباہ ہوا تھا اسے پھر سے آباد کرنے اور خود اپنی قوت مستحکم کرنے میں لگا رہا۔

یہیں پر اس نے اگست 1621ء میں جہانگیر کی اندیشہ ناک بیماری کی خبر سنی۔ تھوڑے ہی دن بعد اس نے برہان پور میں اپنے بڑے بھائی خسرو سے نجات حاصل کی اور اس کی موت کو کچھ دنوں پوشیدہ رکھا اور پھر یہ اعلان کیا کہ اس کا انتقال دردِ گردہ کی بیماری میں ہوا۔ (4)

---

(3) جہانگیر (راجرس و بیورج) جلد دوم صفحات 205 تا 211 و 228 اس کلغی کی تفصیل کے لیے دیکھو جہانگیر (راجرس و بیورج) جلد دوم صفحات 195 و 196۔ اقبال نامہ صفحہ 178۔

(4) جہانگیر (راجرس و بیورج) جلد دوم صفحہ 228 میں صرف اس قدر ہے کہ اسی زمانہ میں (یعنی 4/ اور 19/ اسفندر موز کے درمیان خرم نے یہ اطلاع دی کہ "اسی ماہ کی بیس تاریخ کو (نہ کہ 8/ تاریخ کو جیسا کہ توزک کے مطبوعہ متن میں ہے) خسرو کا درد گردہ کی بیماری میں انتقال ہو گیا۔" اقبال نامہ 191 میں بالکل یہی لکھا ہے کہ دونوں میں سے کسی نے اس واقعہ کے مہینہ کا تعین نہیں کیا ہے۔ بیورج (راجرس و بیورج جلد دوم صفحہ 228) نے یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ مہینہ بہمن کا تھا یعنی اسفندر موز سے پہلے۔ بہمن 22-16220ء (جیسا کہ بیورج نے حساب لگایا ہے۔ 29 جنوری 1622ء کے مطابق ہے۔ برہانپور کا خط مورخہ 5/ فروری جو ایسٹ انڈیا کمپنی کے کاغذات میں محفوظ ہے اور جس کا بیورج نے ایڈورڈ فاسٹر کی سند سے (جرنل آف رائل ایشیاٹک سوسائٹی 1907ء صفحہ 602) حوالہ دیا ہے اس میں خسرو کی موت کو حال کا واقعہ بتایا گیا لیکن یہ اس نقطہ نظر سے متضاد نہیں کہ واقعہ دو یا تین ماہ پیشتر کا ہے۔

مسٹر بیورج کی اس دلیل سے (جرنل رائل ایشیاٹک سوسائٹی 1907ء صفحہ 599) کہ اس بات کا کوئی مستند ثبوت نہیں ہے کہ خسرو کو زہر دیا گیا یا گلا گھونٹ دیا گیا مجھے اتفاق نہیں ہے۔ اس معاملہ میں جہانگیر یا معتمد خاں سے کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوتا۔ جہانگیر تو کسی ایسے فعل کا شاید ہی ذکر کرتا جس کی ضروری ذمہ داری بالآخر اسی کی قرار پائی اور معتمد خاں شاہجہاں کا درباری تھا۔ خافی خاناں جس کی ان ذرائع معلومات تک رسائی تھی جو اب گم ہو گئے ہیں اس کا بیان ہے کہ شاہجہاں نے خسرو کو قتل کر دیا۔ یہ یقین کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے کہ اسے شاہجہاں سے تعصب تھا اور اس کے خلاف ہر قسم کی افواہ پر یقین کرنے پر آمادہ تھا۔

مآثر قطب شاہی (جس کا حوالہ بیل نے اپنی اور ملیل ہائیگر المیکل ڈکشنری کے صفحہ 220 پر دیا ہے) اس میں بھی یہی ہے کہ اس ایک شخص مسمی رضا نے شاہجہاں کے حکم سے خسرو کا گلا گھونٹ دیا۔

معاصر رائے عامہ کا بالاتفاق یہی یقین تھا کہ شاہجہاں خسرو کے قتل کا مجرم تھا۔ چنانچہ ڈی لائٹ کا بیان (جس کا خلاصہ وی اے اسمتھ کی آکسفورڈ ہسٹری آف انڈیا صفحہ 358 میں ہے) یہ ہے کہ اس وقت شاہجہان نے جو برہانپور میں آرام لینے کے لئے ٹھہرا ہوا تھا بلا کسی بدنامی کے اپنے بھائی کو ختم کرنے کی کوشش کی۔ خان خاناں اور دیگر امرا کی چشم پوشی سے وہ شکار پر چلا گیا تاکہ موقعہ واردات سے دور رہے۔ غلام مسمی رضا جو اس کام پر مقرر کیا گیا تھا اس نے رات کی ایک نا وقت گھڑی میں شہزادہ کا دروازہ کھٹکھٹایا اور یہ بہانہ کیا کہ اس کی آزادی کے لیے بادشاہ کا تحریری حکم اور خلعت لایا ہے۔ جب شہزادہ نے دروازہ کھولنے سے انکار کیا تو زبردستی کھولا گیا اور شہزادہ کا گلا گھونٹ دیا گیا اور لاش جہاں پڑی تھی وہیں چھوڑ کر دروازہ بند کر دیا گیا۔ اس کی وفادار اور بے حد محبت کرنے والی بیوی نے صبح کو جب اسے دیکھا اور شور سے واویلا مچایا۔ شاہجہاں نے اپنے دربانوں کی دستخطی تحریر سے

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر...)

اس طرح ایک اپنے عہد کی سب سے زیادہ قابل رحم ہستی کا خاتمہ ہو گیا۔ عوام کے خیالات انسانیت اور شہزادگی کی تمام خوبیاں اس سے منسوب کرتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ وہ صرف ایک بیوی پر قانع

(باقی حاشیہ....4) غلط اطلاع بھیجی مگر نور الدین قلی نے بادشاہ کو صحیح واقعہ بتایا اور جہانگیر بظاہر بہت رنجیدہ ہوا۔

ایک انگریز کمپنی کے ملازم نکولاس بنگھم کا خط برہانپور سے جو اس نے 5/ فروری 1622ء کو سورت کے کارخانہ کو لکھا اس میں ایسے ایک ہنگامہ کا ذکر ہے کہ جو یکایک خسرو کی موت پر رونما ہوئے جس کے بارے میں طرح طرح کی افواہیں ہیں خرم اس وقت کئی کوس کے فاصلہ پر شکار میں گیا ہوا تھا۔ (انگلش فیکٹریز انڈیا 23-1622ء صفحہ 30)

ایک اور خط مورخہ 23/ فروری 1622ء میں اس افواہ کی اطلاع ہے کہ بادشاہ نے اسے اور حکیم علیم الدین اور بکرما جیت کو اپنے لڑکے خسرو کی موت کے سلسلہ میں طلب کیا تھا یعنی غیر یقینی افواہیں پھیلی ہیں اس شہزادے کو لوگوں کے خیالات کا خوف نہیں ہے۔ (ایضا صفحہ 41)

ایک خط رابرٹ ہلس اور جان ہارکر کا سورت کے کارخانہ کے نام مورخہ 23/ فروری 1622ء میں صاف صاف لکھا ہے کہ حال میں سلطان خسرو کے قتل کا ذکر ہے جس سے وہاں اور نیز یہاں آگرہ میں کچھ غوغا ہے (ایضا صفحہ 44)

ولیم میتھولڈ، میتھو ڈیوک، فرانسس فلٹر نے مچھلی پٹم سے 10/ مارچ 1622ء کے سورت کے کارخانہ کے نام خط میں لکھا ہے کہ "یہاں تازہ ترین خبر یہ ہے کہ سلطان خرم نے اپنے (سب سے بڑے بھائی کو قتل کر دیا لیکن ہمیں یہ علم نہیں کہ کس طرح قتل کیا (ایضا صفحہ 59)

طامس رسٹل کاکر جیمس اور جوزف ہاپکنس نے سورت سے اپنے صدر اور کونسل کو 17/ مارچ 1622ء کو اپنے خط کے آخر میں یہ لکھا:

ان تمام غیر متوقع اسباب میں اس مشتبہ واقعہ اور بغاوت کا ذکر بھی کیا جا سکتا ہے جو ملک میں بادشاہ کے سب سے بڑے لڑکے کی موت سے ملک میں پھوٹ پڑے جو بادشاہ کی دور دراز سفر میں غیر موجودگی کے زمانہ میں واقع ہوا کہ برہانپور میں خرم نے اپنے بھائی کا گلا گھونٹ دیا۔ (ایضا صفحہ 65)

مچھلی پٹم کے فلٹر نے اپنے 30/ جون 1622ء کے خط میں صدق دلانہ غیض کے ساتھ خسرو کی غیر فطری برادر کشی کا حوالہ دیا ہے۔ (ایضا صفحہ 98)

نکولاس بنگھم نے احمد آباد سے سورت کے کارخانہ کو 30/ جون 1633ء کے خط میں پورے یقین کے ساتھ بادشاہ کے سب سے بڑے لڑکے کے قتل کا حوالہ دیا ہے جس نے بادشاہ کے مزاج کو بہت بدمزہ کیا۔ (ایضا صفحات 244، 245)۔

پی ڈیلاویل نے 1623ء میں بظاہر عام افواہ کی سند پر لکھا ہے

جب اس نے (خرم) نے خسرو کو اپنے قبضہ میں حاصل کر لیا تو وہ اپنی حکومت پر گیا اور وہاں اسے عزت کے ساتھ سال دو سال رکھا لیکن بعد کو جیسا اس کا ارادہ تھا کہ سلطنت کی جانشینی کے سلسلہ میں اسے راستہ سے ہٹا دے تو اس نے اپنی غیر موجودگی میں (جیسا کہ بعض لوگ کہتے ہیں) اسے زہر ملا کر گوشت بھیجا اور اپنے بعض ماتحت افسروں کو مقرر کیا کہ جس طرح ممکن ہو سکے مناسب یا غیر مناسب طریقہ سے اسے یہ گوشت کھلا دیں۔ ان افسران نے حکم کی تعمیل کی لیکن ان کے اس گوشت کھلانے کے اصرار پر سلطان خسرو کو شبہ ہوا اور اس نے گوشت کھانے سے قطعی انکار کر دیا اور صاف صاف کہا کہ اسے زہر دیا جا رہا ہے اور جیسا کہ شاید ان افسروں کو حکم دیا گیا تھا وہ اس پر چڑھ بیٹھے۔ خسرو نے بڑی بہادری سے مدافعت کی لیکن اسے زمین پر گرا کر ایک کمان کی تانت سے اس کا گلا گھونٹ دیا گیا۔ دوسرے لوگوں کا بیان ہے کہ سلطان خرم نے علانیہ اسے خود اپنے ہاتھ سے قتل کر دیا۔ بہر حال جو صورت ہو سلطان خسرو کا انتقال اپنی موت سے نہیں ہوا بلکہ زبردستی جان لی گئی اور سلطان خرم براہ راست یا بالواسطہ اس کا قاتل ہے۔ (ڈیلاویل جلد اول صفحہ 58) پیٹر منڈی نے (سفر نامہ جلد دوم صفحات 104، 105 1632ء) میں یہ تحریر کیا:

"برہان پور میں اسے ایک کمرہ دیا گیا اور ایک حبشی، ایک دربان اور ایک نوکرانی اس کی خدمت اور کپڑے پہنانے اور کھانا کھلانے پر مقرر کی گئی۔ بالآخر اپنے بھائی سلطان خرم کے حکم سے اسے ختم کر دیا گیا۔ سلطان خرم کے آلہ کار رضا بہادر وغیرہ اس کے کمرے پر گئے اور پہلے دربان کو قتل کیا جس نے انہیں اندر جانے سے روکا تھا اور پھر زبردستی اندر گھس کر اس پر حملہ کر دیا جبکہ وہ قرآن مجید کی تلاوت کر رہا تھا۔ خسرو نے حملہ آوروں میں سے ایک کا آفتابہ مار کر خاتمہ کر دیا۔ مگر دوسرے اس پر چڑھ دوڑے اور اسے بے قابو کر کے بڑی بے رحمی سے ایک رسی سے گلا گھونٹ دیا اور اس طرح جہانگیر کے سب سے بڑے لڑکے کا (بقیہ خاتمہ ہو گیا۔ اس نے اپنی بیوی کے علاوہ کسی اور عورت کی طرف نہیں دیکھا تھا اور اس بیوی سے ایک لڑکا تھا جس کا نام بلاقی تھا۔

باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر۔

رہااور بیوی بھی تمام نسوانی کمالات اور جذبہ ایثار کی دیوی تھی۔ (5)

عام طور پر خیال تھا کہ جہانگیر خلوص کے ساتھ خسرو سے محبت کرتا تھااور اس کے گوشۂ دل میں یہ خواہش تھی کہ اسے سلطنت کا جانشین نامزد کردے۔ یہ امید تھی اور اسی کی پیشگوئی کی جاتی تھی کہ اس کا عہد حکومت، امن وامان اور خوشحالی کا زرین دور ہوگا اس لیے اس کی موت پر نہ صرف رنج و غم اور ہمدردی ظاہر کی گئی بلکہ ساری سلطنت لرزہ براندام ہو گئی اور اس وقت ساری نگاہیں بادشاہ پر لگی ہوئی تھیں کہ وہ قاتلوں کو سزا دے۔ لیکن جہانگیر نے بظاہر خسرو کی موت کے متعلق کہ وہ درد گردہ کی بیماری میں

(حاشیہ.....4) اپنی زندگی میں بہت ہر دلعزیز تھااور مرنے پر اس کا بڑا غم منایا گیا۔

بیری (صفحہ 412 پر) صاف صاف لکھتا ہے کہ خرم نے اس بہادر شہزادہ کو جو اس کا بھائی تھا گلا گھونٹ دیا۔ پلسارٹ (ترجمہ صفحہ 18) 1627ء میں لکھتا ہے کہ "سلطان خسرو کو اس کے بھائی سلطان خرم نے 1621ء میں قتل کر دیا۔

ہربرٹ نے شاید ڈی لائٹ کی سند پر لکھا ہے اور اس کا بیان ہے کہ "شاہجہاں کی عدم موجودگی سازش کا ایک فرد تھی جس کے مطابق خان خاناں نے "رضا بہادر اجیہ باندور" کو تعینات کیا کہ رات کے وقت اس کا گلا گھونٹ دے۔ (چند سال کے سفر تا 1638ء صفحہ 80)

آثر قطب شاہی جس کی نقل نے اپنی اور نمیل بیاگر ینفکل ڈکشنری میں (صفحہ 420 پر) نقل کی ہے۔ اس بیان کی تائید کی ہے۔

معاصر جرمن سیاح وان پوزر نے بھی صاف الفاظ میں خرم کی برادر کشی کا ذکر کیا ہے۔ (جس کا اردون نے جرنل آف رائل ایشیاٹک سوسائٹی 1911ء کے صفحہ 949 پر حوالہ دیا ہے)

آخر میں لیکن کافی اہم راجپوت تاریخیں ہیں جن میں خرم کو خسرو کے قتل کا مجرم قرار دیا گیا ہے پھلوڈی کھیات کا بیان ہے: "اسی سال سمبت 1678ء کے پھاگن کے اندھیرے پاکھ میں رات کے وقت برہان پور میں شہزادہ خرم) شہزادہ خسرو کو جو قید میں تھا قتل کر دیا۔ اس واقعہ کی بادشاہ کو اطلاع دی گئی تو وہ ناراض ہوا۔"

ایل پی ٹیسی لوزی کے ترجموں میں "بارڈک اینڈ ہسٹاریکل۔ سروے آف راجپوتانہ" کے مضمون جرنل آف رائل ایشیاٹک سوسائٹی نیو سیریز جلد 15، 1919ء نمبر 1 صفحہ 59 میں لکھا ہے:

"یہ بات واضح ہے کہ شاہجہاں نے خسرو کے قتل کی کامیاب سازش کی اگرچہ اس میں خود اپنی شرکت کو چھپانے کے لیے وہ اس دن برہان پور سے دور شکار پر چلا گیا اور ظاہر یہ کیا کہ شہزادہ کا انتقال درد گردہ کی بیماری میں ہوا مگر بہر نوع جہانگیر کو اس واقعہ کی صحیح تفصیل معلوم ہو گئی اور وہ کچھ دیر کے لیے بہت غمگین ہوا اور عوام الناس کو اصل صورت واقعہ کے متعلق کبھی کوئی مغالطہ نہیں ہوا۔"

اورنگ زیب نے شاہجہاں کے قید کے زمانہ میں اسے اپنے ایک خط میں واضح طور پر خسرو اور پرویز کے قتل کی یاد دلائی۔ سرکار کی ہسٹری آف اورنگ زیب جلد سوم صفحہ 55) الفنسٹن کی یہ رائے "اگرچہ ہمیں آسانی سے یقین نہیں آتا کہ جو زندگی کسی اور جرم سے داغدار نہ ہوئی ہو وہ اتنے سنگین جرم سے داغدار ہو" شاہجہاں کی صفائی میں کوئی معقول دلیل نہیں ہے اپنے والد کے انتقال پر اپنی باضابطہ تخت نشینی پر اس نے یمین الدولہ آصف خاں کو ایک فرمان بھیجا کہ مناسب ہو گا کہ داور بخش خسرو کا لڑکا اور اس کا ناشدنی بھائی شہریار اور شہزادہ دانیال کے لڑکے یہ سب اس دنیا سے ختم کر دیے جائیں۔ اقبال نامہ 300 (الیٹ وڈاؤسن جلد ششم صفحہ 438) نیز بادشاہ نامہ جلد اول صفحہ 330 یا شاہجہاں کے عہد کی کوئی اور تاریخ جو شخص اپنے پورے اقتدار کی حفاظت میں داور بخش جیسے لڑکے کو اپنے لیے اتنا خطرناک سمجھے وہ تذبذب کی حالت میں اس شخص کے لیے جو واقعی خطرناک تھا رحم و کرم کے جذبات کیسے رکھ سکتا تھا؟

(5) ڈیلا ویل (جلد اول صفحات 56، 57) نورجہاں کی اپنی لڑکی کی شادی خسرو سے کرنے کی پیش کش کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے "... جس زمانہ میں وہ قید میں تھا اور بار بار پیام بھیج کر اس سے کہا گیا کہ اگر وہ نور محل کی لڑکی سے شادی کرے تو وہ فوراً رہا ہو جائے لیکن وہ اس پر راضی نہ ہوا حتی کہ اس کی بیوی بھی جو اس سے محبت کرتی تھی اور وہ خود بھی اس سے محبت کرتا تھا اور اس نے جیل خانہ میں خدمت گار کی حیثیت سے اس کے ساتھ رہنے کی اجازت حاصل کر لی تھی اور جب تک وہ قید رہا اس کے ساتھ رہی۔ اس نے بھی مسلسل اصرار کیا کہ نور محل کی لڑکی سے شادی کر لے تو تمام مصیبتوں سے نجات مل جائے اور وہ خود محض خادمہ کی حیثیت سے رہنے پر قانع ہو جائے گی بشرطیکہ وہ اسے آزاد اور خوش حال دیکھ لے مگر خسرو کبھی راضی نہ ہوا۔

ہوئی۔ شاہجہاں کے بیان پر یقین کر لیا اور کسی قسم کی سرکاری کارروائی نہیں کی۔ لیکن اس میں شک نہیں کہ وہ اس واقعہ سے سخت برافروختہ تھا اور نور جہاں کو اس زریں موقع سے فائدہ اٹھانے کا خاص موقع حاصل ہو گیا۔ اس نقطہ نظر سے یہ خونین کارنامہ صرف محض ایک جرم تھا بلکہ ایک شدید غلطی جس کے کلنک کا ٹیکہ مدت العمر شاہجہاں کی پیشانی پر رہا۔

خسرو کا مقبرہ

خسرو کی لاش جلدی سے برہان پور میں دفن کر دی گئی لیکن چند ماہ بعد مئی 1622ء میں جہانگیر کے حکم سے وہ وہاں سے نکال کر (6) آگرہ لائی گئی جہاں وہ 20 جون / 1622 کو پہنچی (7) اور وہاں سے اسے الہ آباد پہنچایا گیا۔ (8) جہاں وہ خلد آباد میں اپنی ماں کے مقبرہ میں دفن کیا گیا۔ راستہ بھر جہاں جہاں جنازہ ٹھہرا وہاں یادگار کے طور پر قبر کے نمونے اور مکان بنا دیے گئے اور 1627ء میں پلسارٹ نے لکھا کہ "کئی فقیروں نے ان جگہوں کو اپنا تیرہ بنالیا اور عام لوگوں کو یقین دلایا کہ انہیں خواب میں اللہ تعالیٰ کی زیارت ہوئی جس نے انہیں حکم دیا کہ جو لوگ ان سے مشورہ کرنے آئیں انہیں چند نصیحتیں کریں اور اس ترکیب سے وہ بہت روپیہ کما لیتے تھے۔" (9)

خسرو باغ

خسرو باغ جو شہزادہ کے دفن کے مقام کا نام ہے۔ آج بھی خلد آباد میں موجود ہے اور ایسٹ انڈین ریلوے اسٹیشن سے ذرا فاصلہ پر شہر سے تقریباً ایک میل پر واقع ہے۔ اس کے وسیع باغ کو دو دیوار سے گھیر دیا گیا ہے جسے جہانگیر نے قلعہ الہ آباد کے بچے ہوئے مال مسالہ سے تعمیر کرایا تھا۔ (10)

سرائے

اس کے پاس ہی ایک سرائے جس میں اب مچھلی بازار ہے جسے 1825ء میں اس کی شکستہ حالت میں بھی دیکھ کر بشپ ہیبر نے لکھا "یہ ایک شاندار چوکور احاطہ ہے جس میں چار خوبصورت نوکدار محراب کے پھاٹک ہیں جس کے چاروں طرف شہر پناہ کے طرز کی دیوار ہے جس میں مسافروں کے قیام کے لیے

---

(6) نکولاس بنگھم اور جسٹی مین آفلے برہان پور سے 9/ مئی 1622ء کو سورت کے کارخانہ کو لکھا: "سلطان خسرو کو قبر سے نکال کر دہلی لے جایا گیا جیسا کہ بادشاہ کا حکم تھا (انگلش فیکٹریز ان انڈیا 23-1622ء صفحہ 79) آگرہ کی بجائے دہلی کا نام غلط ہے۔ بینیر منڈی نے بھی جلد دوم صفحہ 105 میں لکھا ہے کہ خسرو کی لاش پر برہان پور سے آگرہ لے جائی گئی۔

(7) اسی تاریخ کو آگرہ کے فیکٹریز رابرٹ ہیلس نے سورت فیکٹری کو لکھا "آج یہاں خسرو کا لاہوت (جنازہ) برہان پور سے آیا اور کل ایک انچ (الہ آباد) روانہ کیا جائے گا جہاں وہ ماں کی قبر کے پاس دفن کیا جائے گا۔ (انگلش فیکٹریز۔ 23-1622ء صفحہ 94)

(8) منڈی نے (جلد دوم 105، 106) ایک عامیانہ روایت نقل کی ہے کہ خسرو کو دراصل آگرہ میں دفن کیا گیا جہاں عام لوگ بطور ولی اس کا احترام کرتے تھے۔ نور جہاں جو اس کی زندگی میں ہمیشہ اس سے نفرت کرتی تھی مرنے کے بعد اس اعزاز کو گوارا نہ کر سکی اور بادشاہ سے اس لواسے اصرار کیا کہ وہ اس پر راضی ہو گیا کہ اسے وہاں سے ہٹا کر مردیا بادیا کزور آباد (جو دراصل الہ آباد ہے) لے جایا جائے۔

(9) پلسارٹ ترجمہ صفحہ 18۔ نیز بینیر منڈی جلد دوم صفحہ 106۔

(10) بیل کی مفتاح التواریخ منقولہ بیورتج، جرنل آف رائل ایشیاٹک سوسائٹی 1907ء صفحہ 608 نمبر 2۔

قطار در قطار حجرے ہیں"۔

باغ

یہی معتبر راوی لکھتا ہے "سرائے کے متصل ایک بے حرمت باغ ہے جس میں خوشنما آم کے درخت لگے ہیں اور اس میں تین مقبرے ہیں جو دو شہزادوں کے اور ایک شہزادی؟ کی قبر پر بنے ہیں۔ ہر ایک میں بڑے بڑے چبوترے ہیں جن کے نیچے محراب دار کمرے ہیں درمیانی مقبرہ جس کے اندر قبر پتھر کے تابوت کی طرح ہے بہت منقش ہے اس کے اوپر ایک بہت بلند مرکزی کمرہ ہے جس کے اوپر گنبد ہے۔ جس کے اندر بڑی خوبصورت نقاشی ہے اور باہر کی طرف تراش کے نقش ہیں جو نہایت خوبصورت ہیں۔ یہ سب نہایت سبک اور جاذب نظر ہیں مگر مزین یا شوخ نہیں ہیں اور انگلستان میں جو عام خیال ہے کہ مشرق کی ساری عمارتیں بدذوقی اور بربریت کا نمونہ ہیں اس کی تردید کرتی ہیں۔ (11)

باؤلی

باغ کے پاس ہی ایک خوبصورت باؤلی ہے جس میں اوپر سے ۱۲۰ زینے ہیں، اور خوبصورت حجرے اور محرابیں ہیں اور گرمی کے موسم کے لیے ہوادار کمرے نیچے اوپر تک اس طرح بنے ہیں کہ ایک بچہ بھی تیزی سے نیچے اتر کر پانی پی سکتا ہے۔ پیٹر منڈی لکھتا ہے کہ جہاں پانی ہے اس کے بالکل اوپر کنویں کا دہانہ ہے جہاں سے پانی ڈول میں یا رہٹ وغیرہ سے نکالا جاتا ہے۔ (12)

شاہ بیگم کی قبر

شاہ بیگم کی قبر باغ کے مغربی سمت میں ہے۔

سلطان النساء کی قبر

باغ کے وسط کی عمارت میں خوبصورت پھاٹک کے مقابل خسرو کی بہن سلطان النساء کی قبر ہے جسے اس نے 1625ء میں اپنی زندگی میں بنوانا شروع کیا تھا لیکن 1632ء میں جب اسے پیٹر منڈی نے دیکھا وہ مکمل نہیں ہوئی تھی۔ (13)

خالی قبر

شہزادی کا قبر کی تیاری سے پہلے ہی انتقال ہو گیا اس لیے وہ کہیں اور دفن کر دی گئی اور یہ قبر

---

(11) بشپ کا جرنل جلد اول صفحہ 443۔

(12) منڈی جلد دوم صفحہ 101 مرے کی ہنڈ بک فار بنگال صفحہ 364۔

(13) بشپ منڈی (جلد دوم صفحہ 101 میں) وہ لکھتا ہے کہ قبر نئی بنی ہے جو صحیح نہیں ہے اس لیے کہ فقرہ تاریخ الروضہ پاک' سے 1034ھ 1625ء کی تاریخ نکلتی ہے۔

خالی ہے۔(14)

خسرو کی قبر

مشرق کی طرف جہاں آج کل میونسپلٹی واٹر ورکس اور پانی صاف کرنے کے حوض ہیں۔ اس کے قریب اصل عمارت ہے جو باغ میں سب سے زیادہ شاندار ہے۔ اس میں خسرو کی قبر ہے۔ 1632ء میں جب منڈی نے اسے دیکھا اس وقت اس کے اوپر ایک لکڑی کا کٹہرہ تھا جس پر سیپ کا کام بنا ہوا تھا اور ایک مخمل کے شامیانہ کی چھتری تھی جس پر اس کی دستار رکھی تھی اور اس میں وہ مصحف (یعنی قرآن) رکھا تھا جو اس سیاح کے نزدیک وہ قتل ہوتے وقت پڑھ رہا تھا۔(15)

کتبہ

لیکن اب بجز ایک سادی سی لمبی قبر کے کچھ نہیں ہے۔ البتہ ایک فارسی میں درد آمیز کتبہ پڑھا جا سکتا ہے۔ جس سے 1031ھ 1622ء کی تاریخیں نکلتی ہے۔(16)

نور جہاں کی چال

خسرو تو ہمیشہ کے لیے آرام کی نیند سو گیا لیکن جس سلطنت پر حکومت کرنے کی اس نے امید کی تھی وہ ہمیشہ سے زیادہ گروہ بندی اور سازشوں کا مرکز ہو رہی تھی۔ نور جہاں نے ان تھک سرگرمی کے ساتھ شاہجہاں کو بالکل تباہ کرنے کی کوشش کی اور اسے موقعہ بھی جلد ہی مل گیا۔ قندھار کو ایرانیوں نے محاصرہ کر کے فتح کر لیا تھا۔ اگر شاہجہاں کو اس طرف کوچ کرنے کا حکم دے دیا جائے اور وہ تعمیل کرے تو وہ اپنے اقتدار کے مرکز سے دور ہو جائے گا اور ایک ایسی مہم میں لگ جائے گا جو تقریباً مایوس کن ہے اور جس میں طویل مدت صرف ہو گی اور اس کا وقار اور شہرت برباد ہو جائے گی اور اگر اس نے حکم عدولی کی تو گستاخی اور باغی قرار پائے گا اور بغاوت کرنے پر ہمیشہ کچل دیا جائے گا۔

---

(14) بیل کی مفتاح التواریخ صفحہ 355۔ اس عمارت کی دیواروں پر عام مسلم عمارتوں کی طرح بہت سے کتبے ہیں جن میں سے بعض وقت کی تباہ کاریوں سے مٹ گئے ہیں۔ بیورج نے (جرنل آف ایشیاٹک سوسائٹی 1907ء صفحہ 619) ان کتبوں کو پڑھا ہے مگر بہت سی غلطیاں کی ہیں جن کی آر پی ڈیوہرسٹ نے (جرنل رائل آف ایشیاٹک سوسائٹی جولائی 1919ء صفحات 746 تا 749) میں تصحیح کی ہے۔

(15) پیٹر منڈی جلد دوم صفحہ 100۔

(16) دیکھو بیورج جرنل آف رائل ایشیاٹک سوسائٹی 1907ء صفحات 605، 606 ڈیوہرسٹ جرنل آف رائل ایشیاٹک سوسائٹی 1909ء صفحات 46 تا 49 علاوہ ان میں مقبروں کے جن کا یہاں ذکر ہے۔ باغ میں ایک چوتھی عمارت بھی ہے جسے تنبولن کا مقبرہ کہتے ہیں اور جو انیسویں صدی میں بہت دنوں تک رہائشی مکان کے طور پر استعمال ہوتا رہا۔ لیکن لارڈ کرزن کے حکم سے اسے بحال کیا گیا۔

سولھواں باب

قندہار۔ شاہجہاں کی بغاوت

ایرانی سفارت

ایرانی اگرچہ 1606ء میں ناکام رہے تھے مگر قندہار کے متعلق وہ اپنے منصوبوں سے دست بردار نہیں ہوئے تھے لیکن یہ قلعہ اس قدر مستحکم قلعہ بند فوج سے آراستہ اور سامان رسد سے کافی بھرا ہوا تھا کہ مدتوں اس پر حملہ کرنے کا کوئی سوال نہ تھا۔ شاہ عباس نے مغل کماندار کو رشوت دینے کی کوشش کی مگر اس نے اپنے پیش رو ایرانی کی طرح جال میں پھنسنے سے انکار کر دیا۔ (1) اب شاہ عباس نے اپنی سفارتی چالوں کا جال اور وسیع کیا اور خود جہانگیر کے اندیشوں کو دور کرنے کی کوشش کی۔ شروع 1611ء میں ایک سفیر یادگار قلی کو روانہ کیا جو اپریل میں مغل دربار پہنچا اور کئی جاندار اور بے جان تحفے پیش کیے اور اپنے آقا کا ایک خط پیش کیا جس میں اکبر کی وفات پر دل سوز ماتم کیا گیا تھا اور جہانگیر کی تخت نشینی پر مبارکباد دی گئی تھی۔ یہ خط پر شکوہ الفاظ اور لچھے دار تعریفی جملوں سے بھرا ہوا تھا جسے اس زمانہ میں آداب شاہی کہا جاتا تھا۔ (2)

دوسری ایرانی سفارت

یادگیر کا استقبال بہت شاندار ہوا اور وہ دو سال تک دربار میں حاضر رہا۔ 1613ء میں جب با

(1) مآثر الامرا (بیورتج) جلد اول صفحات 582 و 583۔ مرزا غازی کا انتقال 1609ء میں ہوا۔ وہ علوم کا بڑا زبردست سرپرست تھا مگر ضرورت سے زیادہ عیاش تھا۔

(2) اس خط کا پورا مضمون فارسی تاریخوں نے دیا ہے جہانگیر (راجرس و بیورتج) جلد اول صفحات 193 تا 196۔ اقبال نامہ صفحات 48 تا 53 خافی خاں جلد اول صفحہ 263 دیکھو گلیڈون صفحہ 22۔ اس خط کا ایک جملہ (دوسرا) راجرس کے انگریزی ترجمہ کے مطابق ذیل میں دینا مناسب ہوگا۔

"بادشاہی اور حکمرانی کے پھولوں کا بستر نشیں اور آسمانی وقار کی اعلیٰ مسرت اور شان و شکوہ کا سبزہ زار لائق احترام سورج کی روشنی والے بادشاہ جس کا طالع جو دن ہے اور جس کی سلطنت زحل کی مثال ہے، شہرہ آفاق رئیس افلاک پر اقتدار رکھنے والے خدیو جہانگیر فاتح ممالک بادشاہ سکندر عظمت دارا کا پرچم رکھنے والے جو عظمت و مسرت کے تخت پر جلوہ گر ہے اور عظمت و شان کے چتر کے سایہ میں مالک ہفت اقلیم مسرت و اقبال و خوش حالی کے بڑھانے والے شمع مسرت کی ضو فگن، باغ گل کی آرائش صاحب قران السعدین نقاب رخ اٹھانے والے کمال شاہنشاہی افلاک کے رازہائے سربستہ کھولنے والے علم و دور اندیشی کے چہرہ وزیبا کتاب تخلیق کے حرف اولین انسانی کمالات کا مجموعہ شان کبریائی کا آئینہ بلند روح کو بلندی دینے والا، خوش بختی بڑھانے والا اور فیاضی پھیلانے والا، شکوہ افلاک کا آفتاب، خالق کائنات کے رحم و کرم کا سایہ، جسے سیارہائے فلک میں عظمت جمشید حاصل ہے۔ مالک قرآن السعدین جہاں پناہ در مائے نعمائے الٰہی پاکیزگی کے میدان کی سرسبزی ابدی رحمت کے سرچشمہ، اللہ آپ کی سرزمین کو نظر بد کی مصیبت سے محفوظ رکھے۔ اللہ آپ کے چشمہ کمال کو صداقت کے ساتھ باقی رکھے۔ آپ کی نوازشات اور ملاطفات اور آپ کی خوبیاں اور فیاضیاں تحریر میں نہیں آسکتی ہیں۔"

لاآخر وہ رخصت ہوا تو اسے قیمتی تحفوں سے نواز گیا اور ایک مغل سفیر خان عالم اس کے ساتھ کیا گیا۔ مارچ 1615ء میں ایران کی دوسری سفارت مصطفےٰ بیگ کی سربراہی میں آئی جس کے ساتھ حسب معمول بکثرت تحائف گھوڑوں، اونٹوں، جواہرات، موتیوں اور ترکی اور حلب کے نوادرات اور جہانگیر کے مطلوبہ یورپین شکاری کتے اور حسبِ معمول انتہائی اظہار ملاطفت اور احترام کا مراسلہ تھا۔ سلام و پیام اور تحفوں کے تبادلے ہوتے رہے مگر اس تمام مدت میں عام طور پر خیال تھا کہ شاہ ایران مغربی علاقہ کے کچھ حصہ کا خواستگار ہے اور جنگ چھڑ جانے کا بھی امکان ہے۔ لیکن شاہ عباس جہانگیر کی برابر دل جوئی کرتا رہا اور یمنی عقیق کی تسبیحیں ریشمیں کام کے پیالے اور دوسرے تحفے بھیجتا رہا جو اگر قیمتی نہ تھے مگر شاندار تھے۔(3)

محمد رضا بیگ کی سفارت 17-1616ء

19/ اکتوبر 1616ء کو ایران کی سب سے زیادہ شاندار سفارت محمد رضا بیگ کی سربراہی میں اجمیر کے دربار شاہی میں وارد ہوئی جس کا استقبال شہر سے باہر نکل کر سو ہاتھیوں کے جلوس اور طبل و نقارہ کے ساتھ شاہی افسروں نے کیا اور ایسے تزک و احتشام کے ساتھ دربار شاہی میں داخل کیا گیا جو صرف ایران کے نمائندوں کے لیے مخصوص تھا۔(4)

شاہ عباس کا خط جو 28/ اکتوبر 1616ء کو جہانگیر کے سامنے پیش کیا گیا۔ اس میں کوئی قابل ذکر بات نہ تھی۔ عام خیال یہ تھا کہ سفارت کا مقصد ترکی کے خلاف ایران کو مالی امداد دینے کی گفت و شنید تھا اور جہانگیر اور دکن کے شیعہ حکمرانوں کے مابین جو شاہ کے ہم مذہب تھے مصالحانہ سمجھوتہ کرانا تھا یہ بھی قرین قیاس ہے کہ اس میں قندھار کا بھی ذکر ہوا۔ بہر نوع جو صورت بھی ہو محمد رضا شاہ دربار کے ساتھ مانڈو تک گیا اور وہاں سے بددل اور مایوس ہو کر اپریل 1617ء میں واپس ہوا اور راستہ میں فوت ہو گیا۔ اور

(3) جہانگیر (راجرس و بیورتج) جلد اول صفحات 237، 238، 248، 249، 282، 283، 284، 298، 299، 310۔ اقبال نامہ صفحہ 69 خلاصۃ التواریخ صفحہ 450۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کو موصولہ خطوط جلد اول صفحہ 278۔

(4) جہانگیر (راجرس و بیورتج) جلد اول صفحات 336، 337۔ اقبال نامہ صفحات 89 و 90 سر طامس رو صفحات 295 تا 297، 300، 301 رو نے اس کے استقبال کا یہ حال بیان کیا ہے۔ دوپہر کے قریب (وہ) بہت سے ہمراہیوں کے ساتھ شہر میں آیا۔ بادشاہ نے اس کے استقبال کے لیے سو ہاتھی مع نقارہ کے روانہ کیے مگر بجز ایسے افسروں کے جو عموماً غیر ملکیوں کا استقبال کرتے ہیں۔ کوئی بڑا آدمی نہ تھا۔ خود اس کے ساتھ تقریباً پچاس آدمی تھے جو زرق برق لباسوں میں ملبوس تھے۔ ان کے اسلحہ شفاف اور چمکدار تھے اور سامان کے لیے کئی حمال تھے۔ اسے آرام سے لے جا کر محل شاہی کے باہر ایک مکان میں ٹھہرایا گیا جہاں اس نے شام تک آرام کیا اور پھر دربار میں حاضر ہوا اور اس تقریب کو دیکھنے کے لیے میں نے اپنے سکریٹری کو بھیجا۔

محمد رضا کا دربار میں استقبال: سفیر نے قریب پہنچ کر پہلے کٹہرے کے پاس تین سلام کیے اور سجدہ کیا اور اسی طرح اندر پھر شاہ عباس کا خط پیش کیا جسے بادشاہ نے ذرا جھک کر وصول کیا اور صرف اتنا کہا "بھائی صاحب کیسے ہیں؟" اس نے اعلیٰ حضرت بھی نہیں کہا اور چند الفاظ کے بعد اسے ساتویں درج میں کٹہرے کے برابر دروازہ کے پاس کھڑا کیا۔ شاہی ملازمین جو دونوں طرف کھڑے تھے ان سے کئی درجے نیچے جو میرے خیال میں اس سفیر کے آقا کی توہین تھی۔

تحفے: اس کے تحفے جو کئی قسطوں میں کئی دن تک پیش ہوتے رہے۔ ان میں ستائیس ایرانی اور عرب گھوڑے نو بہت خوبصورت اور بڑے خچر، سات اونٹ مخمل سے لدے ہوئے۔ آٹھ ریشمی قالین، دو جوڑے یورپین راس کے، دو الماریاں ایرانی کھونٹیوں کی۔ ایک قیمتی الماری، دو عقیق کے زیور، اکیس اونٹ شراب انگوری کے لدے ہوئے چودہ اونٹ شربت سے لدے ہوئے اور سات عرق گلاب سے لدے ہوئے، سات مرصع خنجر پانچ مرصع تلواریں، سات ریشمیں آئینے نہایت شفاف اور اتنے قیمتی کہ میں خود اپنے تحفوں سے شرمندہ ہو گیا۔ رو کے برخلاف اس سفیر نے تمام قدیم شاہی آداب کی پابندی کی۔

اس کا اثاثہ جہانگیر کے ایک تاجر کے ہاتھ اس کے وطن بھیج دیا۔(5)

زنبیل بیگ کی سفارت

دو سال بعد مغل سفیر تحفوں، نوازشوں اور آداب و تسلیمات کی فراوانی کے ساتھ واپس آیا۔(6) دسمبر 1620ء میں اس کا ہم سفر زنبیل بیگ آیا جو ایران کا چوتھا سفیر تھا اور جو راستہ میں رک گیا تھا۔ وہ بھی بہت سے تحفے لایا اور بہت سے تحفے اسے دیے گئے اور دوستی اور خیر سگالی کے وعدے وعید ہوئے۔(7)

تحفوں اور وعدے وعید سے دھوکہ کھا کر مغلوں نے قندھار کی مدافعت پر توجہ کم کر دی۔
1621ء میں پرانے گورنر بہادر کی جگہ عبدالعزیز خاں کو مقرر کیا گیا جو کانگڑہ کی مہم میں کارہائے نمایاں سے تازہ دم تھا اور دو لاکھ سات ہزار کی رقم سامان رسد کے لیے دی گئی لیکن قلعہ بند فوج کی مؤثر قوت کو چند سو افراد تک گھٹ جانے دیا گیا۔ مغل سلطنت کے اندرونی خلفشار سے فائدہ اٹھا کر شاہ عباس نے قندھار کو فتح کرنے کے لیے زبردست فوج جمع کی۔ اس منصوبہ کی خبریں مغل دربار تک بھی پہنچیں مگر وہ اونچے درجہ کی سیاست میں اتنا معروف تھا کہ اس دور افتادہ قلعہ کی ضروریات کا خیال نہ کیا۔(8)

شاہ عباس نے قندہار کا محاصرہ کر لیا 1622ء

مغل دربار جب غفلت سے بیدار ہوا تو اس نے ایک باہری دشمن کو شکست دینے کے معاملے کو ایک گھر کے قریب ہی کے دشمن کو تباہ کرنے کے مقصد سے منسلک کر دیا۔ مارچ 1622ء میں شاہجہاں کو حکم دیا کہ وہ اپنی ساری فوج کو لے کر قندھار پر دھاوا کرے۔ عین اس وقت گورنر ملتان خاں جہاں کا مراسلہ آیا کہ شاہ عباس نے واقعی قلعہ قندھار کا محاصرہ کر لیا ہے۔ یہ افواہ بھی تھی شاہ نے ایک فوج تھٹہ بھی روانہ کر دی ہے۔ اب بالآخر نور جہاں اور جہانگیر کشمیر کی خوشگوار وادی سے روانہ ہوئے اور اس خطرناک صورت حال سے مقابلہ کرنے کی کوشش میں لگ گئے۔ یہ صاف ظاہر تھا کہ قندھار جلد ہی مفتوح ہو جائے گا اور اس

---

(5) جہانگیر (راجرس و بیورتج) جلد اول صفحات 337، 374، 398۔ رو، صفحات 296، 300، 323، 325، 326، 331، 336، 337، 347، 351، 353، 357، 358، 373، 374، 400، 405، 409، 422۔

(6) "بھائی صاحب نے جن عنایات و نوازشات سے خان عالم کو نوازا ان کی تفصیل اگر میں بیان کروں تو مبالغہ سمجھا جائے گا۔ گفتگو میں ہمیشہ خان عالم کے خطاب سے مخاطب کیا اور کبھی اپنے سامنے سے جدا نہیں ہونے دیا۔ اگر وہ کبھی اپنی مرضی سے اپنے کمرے میں چلا گیا تو وہ (شاہ عباس) خود وہاں بغیر شاہی آداب کے چلا گیا اور اسے زیادہ سے زیادہ عنایتوں سے سرفراز کیا"۔

ایک نادر مرقع: یہ سفیر علاوہ شاہ کے بیش بہا اور حسین تحفوں کے ایک روغنی تصویروں کا مرقع لے کر آیا جس میں تیمور کی تقتمش خاں سے جنگ کی تصویر تھی اور نیز تیمور کے لڑکوں اور امرا کی شبیہیں، کل 240 تصویریں جس میں سب پر نام لکھے تھے۔ مرقع پر خلیل مرزا شاہ رخ کے دستخط تھے۔ ورنہ یہ مشہور بہزاد کا کارنامہ سمجھا جاتا۔

خان عالم کے ساتھ مصور بشن داس بھی واپس آیا جس نے شاہ اور اس کے خاص خاص امرا کی تصویر کشی میں کامیاب محنت کی تھی۔ جہانگیر (راجرس و بیورتج) جلد اول صفحات 115 تا 117۔

(7) جہانگیر (راجرس و بیورتج) جلد دوم صفحات 178، 186 تا 187، 198، 201، 211۔

(8) جہانگیر (راجرس و بیورتج) جلد دوم صفحات 230 میں صاف لکھا ہے کہ قلعہ میں صرف تین سو یا چار سو سپاہی تھے۔ اقبال نامہ (صفحہ 192) نے تین ہزار کی تعداد لکھی ہے لیکن اس میں شاید کیمپ کے کارکن بھی ہوں گے۔
نیز دیکھو جہانگیر (راجرس و بیورتج) جلد دوم صفحات 192، 230، 233، انگلش فیکٹریزان انڈیا 21-1618ء صفحہ 333۔

کے دوبارہ واپس لینے سے سلطنت کے وسائل اور فوجی استعداد پر بہت بڑا بار پڑے گا۔

مغلوں کی تیاری

تیاریوں کی بہت بڑے پیمانہ پر ضرورت تھی کمک کی فوجوں کے ملنے کا مقام ملتان مقرر کیا گیا۔ شہزادوں اور منصب داروں کو حکم دیا گیا کہ وہ جلد سے جلد سپاہ اور سامان لے کر وہاں پہنچ جائیں۔ خواجہ ابوالحسن دیوان اور صادق خاں بخشی کو ہر طرف کی فوجیں مجتمع کرنے کے کام پر تعینات کیا گیا۔ قطار در قطار ہاتھی اور سامان رسد اور اسلحہ اور توپ خانہ جمع کیا گیا۔ مہم کے اخراجات کے لیے بہت بڑی رقم منظور کی گئی۔ (9) یہ تجویز کی گئی کہ رسد رسانی کے لیے خانہ بدوش غلہ بیچنے والے بنجاروں کے ایک لاکھ بیل کام میں لگائے جائیں۔ (10)

فوجوں کی نقل و حرکت نے قدرتاً کافی وقت لیا۔ خان جہاں نے تجویز کی کہ وہ اس خطرہ کا مقابلہ کرنے اور اپنی فوج لے کر فوراً روانہ ہو جائے لیکن اسے سختی سے روک دیا گیا کہ بڑی فوج کے آنے کا انتظار کرے جو ایران کے دارالسلطنت اصفہان تک بڑھتی چلی جائے گی۔

(9) جہانگیر (راجرس و بیورتج) جلد دوم صفحات 233، 234۔ اقبال نامہ صفحات 191 و 192 خافی خاں جلد اول صفحات 326 تا 327۔ انگلش فیکٹریز ان انڈیا 23-1622ء صفحات 99، 112۔

(10) جہانگیر (راجرس و بیورتج) جلد دوم صفحہ 233 میں بنجاروں کے متعلق لکھا ہے:

بنجارے: بنجارے ایک قبیلہ ہیں جن میں سے بعضوں کے پاس ایک ہزار بیل ہوتے ہیں اور بعضوں کے پاس اس سے بھی زیادہ۔ یہ مختلف اضلاع سے غلہ لے کر فروخت کرتے ہیں۔ یہ فوجوں کے ساتھ چلتے ہیں گویا ایک طرح سے فوج کے رسد رساں ہیں۔ اونٹ وہ شاذ و نادر ہی استعمال کرتے ہیں۔ یورپین سیاحوں کو جب کبھی اتفاقاً ان کے کارواں کا سامنا ہوا تو وہ ان کی لمبی قطار دیکھ کر حیران ہو گئے۔ منڈی (صفحات 95، 96) کا بیان ہے کہ یہ لوگ بیشتر خانہ بدوشی کی زندگی گزارتے تھے اور اپنے بیوی بچوں کو ساتھ رکھتے تھے۔ خاص طور پر ان کا کاروبار غلہ کا تھا لیکن کبھی کبھی نمک و شکر اور گھی وغیرہ بھی زیادہ تر خود اپنی طرف سے اور کبھی دوسرے تاجروں کے ایجنٹ کی حیثیت سے لے جاتے تھے۔ بنجاروں کے ایک کیمپ یا ٹینڈا میں چھ سات سو مرد عورت اور بچے ہوتے تھے۔ ان کے مرد لالچی اور عورتیں محنتی ہوتی تھیں اور لڑائی کے وقت مردوں کے دوش بدوش لڑتی تھیں"۔ ٹیورنر (مرتبہ بال جلد اول صفحہ 39 تا 43) نے ان پر ایک طویل نوٹ لکھا ہے جو دراصل منڈی ہی کے مطابق ہے۔ سیاحوں نے سترہویں صدی سے انیسویں صدی تک ان کی لمبی قطاریں دیکھی ہیں۔ چنانچہ پیٹر منڈی نے 14/ دسمبر 1630ء کو لکھا "آج میں نے بہت سے بنجاروں کو دیکھا جو بکثرت بیل اور بھینسے رکھتے ہیں اور برہان پور کی رسد کے لیے غلہ وغیرہ لے جا رہے تھے۔ جلد دوم صفحہ 54۔ 18 دسمبر 1630ء اس نے لکھا "آج بھی ہم نے بہت سے بنجاروں یا ٹھیلوں کو دیکھا جو غلہ گھی وغیرہ۔ برہانپور کے کیمپ میں لے جا رہے تھے جہاں بادشاہ دکن کی مہم کے لیے مقیم ہے (صفحہ 55)

22/ دسمبر کی تاریخ میں: "راستہ میں ایک پہاڑی کی چوٹی پر ہم نے ایک بنجارہ (یعنی ان کی قطار) کو دیکھا جس کے ساتھ رسد سے بھرے ہوئے کئی ہزار بیل تھے اور بہت سے دوبارہ لادنے کے لیے خالی واپس جا رہے تھے۔" صفحہ (56)

23/ اگست 1632ء کی تاریخ میں "صبح ہمیں بنجاروں کا ایک ٹنڈا ملا جس میں 14000 بیل تھے۔ سب پر غلہ جیسے گیہوں چاول لدا تھا اور ایک دوسرا قافلہ جس میں ہر ایک چار من لادے ہوئے تھا ایک من انگریزی تقریباً 16 گیلن یا 12000 شل ناپ کا ہے۔" (صفحہ 95) پھر 25/ اگست 1932ء کی تاریخ میں آج صبح 2000 بیلوں کے ایک ٹھنڈا کے پاس سے گزرے جس میں ہر بیل پر یا 2 ہنڈرڈ ویٹ غلہ لدا تھا۔ بارش کی وجہ سے سامان ایک جگہ ڈھیر تھا جس پر بڑے بڑے سرخ پال پڑے تھے جو میرے خیال میں 150 سے کم نہ ہوں گے۔ یہ سب ایک لشکر کا کیمپ جیسا معلوم ہوتا تھا۔ (صفحہ 98)

دس ہزار بیل ایک قطار میں جن پر غلہ لدا تھا۔ 16/ نومبر 1615ء کو سر طامس رو کو ملا اور نیز اس سے کم کے قافلے جو اس نے اور دونوں میں دیکھے یہ سب بنجاروں کے ہوں گے۔

دس ہزار بیلوں کی قطار چاول اور دوسرے غلہ کے لدے ہوئے دیکھنا عجیب منظر ہے۔ ٹیورنر (مرتبہ بال) جلد اول صفحہ 39۔

شاہجہاں کا قندھار جانے سے انکار

لیکن یہ ساری امیدیں خاک میں مل گئیں۔ شاہجہاں نے اپنے خیمہ ڈیرہ کو 24 مارچ 1622ء کو برہان پور سے روانہ کر دیا اس کے جلد ہی بعد خود بھی روانہ ہو گیا لیکن اس نے مانڈو سے آگے بڑھنے سے عملاً انکار کر دیا اس نے یہ اجازت چاہی کہ برسات کا موسم مانڈو کے قلعہ میں گزارے اور یہ تجویز کی کہ جب وہ قندھار کے لیے روانہ ہو تو اسے فوج پر پورا اختیار ملنا چاہئے اور پنجاب پر اس کا پورا اقتدار ہونا چاہئے اور اس کے متعلقین کے لیے رنتھمبور کا قلعہ ملنا چاہئے۔ (11)

معاصر مورخوں نے شاہجہاں کے اس عدول حکمی کا رویہ اختیار کرنے کی کوئی وجہ نہیں لکھی ہے لیکن وجہ آسانی سے قیاس کی جا سکتی ہے اگر دکن سے اس کا اثر ختم ہو گیا جہاں اس نے اپنی قوت مستحکم کر لی تھی تو اسے ایک بڑی فوج کی کمان حاصل ہونا چاہئے جس سے وہ اپنی پوزیشن پھر سے حاصل کر سکے اور نقصان کے امکانات کی تلافی ہو سکے۔ اسے بخوبی علم تھا کہ محاصرہ کے معاملے میں مغل کتنے کمزور ہیں اور قندھار کا دوبارہ حاصل کرنا جو مشرق کا مستحکم ترین قلعہ ہے اور جس پر یہ طاقتور ایرانی قلعہ بند فوج فتح کی۔ سرتوں کے ساتھ قابض ہے اور اس حال میں جب کہ افغانستان اور سرحدی علاقے بغاوت سے بھڑک رہے ہیں بہت ہی دیر طلب اور مشکل بلکہ تقریباً ناقابل عمل کام ہوگا اس کی عدم موجودگی میں نورجہاں اپنے امیدوار شہریار کو پیش پیش کر دے گی اور اس کے (شاہجہاں کے) حامیوں کی جگہ اپنے طرفداروں کو اونچے عہدوں پر مقرر کر دے گی اور اپنے شوہر کے احساسات و تصورات پر حاوی ہو کر اور اس دوران میں جو مواقع بھی ملیں ان سے فائدہ اٹھا کر خود اس کی (شاہجہاں کی) قوت کو کمزور کر دے گی اگر جہانگیر کی گرتی ہوئی صحت نے جواب دے دیا تو نورجہاں یقیناً شہریار کی بادشاہی کا اعلان کر دے گی اور امرا کی تائید حاصل کرنے کی کوشش کرے گی ان چالوں کا توڑ وہ اسی طرح کر سکتا ہے کہ بڑی فوج اس کے ماتحت ہو کابل کے گورنر مہابت خاں جس کی نورجہاں اور اس کے بھائی سے عداوت مشہور ہے وہ اپنے ساتھ ملا سکے گا جس پر وہ بھروسہ کر سکے گا اور اس وقت اس کی کامیابی کے کچھ امکانات ہو جائیں گے۔ جس وقت منتخب شاہی افواج اس کے جھنڈے کے نیچے ہوں گی اور وسائل کے ذرائع اور فوجی مستقر کے طور پر افغانستان اور پنجاب اس کے ہاتھ میں ہوں گے تو وہ ہندستان کی کسی مخالف جماعت کا مقابلہ کر سکے گا۔ نیز بحیثیت ایک خوددار اور اپنے اوپر اعتماد رکھنے والے انسان کے اس نے یہ سوچا ہوگا کہ جس فوج کی کمان اس کی طرح اعلیٰ سوجھ بوجھ والے آدمی کے ہاتھ میں نہ ہو قندہار کے سامنے ہار جائے گی اور خود اس کی شہرت اور وقار میں داغ لگ جائے گا۔ نورجہاں اپنی چالوں سے اس کے منصوبوں کو خاک میں ملا دے گی یا جنگ کو اس انداز سے چلائے گی جس میں اس کی (شاہجہاں کی) تباہی ہو یا جنگ کو غیر محدود مدت تک طوالت دے گی ان امکانات کے مقابلہ میں شاہجہاں کا واحد سہارا فوج کی اعلیٰ کمان ہے۔ تجویز یہ تھی کہ قندہار کی فتح کے بعد شاہی فوجیں ایران میں داخل ہوں اور اصفہان پہنچ کر اپنی شرائط منوائیں۔ قندہار کی طرح یہ مہم بھی طویل اور خطرناک ہو گی اور یقینی شکست اور ذلت پر ختم ہو گی۔ انہیں وجوہ کی بنا پر شہزادہ نے فوج کی اعلیٰ کمان پنجاب کی حکومت اور رنتھمبور کے قلعہ پر قبضہ کی شرطیں رکھی تھیں۔ علاوہ بریں دکن میں اپنے سارے معاملات استوار

---

(11) جہانگیر (راجرس و بیورج) جلد دوم صفحات 233، 234 انگلش فیکٹریز ان انڈیا۔ 23-1622ء صفحہ 69۔ مآثر الامرا (بیورج) جلد اول صفحہ 418۔ گلیڈون صفحہ 57۔

رنے اور جس قدر بھی ہو سکے وہاں اپنی قوت مضبوط کرنے کے لیے اسے وقت کی ضرورت تھی جس کی وجہ سے اس نے بارش کا موسم ختم ہونے تک مانڈو میں قیام کی اجازت کی درخواست کی تھی۔

لیکن باوجود اپنی تمام احتیاط پسندی اور ہوشمندی کے وہ یہ اندازہ کرنے سے قاصر رہا کہ نورجہاں کبھی ایسی تجاویز سے دھوکہ کھانے والی نہ تھی اور وہ اپنے شوہر سے جواب ذہنی طور پر بالکل اس کے قابو میں تھا یہ کہہ سکتی تھی کہ ان تجاویز کی پس پشت باغیانہ منصوبے ہیں۔ پچھلے چند برسوں سے شاہجہاں ایک طرح کا نائب شاہ تھا۔ اس کی قابلیت حوصلہ مندی اور تکبر کا حال سب کو معلوم تھا۔ اس کا اقتدار یقیناً استحکام سلطنت کے لیے خطرہ کا باعث تھا۔(12)

نورجہاں کو جو موقع ملا اسے اس نے اپنے مقصد کے لیے استعمال کرنے کی جان توڑ کوشش کی۔ جہانگیر کو شہزادہ کے خلاف سخت برافروختہ کر دیا گیا اور شہزادہ کے اقتدار و اثر کو گھٹانے کی ضرورت کا پورے طور پر یقین دلایا گیا۔ اس کی استدعا کے جواب میں اسے صاف صاف لکھا گیا کہ چونکہ اس کا ارادہ برسات کے بعد آنے کا ہے اس لیے اسے شاہی افسروں اور فوجوں کو فوراً بھیج دینا چاہئے۔ یعنی سادات بارہہ و بخارا و شیخ زادگان، افغان و راجپوت گویا سلطنت کی بہترین افواج قندھار کی مہم میں کام کرنے کے لیے جلد دربار روانہ کر دی جائیں۔ کوکب اور خدمت گار خاں اور دس دوسرے دکنی افسروں کو شاہ کی طرف روانگی میں عجلت کرنے کے لیے بطور سزا مقرر کیا گیا۔

دھولپور میں جھڑپ

ابھی شاہجہاں شاہی حکم کی تعمیل میں پس و پیش ہی کر رہا تھا کہ ایک ایسا معمولی واقعہ پیش آ گیا جو اکثر معاملہ کو خطرناک حد تک پہنچا دیتا ہے اور مدت سے بھرے ہوئے جذبات اور جوش کو بھڑکا دیتا ہے۔ کچھ دن پہلے شاہجہاں نے استدعا کی تھی کہ دھولپور کا پرگنہ اسے جاگیر میں دیدیا جائے(13) اور اپنی کامیابی پر یقین کر کے اس نے دریا خاں افغان کے ماتحت کچھ لوگوں کو اس کا چارج لینے کے لیے روانہ کر دیا مگر قبل اس کے کہ یہ لوگ وہاں پہنچیں نورجہاں نے یہ پرگنہ شہریار کے لیے حاصل کر لیا تھا اور شہریار کے ملازم کی حیثیت سے شریف الملک کو وہاں کا فوجدار بنا دیا تھا۔ چنانچہ جب دریا خاں موقع پر پہنچا تو شریف نے اس کی مسلح مزاحمت کی۔ نتیجہ میں ایک جھڑپ ہوئی جس میں دونوں طرف کے بہت سے آدمی مارے گئے اور شریف الملک کی آنکھ تیر سے زخمی ہو گئی۔(14)

جہانگیر کی ناراضی

نورجہاں نے اپنی پوری چالاکی سے اس واقعہ کو اپنے مقصد کے لیے بڑھا چڑھا کر پیش کیا اور جہانگیر کو یقین دلایا گیا کہ "میں نے جو نوازشات اور نوازشیں شاہجہاں کے ساتھ کی ہیں اس کا وہ اہل نہ

---

(12) اگر رو کا اعتبار کیا جائے تو جہانگیر 1617ء ہی میں شاہجہاں کے اقتدار سے مشکوک ہو گیا تھا دیکھو آٹھواں اور چودھواں باب۔

(13) آئین جارث جلد دوم صفحہ 96۔

(14) جہانگیر (راجرس و بیورتج) جلد دوم صفحات 235،236، اقبال نامہ صفحات 193، 194 خافی خاں جلد اول صفحہ 331 مآثر الامرا جلد اول صفحات 162، 163 بیورتج جلد اول صفحات 149 تا 150۔ انگلش فیکٹریز ان انڈیا 23-1622ء صفحہ 99 گلیڈون صفحہ 58۔

تھا۔" اور یہ کہ اس کا دماغ چل گیا ہے۔ اسے سخت فہمائش کی گئی اور کہا گیا کہ آئندہ سے وہ ہوش اور ادب کا واضح راستہ اختیار کرے۔ اسے دربار میں حاضری سے قطعاً منع کر دیا گیا اور مکرر سخت تاکید کی گئی کہ افسروں اور فوجوں کو جلد روانہ کرے۔ اگر اس کے خلاف کوئی بات معلوم ہوئی تو اسے پچھتانا پڑے گا۔

ایک خفیف الحرکاتی

ایک خفیف الحرکاتی سے جہانگیر کی ذہنیت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ پانچ سال پیشتر اپنے نوزائیدہ پوتے شجاع کی تشویشناک علالت پر اس نے قسم کھائی تھی کہ اگر بچے کو شفا ہو جائے تو وہ بندوق سے شکار کرنا چھوڑ دے گا چنانچہ پانچ سال تک اس نے اس قسم کی پابندی کی لیکن اب جب کہ بچے کے والد سے ناراضی ہو گئی تھی تو نہ صرف جہانگیر نے جی بھر کر شکار کھیلنے پر اصرار کیا بلکہ محل کے ملازموں کو بھی شکار کھیلنے کے لیے بندوقیں دے دیں۔ (15)

شاہجہاں کو شمال کی جاگیروں سے محروم کر دیا گیا

کیم شہریوار کو شہریار کا منصب بڑھا کر بارہ ہزار ذات اور آٹھ ہزار سوار کا کر دیا گیا اور اسے قندہار کی مہم کا کماندار بنا دیا گیا۔ مرزا رستم کو اس کا اتالیق اور مہم کا حقیقی کماندار مقرر کیا گیا۔ مرزا رستم اور اعتقاد خاں کو پہلے ہی جنگی تیاریوں میں مدد دینے کے لیے ایک لاکھ روپیہ پیشگی دے کر لاہور روانہ کر دیا گیا تھا۔ (16) دوسری فیصلہ کن کارروائی یہ کی گئی کہ شاہجہاں کی شمالی جاگیریں شہریار کو منتقل کر دی گئیں اور شاہجہاں سے کہا گیا کہ وہ اپنے لیے اسی کے برابر جاگیر دکن میں منتخب کرے۔ (17) ہر شخص یہ قیاس کر سکتا تھا کہ اگر وہ شاہی حکم کی تعمیل میں اپنی فوجیں قندھار بھیجدے تو اسے دکن کی جاگیروں سے کتنی آسانی کے ساتھ محروم کیا جا سکتا تھا۔ اس کے برخلاف اگر وہ تعمیل نہیں کرتا ہے تو باغی قرار پائے گا اور سخت سزا پائے گا۔

افضل خاں کی سفارت

حالات کا یہ رخ دیکھ کر شاہجہاں خوف زدہ ہو گیا۔ اپنے والد کو راضی کرنے کی اس کی دلی خواہش تھی اس لیے اسے اپنے لائق اور معتمد سفارتی افضل خاں (18) کو ایک عاجزانہ خط کے ساتھ روانہ کیا اور لکھا کہ وہ ساری عمر سلطنت کی اطاعت شعارانہ خدمت کرتا ہے اور اسے افسوس ہے کہ بغیر اس کے

(15) جہانگیر (راجرس و بیورتج) جلد دوم صفحات 236 تا 237۔

(16) جہانگیر (راجرس و بیورتج) جلد دوم صفحات 224، 225، 236 تا 337 اقبال نامہ صفحات 164 تا 165 انگلش فیکٹریز ان انڈیا 23-1622ء صفحات 94۔

(17) خافی خاں جلد اول صفحات 330 تا 331۔ مآثر الامرا (بیورتج) جلد اول صفحہ 150 گلیڈون صفحہ 58۔ اقبال نامہ صفحہ (196) کا بیان ہے کہ شہریار کی فوجوں کا خرچ خرم کی جاگیر سے وصول کرنے کا حکم جس کا مقصد عمداً خرم کا تبادلہ تھا۔ جہانگیر نے نہیں بلکہ نور جہاں نے دیا تھا۔ اس زمانہ کے تقریباً تمام شاہی حکام کی یہی صورت تھی۔

(18) ملا شکر اللہ شیرازی ایران کے ایک علمی مرکز شیراز میں طالب علم و مدرس تھا۔ ہندوستان آکر اس نے برہان پور میں خان خاناں کی ملازمت کر لی اور تھوڑے دن بعد وہ شہزادہ خرم کی ملازمت میں شامل ہو گیا۔ 14-1613ء میں میواڑ کی مہم اس کے سکریٹری کی حیثیت سے کام کیا۔ رانا سے صلح کی گفت و شنید میں وہ بھی شریک تھا اور اپنی خدمات کے صلہ میں افضل خاں کا خطاب پایا۔ شروع 1622ء میں وہ ایک سفارت کا جو بیجاپور بھیجی گئی سربراہ تھا۔ دربار شاہی میں اس کی ناکامی کے بعد شاہجہاں نے اسے

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

کسی قصور کے وہ شاہی عنایت سے محروم ہو گیا۔ اس نے جہانگیر سے عرض کیا کہ وہ معاملہ پر سنجیدگی سے غور کرے۔ ایسا نہ ہو کہ سلطنت کو نقصان پہنچ جائے۔ اسے بذات خود معاملات کو سرانجام دینا چاہیے اور محض عورتوں کی رائے پر نہ چلنا چاہیے۔ اگر نور جہاں کے کہنے سے وہ (شاہجہاں) اپنی جاگیر سے محروم کر دیا گیا تو اس کی گزر کیسے ہو گی جبکہ وہ چاروں طرف سے دشمنوں سے گھرا ہوا ہے۔ طنزاً اس نے یہ تجویز بھی کی کہ اسے دکن سے نکال دیا جائے اور مکہ معظمہ میں جا کر فقیرانہ زندگی گزارنے کی اجازت دی جائے۔ (19) لیکن جہانگیر نے افضل خاں کی بات نہ سنی اور اسے معمولی خلعت دے کر رخصت کر دیا۔ (20)

اب شاہجہاں اپنی باقی شمال کی جاگیروں شمول حصار کے جو ولیعہد کی جاگیر تھی اور اب شہریار کو دے دی گئی محروم کر دیا گیا۔ ایک مرتبہ اُس سے پھر کہا گیا کہ وہ اس کے برابر دکن میں اپنے لیے جاگیر منتخب کرنے اور ایک بار پھر اسے تاکید کی گئی کہ وہ اپنی فوجیں دربار روانہ کر دے اور یہ کہ اسے خود اپنی ذمہ داریوں پر نظر کرنا چاہیے اور شاہی حکم سے سر تابی نہ کرنا چاہیے۔ (21)

آصف خاں کا رویہ

اس تمام گفت و شنید کے دوران آصف خاں بڑی ہوشمندی سے بالکل خاموش رہا۔ دل سے تو اپنے داماد کا طرفدار تھا لیکن وہ اپنی حاکمانہ طبیعت کی بہن کو اس کے طے شدہ ارادہ سے باز نہیں رکھ سکتا تھا اور بادشاہ کو اپنا ہم خیال بنانے کی کوئی توقع نہ تھی۔ نور جہاں کو اس پر اعتبار نہ تھا مگر اسے دربار میں حاضر رہنے دیا۔

مزید مشکلات کے اندیشہ سے نور جہاں نے قابل ترین جنگی سپہدار کو اپنی مدد کے لیے بلایا جو

(باقی حاشیہ ...18) بیجاپور کے دربار میں حصول امداد کی کوشش پر تعینات کیا۔ وہ اپنی خوش تقریری کے لیے عام طور پر مشہور تھا اور بحیثیت ریاضی داں محاسب اور منجم کے اس کی بہت بڑی شہرت تھی۔ اخلاقی حیثیت سے وہ بالکل بے داغ تھا۔ شاہجہاں نے اکثر کہا کہ اٹھائیس سال کی ملازمت میں اس نے افضل خاں کی زبان سے کسی کو برا بھلا کہتے کبھی نہیں سنا۔ دیکھو مآثر الامرا صفحات 162 تا 163 (بیورج) جلد اول صفحات 149 تا 153 بادشاہ نامہ جلد دوم صفحات 339 تا 340۔ بیل کی اورئنٹیل جیا گریفکل ڈکشنری صفحہ 36۔ بیجاپور اور دربار شاہی میں اس کی سفارتوں کا انگلش فیکٹریز ان انڈیا 23-1622ء میں اکثر ذکر ہے۔ صفحات 31، 39، 41، 54، 59، 69۔

؎ اس کے مزار کا حال جو چینی کا روضہ کہلاتا ہے اور آگرہ کے قریب دریائے جمنا کے کنارے پر واقع ہے۔ دیکھو کین کی گائیڈ ٹو آگرہ میں۔

(19) خافی خاں جلد اول صفحہ 331 گلیڈون صفحہ 58، 59 مآثر الامرا جلد اول صفحہ 163، بیورج جلد اول صفحات 150 تا 151 ، اقبال نامہ (صفحہ 196) کا بیان ہے کہ دراصل نور جہاں نے افضل خاں کو بادشاہ سے ملنے ہی نہ دیا لیکن بادشاہ نے اپنے روزنامچے میں صاف لکھا ہے کہ "افضل خاں اس کی خدمت میں حاضر ہوا۔ جہانگیر نے خط کے مضمون کی تشریح نہیں کی ہے اور صرف یہ کہا ہے کہ اسے اپنی نازیبا حرکات کو معافی کا جامہ پہنایا اور اس خیال سے بھیجا کہ شاید خوشامد اور میٹھے الفاظ سے مطلب برآری ہو جائے۔" نیز خافی خاں جلد اول صفحہ 332۔

(20) جہانگیر (راجرس و بیورج) جلد دوم صفحات 23 تا 29۔ مآثر الامرا جلد اول صفحہ 163۔ بیورج جلد اول صفحات 151 تا 152، کامگار اور اس کے بعد خافی خاں، جلد اول صفحہ (322) شاہنواز خاں، مآثر الامرا (بیورج جلد اول 151) اور گلیڈون (صفحہ 59) کا بیان ہے کہ جہانگیر شاہجہاں کے خط کے الفاظ اور لہجے سے متاثر ہوا اور اسے نور جہاں سے صلح کرنے کے لیے کہا لیکن نور جہاں کو اور زیادہ ضد اور عداوت ہو گئی۔

لیکن معتمد خاں اس بیان کی تائید نہیں کرتا ہے۔ اگرچہ وہ بغاوت کے حالات بیان کرنے میں شروع سے آخر تک شہزادہ کا طرفدار اور نور جہاں کا مخالف معلوم ہوتا ہے۔

(21) جہانگیر (راجرس و بیورج) جلد دوم صفحہ 239۔

اب تک اس کے گروہ کا سخت دشمن رہا تھا۔ گذشتہ چند سال سے مہابت خاں افغانستان میں ایک طرح کی جلاوطنی کی حالت میں رہا تھا اور سلطنت کے کسی معاملہ میں اسے بولنے کی اجازت نہ تھی۔ سلطنت کے پس پشت جو طاقتیں تھیں ان سے عداوت اسے بہت گراں ثابت ہوئی تھی۔ 1622ء میں جب کہ ایک طرف قندہار کا قبضہ تھا اور دوسری طرف شاہجہاں کی حکم عدولی تو نور جہاں کو یہ محسوس ہوا کہ وہی ایک شخص ہے جو سلطنت کو بچانے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ اسے ایک فرمان کے ذریعہ سے جس پر نور جہاں کی مہر تھی، چھ ہزار ذات اور پانچ ہزار سوار کے منصب پر ترقی دے کر دربار میں بلایا گیا۔ لیکن مہابت خاں نے اس بلاوے کو فریبی آصف خاں کی چال سمجھا کہ وہ اسے اپنے قابو میں کر کے تباہ کر دے اس لیے اس نے اس کی تعمیل سے صاف انکار کر دیا۔ جب تک کہ اس کے دشمن کو باہر نہ بھیجا جائے۔ چنانچہ اس کے اندیشہ کو رفع کرنے کے لیے نور جہاں نے اپنے بھائی کو آگرہ بھیج دیا کہ وہاں سے شاہی خزانہ لے آئے۔ (22)

شاہ عباس کے سفرا

اس دوران میں ایرانیوں نے پینتالیس روز کے محاصرہ کے بعد قندہار کو فتح کر لیا تھا۔ (23) چند ہی دن بعد ایرانی سفیر حیدر خاں اپنے آقا کا خط لے کر آیا جس میں قندہار کے معاملہ پر اس نے اپنا خیال ظاہر کیا تھا اور قندہار کے محاصرہ اور تسخیر کو اس بنا پر حق بجانب ثابت کرنے کی کوشش کی تھی کہ اتفاقاً قندہار ایرانی حکمران خاندان کا ہے اور جہانگیر کو اسے پُرامن طریقہ پر ایران کے حوالے کر دینا چاہئے تھا اور یہ نیک توقع ظاہر کی گئی تھی کہ (دونوں حکمرانوں کے مابین) امن و اتحاد و ملاطفت کے سدا بہار پھول ہمیشہ شاداب رہیں گے اور باہمی اتحاد کی بنیاد کو مستحکم کرنے کی کوشش کی جائے گی۔

جہانگیر نے شاہ کی فریب دہی اور کمینہ پن کی ملامت کی اور ایک انتقامی مہم بھیجنے کا تہیہ کیا۔ (24) خاں جہاں کو ہراول پر متعین کیا گیا اور علی قلی بیگ درمان کو ڈیڑھ ہزار منصب پر ترقی دے کر اس کا ماتحت کماندار بنایا گیا اور اللہ داد خان افغان، محمد عیسیٰ ترخاں، مکرم خاں، اکرام خاں اور دیگر دکنی امرا کو بطور ماتحت کمانداروں کے مقرر کیا گیا۔ مرزا رستم خاں جو مہم کا اصلی کماندار اعلیٰ تھا اسے پانچ ہزار کے منصب پر ترقی دی گئی۔ پرویز جو سال گذشتہ سے بہار کا گورنر تھا اسے اس کے وکیل شریف کے ہاتھ اشد ضروری پیام بھیجا گیا کہ وہ بہار کی فوج لے کر جلد سے جلد دربار حاضر ہو جائے۔ (25)

لیکن عین اس وقت خبر آئی کہ شاہجہاں نے علم بغاوت بلند کر دیا ہے اور بہت بڑی فوج کے ساتھ مانڈو سے شمال کی طرف روانہ ہو گیا ہے۔ (26)

---

(22) جہانگیر (راجرس و بیورج) جلد دوم صفحات 240، 245۔ گلیڈون صفحہ 60، بادشاہ نامہ عبدالحمید جلد دوم صفحہ 24۔ ایلیٹ و ڈاؤسن جلد ہفتم صفحہ 64۔

(23) بادشاہ نامہ عبدالحمید جلد دوم صفحہ 24۔ ایلیٹ و ڈاؤسن جلد ہفتم صفحہ 64 انگلش فیکٹریز ان انڈیا 23-1622ء صفحہ 108۔

(24) یہ دو خطوط جو شاہ عباس اور جہانگیر نے ایک دوسرے کو لکھے۔ جہانگیر (راجرس و بیورج) جلد دوم صفحات 240 تا 245 میں دیکھے جا سکتے ہیں۔

(25) جہانگیر (راجرس و بیورج) جلد دوم صفحہ 245 پرویز کی بہار کی گورنری پر تقرر کے متعلق دیکھو انگلش فیکٹریز ان انڈیا 21-1618ء صفحات 236، 248، 253 منڈی جلد دوم صفحہ 363۔ 364۔

(26) جہانگیر (راجرس و بیورج) جلد دوم صفحات 246، 247۔

سترھواں باب

شاہجہاں کی بغاوت

شاہجہاں کے حمایتی

شاہجہاں نے نور جہاں کی عدول حکمی کا جو رویہ اختیار کیا تھا اس میں اس کی حمایت میں دکن، گجرات اور مالوہ میں مامور بیشتر امرا تھے۔ بزرگ خان خاناں اور اس کا لڑکا داراب خاں اور رحمت خاں، سربلند خاں، شزرہ خاں، عابد خاں، جادو رائے، اودے رام، آتش خاں، رستم خاں، بیرم بیگ، دریا خاں قلی اور منصور خاں جو سب کے سب نامی فوجی سردار تھے شاہجہاں کے منصوبہ میں اس کے ساتھ تھے اور سب سے بڑھ کے رائے ریان بکرماجیت سندر اپنی بہادر راجپوت فوج سمیت شہزادہ کے ساتھ تھا جس نے میواڑ کی تسخیر، کانگڑہ کی فتح اور دکن کی شورش دبانے میں نمایاں حصہ لیا تھا اور سلطنت کا ایک عظیم جنرل اور مدبر شاہجہاں کا دست راست تھا اور جہانگیر کے بیان پر اعتماد کیا جائے تو شہزادہ کو حکومت کے خلاف بہادری سے جے رہنے پر اسی نے اکسایا تھا۔ دکن کے امرا میں سے کچھ تو حاضر دربار ہوئے لیکن بیشتر اپنی فوجوں کے ساتھ شاہجہاں کے ساتھ تھے اور حکومت کی بار بار طلبی کی پروانہ کی۔ خوش قسمتی سے اس وقت عارضی طور پر دکن کی سرحدوں پر بالکل سکون تھا۔ دربار شاہی میں ہوشمند آصف خاں اور بے باک عبداللہ فیروز جنگ کی حمایت پر شاہجہاں بھروسہ کر سکتا تھا۔ مورخ معتمد خاں کا اسی طرف رجحان تھا اور محرم خاں خلیل بیگ اور فدائی خاں پر مفید معلومات بہم پہنچانے کا اعتماد کیا جا سکتا تھا۔

شاہجہاں کی صورت حال

افضل خاں نے اپنے آقا کے پاس مانڈو واپس آکر اطلاع دی کہ جہانگیر پر نور جہاں کا پورا پورا قابو حاصل ہے اور معاملہ اس خطرناک حد تک پہنچ گیا ہے کہ اگر شاہجہاں نے سرگرمی نہ دکھائی تو اس کی شمال کی جاگیریں ضبط ہو کر رہیں گی اور فوری کارروائی پر جاں بخشی کی امید ہے۔ فرامین شاہی کا لب و لہجہ۔ خفیہ اطلاعات اور جو افواہیں اڑ رہی تھیں ان کا بھی یہ تقاضا تھا کہ فیصلہ تلوار کے زور پر ہوگا۔

نور جہاں کی تیاریاں

شاہجہاں نے اپنے تجربہ کار فوجی دستوں کے ساتھ مانڈو سے اس امید پر روانہ ہوا کہ وہ شاہی فوجوں کو بے خبری میں لے لے گا مگر نور جہاں بھی اس موقع کے لیے تیار تھی۔ شہزادہ پرویز کو خصوصی احکام بھیجے گئے تھے کہ وہ بہار سے اپنی فوجیں لے کر جلد سے جلد حاضر دربار ہو جائے۔ راجپوت باج گزار رؤسا سلطنت کی مدد کے لیے طلب کیے گئے۔ امبر، مارواڑ، کوٹہ بوندی اور دوسری ریاستوں کے فرمانرواؤں

نے وفاداری اور فیاضی سے تعمیل کی۔ راجہ بیر سنگھ دیو اپنے سرپرست کے حکم کی تعمیل میں کسی سے پیچھے نہیں رہا۔ بوڑھے خان اعظم کو سات ہزار ذات اور پانچ ہزار سوار کا منصب دے کر ہموار کر لیا گیا۔ بہت سے دیگر امرا جو عہدہ کم کرنے یا شاہی خوف کی وجہ سے ناخوش تھے۔ انہیں معافیاں اور ترقیاں دی گئیں۔ سب سے بڑھ کر عظیم مہابت خاں کو اس طرح راضی کیا گیا کہ آصف خاں کو دور دراز بنگال میں مقرر کر دیا گیا اور اسے فوراً روانہ کرنے کے لیے آگرہ سے شاہی خزانہ لانے پر متعین کر دیا گیا۔ مہابت خاں جنوری 1623ء کو شاہی دربار پہنچا اور شاہی افواج جو نقل و حرکت کر رہی تھیں ان کی اعلیٰ کمان سنبھال لی۔ جہانگیر اپنی صحت کو خطرہ میں ڈال کر لاہور سے روانہ ہو گیا اور نور سرائے ہوتا ہوا فروری 1623ء میں دہلی پہنچ گیا۔

ناکام گفت و شنید

اس دوران میں شاہی حکومت نے شاید کچھ وقت لینے کے لیے موسوی خاں کو شاہجہاں سے گفت و شنید کے لیے روانہ کیا گیا۔ موسوی خاں نے شہزادہ کو آگرہ کے قریب فتحپور سیکری کے دروازہ پر پایا۔ اس ملاقات کا صرف یہ نتیجہ نکلا کہ شاہجہاں نے خود اپنے ملازم قاضی عبدالعزیز کو تعینات کیا کہ وہ اس کے مطالبات بادشاہ کے سامنے پیش کرے۔ قاضی نے جہانگیر سے ملاقات کی مگر اس کا پیام اتنا ناگوار ہوا کہ اسے قید میں ڈال دیا گیا۔ پرامن مصالحت کے سارے مواقع پہلے ہی ختم ہو چکے تھے۔

آگرہ پر تاخت

فتحپور سیکری کا دروازہ تو باغی شہزادہ پر بند کر دیا گیا تھا مگر راجہ بکرماجیت نے آگرہ کے بے شہر پناہ شہر پر تاخت کی اور امرا کی دولت لوٹ لی اور دوسروں کے ساتھ لشکر خاں کے دو لاکھ روپے بھی لوٹ لیے۔ (1)

شاہجہاں کا دھاوا

شروع مارچ 1623ء میں شاہجہاں ستائس ہزار رسالہ فوج کے ساتھ جمنا کے کنارے شاہی فوج سے مقابلہ کے لیے روانہ ہوا۔ شاہ پور میں اس نے تھوڑی سی فوج راستہ پر چھوڑ دی اور خود تقریباً چالیس میل کے فاصلہ پر کوٹیلا کی طرف پوری فوج کے ساتھ رخ کیا اور بلوچ پور میں خیمہ زن ہو گیا۔ اس نے چھاپہ مار جنگ کا تجربہ کیا اور غنیم کی رسد کا راستہ بند کرنے کی کوشش کی مگر معلوم ہوا کہ دکن کا طریق جنگ میدانی سرزمین کے لیے موزوں نہیں ہے۔

شاہی فوج مہابت خاں کی ماتحتی میں آگے بڑھیں اور عبداللہ خاں فیروز جنگ دو میل آگے بڑھ کر جنوب کی طرف گیا اور 28 رمارچ کو قطب پور میں قیام کیا۔ اسی دن ایک جھڑپ ہو گئی جس میں باقر خاں کے ماتحت شاہی دستہ کو فتح ہوئی۔

(1) جہانگیر (راجرس و بیورج) جلد دوم صفحات 246، 247، 249، 250۔ اقبال نامہ 194 تا 200 مآثر جہانگیری (مخطوطہ خدا بخش) صفحات 164 (الف) 168 (ب) خافی خاں نے معتمد خاں کی نقل کی ہے۔ ٹاڈ جلد دوم صفحات 32، 33، 385، 386، نیز بیر نیود گلیڈون صفحات 62، 63 آگرہ پر حملہ میں شاہجہاں کی فوجوں نے جو مظالم کیے ان کی تفصیل کے لیے دیکھو ڈیلا ویل جلد اول صفحہ 121۔ نور سرائے کا نام نور جہاں کے نام پر رکھا گیا تھا اور جن مقامات کا نام اس کے نام پر رکھا گیا تھا ان کا ذکر پٹر منڈی جلد دوم صفحات 250، 251، 252 تا 254 اقبال نامہ صفحہ 123۔

بلوچ پور کی جنگ

اگلے دن فیصلہ کن لڑائی ہوئی۔ شاہی فوج 26000 ہزار رسالہ کی تعداد میں تین حصوں میں بٹ گئی: آٹھ ہزار خواجہ ابوالحسن کے ساتھ اور اتنی ہی تعداد آصف خاں کے ساتھ اور ایک دس ہزار کی منتخب جماعت عبداللہ خاں کے ماتحت لیکن ہراول کے دھوکہ باز کمانڈار نے پہلے شاہجہاں سے سازش کر لی تھی کہ وہ اپنی پوری فوج کے ساتھ شاہی فوج کو چھوڑ کر اس سے مل جائے گا۔ راستہ میں اس نے شاہی فوج کو اس ترکیب سے کمزور کرنے کی کوشش کی کہ کئی وفادار قابل افسروں پر غداری اور فریب کا الزام لگایا۔ مگر نور جہاں اس چال میں نہیں آئی اور کوئی تعزیری کارروائی نہیں کی۔(2)

دونوں فوجوں میں لڑائی کو زیادہ دیر ہوئی تھی کہ عبداللہ خاں اپنے سازشیوں اور نیز نوازش خاں جیسے اور لوگوں کے ساتھ جنھوں نے یہ خیال کیا کہ وہ رسالہ کے ساتھ حملہ کرنے جا رہا ہے غنیم کی صفوں میں چلے گئے اور چونکہ سازش کا حال خفیہ رکھا تھا اور صرف شاہجہاں اور بکرماجیت کو معلوم تھا۔ اس لیے داراب خاں نے اسے دشمن سمجھ کر مزاحمت کی۔ بکرماجیت گھوڑا دوڑا کر داراب کے پاس صورت حال بتانے کے لیے پہنچا لیکن جب وہ اپنی جگہ واپس آیا تو اس کی کنپٹی پر نوازش خاں کی گولی لگی اور وہ وہیں پر ڈھیر ہو گیا۔ عبداللہ خاں کی مدد سے جتنا فائدہ ہوا تھا اس سے زیادہ بکرماجیت کے ختم ہونے سے نقصان ہو گیا۔ باقی فوج خلفشار میں پڑ گئی اور صرف میواڑ کے شہزادہ کنور بھیم سنگھ کی بہادری نے اسے ذلت آمیز بھگدڑ سے بچالیا۔ انھوں نے جنگ اس وقت تک جاری رکھی جب تک رات کی تاریکی نے دونوں فوجوں کو الگ نہیں کیا۔ شاہجہاں نے ہوشمندی سے مانڈو کی طرف رخ کیا لیکن یہ احتیاط کی کہ شاہی فوج کی توجہ ہٹانے کے لیے راجہ باسو کے لڑکے پہاڑی رئیس جگت سنگھ پنجاب پر حملہ کرنے کے لیے مامور کر دیا۔

ایک شاہی فوجی دستہ نے جو اتفاقاً اس جگہ پہنچ گیا یہاں راجہ بکرماجیت کی لاش جلانے کے لیے آئی تھی اور اس کا سر کاٹ لیا اور جہانگیر کے سامنے پیش کیا جو اسے دیکھ کر اتنا خوش ہوا جیسے واقعی فتح پر خوش ہوتا۔ اس نے اپنے ہمراہیوں پر شاہانہ فیاضی کے ساتھ ترقیوں، خطابات اور اعزازات تقسیم کیے۔(3)

---

(2) جہانگیر (راجرس و بیورتج) جلد دوم صفحات 250، 251، 252، 253، 254۔ اقبال نامہ صفحات 200 تا 202 گلیڈون صفحات 63، 64۔ آصف خاں کے ماتحت افسروں میں قابل ذکر قاسم خاں، لشکر خاں، ارادت خاں اور فدائی خاں تھے۔ خواجہ ابو الحسن کے ماتحوں میں باقر خاں، نور الدین قلی اور ابراہیم حسین خاں کاشغری شامل تھے اور عبداللہ خاں کے ساتھ نوازش خاں عبدالعزیز خاں، عزیز اللہ اور کئی بارہہ وامرد ہہ کے سادات تھے۔

(3) جہانگیر (راجرس و بیورتج) جلد دوم صفحات 253، تا 256، 259۔ اقبال نامہ صفحات 203 تا 204 مآثر الامرا (بیورتج) جلد اول صفحات 99، 419 گلیڈون صفحہ 64 مآثر جہانگیری کا بیان ہے کہ شاہجہاں مہابت خاں کے اس وعدہ پر اعتبار کر کے مانڈو کی طرف واپس ہوا کہ اگر وہ دکن کی طرف واپس چلا جائے تو اسے معافی مل جائے گی اور اس کی جاگیریں بحال ہو جائیں گی مگر یہ قرین قیاس نہیں ہے۔

اس لڑائی کے بعد جہانگیر نے جو ترقیاں دیں ان میں سے چند قابل ذکر یہ ہیں۔ خواجہ ابو الحسن کا منصب پانچ ہزار تک بڑھا دیا گیا۔ نوازش خاں کا چار ہزار ذات تک اور تین ہزار سوار تک۔ باقر خاں کا تین ہزار ذات اور پانچ سو سوار تک معہ نقارہ ابراہیم حسین، عزیز اللہ اور راجہ رام داس کا دو ہزار ذات اور ایک ہزار سوار تک۔ نور الدین علی کا دو ہزار ذات اور سات سو سوار تک۔ لطف اللہ و پرورش خاں ایک ہزار ذات و پانچسو سوار تک اگر ساری ترقیوں کا ذکر کیا جائے تو بہت طویل ہو جائے گا۔ جہانگیر (راجرس و بیورتج) جلد دوم صفحہ 246۔

شاہی افواج کی پیش قدمی

ایک دن بعد شاہی افواج نے جن کے ساتھ کچھ عبداللہ کے ہمراہی شامل ہو گئے تھے پھر پیش قدمی شروع کر دی اور آہستہ رفتار سے بڑھتی ہوئی یکم اردی بہشت (اپریل 1623ء) کو فتح پور کی جھیل پر پہنچ گئیں۔

یہاں آگرہ کے گورنر خواجہ سرا اعتبار خاں کو اس کی اعلیٰ خدمات پر چھ ہزار ذات اور تین ہزار سوار کے منصب پر ترقی دی گئی اور ممتاز خاں کا خطاب دیا گیا اور بھی بہتوں کے منصب بلند کیے گئے۔ (4) حالات چونکہ تشویشناک تھے اس لیے یقیناً اس کی ضرورت تھی کہ افسروں کو خوش رکھا جائے کہ شاہجہاں کا تعاقب شہزادہ پرویز کے اپنی فوجوں کے ساتھ آنے تک ملتوی رکھا گیا۔ اس لیے عبداللہ خاں کی حرکت کی وجہ سے آصف خاں، ابوالحسن اور دوسروں پر شبہ ہو گیا تھا۔

پرویز کی آمد

11 ر کو شہزادہ پرویز دریائے ہنڈن پر پہنچ گیا۔ ابھی تک شاید وہ حالات کی رفتار کا منتظر تھا اس کا استقبال شہزادوں، امیروں اور اعلیٰ افسروں نے بڑے شاندار طریقے سے صف بہ صف کھڑے ہو کر کیا اور پورے شان و شکوہ کے ساتھ دربارِ شاہی تک پہنچایا۔ بادشاہ نے معمولی رسوم کے بعد اسے عام مجمع میں گلے لگایا اور زیادہ سے زیادہ ضیافات سے نوازا اور اس کا رتبہ شاہجہاں سے زیادہ بلند کرنے کے لیے اسے چالیس ہزار ذات اور تیس ہزار سوار کا غیر معمولی منصب دیا۔ (4)

شاہجہاں کا تعاقب

پندرہ روز کے بعد 25 ر اردی بہشت (مئی 1623ء) کو شاہی افواج شاہجہاں کے تعاقب پر روانہ ہوئیں اس میں چالیس ہزار سوار اور خان عالم خان، مہاراجہ گج سنگھ، رشید خاں، راجہ گردھر، راجہ رام داس کچھواہہ، پرورش خاں، اکرام خاں خواجہ میر عبدالعزیز عزیز اللہ، اسد اللہ خاں سید ہزبر خاں لطف اللہ خاں اور نرائن داس جیسے افسران شامل تھے اور بہت بڑا توپ خانہ اس کے ساتھ تھا۔ اعلیٰ کمان برائے نام پرویز کے ہاتھ میں تھی مگر دراصل مہابت خاں کے ہاتھ میں۔ شاہی بخشی فاضل خاں بخشی اور وقائع نگار مقرر ہوا اور بیس لاکھ اخراجات کے لیے دیا گیا۔ (5)

---

(4) سید بہوا کو دو ہزار اور ایک ہزار سوار کے منصب پر ترقی دی گئی۔ مکرم خاں کو پانچ ہزار و دو ہزار پر خواجہ قاسم کو ایک ہزار چار سو، پر، منصور خاں کو چار ہزار و تین ہزار پر اور نوبت خاں کو دو ہزار و ایک ہزار پر۔ اس سے ذرا پہلے مہابت خاں کے لڑکے امان اللہ کو تین ہزار ذات و سوار پر ترقی دی گئی تھی اور علم و نقارہ عطا ہوا تھا۔ جہانگیر (راجرس و بیورج) جلد دوم صفحات 257 و 258۔

(5) ویسے ہی اعزازات جو پہلے شاہجہاں کو دیے گئے تھے اب فیاضی کے ساتھ پرویز کو دیے گئے۔ پرویز کو رخصت ہوتے وقت بادشاہ نے ایک خصوصی خلعت اور ایک زردوزی کی نادری گلے اور دامن میں موتی لگے ہوئے جس کی قیمت 41000 روپیہ تھی اور جو شاہی کارخانوں میں تیار ہوئی تھی اور ایک رتن گج نام کا ہاتھی اور ایک خصوصی گھوڑا اور ایک 77000 روپیہ کی مرصع تلوار دی گئی اور نور جہاں بیگم نے ایک خلعت ایک گھوڑا اور ایک ہاتھی دیا۔ جہانگیر (راجرس و بیورج) جلد دوم صفحہ 260۔ اقبال نامہ صفحہ 204 گلیڈون صفحہ 65۔

اس کے ساتھ خسرو کا لڑکا داور بخش جسے اب آٹھ ہزار ذات اور تین ہزار سوار کا منصب دیا گیا تھا اور جواب تک اپنے فراموش کیے ہوئے اور ستائے ہوئے نانا خاں اعظم کی اتالیقی میں گجرات کی گورنری پر مامور تھا۔ اس کی برائے نام کمان میں ایک فوج احمد آباد کی طرف روانہ کی گئی تاکہ گجرات کو سلطنت کے لیے پھر سے حاصل کرے۔ (6)

جہانگیر اجمیر میں

میدان جنگ سے قریب قیام کے خیال سے حسب معمول جہانگیر اجمیر کی طرف روانہ ہوا اور 9/ خورداد، 19/ رجب 1032ھ، 9 مئی 1623ء کو وہاں پہنچ گیا۔ (7) یہیں اس نے میواڑ کی مہم میں شاہجہاں کو مدد دینے کے لئے قیام کیا تھا۔ اور اب اسی جگہ شاہجہاں کے خلاف مہم میں مدد دینے کے لیے قیام کیا تھا۔

شاہجہاں اور مہابت خاں کے مابین جھڑپیں

اس دوران میں شاہجہاں نے مانڈو کے قلعہ میں پناہ لی تھی مگر جب اس نے سنا کہ پرویز اور مہابت خاں نے گھاٹی چاندہ کو عبور کر لیا تو وہ بیس ہزار سوار تین سو ہاتھی اور توپوں کی بڑی تعداد لے کر آگے بڑھا ار مرا ٹھا سواروں کا ایک دستہ جادو رائے اور اودے رام کی ماتحتی میں شاہی فوج کو پریشان کرنے کے لیے آگے بھیج دیا لیکن مہابت خاں اس کے لیے تیار تھا اور اس نے چھاپہ مار فوج کا موثر طور پر تدارک کر دیا۔ اسی کے ساتھ اس نے کوشش کر کے خفیہ طور پر شاہجہاں کے بعض قابل ترین اور سب سے زیادہ طاقتور حامیوں جیسے برقنداز خاں اور سب سے بڑھ کر رستم خاں کو بلایا۔ ان کی مدد کے بغیر وہ مہم کو برسات کے بعد تک ملتوی رکھنے پر مجبور ہو جاتا۔ مرا ٹھوں نے شاہی فوج کے ایک دستہ کو جو شراب میں بدمست کماندار منصور خاں کی حماقت سے حملہ کے لیے بہت آگے بڑھ گیا تھا کاٹ کر رکھ دیا لیکن بحیثیت مجموعی مہابت خاں نے انہیں دور ہی رکھا۔ شاہجہاں نے اپنے غدار لفٹنٹ رستم خاں کی سربراہی میں برقنداز خاں کو نائب کمانداروں میں مقرر کر کے بطور ہراول کے آگے روانہ کیا اور خود اصل فوج لے کر بعد کو روانہ ہوا۔ جب کلیادہا کے قریب جنگ کی نوبت آئی تو رستم خاں، برقنداز خاں کئی دوسرے افسروں کے ساتھ غنیم سے جا کر مل گئے جس سے شاہجہاں کا سارا انتظام درہم برہم ہو گیا۔

شاہجہاں کے افسروں کی غداری

ان واقعات کے بعد شاہجہاں کو کسی پر اعتبار نہیں رہا اور نربدا کو پار کر کے پسپا ہو گیا۔ صرف اتار کی جگہ قابل اعتبار آدمیوں کے ذریعہ سے حفاظت کر لی اور ایک دستہ بیرم بیگ اور چند مراٹھوں کی سربراہی میں مہابت خاں کے دریا پار کرنے میں مزاحمت کے لیے پیچھے چھوڑ دیا۔ اس کے بعد اور لوگوں نے

(6) جہانگیر (راجرس و بیورج) جلد دوم صفحات 260۔ 261 اقبال نامہ صفحہ 205 مآثر الامرا (بیورج) جلد اول صفحات 549، 570 فاضل خاں کے حالات زندگی کے لیے دیکھو مآثر الامرا (بیورج) جلد اول صفحہ 548، 550۔ راجہ گج سنگھ کے حالات زندگی کے لیے دیکھو مآثر الامرا (بیورج) جلد اول صفحات 570 تا 572۔

(7) جہانگیر (راجرس و بیورج) جلد دوم صفحہ 261۔

بھی بے وفائی کی۔ شاہجہاں کے ایک ہمراہی نے مہابت خاں کا ایک خط پکڑ لیا جو زاہد خاں کے نام اس کے خط کے جواب میں تھا اور جس میں زاہد خاں نے مہابت خاں سے مل جانے کی پیش کش کی تھی۔ اس غدار کو حراست میں لے لیا گیا اور اس کی ایک لاکھ تیس ہزار کی جائداد ضبط کر لی گئی۔

خان خاناں کا خط

اس سے زیادہ تشویش انگیز بات یہ ہوئی کہ تقی نے ایک قاصد کو پکڑ کر شاہجہاں کے سامنے پیش کیا جو خان خاناں کا خط مہابت کے پاس لے جا رہا تھا۔ شاہجہاں نے ان بزرگ کو مع ان کے لڑکوں کے طلب کیا اور خط دکھا کر انھیں شرم دلائی اور پھر حکم دیا کہ ان سب کو اس کے خیمہ کے پاس حراست میں رکھا جائے۔(8)

شاہجہاں کا قلعہ اسیر پر دھاوا

اب شہزادہ نے قلعہ اسیر کی طرف رخ کیا جو دنیا کے مضبوط ترین قلعوں میں شمار ہوتا تھا۔(9) اور جو اس وقت نور جہاں کی بھتیجی کے شوہر میر جمال الدین کے لڑکے میر حسام الدین کی حفاظت میں تھا بلوچ پور کی لڑائی کے بعد نور جہاں نے اسے لکھا تھا ہوشیار!" ہزار بار ہوشیار رہو کہ وہ بے دولت (پہلے کے بادشاہ عالم کا اب یہی سرکاری لقب ہو گیا تھا۔) اور اس کے آدمی قلعہ کے قریب بھی نہ آنے پائیں۔ بلکہ قلعہ کے مورچوں اور دروازوں کو خوب مضبوط کر لو اور ایسی حرکت ہرگز نہ کرنا کہ ایک سید کی پیشانی پر کلنک کا ٹیکہ لگ جائے۔ حسام الدین نے قلعہ کو تو مضبوط کر لیا لیکن اس نے اسے بلا کسی مزاحمت شاہجہاں کے حوالے کر دیا اور شاہجہاں سے مرتضیٰ خاں کا خطاب اور چہار ہزار کا منصب معہ نقارہ و علم حاصل کر لیا۔(10) اس کا قلعہ کا حاصل کرنا شاہجہاں اور اس کے اہل خاندان اور خزانہ اور سامان کی حفاظت کے لیے بہت بیش قیمت تھا مگر بحیثیت جنگی مورچہ کے یہ زیادہ دن کام نہیں دے سکتا تھا۔ گجرات میں شہزادہ کے مقصد پر ناقابل تلافی ضرب پڑی تھی۔

گجرات میں شہزادہ کی شکستیں

1612ء میں دکن روانہ ہوتے وقت شاہجہاں نے اس صوبہ کو اس کے مستقل گورنر راجہ بکرماجیت کے بھائی کنہر داس اور شاہجہاں کے سپرد کر دیا تھا۔ بلوچ پور سے پسپائی پر اس نے عبداللہ خاں کو گورنری پر مقرر کیا اور کنہر داس اور شاہجہاں کی بیگم ممتاز محل کی ایک بھتیجی کے شوہر دیوان صفی کے ساتھ سارا خزانہ اور سونے کا مرصع تخت پانچ لاکھ روپیہ قیمت کا اور تلوار کی پیٹی دو لاکھ روپیہ کی یہ سب لے کر

---

(8) جہانگیر (راجرس و بیورج) جلد دوم صفحات 271 تا 274۔ گلیڈون صفحات 65، 66۔

(9) اسیر 28 21 شمال اور 76.18 مشرق پر واقع ہے۔ اس قلعہ کی دلچسپ تفصیل کے لیے دیکھو فیضی سرہندی کا اکبر نامہ (الیٹ وڈاؤسن) جلد ششم صفحات 138 تا 141 نیز ڈی لائٹ ترجمہ لیتھ برج کلکتہ ریویو نمبر 51، 1870ء صفحہ 359 بمبئی گزیٹر۔ خاندیش جلد 12 حصہ دوم 1880ء اور کنگھم کی آرکیالوجیکل سروے جلد 9، 1879ء میں اس کا خاکہ ہے۔

(10) جہانگیر (راجرس و بیورج) جلد دوم صفحات 277 تا 278 گلیڈون صفحات 65، 66۔

مانڈو آجائے۔ یہ خبریں پہلے بادشاہ کی خدمت میں پیش کرنے کے لیے بنوائی گئی تھیں۔ عبد اللہ خاں شاہجہاں کے ساتھ مانڈو ہی میں رہا اور اپنے نائب خواجہ سرا وفادار کو اپنی جگہ روانہ کیا جس نے احمد آباد میں اپنا عہدہ سنبھال لیا۔

لیکن شاہجہاں کی قسمت کا ستارہ اب قطعی طور پر مائل بہ زوال تھا۔ اس کی پسپائی کے نتائج اب ہر جگہ نمایاں ہو رہے تھے اور اس کے گجرات کے اکثر افسران اور نیز اس کے ساتھ کئی افسران ہاری ہوئی جماعت سے الگ ہو کر فاتح جماعت سے مل جانے کے لیے بیقرار تھے۔ اس وقت صفی کو موقعہ ہاتھ آگیا۔ وہ کنبھر سے یہ بہانہ کر کے وہ شاہجہاں سے ملنے جارہا ہے۔ چند دن پہلے احمد آباد سے روانہ ہو کر محمود آباد پہنچا اور ناہر خاں، سید دلیر خاں، ناتو خاں افغان اور دوسرے افسران سے مل کر ایک انقلاب لانے کی کوشش میں خفیہ گفت و شنید شروع کی۔

اس منصوبہ کی کچھ بھنک شاہجہاں کے وفادار ملازم صالح فوجدار پتلاد کے کانوں میں پہنچ گئی اور وہ تقریباً دس لاکھ کا خزانہ لے کر تیزی کے ساتھ مانڈو روانہ ہو گیا۔ اس کے بعد کنبھر تلوار کی پیٹی بھی لے کر روانہ ہو گیا۔ اگرچہ بھاری تخت وہ نہ لے جاسکا۔(11) ان کی اس کارروائی سے شہزادہ کو معقول رقم حاصل ہو گئی جس کی اسے شدید ضرورت تھی لیکن ان لوگوں کی روانگی سے سازشیوں کا کام اور آسان ہو گیا۔

صفی تیزی سے ناتو خاں کے مستقر کرنگ پہنچا اور وہاں اپنے گھر والوں کو چھوڑ کر اپنے سازشیوں سے یہ طے کیا کہ علی الصباح مختلف سمتوں سے احمد آباد میں داخل ہوں۔ وفادار کی نالائقی اور غفلت سے یہ منصوبہ پورے طور پر کامیاب ہو گیا اور شہر بادشاہ کی فتح کے اعلان سے گونج اٹھا۔

وفادار نے ایک شخص حیدر کے مکان میں پناہ لی تھی جس نے اس سے دغا کی اور وہ پکڑا گیا اور دیوان محمد تقی اور بخشی حسین بیگ کے ساتھ جو اپنے گھروں میں پکڑے گئے تھے جیل میں ڈال دیا گیا۔ شاہجہاں کے کئی اور ساتھی بھی اپنی جائدادوں سے محروم کر دیے گئے اور قید کر دیے گئے۔ سازشیوں کو خزانہ سے دو لاکھ روپیہ نقد اور طلائی تخت اور شاہجہاں کی املاک سے جو کچھ بچ رہا تھا وہ سب حاصل ہو گیا۔ انھوں نے یہ احتیاط کی کہ قلعہ کے مورچوں اور دروازوں کو مضبوط کر لیا۔

ان واقعات کی خبر سن کر عبد اللہ خاں پانچ ہزار کی فوج لے کر مانڈو سے نکلا، اس کی ماتحتی میں ہمت خاں، سرزہ خاں، سرفراز خاں، قابل بیگ، رستم بہادر اور صالح بدخشی جیسے کئی بہادر افسر شامل تھے۔ غنیم پر اچانک حملہ کے قصد سے وہ تیزی کے ساتھ روانہ ہوا اور آٹھ دن میں بڑودہ پہنچ کر خیمہ زن ہو گیا۔ مگر یہ سن کر وہ حیرت زدہ ہو گیا کہ صفی بہت بڑی فوج کے ساتھ کنکریا جھیل کے کنارے اس کا منتظر ہے۔

شاہی افواج نے ایدر کے راجہ کلیان اور دوسرے رئیسوں کو ان کی فوجوں کے ساتھ طلب کر لیا تھا اور پرانے سپاہیوں کے علاوہ بہت سے نئے رنگروٹ بھرتی کر لیے تھے۔ ان لوگوں میں فیاضی سے روپیہ تقسیم کیا گیا اور طلائی تخت بھی توڑ کر اس کا سونا تنخواہوں میں دے دیا گیا۔ البتہ اس کے جواہرات نکال کر ہوشیاری سے جیبوں میں رکھ لیے گئے۔

کنکریا جھیل پر تیاریوں کی خبر سن کر عبد اللہ نے طے کیا کہ بڑودہ میں کمک کا انتظار کیا جائے

---

(11) خزانہ کے مانڈو منتقل ہو جانے سے منڈیوں کا نرخ گھٹ گیا اور روپیہ کی کمی ہو گئی۔ انگلش فیکٹریز ان انڈیا 23-1922ء صفحہ 181 ماخوذ از کاغذات سورت فیکٹریز جلد 102 صفحہ 236۔

اور کمک آ جانے پر وہ چند میل کے فاصلہ پر محمود آباد پہنچا اور 10 / جون 1623ء کو اپنی فوجیں جنگ کے لیے صف بستہ کیں۔ اس اثنا میں شاہی فوجیں بنوہ کے مقام پر قطب علیم کے مزار کے پاس پہنچ گئی تھیں۔

مناسب مقام حاصل کرنے کے لیے عبداللہ نے یہ طے کیا کہ اپنی فوج کو سرکھیج پہنچادے اور اس طرف روانہ ہو گیا اور اپنے آدمیوں سے یہ کہا کہ غنیم نے آگے کی طرف زمین کے نیچے بارود کی سرنگیں بچھادی ہیں لیکن غنیم نے آگے اس کا راستہ روک دیا اور وہ نرنجا میں ٹھہر جانے پر مجبور ہو گیا جہاں خار دار جھاڑیاں اور تنگ راس کے حق میں کار آمد بھی تھے اور نقصان دہ بھی۔ شاہی فوج کا بڑا حصہ تین کوس فاصلہ پر بلور پہنچ گیا۔

اگلی صبح کو جو لڑائی ہوئی اس میں شہزادہ کے ہراول حصہ کی کمان ہمت خاں، رستم بہادر اور صالح بیگ کر رہے تھے اور شاہی فوج کے ہراول دستہ کے کماندار ناہر خاں اور راجہ کلیان تھے جن سے پہلے جنگ ہوئی۔ ہمت خاں بندوق کو گولی سے مہلک طور پر زخمی ہو گیا اور صالح کو ایک ہاتھی نے گھوڑے سے گرا کر پیروں سے روند ڈالا۔ ایک اور زبردست ہاتھی توپ کے گولوں کی آواز سے خوف زدہ ہو کر پیچھے لوٹ پڑا اور باغی فوج کے بہت سے آدمیوں کو کچل ڈالا۔ لیکن بحیثیت مجموعی شاہی افواج نقصان میں رہیں۔ ان کے ہراول دستہ کو عبداللہ خاں نے بالکل منتشر کر دیا اور اگر قلب کی کماندار ہوشیاری سے فوراً ان کی مدد کو نہ پہنچ گیا ہوتا تو ان کا بالکل خاتمہ ہو گیا ہوتا۔ عین اس وقت ہمت خاں اور صالح بیگ کی موتوں کی خبر نے عبداللہ خاں اور اس کی فوج کو سخت دل شکستہ کر دیا اور وہ پیچھے ہٹا۔ سید دلیر خاں نے ایک کوس تک اس کا تعاقب کیا اور کشتوں کے پشتے لگا دیے۔

شرزہ خاں جس کے اہل خاندان شاہی فوج کے قبضہ میں تھے وہ چھوڑ کر صفی سے مل گیا شاہی فوجوں نے اپنی وفاداری کا بھرپور صلہ پایا۔ صفی خاں کو سیف خاں جہانگیر شاہی خطاب ملا اور علم و نقارہ اور تین ہزار ذات اور دو ہزار سوار کا منصب۔ ناہر خاں کو بھی یہی منصب ملا اور شیر خاں کا خطاب۔ سید دلیر خاں کو دو ہزار ذات اور بارہ سو سوار کے منصب پر ترقی دی گئی اور نانو خاں کو ڈیڑھ ہزار ذات اور بارہ سو سوار کے منصب پر۔ دوسرے افسروں کو بھی مناسب اخراجات دیے گئے۔

عبداللہ خاں کی پسپائی

عبداللہ خاں بڑودہ سے بھاگ کر بھڑوچ پہنچا اور ہمت خاں کے لڑکوں سے قلعہ میں داخل ہونے کی اجازت چاہی لیکن انھوں نے ایک بے یار و مددگار پناہ گزیں کا ساتھ دینا کسی طرح منظور نہ کیا اور اس کی درخواست سختی سے رد کر دی اور پانچ ہزار محمودی دے کر اسے رخصت کر دیا۔ وہاں سے عبداللہ خاں سورت گیا اور شاہجہاں کے عمال سے تقریباً چار لاکھ روپیہ وصول کیا اور کچھ روپیہ اور لوگوں سے لیا اور اس روپیہ سے ایک نئی فوج بھرتی کی اور برہان پور جا کر اپنے آقا سے مل گیا۔(12)

یہاں شہزادہ ابھی اپنے چند ساتھیوں، تین بیگمات اور اپنے بچوں اور چند باندیوں کے ساتھ پہنچا

(12) جہانگیر (راجرس و بیوریج) جلد دوم صفحات 261 تا 267، 268، 269۔ اقبال نامہ صفحات 206 تا 210 گلیڈون صفحات 66 تا 68 مآثر الامرا (بیوریج) جلد اول صفحہ 493۔ انگلش فیکٹریز ان انڈیا 23-1622ء صفحات 226، 239 تا 240، 294، 299 میں گجرات کے ان واقعات اور اس کے متعلق افواہوں کا ذکر ہے۔

اور اپنے باقی متعلقین کچھ ملازموں اور ضرورت سے زیادہ سامان راجپوت گوپال داس کی سپردگی میں قلعہ اسیر گڑھ میں چھوڑ آیا تھا۔ گوپال داس اس سے پہلے سر بلند رائے کا ملازم تھا اور پھر کئی سال سے خود شہزادہ کا جاں نثار ملازم تھا جس نے اسے قلعہ کا گورنر مقرر کر دیا تھا۔ (13) پہلے شہزادہ کا خیال تھا کہ خان خاناں اور داراب خاں کو قلعہ میں قید کر دے لیکن پھر یہ طے کیا کہ اسے اپنے ساتھ حراست میں برہان پور لے جائے۔

مغل دکن کے اس مستقر میں شہزادہ نے مدتوں ایک بادشاہ کی طرح حکومت کی تھی یہیں سے اس نے بڑی بڑی فوجیں دکن کے حکمرانوں سے جنگ کے لیے روانہ کی تھیں اور الٹے اپنے شرائط منوائے تھے۔ موجودہ حالت اور سابق کے طمطراق میں جو زبردست فرق تھا اور اب اس کی اور اس کے خاندان اور چند بچے کھچے ساتھیوں کو اس ابتر حالت سے سخت دکھ ہوا۔ وہ شمال سے بڑی ذلت کے ساتھ بھگایا گیا تھا۔ گجرات بھی اس کے ہاتھ سے نکل گیا تھا اور اس کی فوج ختم ہو گئی تھی۔ فوج کے جو لوگ بچے کھچے تھے ان کی وفاداری پر بھی اسے بھروسہ نہ تھا۔

احمد نگر اور بیجاپور سے نامہ و پیام

اگر بیرم بیگ نے کشتیاں نہ فراہم کر لی ہوتیں اور نربدا کے کنارے توپوں کے ذریعہ سے مضبوطی کے ساتھ نہ بچایا ہوتا تو اب تک شاہجہاں کا پتہ بھی نہ ہوتا اور اب بھی اگر ایسی صورت حال پیدا ہو گئی تو وہ بالکل تباہ ہو جائے گا۔ اس ابتر حالت میں اسنے اپنے معتبر سفیر افضل خاں کے ذریعہ سے اپنے سابق دشمن ملک عنبر سے امداد کی استدعا کی مگر وہ چالاک دکنی مدبر بھی زبردست مغل سلطنت سے جھگڑا مول لینے کو تیار نہ تھا کہ ایک بے یار و مددگار پناہ گیر کی خاطر وہ مہابت خاں جیسی عظیم شخصیت کے ماتحت مغل سلطنت کی طاقتور فوج اپنے خلاف لا کھڑا کرے اور پھر عین اس وقت ملک عنبر بیجاپور سے جنگ کرنے کے لیے مغل سلطنت سے مدد لینے کے متعلق سنجیدگی سے سوچ رہا تھا۔

ناکامی

چنانچہ اس نے شاہجہاں سے کسی قیمت پر سودا کرنے سے قطعی انکار کر دیا مگر چالاکی سے افضل خاں کو صلاح دی کہ وہ عادل شاہ کے پاس جائے۔ عادل شاہ نے سفیر کو بری طرح ذلیل کیا۔ کئی دن تک تو اس سے ملاقات ہی نہیں کی اور اس کے بعد بھی کئی دنوں تک اسے روکے رکھا اور اس کے تحفے تو لالچ میں لے لیے مگر کسی قسم کی مدد دینے کو ٹال دیا۔

مہابت خاں سے نامہ و پیام

جب شہزادہ نے ہر طرف تاریکی ہی تاریکی دیکھی تو اس نے بادشاہ سے مصالحت کی کوشش کی۔ بوندی کے رائے بھوج ہاڑا کے لڑکے سر بلند رائے کے ذریعہ سے اس نے مہابت خاں سے سلسلہ جنبانی کی جو بیرم بیگ کی چستی چوکسی اور ہوشیاری کی وجہ سے اب تک نربدا کے شمالی کنارے پر خیمہ زن تھا

(13) تھانہ کے ڈسٹرکٹ جج کی عدالت میں ایک وقت کا کتبہ اس واقعہ کی یاد دلاتا ہے جے جے مودی رائل ایشیاٹک سوسائٹی کی شاخ بمبئی 1917ء صفحات 140۔143۔

مگر شہزادہ پرویز یا مہابت خاں میں سے کسی کا ارادہ شاہجہاں کو امن دینے کا نہ تھا۔ البتہ انھوں نے شاہجہاں کو بہلانے اور اس کے ساتھ کوئی چال چلنے کے ارادہ سے گفت و شنید کو طوالت دی اور پھر صاف کہہ دیا کہ جب تک خان خاناں شاہجہاں کے نمائندگی کرنے نہ آئے اس وقت تک کوئی مصالحت کی بات نہیں ہو سکتی۔

خان خاناں کی ناکام سفارت

اس بوڑھے آدمی پر شاہجہاں کا اعتبار بالکل اٹھ گیا تھا مگر اپنی موجودہ بیچارگی کی حالت میں اس نے خان خاناں کو اپنا سفیر بنایا اور اس سے قرآن کریم پر حلف لیا اور اپنے زنان خانہ میں لے جا کر اپنی بیگم اور لڑکوں سے التجا کرائی اور مدد کی استدعا کی۔ اس نے کہا "میرے اوپر کڑا وقت پڑا ہے اور میرا حال ابتر ہو رہا ہے۔ میں خود کو آپ کے سپرد کرتا ہوں اور اپنی عزت کا محافظ بناتا ہوں۔ آپ ایسی کوشش کریں کہ میں اس ذلت اور پریشانی سے نجات پا جاؤں"۔

مصالحت کا راستہ بالکل بند ہو گیا

خان خاناں شاہجہاں کے کیمپ سے روانہ ہوا مگر قبل اس کے کہ وہ دریا کے جنوبی کنارے تک پہنچے جہاں سے وہ مہابت خاں سے نامہ و پیام کر سکتا۔ شاہی فوج کے کچھ لوگ بیرم بیگ کی ذرا سی غفلت سے رات کے وقت ایک مقام سے دریا پار کر کے باغیوں پر ٹوٹ پڑے۔ اب مصالحت کی ساری امیدیں ختم ہو گئیں۔ بیرم کے آدمی ہر طرف بھاگ کھڑے ہوئے اور مہابت خاں سے مل گئے۔ چنانچہ جب خان خاناں وہاں پہنچا تو اسے معلوم ہوا کہ اس کے موکل کا حال ہمیشہ سے زیادہ مایوس کن ہو گیا ہے۔ چنانچہ باوجود اپنے حلف کے اس نے مہابت خاں کی بات مان لی اور پورے احترام کے ساتھ شہزادہ پرویز کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ اب مصالحت کی گفت و شنید کا کوئی سوال ہی نہیں رہا۔

شاہی فوج کا نربدا سے عبور، بیرم بیگ کے فرار، خان خاناں کی بیوفائی اور سب سے بڑھ کر شاہی افواج کی مزید پیش قدمی سے شہزادہ کو سخت دھکا لگا۔ اب فرار کی راہ بھی دشوار ہو گئی تھی اس لیے کہ بارش بہت دنوں سے شروع ہو گئی تھی اور دریائے تاپتی میں سیلاب آ گیا تھا۔

شاہجہاں نے تاپتی پار کیا

لیکن چونکہ اس کے سوا کوئی اور صورت نہ تھی اس لیے شہزادہ نے دریا پار کرنے کا فیصلہ کیا تاکہ وہ اپنے سابقہ دشمن گولکنڈہ کے حکمراں کے علاقہ میں پہنچ جائے اور وہاں سے اڑیسہ اور بنگال کا رخ کرے۔ اس کے بعض بڑے سرگرم ساتھیوں نے ساتھ چھوڑ دیا۔ سر بلند خاں افغان نے دریا پار کرنے سے بالکل انکار کر دیا اگرچہ اسے بہت کچھ سمجھایا گیا اور دریا کے اس پار بھیجے ہوئے شاہجہان کے پیامبر نے بھی بہتیری التجا کی (14) جادو رائے، اودے رام اور آتش خان نے کچھ دور تک اس کا ساتھ دیا۔ اس لیے کہ

(14) شاہجہاں کے پیامبر ذوالفقار نے دریا کے کنارے سر بلند کو شہزادہ کا پیام پہنچایا جب کہ سر بلند گھوڑے پر سوار تھا۔ سر بلند نے کوئی صاف جواب نہ دیا بلکہ ذوالفقار سے کہا کہ اس کے گھوڑے کی لگام چھوڑ دے۔ ذوالفقار نے تلوار نکالی اور سر بلند کی کمر پر مارنا چاہا مگر ایک افغان سپاہی نے تلوار برچھے پر روک لی۔ دونوں طرف تلواریں نکل آئیں اور ذوالفقار کو مع اس کے ساتھ سلطان محمد خزانچی کے جو شاہجہاں کی اجازت کے بغیر اس کے ساتھ چلا آیا تھا کاٹ کر رکھ دیا گیا۔

جائدادیں راستہ ہی میں تھیں۔ جادو رائے قصداً پیچھے رہا تاکہ مصیبت زدہ شہزادہ کی چھوڑی ہوئی املاک پر قبضہ کر لے۔

بادشاہ نے یا یہ کہنا چاہیے کہ نور جہاں نے پرویز اور مہابت خاں کو ہدایت کی کہ وہ تعاقب پوری سرگرمی سے جاری رکھیں یہاں تک کہ یا تو شاہجہاں کو زندہ گرفتار کر لیں اور یا اسے سلطنت کی سرحد سے باہر مار بھگائیں۔ چنانچہ انھوں نے سیلابی دریائے تاپتی کو پار کیا اور باوجود موسلادھار بارش کے چالیس کوس بڑھتے ہوئے پرگنہ انکوت پہنچ گئے۔

گولکنڈہ کی مملکت میں

شاہجہاں نے اپنی رفتار اور تیز کر دی اور ماہور کے قلعہ تک پہنچ گیا۔ جہاں اس نے اپنے ہاتھی جانور اور سامان اودے رام کی سپردگی میں چھوڑ دیا اس لیے کہ دوسرے دکنیوں کی طرح اس نے بھی آگے جانے سے انکار کر دیا تھا۔ خود شاہجہاں اپنی جاں نثار بیگم اور اپنے لڑکوں دارا شکوہ، شجاع اور اورنگ زیب اور اپنے سدا کے وفادار راجہ بھیم کے ماتحت راجپوتوں اور کچھ اور لوگوں کے ساتھ گولکنڈہ کی مملکت میں داخل ہو گیا۔ (15)

شاہجہاں نے گر کر اٹھتے ہوئے پھر ٹھوکر کھائی تھی لیکن اس وقت اسے ساری تکلیفوں سے نجات مل گئی تھی۔ دوسری طرف پنجاب کی پہاڑیوں میں جگت سنگھ نے جو شورش برپا کی تھی وہ قریب قریب قابو میں آ گئی تھی۔ صادق خاں اور اس کے ماتحت افسروں نے جگت سنگھ کو قلعہ مان کے اندر پناہ لینے پر مجبور کر دیا تھا اور اس کی رسد بند کر دی تھی اور اس کے کئی حملوں کو کامیابی کے ساتھ پسپا کر دیا تھا۔ وہ فاقہ کشی سے تنگ آ کر قریب قریب اطاعت قبول ہی کرنے والا تھا۔ شمال مغربی سرحد پر چند ہمیشہ کی ہونے والی شورشوں اور بعض اکا دکا دور دراز مقامات کی آویزشوں کے علاوہ اس وقت ساری سلطنت میں پورا امن تھا۔

جہانگیر کی اجمیر سے روانگی

شہزادہ پرویز اور مہابت خاں برسات کا موسم گذارنے کے لیے برہان پور واپس گئے۔ بادشاہ جہانگیر نے 14/ نومبر 1623ء / آذر یکم صفر 1033ھ کو اجمیر سے اپنا خیمہ ڈیرہ اٹھا دیا اور گرتی ہوئی صحت کے لیے جو واحد موزوں مقام خوشگوار وادی کشمیر تھا ادھر روانہ ہو گیا۔ (16)

---

(15) جہانگیر (راجرس و بیورتج) جلد دوم صفحات 278 تا 281، 290 اقبال نامہ صفحات 210 تا 212۔ خافی خاں نے معتمد خاں ہی کی نقل کی ہے۔ گلیڈون صفحات 68، 69 مآثر الامرا (بیورتج) جلد اول صفحہ 378۔ بغاوت کے مختصر حالات کے لیے دیکھو خلاصۃ التواریخ صفحات 467 تا 474۔

(16) جہانگیر (راجرس و بیورتج) جلد دوم صفحات 289۔ 291، 292۔ اقبال نامہ صفحات 213، 214 مآثر جہانگیری (مخطوطہ

اٹھارھواں باب

شاہجہاں کا گولکنڈہ اور تلنگانہ سے گزر، شمالی ہند میں فوجی کارروائیاں

شاہ جہاں کے مصائب

اکتوبر 1623ء میں شاہجہاں نے غیر ملک میں پہنچ کر ذرا اطمینان کی سانس لی۔ کم سے کم مہابت خاں کے مسلسل تعاقب سے اُسے نجات مل گئی تھی مگر اس کی مشکلات میں بالکل کوئی کمی نہیں ہوئی تھی۔ اُس کی بیگم سخت سے سخت مشکلات میں بھی مضمحل نہیں ہوئی اور کبھی ایک لمحہ کے لیے اس سے الگ ہونے کی خواہش نہیں کی۔ شاہجہاں کی مصیبتوں، اس کی جاں نثاری کے جذبہ میں اور زیادہ گرمی آ جاتی تھی لیکن شہزادہ کے بیشتر ساتھی تکلیف دہ حالات سے عاجز آ گئے تھے اور اپنے گھروں کو واپس جانے کے لیے بیقرار تھے مگر وہ خود یکہ و تنہا رہ جانے کے لیے تیار نہ تھا۔ شہزادہ اور اس کے ساتھیوں کے ناگفتہ بہ تعلقات کا اندازہ کچھ حسب ذیل واقعات سے ہو سکتا ہے۔

افضل خاں کا لڑکا مرزا محمد بیگ جو اب تک بیجاپور کے دربار میں بیکاری کی زندگی گزار رہا تھا اپنی والدہ اور متعلقین کے ساتھ شہزادہ کے ہمراہ گولکنڈہ تک آیا تھا مگر دفعتاً اپنے خاندان اور ملازمین کے ساتھ چل دیا۔ شاہجہاں نے جعفر بیگ کو کچھ سپاہیوں کے ساتھ اس کے تعاقب میں بھیجا کہ اس کا سر کاٹ کر لے آئیں۔ جب یہ جماعت قریب پہنچی تو محمد بیگ نے اپنی ماں اور اہل خاندان کو گھنے جنگل میں چھپا دیا اور خود نہر اور دلدل کے پیچھے ایک مقام منتخب کر کے کھڑا ہو گیا اور اپنے نوجوان ساتھیوں کے ساتھ مل کر لڑائی کی تیاری کی جعفر بیگ نے نہر کے دوسرے کنارے سے آواز دے کر اُسے واپس آنے کے لیے کہا مگر محمد بیگ نے انکار کر دیا اور اپنے ہمراہیوں سے تیر چلانے کے لیے کہا۔ ایک جھڑپ شروع ہو گئی۔ جس میں جعفر بیگ زخمی ہو گیا اور اس کے چند ساتھی خان قلی وغیرہ مارے گئے۔ مرزا محمد اُس وقت تک لڑتا رہا جب تک وہ زخموں سے چور ہو کر گر نہیں پڑا۔ اس کا سر کاٹ کر شاہجہاں کے سامنے پیش کیا گیا۔ (1)

گولکنڈہ کا رویہ

اس خوفناک مثال کے باوجود شاہجہاں کے ساتھی برابر اُس کا ساتھ چھوڑتے رہے۔ اب شاہجہاں نے گولکنڈہ سے مدد حاصل کرنے کی کوشش کی مگر گولکنڈہ کے حکمران نے اُسے صرف تھوڑی سی رقم اور کچھ سامان بھیج دیا اور اپنے اُمرا اور عمال کے مشورہ سے نگران افسروں کو ہدایت کی غلہ فروشوں اور زمینداروں سے کہا جائے کہ شہزادہ کو رسد پہنچاتے رہیں اور اُسے جلد ملک سے باہر کر دیں شاہجہاں نے وعدہ کیا کہ وہ

(1) جہانگیر (راجرس و بیورج) جلد دوم صفحات 289 تا 290۔ اقبال نامہ صفحات 214 تا 215 خافی خاں جلد اول صفحہ 243۔ مآثر الامرا جلد اول صفحہ 164۔ بیورج جلد اول صفحہ 151۔

پندرہ دن میں چلا جائے گا اور باشندوں کو مطلق ستایا نہ جائے گا۔(2)

تلنگانہ کے وسیع علاقہ کو شہزادہ مقررہ میعاد کے اندر طے نہ کر سکا اور مچھلی پٹم(3) 5 / نومبر 1623ء سے پہلے نہ پہنچ سکا اس وقت اس کے ساتھ 45000 سوار اور دس بارہ ہزار پیدل سپاہ اور کچھ خیمہ میں کام کرنے والے ملازم تھے اور پانچ سو ہاتھی اور کئی بار بردار اونٹ بھی تھے۔ راستہ میں انھوں نے اور ان کے جانوروں نے دونوں طرف بیس بیس میل تک دھان کی فصلیں اور کھجور کے باغ تباہ کر دیے۔ شاہجہاں جب کسی گاؤں یا شہر کے پاس پہنچتا تھا تو اپنے اُمرا اور اپنی دستخطی تحریر کے ذریعہ سے باشندوں کو امن وامان کا یقین دلاتا تھا لیکن اتنی کثیر تعداد آدمیوں کو دیکھ کر باشندے ڈر کر کثیر تعداد میں بھاگ جاتے تھے۔ خود مچھلی پٹم کا شہر دو تہائی آبادی سے خالی ہو گیا تھا اور خالی کرنے کی والوں میں دولت مند لوگ بھی ہوتے تھے۔ دوسرے لوگوں کی طرح انگریزی فیکٹریوں کے منتظمین بھی بھاگنے کے لیے تیار تھے مگر "کمبخت گورنر کی وجہ سے رُک گئے اس لیے اس نے ہمیں کشتی یا آدمی فراہم کرنے کی اجازت نہیں دی۔" شہر کے گورنر اور دیگر مسلمان افسر اس نامور شہزادہ کے استقبال کے لیے کئی میل شہر سے باہر آ جاتے تھے۔

چار پانچ دن اپنے ہمراہیوں کو ستانے کا موقع دینے کے لیے شاہجہاں نے شہر سے تقریباً ایک میل کے فاصلہ پر ایک سرسبز خوشگوار مقام پر قیام کیا۔ ضروریات کی سب چیزوں کی قیمت اُس نے بڑی فیاضی سے دی اور بازار کا بھاؤ تین گنا یا اُس سے بھی زیادہ بڑھا دیا۔ اُس کے بعض افسروں نے یہ تجویز پیش کرنے کی جرأت کی کہ شہر کو لوٹ لیا جائے لیکن شہزادہ نے اس ذلیل حرکت سے قطعی انکار کر دیا۔(4)

اڑیسہ میں داخلہ

10 / نومبر کو اس نے اپنا خیمہ اُٹھا دیا اور گولکنڈہ کے افسروں کی رہنمائی میں شمال مشرق کی طرف روانہ ہوا، اور چھتر درّہ سے ہو کر اڑیسہ کی مغل عملداری میں داخل ہو گیا۔(5)

بنگال واڑیسہ کے حکام نہ صرف شاہجہاں کے مقابلہ کے لیے تیار تھے بلکہ بظاہر انھیں شہزادہ کی حالیہ نقل وحرکت کی بھی مطلق اطلاع نہ تھی۔ اڑیسہ کا گورنر احمد بیگ خاں بنگال کے گورنر ابراہیم خاں فتح جنگ

---

(2) جہانگیر (راجرس و بیورتج) جلد دوم صفحات 290 تا 291۔ انگلش فیکٹریز ان انڈیا 23-1622ء صفحہ 313۔ مچھلی پٹم کی فیکٹری کے کارکنوں نے اطلاع دی کہ قطب شاہ نے شاہجہاں کو بیس ہاتھی اور دو لاکھ طلائی گھوڑا بھیجے (ایضاً) صفحہ 314)۔

(3) سترھویں صدی میں مچھلی پٹم کے حال کے متعلق دیکھو پاوری صفحات 106، 110 فرایر جلد اول صفحہ 80۔ سولھویں صدی کا مختصر حال رالف فنچ مرتبہ ہارٹن رایلی صفحہ 194 میں۔

(4) انگلش فیکٹریز ان انڈیا 23-1622ء صفحات 213 تا 215 مچھلی پٹن کے تھامس مل اور جان ڈاڈ کا خط سورت کے صدر اور کونل کے نام مورخہ 12 / نومبر 1623ء سورت کی فیکٹری کے کاغذ جلد 102 صفحہ 463۔

(5) جہانگیر (راجرس و بیورتج) جلد دوم صفحہ 298 اقبال نامہ صفحہ 21 گلیڈون صفحہ 69 انگلش فیکٹریز ان انڈیا 23-1622 صفحہ 315۔

جہانگیر نے دکن اور اڑیسہ کے درمیان کی حد بندی کی تفصیل نہیں دی ہے اور صرف یہ لکھا ہے کہ اس کے ایک طرف بلند پہاڑ اور دوسری طرف دلدل اور دریا ہے۔ گولکنڈہ کے حکمران نے یہاں ایک دیوار اور ایک قلعہ بھی تعمیر کر دیا تھا اور اسے بندوقوں اور توپوں سے مسلح کر دیا تھا۔ یہ صورت چھتر دیوار سے ملتی جلتی ہے جس کا حال مآثر الامرا جلد اول صفحہ 410 میں ہے (بیورتج جلد اول صفحہ 387) اور بادشاہ نامہ جلد اول صفحہ 333۔ اس قلعہ کی تعمیر قطب الملک کے ایک افسر منصور نے کی تھی چنانچہ اسی کے نام پر اس کا منصور گڑھ نام ہے۔ دیکھو بیورتج کا نوٹ صفحہ 298 پر۔

اور نور جہاں کا بھتیجا زمیندار کھردا(6) کے شورہ پشت زمیندار کی تادیب میں مصروف تھا جو حال ہی میں زیر کیا تھا مگر پھر بغاوت کر دی تھی چنانچہ وہ شاہجہاں کے اڑیسہ میں داخل ہونے کی خبر سے حیرت زدہ اور بدحواس ہو گیا۔ اُسنے کھردا کی مہم فوراً روک دی اور پپلی میں چلا گیا۔ اگر اڑیسہ میں کوئی مہابت خاں جیسا گورنر ہوتا یا صفی یا ابراہیم خاں جیسا تو شاہجہاں کو مشکل پڑ جاتی لیکن احمد بیگ نے انتہائی بزدلی اور نااہلیت کا مظاہرہ کیا۔ اس نے فوج جمع کرنے کی کوشش نہیں کی بلکہ اپنے اہل خاندان کو لے کر بارہ کوس دُور کٹک چلا گیا اور وہاں سے مرحوم آصف خاں جعفر بیگی کے بھتیجے صالح کی جاگیر بردوان میں اور وہاں سے اپنے چچا ابراہیم خاں کے پاس ڈھاکہ۔

صالح کو شاہجہاں کے حملہ آور ہونے کا اس وقت تک یقین نہیں آیا جب تک اُسے عبداللہ خاں کا خط نہیں ملا جس میں اس سے شہزادہ کو مدد دینے کی خواہش کی گئی تھی حقیقت معلوم ہونے پر اُس نے بردوان کو مستحکم کیا اور محاصرہ کے لیے تیار ہو گیا۔(7) ابراہیم خاں کو بھی اس خبر سے ایسی ہی حیرت ہوئی مگر اُس نے ہمت اور فیصلہ کن جذبہ سے کام لیا۔ اُس نے کچھ فوج جمع کی اور بہت سی جنگی کشتیاں یا ناؤ آرا۔ اس نے اپنے توپ خانہ کو درست کیا اور ڈھاکہ سے اکبر نگر روانہ ہو گیا اور راستہ میں اور رنگروٹ اور زمینداروں کے ملازم سپاہیوں کو ساتھ لے لیا۔

اس دوران میں شاہجہاں نے بھی اپنی فوج بڑھالی تھی۔ پُر تگالیوں سے جو اُس نے فوجی امداد طلب کی اس میں تو ناکامی ہوئی اور اُدھر سے صاف انکار ہو گیا مگر زمینداروں اور شاہی افسروں سے اُس نے اپنے افسروں کے ذریعہ سے جو گفت و شنید کی اس میں زیادہ کامیابی ہوئی۔

ابراہیم خاں کو پیشکش

شاہجہاں نے ابراہیم خاں کو خود لکھا کہ اللہ کے فیصلہ اور احکام نے اُسے موجودہ ابتر حالت میں پہنچا دیا ہے اور یہ خواہش کی کہ اُسے بنگال پر قابض ہو جانے دیا جائے اور اس کے عوض میں وہ بنگال کے کسی حصہ میں اپنے لیے جاگیر لے لے یا اُسے بلا مزاحمت اور حفاظت سے دربار جانے کا راستہ دے دیا جائے لیکن ابراہیم خاں نے اس پیشکش کو حقارت سے رد کر دیا اور کہا کہ وہ خود کو اس طرح ذلیل کرنے کے بجائے اپنے آقا کی خدمت کرتے ہوئے جس سے اُسے سب کچھ ملا ہے جان دے دینا گوارا کرے گا۔(8)

بردوان کا محاصرہ

بردوان کے فوجدار صالح نے بھی عبداللہ خاں کے ذریعہ سے جو گفتگو ہوئی اس کا نفی میں جواب دیا اور قلعہ کے دفاع کا تہیہ کر لیا۔ شاہجہاں اتنے مستحکم قلعہ کو تسخیر کیے بغیر اپنے پیچھے نہیں چھوڑ سکتا تھا اس لیے اُس فوراً اُس کا محاصرہ کر لیا۔

---

(6) بیورتج (مآثر الامرا جلد اول صفحہ 155) نے کھردا کی جگہ کو کرہ غلط لکھا ہے جو متن کو پڑھنے کی غلطی ہے۔ جہانگیر (راجرس و بیورتج) جلد دوم صفحہ 298 میں بھی کھردا ہے۔ کوکرہ تو بہار میں ہے۔

(7) جہانگیر (راجرس و بیورتج) جلد دوم صفحات 298 تا 299۔ اقبال نامہ۔ مآثر الامرا (بیورتج) جلد اول صفحات 155 تا 156 گلیڈون صفحہ 69۔

(8) جہانگیر (راجرس و بیورتج) جلد دوم صفحہ 299۔ اقبال نامہ 217 تا 219 (ایلیٹ و ڈاؤسن) جلد ششم صفحات 408 تا 409، مآثر الامرا (بیورتج) جلد اول صفحہ 156۔ گلیڈون صفحات 69 تا 70۔

قلعہ کی تسخیر

لاچار ہو جانے پر صالح نے قلعہ عبداللہ خاں کو حوالے کر دیا اور عبداللہ خاں نے صالح کو حراست میں لیکر اور گلے میں رسی باندھ کر شاہجہاں کے سامنے پیش کر دیا شاہجہاں نے بردوان پر فوراً قبضہ کر لیا اور اکبر نگر کی طرف روانہ ہو گیا۔ (9)

اکبر نگر

اکبر نگر راج محل کا نام تھا جسے راجہ مان سنگھ نے اپنا مستقر بنایا تھا اور دریا کے کنارے ایک مضبوط قلعہ بنالیا تھا۔ لیکن چند سال بعد دریا کا دھارا ایک کوس ہٹ گیا اور اس طرح قلعہ کی اہمیت بہت گھٹ گئی چنانچہ ابراہیم خاں نے اپنے لڑکے کے مقبرہ کو جو اُس نے دریا کے بالکل کنارے بنایا تھا خوب مضبوط کر لیا۔ یہیں 1624ء میں اس نے چار ہزار سپاہیوں کے ساتھ جن میں کچھ پرتگال بندوقچی بھی تھے اپنا مستقر بنایا۔ جلد ہی اُسے اور سپاہیوں کی کمک مل گئی اور اُسے یقین تھا کہ اس کی کشتیوں کا بیڑہ اُسے اچھی طرح رسد پہنچاتا رہے گا۔

شاہجہاں کی کارروائیاں

شاہجہاں نے فوراً اس پرانے اُجاڑ قلعہ قبضہ کر لیا اور یہیں سے ابراہیم خاں کے نئے گڑھ کا محاصر کر لیا۔ پہلے تو توپ خانہ کی لڑائی ہوئی جس میں دونوں طرف کی کثیر جانیں ضائع ہوئیں۔ شہزادہ کے افسر توپ خانہ رومی خاں نے قلعہ کی دیوار کے نیچے سرنگ لگانے کی کوشش کی لیکن اس میں فوری کامیابی نہیں ہوئی۔ محاصرین کو اپنے قلعہ کے جائے وقوع سے بڑی مدد ملی۔ خصوصاً اس لیے کہ شاہجہاں کچھ بھی کشتیاں فراہم نہ کر سکا تھا۔ احمد بیگ خاں نے چستی سے چھلانگ لگا کر خود کو قلعہ کے اندر پہنچا دیا اور محاصرین کی ہمت افزائی کی۔ اگر محاصرہ زیادہ دن جاری رہتا تو ابراہیم خاں کو شاہی فوج سے کمک مل جاتی۔ در حقیقت شہزادہ پرویز اور مہابت خاں نے برہانپور سے اپنا خیمہ اٹھا دیا تھا۔ شاہجہاں کی کامیابی کی یہی صورت تھی کہ قلعہ جلد سے جلد فتح ہو جائے چنانچہ اس نے دریا خاں کے ماتحت فوج کا ایک دستہ روانہ کیا کہ وہ دریا پار کر کے جائے اور شاہی فوج کے خاندان والوں کو جو اُدھر مقیم ہو گئے تھے گھیر لے۔ ابراہیم خاں کو جیسے ہی اس کی خبر لگی وہ اپنی کشتیاں اور احمد بیگ کو ساتھ لے کر شاہجہاں کے فوجی دستہ کو دریا پار کرنے سے روکنے کے لیے روانہ ہوا۔ مگر اس کے پہنچنے میں دیر ہو گئی۔ تاہم اس نے احمد بیگ کے ماتحت کچھ کمک اپنے آدمیوں کو بھیج دی کہ وہ اور لوگوں کو دریا پار نہ کرنے دیں۔

دریا خاں نے شاہی فوج کو زیر کر لیا اور احمد بیگ بھاگ کر اپنے چچا کے پاس پہنچا اور اُسے کمک لانے کے لیے قلعہ میں بھیجا۔ چنانچہ دریا خاں چند میل پیچھے ہٹ گیا لیکن عین اس وقت شاہجہاں نے بنگال کے ایک زمیندار تیلیا راجہ سے کچھ کشتیاں حاصل کر لیں اور بے دھڑک عبداللہ کے ماتحت ..15 سواروں کا ایک دستہ دریا کے اُس پار راج محل سے چند میل اوپر کی طرف اُتار دیا۔

---

(9) اقبال نامہ صفحہ 219 (الیٹ وڈاؤسن) جلد ششم صفحہ 409، گلیڈون صفحہ 96۔ اسٹیوارٹ کی ہسٹری آف بنگال بنگباسی پریس ایڈیشن صفحات 255۔ تا 256۔

شہزادہ کی فوجوں نے جس جگہ کا انتخاب کیا تھا اُس کے ایک طرف دریائے گنگا تھا اور دوسری طرف گھنا جنگل۔ ابراہیم خاں نے دریا پار کر لیا اور اپنی فوج کو تین حصوں میں تقسیم کر دیا۔ ایک سید نور کے ماتحت اور ایک احمد بیگ کے ماتحت اور ایک خود اپنے ماتحت۔ اس کے بعد جو جنگ ہوئی وہ کچھ دیر تو برابر لڑی گئی مگر پھر نور اللہ کی فوج پسپا ہو گئی اور احمد بیگ کی فوج پر اب پوری طاقت سے حملہ کر کے اُسے دبا لیا گیا۔ ابراہیم خاں کی فوج لڑتی رہی مگر اب صاف معلوم ہو گیا ہے کہ فتح شہزادہ کی ہے ابراہیم خاں کی فوج لڑتی رہی مگر اب صاف معلوم ہو گیا ہے فتح شہزادہ کی ہے ابراہیم خاں سے اُس کی فوج کے افسروں نے کہا کہ وہ بھاگ کر اپنی جان بچالے مگر اُس نے اس تجویز کو ٹھکرا دیا۔ اس کے چند آدمیوں نے اُسکے گھوڑے کی لگام پکڑ لی اور اُسے زبردستی نکال لے جانا چاہا مگر اُس نے چلا کر کہا۔ "میری زندگی اس طرزِ عمل کے خلاف ہے۔ میرے لیے اس سے اچھی کیا بات ہو گی کہ میں لڑائی کے میدان میں لڑ کر جان دیدوں۔" فوراً ہی اُسے گھیر کر کاٹ ڈالا گیا اور اس کا سر کاٹ کر شہزادہ کے سامنے پیش کیا گیا۔

شاہجہاں کی فتح

اپنے ساتھیوں کی ہار اور اپنے بہادر سردار کی موت نے قلعہ بند فوج کا دل توڑ دیا اور وہ ہتھیار ڈال دینے کو تیار ہی تھے کہ اتنے میں رومی خاں کی لگائی ہوئی سُرنگ پھٹی اور قلعہ کی دیوار میں چالیس گز لمبی دراڑ ہو گئی جس سے قلعہ پر فوراً دھاوا بول دیا گیا۔ بہتوں نے دریا میں پھاند کر جان دی اور بہت سے مارے گئے، باقیوں نے اطاعت قبول کر لی اور ان کی جان بخشی کی گئی جو لوگ گرفتار ہوئے اُن میں بنگال کا ایک ممتاز افسر میرک جلایر بھی تھا۔

احمد بیگ نے اطاعت قبول کر لی

احمد بیگ بھاگ کر ڈھاکہ پہنچا جہاں اس کے اور اس کے چچا کے اہلِ خاندان تھے اور جہاں اُن کا بہت خزانہ جمع تھا لیکن اس کا سختی سے تعاقب کر کے قبول اطاعت پر مجبور کر دیا گیا۔ احمد بیگ کا عزت کے ساتھ استقبال کیا گیا مگر مرحوم ابراہیم کے پچیس لاکھ روپے میرک جلایر کے پانچ لاکھ روپے اور ..5 ہاتھی ..4 گھوڑے قیمتی کپڑے اور بہت بڑی قیمت کی اگر کی لکڑی اور سب سے بڑھ کر توپ خانہ اور کشتیوں کا بیڑہ یہ سب فاتحین کے ہاتھ آئے۔

شاہجہاں نے حسبِ معمول فیاضی سے اپنے ساتھیوں کو انعامات تقسیم کئے تین لاکھ روپیہ عبداللہ خاں کو دیا گیا، دو لاکھ راجہ بھیم کو، ایک ایک لاکھ دریا خاں اور داراب خاں کو پچاس پچاس ہزار وزیر خاں اور شجاعت خاں کو اور ایک لاکھ روپیہ محمد تقی اور بیرم بیگ میں برابر برابر تقسیم کے لیے رکھ لیا گیا جو موجود نہ تھے۔ (10)

شاہجہاں کی صورتِ حال اور منصوبے

مقامی افسروں کی کمزوری، مرکز سے کمک آنے میں دیر اور سب سے بڑھ کر باغی فوج کے

---

(10) اقبال نامہ صفحات 221 (ایسٹ وڈ اؤسن) جلد ششم صفحہ 410) خافی خاں جلد اول صفحات 345 تا 346 گلیڈون صفحہ 42۔

کمانداروں کی جانبازی اور بہادری سے بنگال اور اڑیسہ پر شاہجہاں کا قبضہ ہو گیا۔ یہ حصہ ملک ایک کمزور مقصد کے حامیوں کی پناہ گاہ کی حیثیت سے بہت موزوں تھا اور اب بہار اور پھر اودھ اور الہ آباد اور آگرہ پر قبضہ کرنے کے منصوبے ہونے لگے۔ زرخیز اور خوب آباد گنگا کے میدان شہزادہ کے ہاتھ میں آجانے پر وہ آدمی اور پیسہ بافراط حاصل کر سکتا تھا اور شاہی فوجوں سے برابر ٹکر لے کر اپنے حسبِ مرضی شرائط منوا سکتا تھا۔ اس بنگال کو خان خاناں کے بڑے لڑکے داراب خاں کے انتظام میں دیا جو اب تک حراست میں تھا اور اس سے وفاداری کا پورا حلف لیا اور اس کی بیوی لڑکے اور بھتیجے (شاہ سوار خاں کے لڑکے) کو اُس کی نیک چلنی کی ضمانت کے لیے بطور یرغمال روک لیا۔

بہادر اور ہمیشہ کے وفادار راجہ بھیم کو ایک ہراول فوج کے ساتھ پٹنہ پر حملہ کرنے کے لیے روانہ کیا گیا جو اس وقت شہزادہ پرویز کے نائب دیوان مخلص خاں کی گورنری میں تھا اور افتخار خاں اور شیر خاں اس کے خصوصی مددگار تھے۔

راجہ بھیم کا بہار پر قبضہ

پٹنہ کے حکام نے اپنے اُڑیسہ کے بھائیوں کو بھی مات کر دیا اور اپنے 1610ء کے پیشروؤں کی طرح بزدلی اور نافرض شناسی کا اظہار کیا۔ راجہ بھیم کے آنے کی خبر سُن کر وہ بدحواس ہو گئے۔ انہوں نے قلعہ کو دفاع کے لیے درست کرنے کا بھی خیال نہ کیا جیسا معتمد خاں نے لکھا ہے۔ اپنی جان بچانے کی فکر کو ملک بچانے کی فکر پر مقدم رکھ کر الہ آباد کی طرف بھاگ گئے اس لیے راجہ بھیم کو بغیر لڑے بھڑے پٹنہ کے قلعہ اور صوبہ بہار پر قبضہ مل گیا۔ چند دن بعد شاہجہاں بھی وہاں پہنچ گیا اور صوبے کے معاملات کو اپنی ضروریات کے مطابق منتظم کرنا شروع کر دیا۔ صوبے کے زمینداروں نے اس کی اطاعت قبول کر لی اور خوشی یا ناخوشی سے اُسے قابلِ قدر امداد دی۔

قلعہ روہتاس پر قبضہ

اُوجینا کا حکمران اُس کی خدمت میں حاضر ہوا اور سب سے اہم بات یہ ہوئی کہ سید مبارک نے روہتاس کا مستحکم قلعہ اس کے حوالے کر دیا۔ (11)

اودھ اور الہ آباد پر قبضہ کا منصوبہ

بنگال اور بہار پر قبضہ ہو جانے کے بعد شاہجہاں نے اودھ اور الہ آباد پر قبضہ کرنے کا منصوبہ بنایا۔ اس نے دریا خاں افغان کو ایک فوج کے ساتھ اودھ میں مانک پور کی طرف روانہ کیا اور راجہ بھیم کو ایک اور فوج کے ساتھ مع کشتیوں کے بیڑہ کے دریائے گنگا کے ذریعہ سے الہ آباد کی طرف روانہ کیا۔ عبداللہ خاں کے چوسہ گھاٹ پہنچنے پر خاں اعظم کا جہانگیر قلی خاں گورنر جونپور اپنے اڑیسہ اور بہار کے ہمعصروں کی مثال پر عمل کرتے ہوئے قلعہ چھوڑ کر مرزا رستم کے پاس الہ آباد چلا گیا۔ عبداللہ خاں نے اس کا تعاقب کیا اور قدیم ہندو

(11) اقبال نامہ صفحات 221 تا 222 (الیٹ وڈاؤسن جلد ششم صفحات 401 تا 411) خافی خاں جلد اول صفحہ 346 گلیڈون صفحات 72 تا 73 محمد ہادی۔ ٹاڈ جلد اول صفحات 294 تا 296 میں بغاوت کے سلسلہ میں راجہ بھیم کے حصہ کو غلط دکھایا ہے۔

مستقر جھونسی میں خیمہ لگایا جو آج کی طرح پہلے بھی الہ آباد کے بالمقابل دریائے گنگا پر ایک اُجاڑ گاؤں تھا۔

الہ آباد کا محاصرہ

عبداللہ خاں نے کشتیوں کے بیڑہ کے ذریعہ سے دریا کو پار کیا اور الہ آباد کے اندر جا کر خیمہ نصب کیا اور راجہ بھیم نے اپنے راجپوتوں کو پانچ کوس کے فاصلہ پر رکھا۔ عبداللہ خاں نے فوراً الہ آباد کا محاصرہ کر لیا اور رستم خاں نے پوری قوت سے دفاع کی تیاری کی۔

اس دوران میں شاہجہاں نے دریا خاں کو جو بردوان سے واپس بلا لیا گیا تھا۔ بہار کا انتظام سپرد کیا اور خود گنگا کے راستہ سے بڑھتا جونپور پر قابض ہو گیا اور کام پت کے جنگل میں اپنا خیمہ نصب کیا۔ (12)

لیکن عین اُس وقت اُس کی تیز رفتار میں رکاوٹ پڑ گئی۔ اکبر نگر میں ابراہیم خاں اور الہ آباد میں رستم خاں کی مزاحمت نے شہزادہ پرویز اور مہابت خاں کو یہ موقع دیدیا کہ وہ الہ آباد کے مضافات میں پہنچ جائیں جبکہ قلعہ کا محاصرہ بھی جاری تھا۔

بیجاپور سے مصالحت ہو جانے اور دکن کے معاملات استوار ہو جانے پر بادشاہ کے تاکیدی حکم کی تعمیل میں باوجود شدید بارش کے 21 مارچ 1624ء کو شہزادہ پرویز اور اُس کے چند دن بعد مہابت خاں شاہجہاں کے خلاف شاہی افواج کو کمک پہنچانے کے لیے برہانپور سے روانہ ہو گئے۔ بنگال کے حکام کے سواسب کو معلوم تھا کہ شاہجہاں گولکنڈہ اور تلنگانہ سے ہو کر اڑیسہ کا قصد کر رہا ہے۔ اگر اڑیسہ اور بہار کے حکام نے ہوشیاری اور جراُت سے کام لیا ہوتا تو وہ شاہجہاں کو بنگال یا بہار میں پکڑ سکتے تھے لیکن انہیں دو آبہ داخل ہونے پر معلوم ہوا کہ باغی افواج نے الہ آباد کا محاصرہ کر لیا ہے۔

شاہی افواج کی بھاری تعداد اور اُس کے کماندار کی شہرت اور جراُت کے لحاظ سے عبداللہ خاں نے فوراً طے کیا کہ محاصرہ اٹھا لیا جائے اور جھونسی کی طرف پسپا ہوا جائے۔

باغی افواج نے یہ پیش بندی کر لی تھی کہ جتنی بھی کشتیاں مل سکیں ان پر قبضہ کر لیا اور اب دریائے گنگا کی ساری گزرگاہیں ان کے قبضہ میں تھیں۔ اسی دوران میں انہوں نے دریائے تونس پر کام پت کے مقام کو مضبوط کر کے قلعہ بنا لیا اور مٹی کے دھس بنا کر ان پر توپیں چڑھا دیں مہابت خاں کو اپنی پوری ذہانت صرف کر کے کئی دن کی کوشش میں زمینداروں سے صرف تیس تیس کشتیاں مل سکیں جن پر اُس نے الہ آباد کے معمولی گزرگاہ سے چالیس کوس اوپر کی طرف دریا کو پار کیا۔ اس کے بعد مہابت خاں نے جو غنیم فوج میں پھوٹ ڈالنے میں مہارت رکھتا تھا یہ کامیابی حاصل کی شاہجہاں کے زمینداروں کے مالکوں کو اس پر آمادہ کیا کہ وہ ساری کشتیوں کو لے کر بنگال چلے جائیں۔

اس بے وفائی نے شہزادہ کی فوجی اور رسد رسانی کے انتظام کو درہم برہم کر دیا۔ شاہی افواج کی تعداد اور چوکسی لوگوں کو شہزادہ کے لیے رسد پہنچانے سے روک دیا جس سے جلد ہی شہزادہ کے کام پت کے کیمپ میں فاقہ کشی کی نوبت آ گئی۔ اس وقت دریا خاں کے آ جانے سے شہزادہ کی فوج کی تعداد تو دس ہزار ہو گئی مگر اس کی مصیبت میں اور اضافہ ہو گیا۔ شاہی فوج جس کی تعداد چالیس ہزار تھی باغی فوجوں کی صفوں سے چند میل کے فاصلہ پر خیمہ زن۔ تھی بہادر اور جذباتی راجہ بھیم نے فوراً حملہ کا مشورہ دیا مگر عبداللہ خاں نے کہا کہ

---

(12) اقبال نامہ صفحات 222 تا 223 (الیٹ و ڈاؤسن جلد ششم صفحہ 411) گلیڈون صفحہ 73۔

دس ہزار سپاہیوں کو جن میں سے اکثر پورے طور پر تربیت یافتہ اور تجربہ کار بھی نہیں ہیں چالیس ہزار فوج کے مقابلہ میں ڈال دینا جس کی کمان مہابت خاں جیسے آزمودہ کار ماہر کے ہاتھ میں ہو شریح حماقت ہو گی۔ اُس نے شہزادہ کو یہ مشورہ دیا کہ شاہی فوج سے بچکر اودھ کے راستہ سے تیزی کے ساتھ دہلی کی طرف روانہ ہوا جائے اور اگر شاہی فوج کا سامنا ہو جائے تو تیزی کے ساتھ گھوڑے دوڑا کر دکن کا رُخ کیا جائے۔ شاہی فوج کے ساتھ چونکہ بھاری سامان اور باردانہ ہے اس لیے اس چال سے وہ تھک کر چور ہو جائیں گے اور حسب دلخواہ شرائط پر مصالحت کے لیے تیار ہو جائیں گے بیشتر فوجی سرداروں نے اس رائے سے اتفاق کیا لیکن راجہ بھیم نے صاف کہدیا کہ اس قسم کی چال اور فرار راجپوتوں کے اصولِ جنگ کے خلاف ہے اور وہ اس میں ساتھ نہیں دے سکتا اور اگر فوری حملہ کا فیصلہ نہ ہو گا تو وہ مدد سے دست بردار ہو جائے گا۔

شاہجہاں نے بہادر اور بے خوف راجپوت کے موافق رائے دی اور فوج کو صف بندی کا حکم دے دیا اور کہا کہ توپیں دمس پر سے اُتار کر میدانی جنگ کے لیے تیار کر دی جائیں لیکن قبل ازیں کہ یہ انتظام پورے طور پر مکمل ہو شاہی فوج نے شہزادہ کی فوج کو تین طرف سے گھیر لیا اور تیروں اور گولوں کی بارش شروع کر دی۔ راجہ بھیم نے اپنے حسبِ معمول بے دھڑک بہادری سے حملہ کیا۔ راجپوتوں نے اپنی حد سے بڑھ کر کام کیا لیکن شاہی فوج نے انہیں زیر کر کے کاٹ ڈالا۔ راجہ بھیم نے بے شمار زخم کھائے مگر وہ آخری سانس تک لڑتا رہا۔ باقی فوج کی صفیں درہم برہم ہو گئیں اور وہ منتشر ہو کے چاروں طرف بھاگے۔ اُن کی توپوں پر مہابت خاں کا قبضہ ہو گیا۔ شاہجہاں کا گھوڑا زخمی ہو گیا مگر خود اس کی جان بچ گئی۔ (13)

روہتاس کی طرف پسپائی

اس شکست نے سر دست شاہجہاں کا معاملہ بالکل بگاڑ دیا۔ وہ تیزی سے دھاوا کرتا ہوا روہتاس پہنچا جہاں اُس کا سب سے چھوٹا لڑکا مراد بخش پیدا ہوا اور وہاں سے اُس نے بنگال میں اپنے نائب داراب خاں کو لکھ کر اپنی شکست کی اطلاع دی اور یہ ہدایت کی کہ وہ اپنی فوجوں کو لے کر گڑھی کے مقام پر اس سے ملے۔

روہتاس میں شاہجہاں صرف تین دن ٹھہرا چوتھے دن اس نے اپنی بیگم ممتاز محل کو جو کمزوری کی وجہ سے سفر کے قابل نہ تھی عبداللہ خاں کی سپردگی میں چھوڑا اور خود گڑھی کی طرف روانہ ہو گیا لیکن داراب خاں ایک لاچار مفرور باقی کا ساتھ دینے پر آمادہ نہ تھا اور شاہجہاں کو یہ جواب دیا کہ مقامی زمینداروں نے شورش برپا کر دی ہے اور اسے قید کر رکھا ہے اس لیے وہ گڑھی نہیں آ سکتا۔

اکبر نگر کی طرف

داراب خاں کے اس جواب کے بعد بنگال میں کسی اور کوشش کی امید منقطع ہو گئی۔ شاہجہاں اکبر نگر گیا اور وہاں جو گولہ بارود اور سامان چھٹ گیا تھا اُسے لے کر پرانے راستہ سے دکن روانہ ہو گیا جہاں ایک

(13) جہانگیر (راجرس و بیورج) جلد دوم صفحات 294 تا 296۔ خافی خاں جلد اول صفحات 346 تا 356۔ اقبال نامہ صفحات 229 تا 234 (الیٹ وڈاؤسن جلد ششم صفحات 413، 414 گلیڈون صفحات 73 تا 75۔ محمد ہادی (الیٹ وڈاؤسن جلد ششم صفحات 393 تا 394۔ مآثر الامرا (بیورج) جلد اول صفحات 455۔ 456 ٹاڈ نے جلد دوم صفحہ 333 میں اس لڑائی اور بھیم کی موت کا ایک افسانوی حال لکھا ہے۔ نیز دیکھو بیر نبود دریا خاں روہیلہ کے حالات زندگی کے لیے دیکھو مآثر الامرا (بیورج) جلد اول صفحات 455۔ تا 457۔

سیاسی انقلاب کی وجہ سے امید کی ایک جھلک نظر آئی تھی۔(14) اس نے اپنی فراخ دلی سے عبداللہ کو ہدایت کی کہ داراب کے لڑکے کو کوئی ضرر نہ پہنچایا جائے لیکن اُس ظالم نے اپنے آقا کے حکم کی پروانہ کی اور اس معصوم بچے کو قتل کر دیا۔ چند دن بعد اس کے باپ کا بھی یہی حشر ہوا جو اُس کا مستحق تھا۔

پرویز حاضر دربار

دریائے تونس پر لڑائی کے بعد شہزادہ پرویز اور مہابت خاں بہار کی طرف روانہ ہوئے جہاں سے شہزادہ شاہی احکام کی تعمیل میں دربار کو واپس ہو گیا اور صوبہ کا انتظام مہابت خاں کو سپرد کر دیا۔ مہابت خاں نے داراب خاں کو بلا بھیجا اور شاہی حکم کے بموجب کہ ایسے بیکار آدمی کے زندہ رہنے سے کوئی فائدہ نہیں ہے اُسے قتل کر دیا اور اس کا سر دربار میں بھیج دیا۔(15)

خان خاناں

بوڑھا خان خاناں اپنے لڑکے اور پوتے کے افسوس ناک انجام اور شاہی افسروں نے اس سے جو سلوک کیا تھا۔ اُس سے سخت دل شکستہ ہوا۔ برہانپور سے بہار تک کے سفر میں مہابت خاں نے اس کا خیمہ پرویز کے خیمہ کے پاس رکھا اور اُس پر سخت نگرانی رکھی۔(16)

بادشاہ نے معاف کر دیا

لیکن بادشاہ نے اپنی فیاضی اور ہوشمندی سے اپنے اس بوڑھے معلم اور اتالیق کو معاف کر دیا اور تسلی دی بادشاہ نے اُسے اپنے دربار کشمیر میں بلایا اور جب زمین بوس ہوا اور شرمندگی کی وجہ سے سر اُٹھایا تو بادشاہ نے مہربانی سے کہا کہ وہ بے قصور ہے اور حال میں جو کچھ ہوا وہ مقدر تھا۔ اُسے نہ صرف اپنے منصب پر برقرار رکھا گیا بلکہ ایک لاکھ روپیہ نقد اور مالکوسے کی جاگیر بھی دی گئی۔(17)

---

(14) اقبال نامہ صفحات 232۔ تا234، 238، 239 (الیٹ وڈاؤسن جلد ششم صفحات 414، 416) گلیڈون صفحہ 75 مآثر الامرا (بیورج) جلد اول صفحہ 452۔

(15) اقبال نامہ صفحات 239 تا 240 (الیٹ وڈاؤسن جلد ششم صفحات 416 تا 417)

(16) مآثر الامرا (بیورج) جلد اول صفحہ 60) میں لکھا ہے کہ جس وقت شہزادہ پرویز اور مہابت خاں شاہجہاں کو دکن کی شاہی مملکت سے باہر بھگانے کی کوشش میں مصروف تھے تو خان خاناں نے راجہ بھیم کو لکھا تھا...."اگر شہزادہ اس کے لڑکوں کو رہا کر دے تو وہ شاہی افواج کا رخ پیچھے کی طرف کر دے گا۔ اور اس کا معاملہ سنگین ہو جائے گا۔" راجہ بھیم نے جواب میں لکھا کہ اس کے ساتھ پانچ چھ ہزار جاں نثار ہمراہی ہیں اور وہ جہاں کہیں بھی جائے گا اس کے لڑکے مار ڈالے جائیں گے اور خود اس پر حملہ کر دیا جائے گا۔ اس مصنف نے یہ بھی لکھا ہے کہ خان خاناں کو قید کر رکھا تھا اور خان خاناں کے متعلق خیال تھا کہ وہ ہر طرح کا فریب کر سکتا ہے۔ ایک مزاحیہ شاعر نے اس کے متعلق لکھا تھا۔

ایک چھوٹا قد اور دل میں سینکڑوں پیچ و خم   مٹھی بھر ہڈیاں اور سو مکاریاں

(مآثر الامرا، بیورج جلد اول صفحہ 62)

(17) مآثر الامرا (بیورج) جلد اول صفحات 60,61 میں بعض تفصیلات بے ترتیب ہیں۔ گلیڈون صفحہ 78 کہا جاتا ہے کہ خان خاناں کی انگوٹھی پر جو تیج کندہ تھا اس کا ترجمہ یہ ہے
اللہ کی مدد اور جہانگیر کی مہربانی نے مجھے دو مرتبہ زندگی عطا کی اور دو مرتبہ خان خانی۔

افضل خاں جہانگیر سے مل گیا۔

جیسا کہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں شاہجہاں کی گولکنڈہ کے راستہ سے پسپائی کے وقت افضل خاں کو بیجاپور کے دربار میں چھوڑ دیا گیا تھا مگر اب بیجاپور نے مغل سلطنت سے اتحاد کر لیا تھا۔ اس لئے افضل خاں کے لیے بجز اس کے کوئی راستہ نہ تھا کہ اس بے نتیجہ مہم سے دست بردار ہو جائے اور بادشاہ سے پھر مل جائے جس نے فراخ دلی سے اُسے معاف کر دیا اور اُسے ڈیڑھ ہزار ذات اور سوار کے منصب پر ترقی دی اور خان خاناں کے عہدہ پر مقرر کر دیا۔ (18)

(18) اقبال نامہ صفحات 24 تا 28 گلیڈون صفحہ 75، 76 مآثر الامرا (بیورج) جلد اول صفحات 151، 152) نے غلطی سے اس ملاقات کو 1626ء میں لکھا ہے اور اسے شاہجہاں کی طرف سے سفارت کی نوعیت دی ہے اور لکھا ہے کہ بادشاہ نے نافرمانی سے سفیر کو روک رکھا اور اسے خانساماں کا عہدہ دیا۔ خافی خاں، سبحان رائے اور بعد کے مورخین نے شاہجہان کی بغاوت کے سلسلہ میں معتمد خاں کی نقل کی ہے۔

انیسواں باب

دکن

عادل شاہ اور ملک عنبر نے ایک دوسرے کے خلاف مغلوں سے مدد چاہی

عادل شاہ بادشاہ بیجاپور اور احمد نگر کے ہمہ جہت باقتدار وزیر ملک عنبر دونوں نے اکتوبر 1623ء میں ایک دوسرے کے خلاف مغلوں کا اتحاد حاصل کرنے کی ہر ممکن کوشش کی، ایک اہم خط میں جو ملک عنبر نے دکن میں مغل مفاد کے عارضی نگران کو علی شیر کے ہاتھ بھیجا اُس میں اس نے بذات خود مہابت خاں سے دیول گاؤں میں ملاقات کرنے اور اپنے سب سے بڑے لڑکے کو مستقل طور پر شاہی ملازمت میں اور ہمیشہ وفادار اور عقیدت کیش رہنے کی پیش کش کی۔ عادل شاہ نے بھی مغل حمایت کے عوض اطاعت شعاری کی پیشکش کی اور پانچ ہزار سوار کا ایک رسالہ ملا محمد لاری کی ماتحتی میں بادشاہی خدمت انجام دینے کے لیے بھیجنے کا ذمہ لیا۔

دونوں کو لٹکائے رکھا

مگر معلوم ہوتا ہے کہ مہابت خاں نے ایک ہوشیار مدبّر کی طرح دونوں کو اس وقت تک لٹکائے رکھنے کا فیصلہ کیا۔ جب تک شاہجہاں کو دکن سے باہر نہ نکال دیا جائے اس لیے کہ اگر کسی ایک سے اتحاد کیا جائے تو اس کا یہ مطلب ہوگا کہ دوسرا شاہجہاں سے مل جائے گا۔

بیجاپور سے اتحاد

چنانچہ جب شاہجہاں کے گولکنڈہ کے راستہ سے فرار پر یہ خطرہ جاتا رہا تو مہابت خاں بیجاپور کے حق میں فیصلہ کیا اور شاہی حکومت نے اس فیصلہ کو منظور کر لیا اور عادل شاہ کو فرمان اور خلعت لشکری کے ہاتھ روانہ کر دیا جسے عادل شاہ نے شہر سے چار کوس باہر نکل کر پورے احترام اور زمین بوسی کے ساتھ وصول کیا۔

ملا محمد لاری

ملا محمد لاری شاہی خدمت کے لیے پانچ ہزار رسد سواروں کا دستہ لے کر مہابت سے ملنے باہر آگیا اور مہابت خاں نے خود اپنی فوج کا ایک طاقتور دستہ اُسے حفاظت سے لانے کے لیے روانہ کر دیا تاکہ ملک عنبر کی تیار فوج اُس پر حملہ نہ کر سکے۔

ملک عنبر کی چال

بیجاپور کے شاہی فوج سے ملنے پر چونک کر ملک عنبر کھڑکی روانہ ہو گیا اور اپنے اہل و عیال کو دولت

آباد کے قلعہ میں چھوڑ کر گولکنڈہ کی سرحد قندھار کا رُخ کیا اور ظاہر یہ کیا کہ وہ سالانہ خراج وصول کرنے جارہا ہے۔ حالانکہ مقصد قطب الملک سے جنگ و دفاع میں تعاون کا معاہدہ کرنا تھا۔(1)

ملا محمد پرویز کے دربار میں

ملک عنبر کے اس طویل سفر نے ملا محمد لاری کو یہ موقع دیدیا کہ وہ پوری حفاظت سے برہانپور تک پہنچ جائے۔ شاہ پور میں مہابت خاں نے اس کا انتہائی ملاطفت سے استقبال کیا اور پھر دونوں شہزادہ پرویز کی خدمت میں حاضر ہوئے جس کا خیمہ برہان پور کے قریب لال باغ میں تھا اور جو شاہجہاں کے الہ آباد اور بنگال میں ورود کے اندیشہ سے باصرار شاہی احکامات کی تعمیل میں جلد سے جلد اس طرف روانہ ہونے کے لیے بالکل تیار تھا۔

دکن کے انتظامات

مہابت خاں نے سربلند رائے کو برہان پور میں مستقر کے ساتھ دکن کا نگراں مقرر کیا اور جادو رائے اور اودے رام کو جن کے بارے میں ہم اوپر لکھ چکے ہیں کہ شاہجہاں کے غیر ملک میں فرار ہو جانے پر وہ شاہی فوج میں شامل ہو گئے تھے۔ ان کے بھائیوں اور نوکروں کو بطور یرغمال روک کر بالا گھاٹ کی حفاظت کے لیے ظفر نگر میں تعینات کیا۔ رضوی خان کو خاندیش کی حفاظت پر مامور کیا گیا اور متعدد قلعوں کی حفاظت کے دوسرے انتظامات کیے گئے۔ ملا محمد کو بھی پانچ ہزار سواروں کے ساتھ سربلند رائے کی مدد کا کام سپرد کیا گیا اور اس کے لڑکے امین الدین کو مزید پانچ ہزار رسالہ کے دستہ کے ساتھ شہزادہ پرویز کی فوج میں کام کرنے کے لیے بھیجا گیا۔ بوندی کے بہادر رئیس راؤ رتن کو بھی جو وفاداری اور فیاضی کا اعلیٰ نمونہ تھا برہان پور میں تعینات کیا گیا جیسے ہی یہ سارے انتظامات مکمل ہو گئے اور ملا محمد اپنے رسالہ کے ساتھ برہان پور میں مقیم ہو گیا۔ شہزادہ پرویز اور مہابت خان شمال کی طرف روانہ ہو گئے۔(2)

ملک عنبر کی فتح

مگر دکن میں فوراً ہی سنگین صورتِ حال پیدا ہو گئی۔ ملک عنبر نے اپنی حسبِ معمول ہوشیاری اور جفاکشی سے دو سال کا خراج گولکنڈہ سے وصول کیا اور قطب الملک سے جنگ و دفاع میں تعاون کا معاہدہ کیا اور پھر تیزی کے ساتھ بیدر میں بیجاپور کی فوج پر اچانک حملہ کر دیا اور مار بھگایا۔ اس شہر کو اس نے لوٹ لیا اور پھر نہایت تیزی کے ساتھ بیجاپور کی طرف بڑھا اور راستہ میں معمول مار اور تاراجی کرتا ہوا۔ عادل شاہ نے بیجاپور کے قلعہ میں جا کر پناہ لی اور عنبر نے فوراً سختی سے اُس کا محاصرہ کر لیا۔

---

(1) اقبال نامہ صفحات 223 تا 224 (الیٹ وڈاؤسن جلد ششم صفحات 411 تا 412) جہانگیر (راجرس و بیورتج) جلد دوم صفحات 295 تا 296۔ خافی خاں جلد اول صفحات 247، 248۔ گلیڈون صفحات 70 تا 71۔

(2) اقبال نامہ صفحات 224 تا 228 (الیٹ وڈاؤسن جلد ششم صفحہ 412) جہانگیر (راجرس و بیورتج) جلد دوم صفحہ 296۔ خافی خاں جلد اول صفحہ 348۔ راؤ رتن کے متعلق دیکھو ٹاڈ جلد دوم صفحات 385 تا 386۔

بیجاپور کو بچانے کی کوشش

بیجاپور کے حکمران کے لیے اب صرف ایک ہی راستہ تھا کہ وہ ملا محمد کی فوج کو واپس بلائے اور مغل فوج کی مدد حاصل کرے اُس نے اشد ضروری پیام برہانپور بھیجا۔ ملا محمد نے شاہی افسروں سے اصرار کیا کہ اُسے جانے کی اجازت دیں اور اس اجازت کے عوض ہے تین لاکھ ہن (تقریباً بارہ لاکھ روپیہ) کی پیشکش کی۔ مہابت خاں اگرچہ اس وقت موقعہ سے بہت دور تھا مگر اُس نے صورتِ حال کا خوب اندازہ لگالیا اور فوراً حکم دیا کہ جتنے بھی دکنی سپاہی ممکن ہو سکیں بیجاپور کو بچانے کے لیے ملا محمد کے ساتھ کر دیئے جائیں۔

ملک عنبر نے محاصرہ اٹھالیا

اتنی بڑی فوجی کمک دیکھ کر ملک عنبر خوف زدہ ہو گیا اور مصالحت کی گفت و شنید شروع کی اور بار بار شاہی فوجی افسروں سے اصرار کیا کہ وہ عادل شاہ اور نظام الملک اپنے پرانے جھگڑے آپس میں طے کرنے کے لیے چھوڑ دیں۔ اس طاقت واتحاد سے اُس کی ریاست کو جو خطرہ تھا وہ اس نے پورے طور پر محسوس کیا اور بار بار مصالحت کی پیش کش کی۔ لیکن ملا محمد اور لشکر خاں نے معاملہ کو آخری حد تک پہنچانے کا تہیہ کر لیا اور مصالحت کی پیشکش کو ٹھکرا دیا۔

بھٹوری میں ملک عنبر کی فتح

سخت لاچار ہو کر ملک عنبر اپنی ساری صلاحیت ہوشیاری اور حاضر دماغی سے کام لیا اور اپنی ذہانت سے بھرپور کام لیا جو اُس کی زندگی کا عظیم کارنامہ تھا۔ احمد نگر سے پانچ کوس کے فاصلہ پر بھٹوری میں غنیم کے کیمپ پر اُس نے اچانک چھاپہ مارا اور اُسے سخت شکست دے دی۔ ملا محمد لڑائی کے شروع ہی میں کام آ گیا اور بیجاپور کی فوجیں حسبِ معمول سخت بے ترتیبی کی حالت میں بھاگ کھڑی ہوئیں جادو رائے اور اودے رام بغیر ایک ہاتھ چلائے ہوئے بھاگ کھڑے ہوئے اور اس کے بعد بُری طرح سے بھگدڑ پڑ گئی۔ اخلاص خاں اور عادل شاہ کے پچیس دیگر افسران گرفتار کر لیے گئے ان میں سے ایک فرہاد خاں بھی تھا جس نے عنبر کی جان لینے کی کوشش کی تھی۔ چنانچہ اُسے قتل کر دیا گیا اور باقی لوگوں کو قید میں ڈال دیا گیا۔ لشکر خاں اور چند دوسرے شاہی افسر قید کر لیے گئے لیکن سلطنت کی خوش قسمتی سے چند ممتاز افسر بھاگ کر جان بچانے میں کامیاب ہو گئے۔ خنجر خاں نے تیزی سے احمد نگر رُخ کیا اور کئی دوسرے بھاگے ہوئے افسروں سے مل کر محاصرہ کے لیے تیاری کی۔ اس طرح جان سپار خاں اپنی جاگیر کے قلعہ بیڑ کی طرف چل دیا اور محاصرہ کے لیے تیاری کی۔ باقی بھاگے ہوئے لوگوں نے سر بلند رائے کے پاس برہان پور میں پناہ لی۔ (3)

احمد نگر کا محاصرہ

ملک عنبر نے قیدیوں کو حفاظت سے رکھنے کے لیے جلدی سے دولت آباد بھیج دیا اور خود اُس نے تیزی کے ساتھ احمد نگر کا محاصرہ کر لیا۔ خوش قسمتی سے خنجر خاں دل شکستہ نہیں ہوا۔ ملک عنبر نے تھوڑے

(3) اقبال نامہ صفحات 236 تا 237 (الیٹ وڈاؤسن جلد ششم صفحہ 415) خافی خاں جلد اول صفحہ 348۔ مآثر الامرا (بیورج) جلد اول صفحہ 269۔ کلیڈون صفحہ 76۔

سے آدمی محاصرہ جاری رکھنے کے لیے چھوڑ کر بیجاپور کا رُخ کیا۔

نیز بیجاپور کا

عادل شاہ نے ایک بار پھر جاکر قلعہ میں پناہ لی اور ملک عنبر نے اُسے سختی کے ساتھ گھیر لیا۔ ملک عنبر نے بالا گھاٹ کے سارے علاقہ پر قبضہ کر لیا اور اپنے جیسے حبشی یعقوب خاں کے ماتحت دس ہزار رسالہ کا ایک دستہ برہانپور کی طرف روانہ کیا دکنیوں نے برہان پور سے دس کوس کے فاصلہ پر ملکا پور کو اپنا مستقر بنایا۔ سربلند رائے نے لڑنے کا قصد کیا مگر صدر مستقر سے یہ حکم دیا گیا کہ کمک پہنچنے کا انتظار کرے چنانچہ اُس نے خود کو قلعہ کے اندر بند کر لیا اور محاصرہ سے نپٹنے کی تیاری کی۔ اس دوران میں ملک عنبر نے دولت آباد سے اپنی توپیں لاکر شعلہ پور کا محاصرہ کر کے اُس پر دھاوا کر دیا جو بہت دنوں سے نظام الملک اور عادل شاہ کے مابین مابہ النزاع تھا۔ (4)

شاہجہاں کی آمد

دکن کی یہ صورت حال تھی جب شاہجہاں نے اُڑیسہ، تلنگانہ اور گولکنڈہ سے ہوتے ہوئے نظام الملک کی مملکت میں قدم رکھا۔ جیسی کہ توقع تھی ملک عنبر نے اس کا پُر جوش استقبال کیا۔ تاریخ کی یہ ستم ظریفی تھی کہ شاہی حکومت سے مشترکہ عناد کی بنیاد پر دو جنم کے دشمنوں کے درمیان گہرا اتحاد ہو گیا۔

شاہجہاں نے برہان پور محاصرہ کیا

یہ طے کیا گیا کہ شاہجہاں مزید فوج لے کر برہانپور جائے اور وہاں کے محاصرہ میں اور سختی کرے جسے اب تک یعقوب خاں بغیر کسی کامیابی کے جاری رکھے ہوئے تھا۔ اس مہم کو شاہجہاں نے بڑی خوش سے سنبھال لیا اور لال قلعہ میں خیمہ زن ہو کر قلعہ کی تسخیر کا منصوبہ بنایا۔

قلعہ پر حملے

راؤ رتن اور شاہی قلعہ بند فوج چونکہ بڑی بہادری سے قلعہ کا دفاع کر رہے تھے اس لیے شاہجہاں نے دو طرف سے قلعہ پر حملہ کا ارادہ کیا۔ ایک عبداللہ خاں کے ماتحت اور دوسری شاہ قلی خاں کے ماتحت۔ عبداللہ کو اتنی سخت مزاحمت کا سامنا ہوا کہ وہ کوئی کامیابی حاصل نہ کر سکا۔ لیکن شاہ قلی قلعہ کے اندر داخل ہو گیا اور اس پر قبضہ کر کے پھاٹک بند کر لیا۔ مگر مدد نہ پہنچنے کی وجہ سے وہ قلعہ چھوڑنے پر مجبور ہو گیا۔ شاہجہاں نے ایک اور حملہ کا حکم دیا مگر یہ ناکام رہا۔ ان تین حملوں میں کئی بہادر افسروں اور سپاہیوں کی جانیں گئیں۔ اب محصورین نے دھاوا کیا مگر شدید نقصان کے ساتھ پسپا کر دیے گئے۔ مقتولین میں راؤ رتن کی ماتحتی کے کئی راجپوت سردار تھے۔ (5)

---

(4) اقبال نامہ صفحات 237 تا 238 (الیٹ وڈاؤسن جلد ششم صفحہ 416) گلیڈون صفحہ 76 خافی خاں جلد اول صفحہ 339۔ محمد ہادی (الیٹ وڈاؤسن جلد ششم صفحات 394 تا 395)

(5) اقبال نامہ صفحات 243۔ تا 244 (الیٹ وڈاؤسن جلد ششم صفحہ 418) خافی خاں جلد اول صفحات 349 تا 350 میڈ گلیڈون صفحہ 77۔ مآثر الامرا (بیورتج) جلد اول صفحہ 269۔ محمد ہادی (الیٹ وڈاؤسن جلد ششم صفحہ 395)

شہزادہ پرویز و مہابت خاں کی آمد

برہان پور چند مہینوں کے اندر فتح ہو گیا ہوتا لیکن شہزادہ پرویز اور مہابت خاں کے فاتح افواج لے کر آجانے سے صورتِ حال پھر بالکل بدل گئی۔

ملک عنبر کی فتح سے شاہی حکومت میں سخت کھل بلی مچ گئی جس وقت تک شاہجہاں شمالی ہند میں تھا۔ پرویز اور مہابت کی فوجوں کو فرصت نہیں مل سکتی تھی۔ چنانچہ مہابت خاں کے لڑکے خانہ زاد خاں کو فوجوں سمیت کابل سے طلب کیا گیا۔

شاہجہاں نے محاصرہ اُٹھالیا

لیکن جیسے ہی شاہجہاں کو بہار اور بنگال سے نکال باہر کیا گیا پرویز اور مہابت خاں کو تیزی سے دکن پہنچنے کا حکم دیا گیا اور ان کے موقعہ پر پہنچتے ہی شاہجہاں نے برہان پور کا محاصرہ اُٹھالیا۔

شاہجہاں کی بیماری

محاصرہ اُٹھا کر شاہجہاں نے بالا گھاٹ میں روہن گڈھ کی طرف رُخ کیا لیکن راستہ میں سخت بیمار ہو گیا۔

عبداللہ خاں کی گوشہ نشینی

حال کی شکستوں سے عبداللہ خاں پر اتنا شدید مذہبی جذبہ طاری ہوا کہ وہ ترکِ دنیا کر کے گوشہ نشین ہو گیا اور اندور میں بیٹھ کر یادِ الٰہی کرنے لگا لیکن یادِ الٰہی کی مشغولیت کے باوجود اس نے دربار شاہی کو معافی معذرت اور اطاعت کشی کے خطوط لکھے۔(6)

شاہجہاں کا تاریک مستقبل

شاہجہاں کے آگے اب دنیا بالکل تاریک تھی۔ وہ یا اس کے حلیف زبردست شاہی فوج کے خلاف جس کی سربراہی سلطنت کے قابل ترین سپہ سالار کے ہاتھ میں ہو کامیابی کی کوئی اُمید نہیں رکھ سکتے تھے بیجاپور سلطنت کا حلیف تھا اور اسے پناہ نہیں دے سکتا تھا۔ نہ ہی گولکنڈہ میں اُسے زیادہ دن پناہ ملنے کی امید تھی۔ اس لیے کہ شاہی فوجیں یا گولکنڈہ اور سلطنت میں صلح ہو جانے پر مقامی حکام اُسے نکال باہر کریں گے۔ اس نے بنگال اور شمالی ہند میں قسمت آزمائی کی اور بُری طرح ناکام رہا۔ دوبارہ کوشش میں بہتر توقعات کی تجربہ کے لحاظ سے نفی ہوتی تھی۔ یہ تو ٹھیک ہے کہ بہار میں روہتاس اور خاندیش اسیر گڑھ اب تک اس کے قبضہ میں تھے۔ لیکن یہ بھی بالآخر قاتوں سے مارے جائیں گے جبکہ وہ خود دونوں سے اتنے فاصلہ پر ہے۔ اکثر اُمرا جنھوں نے مانڈو سے دہلی کی طرف تک 1622ء میں اس کا ساتھ دیا تھا یا تو لڑائی میں مارے جا چکے تھے یا رفتہ رفتہ الگ ہو گئے تھے۔ بکر ماجیت جو بجائے خود ایک فوج تھا شاندار طریقہ کی موت مر گیا، داراب خاں کی افسوسناک موت ہوئی۔ خان خاناں افضل خاں، جادو رائے اور اودے رام بہت سے

(6) اقبال نامہ صفحات 244، 249 (ایلیٹ وڈاؤسن جلد ششم صفحات 418، 419) محمد ہادی (ایلیٹ وڈاؤسن جلد ششم صفحات 285، 396)

دوسروں کی طرح اب شاہی ملازمت میں تھے۔ اب اُس کا آخری وفادار ساتھی بھی درویش ہو گیا تھا۔ خود اُس کی صحت خراب ہو گئی تھی اور اب وہ بیماری میں صاحبِ فراش ہو رہا تھا۔ ان حالات میں قدرتاً اُسے اپنے والد سے مصالحت کا خیال ہونا چاہیے تھا بیماری کے زمانہ میں اُس پر اپنے باپ سے سرکشی، پریشانی کا جو جذبہ طاری ہوا اس کے روایتی اسباب قبول کرنے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ اس میں بنیادی مفاد کی نیت بھی شامل تھی۔ اس نے اپنی سرکشی کی روش کے لیے معافی کا جہانگیر کو خط لکھا۔

حکومت سے مصالحت

نور جہاں اب حال میں مہابت خاں کے غیر معمولی اقتدار اور شہزادہ پرویز سے اُس کے گہرے تعلقات سے مشکوک ہو گئی تھی اور لڑائی ختم کر دینے کے مخالف نہ تھی۔ مارچ 1622ء میں اُس نے بادشاہ کی طرف سے شاہجہاں کو جواب دیا کہ اُسے روہتاس اور اسیر گڑھ کے قلعے کو حکومت کے حوالے کر دینا چاہیے اور اپنے دونوں لڑکوں دارا اور اورنگ زیب کو دربار میں بھیج دینا چاہیے۔ اُس وقت معافی ملے گی اور بالا گھاٹ کی گورنری پر اُسے مقرر کر دیا جائے گا۔ شاہجہاں نے شاہی قاصد کا باہر نکل کر استقبال کیا، فرمان کے سامنے زمین بوس ہوا اور اُسے اپنے سر پر رکھا۔ اُس نے سارے شرائط منظور کر لیے اور اپنے ایجنٹ مظفر خاں کو فوراً خط لکھا کہ روہتاس کا قلعہ ان شاہی افسروں کے حوالے کر دے جو اس کے لیے مقرر کیے جائیں اور یہی خط اسیر کا قلعہ حوالہ کر دینے کے لیے حیات خاں کو لکھا۔ دارا دس[7] سال کا لڑکا اور اورنگ زیب آٹھ سال کا دونوں جواہرات مرصع اسلحہ اور ہاتھیوں وغیرہ کے نذرانے کے ساتھ جن کی قیمت دس لاکھ روپیہ تھی دربار شاہی میں روانہ کر دیے گئے خود شاہجہاں اپنی بیگم اور سب سے چھوٹے لڑکے مراد بخش کے ساتھ ناسک[8] روانہ ہو گیا۔

اس طرح وہ خانہ جنگی ختم ہوئی جو تین سال سے اوپر جاری تھی اور جس نے ساری سلطنت کو خلفشار میں مبتلا کر دیا تھا اور سلطنت کی بعض ممتاز ترین شخصیتوں کو ختم کر دیا تھا اور شمال مغربی سرحد پر افغانستان میں شاہی مفاد کو سخت نقصان پہنچایا تھا اور نیز دکن میں۔

---

(7) دارا کی پیدائش دوشنبہ 30/مارچ 1615ء کو ہوئی تھی۔ جہانگیر (راجرس و بیورتج) جلد اول صفحہ 282۔

(8) اقبال نامہ صفحات 238 تا 245۔ 252 (ایلیٹ وڈاؤسن جلد ششم صفحات 416 تا 418، 419) اقبال نامہ صفحہ 252۔ (ایلیٹ وڈاؤسن جلد ششم صفحہ 419) محمد ہادی (ایلیٹ وڈاؤسن صفحہ 396) گلیڈون صفحات 76 تا 78۔

بغاوت کے حالات کی تفصیل میں عبد الحمید لاہوری، محمد امین قزوینی، کامگار حسینی، محمد صالح کمبوہ، بختاور خاں، خافی خاں سجان رائے اور دوسرے مورخین نے معتمد خاں کی تقلید کی ہے۔ معاصر یورپین مصنفین کے بیانات کے لیے دیکھو ہربرٹ صفحات 82 تا 107 پیٹر منڈی نے ایک مختصر بے ترتیب حال لکھا ہے انگلش فیکٹری کے کاغذات میں اس کے متعلق اکثر ذکر ہے۔

بیسواں باب

مہابت خاں کی یورش

نور جہاں اور مہابت خاں

مہابت خاں اور نور جہاں کے درمیان تازہ عداوت جو کسی حد تک خانہ جنگی کے خاتمہ اور شاہجہاں پر نسبتہً نرم شرائط عائد کرنے کی بنا پر تھی اُس کی تہہ میں وہی اسباب تھے جو 22-1621ء میں نور جہاں اور شاہجہاں میں تلخی پیدا کرنے کا باعث ہوئے تھے۔

جہانگیر اور نور جہاں کی صحت

• جہانگیر کی صحت ہمیشہ سے زیادہ تیزی کے ساتھ گرتی جا رہی تھی اور جانشینی کے مسئلہ نے فوری اہمیت حاصل کر لی تھی۔ نور جہاں کی عمراڑ تالیس سال کی ہو چکی تھی مگر وہ اپنی جسمانی اور دماغی صحت میں ہمیشہ کی طرح بھرپور قوت رکھتی تھی اور امید یہ تھی جیسا کہ حقیقت میں بعد کو ثابت ہوا کہ وہ اپنے خستہ حال شوہر کے بعد بہت دنوں تک زندہ رہے گی۔ اُس کی تحکمانہ فطرت جو برسوں مطلقانہ اختیارات برتنے کی وجہ سے اور تیز ہو گئی تھی اُس سے اُس کے دل میں یہ جذبہ پیدا ہوا کہ اس اقتدار کو مستقل طور پر برقرار رکھا جائے۔ شاجہاں کے خلاف اُسے جو کامیابی ہوئی تھی اُس سے اُسے اپنی مدبرانہ صلاحیت اور تنظیمی قابلیت پر اور زیادہ پختہ یقین ہو گیا تھا۔

اُس کے طرزِ عمل کا غالب محرک اب بھی یہی تھا کہ اپنے نئے داماد شہریار کی جانشینی کے لیے راستہ صاف کرے 1625ء میں ہر دلعزیز اور دل پذیر سلطان خسرو کو قبر میں گئے ہوئے تقریباً تین سال ہو گئے تھے۔ خان اعظم نے داور بخش کی حمایت کی ہوتی مگر وہ 1624ء میں احمد آباد میں فوت ہو گیا تھا۔ شاہجہاں جو 1621 میں عملاً نائب شاہ تھا ری طرح ذلیل کر دیا گیا تھا اور بالکل بے اثر تھا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ بادشاہ کی نظروں سے بالکل گر گیا تھا 1621ء کی صورت حال کی روشنی میں نور جہاں کے مقاصد پورے طور پر حاصل ہو گئے تھے۔

پرویز اور مہابت خاں کا اتحاد

لیکن اب ایک نیا خطرہ رُونما ہو گیا۔ شہزادہ پرویز ایک شرابی ادنیٰ ذہانت کا آدمی تھا۔ 1623ء تک وہ جانشینی کی بحثوں اور قیاس آرائیوں میں وہ بالکل نظر انداز کر دیا گیا تھا۔ طامس رو یا کسی اور معاصر مُبصر نے اس سلسلہ میں اُسے ذرا بھی قابلِ التفات نہ سمجھا۔ اس کی بیشتر زندگی دربار شاہی سے بہت فاصلہ پر گذری تھی۔ اس کا میدانِ جنگ میں تجربہ کیا گیا مگر وہ ناکام رہا اُسے نسبتہً غیر اہم گورنریاں جیسے بہار، الہ آباد کی

تفویض کی گئی تھیں۔ اس نے اپنی موافقت میں کسی باثر امیر کی حمایت نہیں حاصل کی تھی اور نہ اپنی کوئی جماعت بنائی تھی۔ عوام یا خواص میں یقیناً وہ اپنے لیے پرجوش تائید نہیں حاصل کر سکتا تھا۔ اگر 1621ء میں اُس کا انتقال ہو گیا ہوتا تو اس کا سوگ خسرو کی طرح نہ منایا گیا ہوتا۔ اگر 1622ء میں اُس نے بغاوت کی ہوتی تو شاہجہاں نے جتنے آدمیوں کے ساتھ مانڈو سے دھاوا کیا تھا اُس کے چوتھائی آدمی بھی اُسے نہ مل سکتے۔ اس نے اپنے جی میں تو کبھی کبھی جانشینی کا خیال کیا ہوگا مگر اپنے سے چھوٹے بھائی شاہجہاں سے اس معاملہ میں جھگڑنے کا خیال شاید ہی سنجیدگی کے ساتھ اُس کے ذہن میں آیا ہوگا۔

لیکن 1625ء میں پرویز نے دیکھا کہ شاہجہاں سے میدان خالی ہو گیا ہے اور اُس وقت اس کے دل میں خیال آیا ہوگا کہ وہ اپنے سوتیلے بھائی شہریار سے بہتر ہے۔ پرویز ایک مسلم خاتون سے باضابطہ شادی کی اولاد تھا اور شہریار ایک داشتہ عورت کے بطن سے تھا۔ یہ تو صحیح ہے کہ اسلامی قانون میں اس امتیاز کی کوئی حیثیت نہیں ہے لیکن انسانی فطرت کے لحاظ سے اس کے نزدیک ضرور اس کی اہمیت تھی۔ پرویز اب چھتیس سال کا جوان تھا اور شہریار بیس سال کا لڑکا تھا اور وہ شہریار کے مقابلے میں معاملات اور اشخاص کا زیادہ تجربہ رکھتا تھا اور کوئی وجہ نہیں کہ وہ شہریار کے مقابلہ میں کیوں اپنے حق سے دست بردار ہو جائے خصوصاً اس لحاظ سے کہ شہریار کی جانشینی اور اس کی سوتیلی ماں نور جہاں کے اقتدار میں وہ نہ صرف ہمیشہ کے لیے اقتدار سے محروم ہو جائے گا بلکہ شاید عمر بھر کے لیے قید یا خون آلود قبر سے سابقہ ہو۔

ابھی تک تو وہ بے بس تھا مگر اب اُسے میدانِ جنگ کے ساتھی مہابت خاں کی دوستی حاصل تھی جو سلطنت بھر میں سب سے زیادہ جری سب سے بہتر کماندار اور سب سے اعلیٰ مدبّر تھا۔ اس کے حال کے کارناموں سے ساری قلمرو میں اس کا رعب چھا گیا تھا اور ساری فوج اس کی عزت کرتی تھی اور خود اس کے سپاہی تو اس کے پرستار تھے۔ اس کی مدبّرانہ قابلیت کی طرح اس کی حاضر دماغی بھی ممتاز تھی۔ ایسے شخص کی پشت پناہی حاصل کر کے بادشاہ کا سب سے بڑا موجود لڑکا یقیناً خود کو اپنے چھوٹے ناکارہ بھائی سے بہتر سمجھتا تھا۔

خود مہابت خاں کو بھی اس قسم کا خیال آیا ہوگا۔ اگر پرویز اور شہریار میں سے کسی ایک کو منتخب کرنے کا سوال ہوتا تو لمحہ بھر کے پس و پیش کے بغیر وہ پرویز کے حق میں رائے دیتا۔ یہ بات نہ وہ بھول سکتا اور نہ نور جہاں کہ وہ نور جہاں کے گروہ کا سخت دشمن تھا اور نہایت صفائی سے جہانگیر کو مشورہ دیا تھا کہ وہ عورتوں کے اقتدار سے نجات حاصل کرے یہ دونوں دراصل اتنے قابل اور حوصلہ مند تھے کہ عام حالات میں ایک دوسرے کے ساتھ نباہ نہیں کر سکتے تھے۔ مہابت خاں کو اچھی طرح معلوم تھا کہ اگر شہریار جانشیں ہو گیا تو اس کا مطلب اُس کی تباہی ہوگا اور سلطنت کے اہم مسائل میں اُس کی آواز ہمیشہ کے لیے دب جائے گی۔ اگر جہانگیر کی حکومت میں جو اُسے دل سے عزیز رکھتا تھا اور بہت عزت کرتا تھا وہ جلاوطن کیا جا سکتا تھا اور بے نتیجہ پہاڑی مہموں میں مامور ہو سکتا تھا تو اپنے سرپرست کے انتقال کے بعد نہ جانے اس کا کیا حشر ہو۔ اُسے اندازہ تھا کہ دراصل اس کا مفاد نور جہاں کے مفاد سے متضاد ہے جیسے شاہجہاں کا تھا۔ برعکس اس کے شہزادہ پرویز کی جانشینی اُس کی ترقی اور اقتدار کا باعث ہوگی۔ جیسے شہریار کی جانشینی نور جہاں کے لیے۔

نور جہاں اور مہابت خاں کی پرانی عداوت اور شدت کے ساتھ اُبھر آئی۔ نور جہاں کے لیے اب مہابت سے ڈرنے کی اور زیادہ ضرورت تھی اور اسی لیے اس کی مخالفت کرنے کی۔ جب تک شاہجہاں کی بغاوت چل رہی تھی اُس وقت تک وہ بے بس تھی۔ یعنی جب تک مہابت خاں کی خدمات کے بغیر کام نہیں چل سکتا تھا شاہجہاں

سے مصالحت کا جو سب سے پہلا موقع اُسے ملا اُس میں مصالحت کر لی اور پھر اپنی حسب معمول جسارت اور ہوشیاری سے مہابت خاں کے اقتدار کی جڑیں کاٹنے میں لگ گئی۔ اس کا بھائی آصف خاں جو مدتوں سے مہابت خاں کا سخت ترین دشمن تھا اور جس نے مہابت خاں کو دربار سے جلاوطنی میں بھیجنے کی امکانی کوشش کی تھی۔ اُسے پرویز کی جانشینی سے کوئی فائدہ نہ تھا۔ اس لیے وہ نور جہاں کے نئے منصوبے میں دل سے حمایت کرے گا۔

مہابت خاں کو پرویز سے الگ کردیا

نور جہاں اور آصف خاں نے سب سے پہلی کارروائی یہ کی کہ مہابت خاں کو پرویز سے الگ کردیا اور مہابت خاں کو اُن فوجوں کی کمان سے محروم کردیا جو برائے نام پرویز کے ماتحت تھیں اور ان دونوں کو اُن وسائل سے محروم کردیا جن سے وہ اپنے مفاد میں کوئی سازش کر سکتے۔ ستمبر 1625ء میں جبکہ مہابت اور پرویز برہان پور جاتے ہوئے سارنگ پور میں مقیم تھے ایک شاہی فرمان جاری ہوا جس کے بموجب مہابت خاں کا تبادلہ بنگال کی گورنری پر کردیا گیا اور خان جہان لودی کو مہابت کی جگہ پرویز کا وکیل مقرر کیا گیا۔ پرویز کو شاہی فرمان سارنگ پور میں فدائی خاں کے ہاتھ بھیجا گیا۔ شہزادہ جسے خاص کر مہابت خاں کی مدد حاصل تھی اس سازش کی تہہ کو پہنچ گیا ہوگا۔ اُس نے صاف صاف کہا کہ وہ مہابت خاں سے الگ ہونے یا اُس کی جگہ خان جہان لودی کو اپنا مشیر بنانے کے لیے تیار نہیں

فدائی خاں نے شہزادہ کا جواب شاہی حکومت کو پہنچادیا۔ اب نور جہاں اور آصف خاں نے اس سے سخت رویہ اختیار کیا اور ایک اور فرمان جاری کیا گیا جس میں شہزادہ کو عدول حکمی کی روش اختیار کرنے پر تنبیہ کی گئی اور اُسے بلا چون و چرا تعمیل کی تاکید کی گئی اور یہ کہ "اگر مہابت خاں بنگال جانے پر رضامند نہیں ہے تو اُسے فوراً حاضر دربار ہونا چاہیے اور شہزادہ اپنے اُمرا کے ساتھ برہان پور ہی میں رہے"۔ اس دوران میں خان جہاں فدائی خاں کے ہاتھ سے شاہی فرمان پاکر تیزی کے ساتھ پرویز کی اتالیقی کا منصب لینے کے لیے روانہ ہو چکا تھا۔ (1) شاہی فرمان کے لہجہ سے مرعوب ہو کر اور شاہجہاں کی مثال پر عمل کر کے اپنا حشر ویسا ہی کرنے سے خائف ہو کر شہزادہ تعمیل پر آمادہ ہو گیا اور خاں جہاں کو وکیل کی حیثیت سے قبول کرنے اور برہان پور میں مقیم رہنے پر راضی ہو گیا اور مہابت خاں بنگال جانے پر تیار ہو گیا۔ (2)

مہابت خاں پر الزامات

اس طرح اپنا مقصد حاصل کر لینے کے بعد نور جہاں اور آصف خاں نے دوسری کارروائی یہ کی کہ مہابت خاں کو حکم دیا کہ جو ہاتھی، کہا جاتا ہے کہ اُس نے شاہجہاں کی بغاوت کے زمانہ میں بنگال اور بہار سے حاصل کیے ہیں وہ دربار میں روانہ کردے اور جو کثیر رقمیں اس نے شورہ پشت جاگیرداروں کی برطرفی پر حکومت کی طرف سے ضبط کی ہیں اُن کا حساب دے۔ ایک شاہی پیروکار عرب دست غایب مذکورہ ہاتھیوں کو لانے اور مہابت خاں سے مطلوبہ رقوم کا حساب لینے کے لیے روانہ کردیا گیا اور (معلوم ہوتا ہے) یہ بھی ہدایت کی گئی کہ اگر حساب تشفی بخش نہ ثابت ہو تو اُسے حکم دیا جائے کہ وہ فوراً حاضر دربار ہو۔

مہابت خاں کو فوراً محسوس ہو گیا کہ یہ اس کی دیانت اور ایمانداری کی شہرت برباد کرنے اور اُسے اپنی جائداد سے محروم کرنے کی فریب کارانہ کوشش ہے یا سرکاری روپیہ کے تغلب کی سخت سزا دینے کی۔

(1) اقبال نامہ صفحہ 245 (الیٹ وڈاؤسن جلد ششم صفحہ 418) گلیڈون صفحات 78 تا 79۔

(2) اقبال نامہ صفحات 250 تا 251۔

اُسے صاف اندازہ ہو گیا کہ اُس کے دشمن اُسے تباہ کرنے اور ذلیل کرنے کی فکر میں ہیں اور یہ محسوس کرکے اُسے سخت صدمہ ہوا کہ سلطنت کو ایک زبردست خطرہ سے بچانے کے بعد اتنی جلد اُسے ایسا ناقدر شناسی کا صلہ ملے گا۔ اُسے اچھی طرح معلوم تھا کہ اس کا سرپرست جہانگیر بیماری سے لاچار ہے اور اُس کی جان یا عزت بچانے کے لیے ایک انگلی بھی نہیں اُٹھا سکتا۔ نور جہاں اور آصف خاں کی طبیعتوں سے واقف ہونے اور ایک مدت تک اُن سے ربط رکھنے کے تجربہ سے وہ بخوبی اندازہ کر سکتا تھا کہ جب تک وہ اُسے خاک میں نہ ملا دیں گے اُس وقت تک دم نہ لیں گے

مہابت خاں کی تیاری

لیکن وہ ایسا شخص نہ تھا کہ اپنی ذلت اور تحقیر کو خاموشی سے برداشت کرے۔ اس کی جری اور دلیر فطرت اس وقت تک مطمئن نہیں ہو سکتی تھی جب تک وہ اپنی عزت کو بحال نہ کرلے۔ چنانچہ اُس نے دربار کا رُخ کیا مگر پوری طرح تیار ہو کر اور ہر صورت کا مقابلہ کرنے کے لیے اپنے ساتھ چار پانچ ہزار راجپوت ساتھ لیے اور ان کی وفاداری کی ضمانت کے لیے اور حکومت کی کسی دھمکی ترغیب سے متاثر نہ ہونے کے اعتماد کے لیے اُن کے اہلِ خاندان کو بطور یرغمال روک لیا۔ ان تیاریوں کے ساتھ وہ دربار میں حاضری کے لیے روانہ ہوا۔

جہانگیر کشمیر سے لاہور اور وہاں سے کابل

جہانگیر ستمبر 1625ء میں کشمیر سے روانہ ہو گیا تھا اور بارہ اکتوبر 1625 کو لاہور پہنچا اور وہاں سے مارچ 1626ء میں کابل کے لیے روانہ ہوا۔ وہ دریائے جہلم کے کنارے مقیم تھا۔ جب مہابت خاں جس نے ہاتھی پہلے ہی بھیج دیے تھے۔ شاہی خیمہ کے قریب پہنچا۔ راجپوتوں کی سپاہ کے ساتھ اُس کی آمد نے قدرتاً دربار میں کھلبلی ڈال دی لیکن کسی میں اتنی جرأت نہ تھی کہ اُس فوج کو ہٹانے کے لیے کہے البتہ جب اُس نے اپنی آمد کی اطلاع دی تو اُسے اس وقت تک دربار میں آنے سے منع کر دیا گیا جب تک کہ باضابطہ اجازت نہ حاصل کرلے اور اُسے حکم دیا گیا کہ جو ہاتھی اس کے ساتھ ہیں وہ بھیج دے۔ (3)

مہابت خاں کے داماد سے بدسلوکی

عین اس وقت ایک ایسا واقعہ پیش آیا جس سے ہمیشہ سے زیادہ یہ واضح ہو گیا کہ حکمراں طبقہ کو مہابت خاں سے کس قدر سخت عداوت ہے اور اُسے اس طبقہ سے کس قسم کے سلوک کی توقع رکھنا چاہیے۔ کچھ دن پہلے مہابت نے حسبِ دستور شاہی اجازت حاصل کیے بغیر اپنی لڑکی کی منگنی خواجہ عمر نقشبندی کے لڑکے برخوردار سے کر دی تھی۔ (4) معقول بات تو یہ تھی کہ مہابت خاں سے اس فروگزاشت کا جواب

---

(3) اقبال نامہ صفحہ 352 تا 353 (ایلیٹ و ڈاؤسن جلد ششم صفحات 419 تا 420)۔ مآثر جہانگیری (مخطوطہ خدا بخش صفحہ 198 (ب) گلیڈون صفحہ 79۔

(4) اقبال نامہ صفحہ 253 (ایلیٹ و ڈاؤسن جلد ششم صفحہ خافی خاں جلد اول صفحہ 360۔ مآثر الامرا (بیورج جلد اول صفحہ 302) گلیڈون صفحہ 79۔

محمد ہادی (ایلیٹ و ڈاؤسن جلد ششم صفحات 396 تا 397)۔ انگلش فیکٹریز ان انڈیا 29-1624ء صفحہ 151۔ مہابت خاں کے گھوڑوں کی تعداد آٹھ دس ہزار صحیح نہیں ہے۔ برخوردار کے حالات کے لیے دیکھو مآثر الامرا (بیورج) جلد اول صفحہ 352 تا 353۔

طلب کیا جاتا لیکن حکمراں جماعت نے ایک بالکل نامناسب ہنگامہ برپا کردیا اور اسے مہابت خاں کی سخت تذلیل او راُس کے بے قصور داماد کے ساتھ سنگدلانہ سلوک کا بہانہ بنانے پر تُل گئی۔ اُس نوجوان امیر کو بادشاہ کے سامنے طلب کیا گیا اور اس کے پیروں پر ڈنڈے مار کر اور دونوں ہاتھ گردن سے باندھ کر جیل بھیج دیا گیا۔ مہابت خاں نے اسے جو جہیز دیا تھا وہ حکومت کی طرف سے ضبط کرلیا گیا اور فدائی خاں کو تعینات کیا گیا کہ وہ اُسے وصول کر کے شاہی خزانہ میں داخل کردے۔

اس قسم کے بے دردانہ سلوک پر کسی حال میں بھی مصالحت مشکل ہو جاتی لیکن اُس وقت تو صلح کی کوئی صورت ہی نہیں باقی رہی تھی۔ ہمیں یہ تو پتہ نہیں چلا کہ دونوں طرف کیا منصوبے تھے لیکن آصف خاں کی ایک فروگزاشت نے مہابت خاں کو یہ موقع دے دیا کہ وہ غنیم کے اقتدار کی جڑ پر ضرب لگائے۔

شاہی ڈیرہ خیمہ جہلم کے پار

مہابت خاں کے منظر پر آنے کے ذرا دیر بعد شاہی کیمپ کا دریائے جہلم پر عبور شروع ہو گیا۔ تقریباً سارے افسر، سپاہ، ملازمین، اسلحہ اور خزانہ بحفاظت دریائے جہلم کے پل سے پار ہو گیا۔ صرف جہانگیر اُس کے اہل خاندان، معتمد خاں، میر منصور، ملازمین اور خواجہ سرا۔ دوسرے دن صبح کو عبور کرنے کے لیے باقی رہ گئے۔ مہابت خاں نے بادشاہ کو حراست میں لینے کا جرأت مندانہ اقدام کیا تاکہ حکمراں طبقہ کے اقتدار کی اصل بنیاد یا دشاہ پر قابو حاصل ہو جائے۔ اس کے مجوزہ منصوبہ سے اُس کے مخالفین کا تختہ الٹ جائے گا اور خود بادشاہ اُس کے قبضہ میں آجائے گا اُسے اچھی طرح معلوم تھا کہ عام حالت میں اس کی بادشاہ تک رسائی مشکل تھی اور بادشاہ کو نور جہاں اور آصف خاں کی گرفت سے آزاد ہونے پر آمادہ کرنا یقیناً ناممکن تھا۔ اس لیے اُس کے لیے بہترین راستہ یہی تھا کہ خود بادشاہ کو اپنے قبضہ میں لے لے اور وہی کردار ادا کرے جو اُس کے دشمنوں نے پندرہ سال تک ادا کیا تھا۔ بیماری سے لاچار بادشاہ خود کوئی قدم نہیں اُٹھا سکتا تھا۔ اگر اُسے کسی نہ کسی کے قابو میں رہنا ہے تو کیوں نہ مہابت خاں ہی کے قبضہ میں رہے۔ یہی خیالات اس عظیم جنرل کے ذہن میں رہے ہوں گے۔

پل پر قبضہ

مجوزہ اچانک حملہ کو ذہن میں لے کر دوسرے دن علی الصباح اس نے دو ہزار سوار، یہ ہدایت دے کر روانہ کئے کہ وہ پل پر قبضہ کرلیں اور کسی کو اس پار سے ادھر نہ آنے دیں اور اگر ادھر سے مسلح حملہ ہو تو پل کو آگ لگا دیں اور خود مہابت خاں چند منتخب سپاہیوں کو لے کر شاہی کیمپ کی طرف بڑھا۔ باقی حال ایک عینی شاہد کے مطابق یہ ہے:

معتمد خاں کا بیان

ایک شور بلند ہوا کہ مہابت خاں آرہا ہے اور مجھے خیال ہوا کہ وہ شاید ذاتی استعمال کے کمروں کے دروازے کی طرف گیا ہے پھر یہ آواز آئی کہ اس نے ذاتی استعمال کے کمروں کو چھوڑ دیا اور درباری کمروں کی طرف گزارش کرنے گیا ہے۔ میرے اگلے کمرہ کے دروازہ پر پہنچ کر اس نے دریافت کیا کہ کیا حال ہے۔ جب میں نے اس کی آواز سنی تو تلوار لے کر خیمہ کے باہر آیا۔ مجھے دیکھ کر اس نے میرا نام لے کر پکارا اور

بادشاہ کا حال دریافت کیا۔ میں نے دیکھا کہ اس کے ساتھ تقریباً سو راجپوت پیدل، برچھے اور بھال لیے ہوئے اس کے گھوڑے کو اپنے گھیرے میں لیے ہوئے ہیں۔ غبار کی وجہ سے میں کسی کا چہرہ صاف نہ دیکھ سکا۔ وہ تیزی سے سامنے کے دروازہ کی طرف گیا۔ میں درباری کمرہ میں بغلی دروازہ سے داخل ہوا۔ میں نے دیکھا کہ دربار کے کمرے کے پہرے پر چند آدمی ہیں اور تین چار خواجہ سرا غسل خانہ کے دروازہ پر کھڑے ہیں مہابت خاں درباری کمرہ کے دروازے پر گھوڑے پر گیا اور وہاں اتر گیا۔ جب وہ غسل خانہ کی طرف گیا تو اس کے ساتھ تقریباً دو سو راجپوت تھے۔ تب میں آگے بڑھا اور اپنی سادگی میں پکار کر کہا، یہ بڑی گستاخی اور حد سے باہر سرکشی ہے۔ اگر تم لمحہ بھر ٹھہرو تو میں اندر جا کر اطلاع کر آؤں۔"

اس نے جواب دینے کی زحمت نہیں کی۔ جب وہ غسل خانہ کے دروازے پر پہنچا تو اس نے وہ پردے پھاڑ دیئے جو دربانوں نے حفاظت کے لیے لگا رکھے تھے اور انہیں درباری کمرہ کے بیچ میں پھینک گیا۔ جو ملازمین وہاں موجود تھے انہوں نے مجھے اس گستاخانہ حرکت کی اطلاع دی۔ اب بادشاہ باہر آئے اور پالکی میں بیٹھ گیا جو اس کے انتظار میں وہاں رکھی ہوئی تھی۔ مہابت خاں ادب سے پالکی کے دروازہ کی طرف آیا اور یوں مخاطب ہوا کہ۔ "مجھے پورا یقین ہو گیا کہ آصف خاں کی کینہ توزی اور سنگ دلانہ نفرت سے بچنا ممکن نہیں ہے اور میں ذلت اور رسوائی سے قتل کر دیا جاؤں گا۔ اس لیے میں جسارت اور گستاخی کے ساتھ اعلیٰ حضرت کی پناہ میں حاضر ہو گیا ہوں۔ اگر میں قتل کی سزا کا مستحق ہوں تو حضور حکم دیں۔ میں حضور کے سامنے اسے گوارہ کر لوں گا۔"

اب راجپوت سپاہیوں نے سب کمروں کو گھیر لیا تھا اور بادشاہ اور اُس کے چند ملازموں کو بشمول عرب دست غایب کو حراست میں لے لیا تھا۔ اس توہین سے جو کبھی خواب وخیال میں نہ آ سکتی تھی۔ بادشاہ نے پیچ وتاب کھا کر دو مرتبہ تلوار پر ہاتھ رکھا کہ مہابت خاں کی گردن اڑا دے مگر منصور بدخشی نے ترکی زبان میں (جو مہابت خاں نہیں سمجھتا تھا) بادشاہ کو اس جلد بازی کی حرکت سے باز رکھا اور کہا یہ "تحمل کا وقت ہے۔ اس بدبخت بے وفا شخص کی سزا خدا کے انصاف پر چھوڑ دیجئے۔ ایک دن جزا وسزا کا وقت ضرور آئے گا۔" بادشاہی کمروں پر اندر اور باہر راجپوتوں نے قبضہ کر لیا اور بجز خدام کے کسی کو بادشاہ کے پاس جانے کی اجازت نہ تھی۔

یہ ذہن نشین رہے کہ عوام الناس جہانگیر سے دلی عقیدت کے ساتھ محبت کرتے تھے۔ اور بادشاہ کو خفیف سا صدمہ پہنچنے کے شبہ پر بیقرار ہو جاتے تھے۔ چنانچہ لوگوں میں ہیجان پیدا ہونے کے اندیشہ سے مہابت خاں نے اپنے قیدی سے حسب معمول شکار پر چلنے کو کہا اور اپنی حسب معمول صاف گوئی سے یہ پیش کش کی کہ "حضور کا غلام حضور کی ہمراہی میں چلے اور یہ ظاہر ہو کہ یہ جرأت مندانہ اقدام خود حضور کے حکم سے عمل میں آیا ہے۔"

بادشاہ تعمیل سے انکار تو کر نہیں سکتا تھا مگر جب مہابت نے بادشاہ سے اپنے گھوڑے پر سوار ہونے کے لیے کہا تو بادشاہ نے اسے شاہی وقار کے خلاف سمجھا اور خود اپنا شاہی گھوڑا طلب کیا۔ اسی کے ساتھ بادشاہ نے یہ خواہش کی وہ اندر جا کر شکار کے کپڑے پہن لے اور شاید اس لیے بھی کہ نورجہاں کی حاضر دماغی سے مشورہ لے لیکن مہابت نے اندر جانے کے لیے سختی کے ساتھ روک دیا۔

مہابت کے خیمہ کی طرف جلوس

شاہی گھوڑے پر سوار ہو کر بادشاہ خیمہ سے باہر نکلا اور مہابت اور اُس کے راجپوتوں کی جماعت میں

روانہ ہوا۔ جب وہ دو تیروں کی مار کے فاصلہ پر پہنچے تو مہابت نے بادشاہ سے اصرار کیا کہ وہ ہاتھی پر سوار ہو جائے جو اسی غرض سے حاضر ہے تاکہ لوگ اسے صاف دیکھ سکیں۔ بادشاہ نے اس مرتبہ بھی تعمیل کی۔ ہودہ کے آگے۔ مہابت کا ایک بہت ہی معتبر راجپوت بیٹا تھا اور دور تیز انداز راجپوت ہودہ کے پیچھے تھے بادشاہ کے ایک خدمت گار مقرب خاں نے جھگڑ کر ہودہ میں گھسنا چاہا مگر اس کی پیشانی پر زخم لگا جس سے اس کے کپڑے خون میں تربتر ہو گئے لیکن بالآخر اسے اپنے آقا کے پاس جگہ دے دی گئی۔ بادشاہ کے وفادار پیالہ بردار نے اپنے آقا کی اشد ضرورت بہم پہنچانے کے لیے ہاتھی پر چڑھنا چاہا اور برچھی لیے ہوئے راجپوتوں نے اُسے روکنے کی کوشش کی مگر اس نے ہودہ کا کونا مضبوطی سے پکڑ لیا اور بالآخر اسے بھی سوار کر لیا گیا مگر ہودہ میں گنجائش نہ ہونے کی وجہ سے وہ بیچ کا حصہ پکڑ کر کھڑا ہو گیا اس صورت سے وہ نصف کوس تک گئے۔ جب بادشاہ کا مہتمم فیل خانہ گجپت خاں بادشاہ کا ہاتھی لے کر آیا۔ وہ خود آگے کی طرف بیٹھا تھا اور اُس کا لڑکا پیچھے کی طرف۔ مہابت خاں کو شبہ ہوا کہ یہ بادشاہ کو چھڑانے کی کوشش ہے۔ چنانچہ اُس نے اپنے راجپوتوں کو اشارہ کیا اور یہ دونوں بے قصور آدمی کاٹ ڈالے گئے۔ اس مثال نے سب کو خاموش کر دیا جلوس نظم و ضبط اور خاموشی کے ساتھ مہابت کے کیمپ تک پہنچا جہاں بادشاہ کو اُتار کر مہابت خاں کے لڑکوں کی حفاظت میں دے دیا گیا۔

نورجہاں کی تلاش

جب بادشاہ بحفاظت اُس کے قبضہ میں آگیا تو مہابت خاں کو نورجہاں کا خیال آیا۔ اسے وہ شاہی کیمپ سے اپنی حراست میں لینا بھول گیا تھا اگرچہ یہ عجیب بات تھی۔ چنانچہ وہ بادشاہ کو لے کر شاہی کیمپ میں واپس آیا جہاں یہ معلوم ہوا کہ نورجہاں نے دریا پار کر لیا ہے اور اس طرح اس کا شکار ہاتھ سے نکل گیا۔ اب وہ بادشاہ کو لیے ہوئے شہریار کے خیمہ میں گیا اور وہاں بھی اُسے مایوسی ہوئی۔ اکبر بادشاہ کے ایک خصوصی امیر شجاعت خاں کا پوتا مجھو جو وہاں موجود تھا ان لوگوں کو لے کر کیمپ کے چاروں طرف گیا مگر شہریار کا کہیں پتہ نہ تھا۔ مہابت خاں کو شاید یہ شبہ ہوا کہ مجھو نے شہریار کو بھگا دیا ہے اور اس نے اپنے راجپوتوں کو اشارہ کیا جنھوں نے اس بے چارے بے قصور کو قتل کر دیا۔(5) رات کے وقت بادشاہ نے یہیں راجپوتوں کے سخت پہرے میں آرام کیا۔

نورجہاں نے پل پار کر لیا

نورجہاں جس کے نہ ملنے پر بڈھے جرنل کو اس قدر جھنجھلاہٹ ہوئی تھی۔ اس نے بھیس بدل کر اور حفاظت کے لیے ایک خواجہ سرا جواہر خاں کو ساتھ لے کر پل پار کر لیا۔ اگرچہ مہابت خاں نے سختی سے حکم دے رکھا تھا کہ کوئی شخص پل پار کر کے دریا کے بائیں کنارے پر نہ آنے پائے مگر اکا دکا آدمیوں کو آنے جانے کی ممانعت نہ تھی۔

مشورہ

نورجہاں سیدھی اپنے بھائی آصف خاں کے پاس گئی اور اُسے سخت جھڑکا اور سارے خصوصی اُمرا

(5) اقبال نامہ صفحات 253 تا 260 (الیٹ وڈاؤسن جلد ششم صفحات 420 تا 424) خافی خاں جلد اول صفحہ 356۔ گلیڈوین صفحات 80 تا 182 نکش فیکٹریز ان انڈیا 29-1624ء صفحہ 151۔

اور افسروں کو مشورہ کے لیے طلب کیا۔

آصف خاں وغیرہ کو جھڑکی

اس نے سب کو جھڑک کر کہا "یہ سب تمہاری غفلت اور احمقانہ انتظامات کی وجہ سے پیش آیا اور جو بات کسی کے وہم و گمان میں بھی نہ تھی وہ ہو گئی۔ تم سب خدا کے سامنے اور انسانوں کے سامنے قابل شرم ہو۔ اس غلطی کی تلافی کے لئے تم سے جو کچھ بھی ممکن ہو وہ کرنا چاہیے اور بتاؤ اب کیا تدبیر کی جائے۔"

حملہ کرنے کا فیصلہ

سب نے متفقہ طور پر یہ رائے دی کہ اگلی صبح کو فوج کی صف بندی کی جائے اور پل کو پار کر کے مہابت خاں پر حملہ کیا جائے چنانچہ فوراً اس کی تیاری شروع کر دی گئی۔

اس تیاری کی خبر جب دریا کے بائیں کنارے پر پہنچی تو جہانگیر نے فوراً کہا کہ یہ سخت حماقت ہو گی۔ اس لیے کہ اس وقت جتنی شاہی فوج جمع ہو سکتی ہے اس کے مقابلہ میں مہابت خاں کے راجپوت بہت زیادہ طاقتور ہیں۔ مزید بر آں پل جلا دیا گیا ہے اور دشمن کی منظم فوج کے مقابلے میں سیلابی دریا کو پار کرنا سراسر پاگل پن ہو گا۔ ممکن ہے کہ مہابت خاں، نور جہاں اور آصف خاں سے لڑنا نہ چاہتا ہو اس لیے کہ اس سے یورش کی نوعیت اور صورت حال دنیا پر ظاہر ہو جائے گی۔ بظاہر مہابت خاں یہ اثر قائم کرنا چاہتا ہے کہ بادشاہ خود اپنی مرضی سے اس کی حفاظت میں آ گیا ہے تاکہ وہ اپنی بیگم اور برادر نسبتی کے جوئے کو اُتار پھینکے جس کے نیچے وہ مدتوں سے دبا ہوا تلملا رہا تھا اور نکل نہیں پاتا تھا۔ چنانچہ مہابت خاں اگر خاموشی سے نور جہاں، آصف اور شہریار کو حاصل کر لے اور دوسروں کو حراست میں لے کر بے اثر کر دے تو اس کا مقصد بہ وجوہ حاصل ہو جائے گا۔

جہانگیر کی مداخلت

جہانگیر کو یہ موقع دیا گیا کہ وہ مقرب خاں اور دوسروں کے ذریعہ سے تاکیدی احکام دریا کے اُس پار بھیجے اور انہیں جنگ کے لیے روکے جبکہ جہانگیر خود دریا کے اس پار ہے۔ ان احکامات کی تصدیق کے لیے جہانگیر نے خود اپنی مُہر میر منصور کے ہاتھ بھیجی۔

لیکن شاہی افسروں پر جو ندامت جھنجلاہٹ اور غصہ طاری تھا اس کی وجہ سے انہوں نے ان احکامات کی پروانہ کی۔ مزید بر آں انہیں کئی وجوہ سے یہ شبہ تھا کہ یہ سارے احکام اور مہر کا بھیجنا اس زبردست حکمت عملی کے ماہر جنرل کی چال ہے اور وہ اپنے اس ارادہ پر مضبوطی سے قائم رہے کہ اگلی صبح کو اپنے آقا کے چھڑانے کی کوشش کریں۔ (6)

فدائی خاں کی کوشش

لیکن صبح سے کئی گھنٹے پہلے ایک اور کوشش بادشاہ کی رہائی کے لیے کی گئی جو ہمت اور جرأت میں خود مہابت خاں کے مقابلہ کی تھی۔ فدائی خاں جو ایک زمانہ میں مہابت خاں کا ساتھی تھا اور بعد کو نور جہاں سے

(6) اقبال نامہ صفحات 259 تا 261 (ایلیٹ وڈاؤسن جلد ششم صفحات 423 تا 424) خافی خاں جلد اول 366 گلیڈون صفحات 81 تا 82 مآثر الامرا (بیورج) جلد اول انگلش فیکٹریز ان انڈیا 29-1624ء صفحات 151 تا 152۔

مل گیا تھا اور حال میں ترقی کر کے ممتاز ہو گیا تھا۔ بادشاہ کی گرفتاری کی پہلی ہی خبر پر گھوڑا دوڑا کر پل کے سرے پر پہنچا اور یہ دیکھ کر پل جلا دیا گیا ہے۔ تاریکی کے پردہ میں دریا کو پار کرنے اور چپکے سے جا کر بادشاہ کو مہابت خاں کے کیمپ سے لانے کی کوشش کی۔ اس کے ساتھ ہی اس کے تقریباً دو درجن ساتھیوں نے بادشاہ کے خیمہ کے بالکل مقابل دریا میں گھوڑے ڈال دیئے۔ دریا کا تیز دھارا چھ آدمیوں کو مع ان کے گھوڑوں کے بہالے گیا۔ چند اور آدمی پار تک نہ پہنچ سکے اور نیم مردہ حالت میں کنارے واپس آ گئے۔ فدائی خاں اور اس کے سات ہمراہیوں نے گھوڑے دریا میں تیرنے کے لیے چھوڑ دیے اور خود تیر کر دوسرے کنارے پہنچ گئے لیکن غنیم پورے طور پر چوکس تھا اور یقیناً ان سے زیادہ طاقتور تھا۔ چار جوشیلے آدمی قتل کر دیے گئے اور باقی چار بشمول فدائی خاں کے گھوڑے دوڑا کر واپس ہوئے اور اسی جواں مردی سے "دریا پار کیا تھا جیسے پہلے پار کیا تھا۔" اور پھر بھی انہیں یہ ہمت ہوئی کہ صبح کے مجوزہ حملہ میں شریک ہوں۔ (7)

نور جہاں کا دھاوا

اتوار 21 رجمادی الآخر (20 فروردین۔ مارچ 1626ء کی صبح کو شاہی کیمپ میں بڑی ہما ہمی اور ہلچل تھی۔ ایک شاندار ہاتھی پر شہریار کی شیر خوار بچی کو گود میں لیے ہوئے نور جہاں کی سربراہی میں شاہی فوج دریا پار کرنے ہوئے روانہ ہوئی لیکن بدقسمتی سے کشتیوں کے مہتمم غازی نے جو گذرگاہ معلوم کر کے بتائی تھی وہ بدترین ثابت ہوئی اس لیے کہ اس میں کئی گہرے کنڈ تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ دریا کے بیچ دھارے میں پہنچنے سے پہلے سارا نظم و ضبط ختم ہو گیا۔ اس دوران میں دریا کے دوسرے کنارے پر مہابت خاں کی فوج جنگی صف بندی میں آراستہ ہو گئی تھی اور بڑے بڑے ہاتھی آگے تھے۔

بے ترتیبی

شاہی فوج کشی الگ الگ حصوں میں بٹ گئی۔ آصف خاں، خواجہ ابوالحسن اور ارادت خاں دریا کے کنارے ایسے مقام پر پہنچے جہاں غنیم کی فوج سب سے زیادہ تعداد میں متعین تھی۔ فدائی خاں نے ایک تیر مارنے کے فاصلہ پر نیچے کی طرف گذرگاہ کو پار کیا۔ آصف خاں کا لڑکا ابو طالب اور بہت سے اور لوگ نیچے کی طرف اترے۔ عینی شاہد معتمد خاں کا بیان ہے کہ "گھوڑے تیرنے پر مجبور ہو گئے۔ اُن کا ساز بھیگ گیا اور کاٹھیاں ٹیڑھی ہو گئیں۔ کچھ لوگ تو کنارے پہنچ گئے اور کچھ اب تک پانی میں تھے جبکہ غنیم نے ہاتھیوں کو آگے کرا کے اُن پر حملہ کر دیا۔ آصف خاں اور خواجہ ابوالحسن ابھی بیچ دریا میں تھے کہ آگے والے لوگ پسپا ہو گئے۔ (میں بے حس و حرکت ہو گیا جیسے کہ میرے سر کے اوپر چکی کا پاٹ گھوم رہا ہو) کسی کو کسی کی پروانہ تھی اور نہ کوئی کسی کی بات سنتا تھا۔ ارادہ کی مضبوطی کسی میں نہ تھی۔ . . افسر دہشت زدہ ہو کر ہر طرف بھاگے کسی کو پتہ نہ تھا کہ اُسے کدھر جانا ہے یا اپنے آدمیوں کو کدھر لے جا رہا ہے۔

"میں نے اور خواجہ ابوالحسن نے دریا کی ایک شاخ کو پار کر لیا تھا اور دوسری شاخ پر کھڑا قسمت کے کھیل دیکھ رہا تھا۔ سوار، پیادے، گھوڑے اور اونٹ اور گاڑیاں بیچ دھارے میں ایک دوسرے کو ٹکراتے ہوئے دریا کے دوسرے کنارے پر جانے کے لیے جھگڑ رہے تھے۔ اُس وقت نور جہاں کے ایک خواجہ سرا نے ہمارے پاس آکر کہا کہ ملکہ یہ پوچھ رہی ہیں کہ کیا یہ دیر کرنے یا پس و پیش کرنے کا وقت ہے؟ جرأت کے ساتھ آگے بڑھ کر حملہ کر دو تاکہ تمہاری پیش قدمی سے غنیم پسپا ہو کر بھاگ کھڑا ہو۔"

(7) اقبال نامہ صفحہ 261 (الیٹ و ڈاؤسن) جلد ششم صفحہ 425) گلیڈون صفحہ 82۔ مآثر الامرا (بیورتج) جلد اول صفحات 561، 562

میں نے اور خواجہ نے جواب دینے کا انتظار نہیں کیا بلکہ فوراً دریا میں کود پڑے۔ سات آٹھ ہزار راجپوت دریا کے دوسرے کنارے پر کئی جنگی ہاتھیوں کو آگے کیے ہوئے مضبوطی سے قدم جمائے صف بستہ کھڑے تھے۔ ہمارے کچھ آدمی سوار اور پیدل شکستہ حال اور بے ترتیب شکل میں دوسرے کنارے پر پہنچے۔ غنیم نے اپنے ہاتھی آگے بڑھائے۔ رسالہ پیچھے پیچھے تھا اور پانی میں گھس کر تلوار کے وار کرنے لگے۔ سو آدمی جن کا کوئی لیڈر نہ تھا پیچھے پھر کر بھاگ کھڑے ہوئے اور غنیم کی تلواروں کے خون سے دریا کا پانی لال ہو گیا۔

نور جہاں پر حملہ

نور جہاں خود بھی حملہ سے محفوظ نہیں رہی اُس کی شیر خوار پوتی کے بازو میں ایک تیر لگا۔ (8) اُس کے ہاتھی کو کنارے پر پہنچتے ہی کئی زخم لگے۔ ایک تو اس کی مینگ پر اور پھر جب وہ پیچھے کو مڑا تو پچھلے پیروں پر نیزے کے دو تین زخم لگے۔ کئی راجپوت سوار ننگی تلواریں لیے ہوئے ہاتھی کے پیچھے دریا میں کود پڑے۔ فیلبان زخمی ہاتھی کو اور زیادہ گہرے پانی میں لے گیا راجپوتوں نے اپنے گھوڑے چھوڑ دیے اور پیرنے لگے لیکن تھوڑی دیر بعد ڈوبنے کے ڈر سے واپس ہو گئے۔ ہاتھی پیر کر دریا کے کنارے پہنچ گیا۔ نور جہاں اپنی خادماؤں کی مدد سے اپنی پوتی کے بازو سے تیر نکالنے لگی اور پھر اپنے کیمپ میں واپس آ گئی۔ خواجہ ابوالحسن گھوڑا تیزی سے دوڑا کر اُس کی مدد کے لیے آگے بڑھا۔ لیکن اپنی جلد بازی میں دریا کے بیچ میں پہنچ گیا۔ پانی گہرا تھا اور دھارا تیز بہ رہا تھا۔ جب گھوڑا تیرنے لگا تو خواجہ گر پڑا لیکن اُس نے دونوں ہاتھوں سے کاٹھی کا سرا مضبوطی سے پکڑ لیا۔ گھوڑے نے کئی ڈبکیاں لیں اور پھر بالکل ڈوب گیا لیکن خواجہ نے کاٹھی ہاتھ سے نہیں چھوڑی۔ ایک کشمیری کشتی بان نے اُس کے پاس پہنچکر اس کی جان بچائی آصف خاں کی جماعت بھی بالکل بے ترتیبی کی حالت میں واپس آئی۔

فدائی خاں کا جراٗت مندانہ کارنامہ

اگرچہ اصل حملہ اُس ہولناک مصیبت کے ساتھ پسپا ہو گیا لیکن فدائی خاں کے مختصر گروہ نے اپنے جانباز لیڈر کی تحریک سے چند نمایاں کارنامے انجام دیے۔ وہ نظم وضبط اور باقاعدگی کے ساتھ دوسرے کنارے پر پہنچ گئے اور راجپوتوں کی جماعت جو وہاں موجود تھی اس سے لڑ پڑے کچھ دیر کی لڑائی کے بعد انہیں غلبہ حاصل ہو گیا اور وہ لڑتے لڑتے شہریار کے خیمے تک پہنچے جہاں بادشاہ بھی تھا مگر اُس پر سخت پہرہ تھا.... فدائی خاں دروازے پر ٹھہر گیا اور اندر کی طرف چند تیر پھینکے جن میں سے بعض بادشاہ کے قریب شاہی کمرہ میں پہنچے۔ مخلص خاں بادشاہ کے آگے کھڑا ہو گیا اور اپنے جسم کو بادشاہ کے لیے ڈھال بنا دیا۔ فدائی خاں نے اپنی کوشش کچھ دیر تک جاری رکھی مگر اس کے کئی ساتھی (جیسے سید مظفر اور وزیر بیگ) مارے گئے اور کئی اور (جیسے سید عبدالغفور) سخت زخمی ہو گئے اور خود اس کے گھوڑے کو چار زخم لگے جب اسے اندازہ ہوا کہ اُس کی کامیابی کی کوئی صورت نہیں ہے اور بادشاہ تک وہ کسی طرح نہیں پہنچ سکتا تو وہ بھی کیمپ سے گزر کر دریا پار پہنچ گیا۔

---

(8) اقبال نامہ صفحہ 262 تا 263 (الیٹ وڈاؤسن جلد ششم صفحات 425 تا 426) معتمد خاں نے یہ تو نہیں لکھا کہ بچی کی لقا شاہ نواز خاں کی لڑکی بھی ہودہ میں تھی مگر یہ لکھا کہ اس کے (لقا) کے بازو میں بھی زخم لگا۔ محمد ہادی اور دوسرے مورخین نے صاف لکھا ہے کہ بچی ہی کو زخم لگا تھا۔

ناکامی

چنانچہ اس کی کوشش بھی بے نتیجہ رہی۔ سارا منصوبہ بُری طرح ناکام رہا۔ لیڈروں میں فوج کو دوبارہ منظم کرنے کی صلاحیت نہ تھی اور نہ اُن میں دوبارہ مزاحمت کی جرأت تھی۔

شاہی فوج میں بھگدڑ

وہ منتشر ہو کر چاروں طرف بھاگے کچھ لوگ تو ایسے بدحواس ہو کر بھاگے اُن کا جو اہم ترین فرض تھا کہ داہنے کنارے کی راجپوتوں سے حفاظت کریں تاکہ کم از کم عورتیں اور ملازم حفاظت کی جگہ تک پہنچ جائیں۔ اس کا بھی انہیں ہوش نہ رہا۔ یہ اہم فرض معتمد خاں کو انجام دینا پڑا اور چند دوسرے لوگوں کے ساتھ جن کے تیروں کی بارش نے غنیم کو دریا کے دوسری طرف پہنچنے سے باز رکھا۔(9)

آصف خاں اٹک کو فرار

سلطنت کے سب سے بڑے امیر آصف خاں نے سب سے زیادہ بُزدلی دکھائی۔ اگرچہ یہ صحیح ہے کہ اُسے اپنی سلامتی کی فکر ہونے کی خاص وجہ تھی۔ اسے بخوبی معلوم تھا کہ فاتح غنیم سے اُسے کسی رحم کی مطلق توقع نہ تھی۔ اُسے یقین تھا کہ دشمن اس کے ساتھ وہی سلوک کرے گا جو وہ خود اُس کے ساتھ کرتا اور یقیناً اس نے یہی طے بھی کر رکھا تھا۔ سلطنت بھر میں کوئی دو ایسے آدمی نہ تھے جو ایک دوسرے سے اتنی زیادہ نفرت اور عداوت رکھتے ہوں جتنی آصف خاں اور مہابت خاں۔ چنانچہ جب حملہ ناکام ہو گیا تو آصف خاں کیمپ کے مفاد سے بے پروا ہو کر اپنے ساتھیوں کے ساتھ دریا پار کر کے بائیں کنارے پر پہنچ گیا۔ معتمد خاں نے اُسے روکنے کی کوشش کی۔ بظاہر اس خیال سے کہ غنیم کو روکنے میں وہ اس کی مدد کرے مگر وہ کسی طرح نہ ٹھہرا اور نہ کوئی بات سنی بلکہ دو تین سو سپاہیوں اور چند ملازموں کے ساتھ تیزی سے روانہ ہو کر اپنے جاگیر کے قلعہ اٹک میں چلا گیا اور وہاں قلعہ بند ہو گیا۔

خواجہ ابوالحسن نے کچھ دیر چھپے رہنے کے بعد خود کو مہابت خاں کے حوالے کر دیا اور اُس کی وفاداری کا حلف لیا اُس نے ارادت خاں اور معتمد خاں کو بھی یہی مشورہ دیا اور یہ دونوں کچھ دیر مزاحمت کے بعد آمادہ ہو گئے اور انہیں بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہونے کی اجازت دی گئی۔ فدائی خاں اپنی کوشش کی ناکامی کے دوسرے دن اپنے لڑکے کے پاس روہتاس چلا گیا۔(10)

نورجہاں نے بھی خود کو حوالہ کر دیا

ملکہ نورجہاں اپنے شوہر سے جدائی زیادہ دنوں تک برداشت نہ کر سکی اور خوب سمجھ کر کہ اُس کا منصوبہ قطعی طور پر ناکام ہو گیا۔ اپنی مرضی سے خود کو مہابت خاں کے حوالے کر دیا اور اُسے بادشاہ کے پاس جانے کی اجازت دے دی گئی۔

(9) اقبال نامہ صفحات 261 تا 265 (ایلیٹ وڈاؤسن جلد ششم صفحات 425 تا 428) خافی خاں جلد اول صفحات 370 تا 372 گلیڈون صفحات 82 تا 83۔ انگلش فیکٹریز ان انڈیا 29-1624ء صفحہ 152۔

(10) اقبال نامہ صفحہ 262 تا 266 (ایلیٹ وڈاؤسن جلد ششم صفحہ 428) خافی خاں جلد اول صفحہ 373 گلیڈون صفحہ 83۔ جلد اول صفحہ 502 مآثر الامراء (بیورتج) جلد اول صفحہ 562۔ ڈی لائٹ صفحہ 266۔ انگلش فیکٹریز ان انڈیا 29-1624ء صفحہ 152۔

مہابت خاں کا غلبہ

اپنی طرف سے مطمئن ہو کر اب مہابت خاں نے حکومت کے نظم و نسق کو اپنے ہاتھ میں لیا۔ باضابطہ فوج بشمول احدیوں کے اس نے پورے طور پر اپنے اختیار میں لے لیا۔ اس وقت وہ سلطنت مغلیہ کا پورا حکمراں تھا بالکل جیسے اُس کے پیشتر نور جہاں کا حال تھا۔ فرق صرف یہ تھا نور جہاں کے اقتدار کی بنیاد بادشاہ سے محبت اور عقیدت تھی اور مہابت خاں کے اقتدار کی بنیاد صرف قوت پر تھی تاہم فی الوقت اُس کی حکمرانی مکمل تھی۔ اس نے اپنے خزانہ میں اضافہ کرنے کی کوشش شروع کر دی۔ اعتماد الدولہ کے ایک مقرب اور بعد کو نور جہاں کے داروغہ اور اب مہابت خاں کے خاص معاون گوردھن سورج دھواج کی نشاندہی پر اس نے اپنے دشمنوں کے پوشیدہ خزانوں پر قبضہ کر لیا۔

آصف خاں کے خلاف مہم

مہابت خاں کے دشمنوں میں صرف آصف خاں اپنی ضد پر قائم رہا مگر اس کی تسخیر کے لیے زیادہ مدت نہیں درکار تھی۔ مہابت خاں نے پہلے ہی اپنے لڑکے بہروز اور ایک راجپوت فوجی سردار کے ماتحت احدیوں کی ایک جماعت اور کچھ راجپوت اور قریبی زمینداروں کے فوجی دستوروں کے ساتھ قلعہ کا محاصرہ کرنے روانہ کر دی تھی۔ اپنی توقع کے برخلاف آصف خاں کی جان بخشی کا وعدہ بھی کر لیا گیا۔ ظاہر ہے کہ وہ بہت جلد لاچار کر دیا گیا اور اپنے دشمن کے قول پر اعتماد کر کے اس نے خود کو حوالے کر دیا اور مہابت خاں کی حمایت کا حلف لے لیا۔ (11)

کابل کے سفر پر

ہندوستان کے انتظامات مکمل ہو جانے پر مہابت خاں نے بادشاہ کو اپنے ہمراہ کابل کا سفر جاری رکھنے پر آمادہ کیا۔ اٹک کے پاس دریائے سندھ کو پار کر کے مہابت خاں نے بادشاہ سے اجازت حاصل کی اور قلعہ کے اندر جا کر آصف خاں اور اس کے لڑکے ابو طالب (بعد کو شایستہ خاں) کو باہر نکالا اور انہیں اپنے آدمیوں کی حراست میں دے دیا۔ اٹک پر باقاعدہ قبضہ کر لیا گیا اور قلعہ میں مہابت خاں کے اپنے آدمیوں کی قلعہ بند فوج تعینات کر دی گئی۔

بدقسمتی سے اس سلسلہ میں کئی آدمیوں کو بلا سبب ظالمانہ سزائے موت دی گئی۔ خواجہ شمس الدین محمد خواجہ اور محمد تقی جو کبھی شاہجہاں کا مستقل بخشی تھا ان سب کو آصف خاں سے قریبی تعلق رکھنے کی بنا پر قتل کر دیا گیا۔ سب سے زیادہ ظالمانہ سلوک ملا محمد تاتی سے کیا گیا جو آصف خاں کا پیر تھا اور جسے مہابت خاں کے حکم سے زنجیر میں کس دیا گیا تھا۔ زنجیر مضبوط نہیں بندھی تھی اس لیے ذرا سے جھٹکے سے سرک گئی اور ملا پر جادو کرنے کا الزام لگایا گیا۔ وہ ہر وقت قرآن کی آیتیں پڑھا کرتا تھا اس لیے کہ اسے پورا قرآن حفظ تھا۔ چنانچہ اس پر یہ الزام لگایا گیا کہ وہ مہابت خاں پر جادو کرتا ہے اور اس بنا پر اُس کی گردن مار دی گئی۔

شاہی قافلہ اٹک سے کابل روانہ ہو گیا اور راستہ میں کچھ دن جلال آباد میں قیام کیا۔ جہاں بادشاہ

---

(11) اقبال نامہ صفحات 266 تا 267 (ایلیٹ وڈاؤسن جلد ششم صفحہ 428) مآثر الامرا (بیورتج) جلد اول صفحات 573 تا 574 گلیڈون صفحہ 83۔ مہابت خاں کے لڑکے کا نام بہروز تھا۔ مآثر جہانگیری نے بلاسمجھ غلط لکھا ہے رائے گوردھن کے حالات کے لیے دیکھو مآثر الامرا (بیورتج) جلد اول صفحات 572 تا 574۔ انگلش فیکٹریز ان انڈیا 29-1624ء صفحہ 152۔

سے ملنے کچھ عجیب قسم کے رسوم ورواج اور اطوار کے قبائلی آئے۔(12)

بادشاہ کابل میں

28/شعبان 1025ھ 28/ اردی بہشت، مئی 1626ء کو اتوار کے دن شاہی کیمپ کابل پہنچا اور بادشاہ نے ہاتھی پر سوار ہو کر شہر کا گشت لگایا اور حسب معمول سونے چاندی کے سکوں کی بارش کی اور اس طرح شاہدرہ کے باغ تک گیا۔ تھوڑی دیر بعد جاکر اس نے بابر، مرزا ہندال، محمد حکیم اور دوسروں کے مقابر کی زیارت کی۔

مہابت خاں کی کارروائیاں

ظاہری طور پر مہابت خاں کا اقتدار پورے طور پر مستحکم ہو گیا تھا۔ بظاہر بادشاہ نے انقلاب قبول کر لیا تھا۔ نور جہاں اور آصف خاں بے بس قیدی تھے۔ مہابت خاں کی مخالفت کرنے والی کوئی منظم جماعت نہ تھی۔ متعدد اُمراجو نور جہاں کے خلاف تھے انہوں نے اپنے جی میں نور جہاں کے اقتدار کے خاتمہ کا خیر مقدم کیا ہوگا۔ سلطنت میں راجپوتوں کو جو وسیع اقتدار حاصل ہو گیا تھا اس سے ہندو بہت مطمئن ہوں گے اور فخر کر رہے ہوں گے۔ خان خاناں جو مہابت کا سخت ترین دشمن تھا وہ قنوج اپنی جاگیر پر جاتے ہوئے راستہ میں گرفتار کر لیا گیا تھا۔ آگرہ کے صوبہ دار مظفر خاں کو حکم دے دیا گیا تھا کہ دارا اور اورنگ زیب جو شاہی دربار آتے ہوئے راستہ میں تھے ان پر کڑی نگرانی رکھی جائے۔ پنجاب پر قبضہ رکھنے کے لیے مہابت کے ایک ساتھی صادق کو وہاں کا گورنر بنادیا گیا۔ شاہجہاں نے بیشک سر اُٹھایا تھا مگر اس میں اتنی سکت نہ تھی کہ خطرناک ثابت ہو۔ دکن میں طاقتور ملک عنبر جو سلطنت کے دل میں ایک مستقل کانٹا تھا اس کا اسی سال کی طویل عمر پاکر 31/اردی بہشت (مئی 1626ء) کو انتقال ہو چکا تھا اور اسی کے ساتھ احمد نگر کی آزادی کی امید بھی ختم ہو گئی تھی۔ شمال مغربی سرحد پر اگرچہ ابھی شورش جاری تھی مگر صورت حال پورے طور پر قابو میں تھی۔ ملک کے اندر اور باہر دونوں طرف بظاہر اس عظیم جنرل کو سر دست مستحکم حیثیت حاصل تھی۔

---

(12) اقبال نامہ کا مصنف (صفحات 267 تا 268) اور اس کی تقلید میں خافی خان، کامگار اور پھر ان کی تقلید میں گلیڈون نے یہ لکھا ہے کہ یہ قبیلہ نمایاں طور پر اہل تبت کے مشابہ تھا۔ وہ عموماً تو ایک ہی شادی کرتے تھے لیکن اگر بیوی بانجھ ہو یا شوہر کی ضد ہو تو دوسری شادی کر لیتے تھے۔ اگر باپ اپنے بیٹے کی بیوی کو پسند کرے تو بیٹا بلا عذر اپنی بیوی کو باپ کے حوالہ کر دیتا تھا ان کا شہر دیوار سے گھرا ہوتا تھا۔ جس میں صرف ایک پھاٹک تھا۔ لوگ اپنے پڑوسیوں سے ملنے چھتوں پر سے جاتے تھے۔ وہ سور کے گوشت، مرغ اور مچھلی کے گوشت کے علاوہ کسی چیز سے پرہیز نہیں کرتے تھے اور ان چیزوں کے کھانے سے ان کی آنکھیں جاتی رہتی تھیں وہ گوشت کو بھونتے نہ تھے بلکہ اسٹو بناتے تھے۔ ان کی قسم کا طریقہ یہ تھا کہ وہ ایک ہرن یا بکری کا سر آگ پر رکھتے تھے اور جب وہ کافی جل جاتا تھا تو اسے ایک درخت کی شاخ سے لٹکا دیتے تھے جہاں وہ لٹکا رہتا تھا اور ان کا عقیدہ تھا کہ جو کوئی اس قسم کی خلاف ورزی کرے گا وہ کسی سخت مصیبت میں گرفتار ہو جائے گا۔ مردوں کو صاف کپڑوں میں دفن کیا جاتا تھا اور ان کے روزمرہ کے استعمال کے اسلحہ اور ایک شراب کی بوتل اور پیالہ ان کے ساتھ قبر میں رکھ دیا جاتا تھا۔

بادشاہ نے ان سے کہا کہ ان کی جو خواہش ہو وہ طلب کریں۔ انہوں نے تلوار اور کچھ نقد اور مخمل کا ایک پورا جوڑا کپڑا اور ایک گھوڑے کی خواہش کی جو انہیں دے دیے گئے۔

صورتِ حال

لیکن کبھی کبھی اُمرا کو یقیناً مہابت کے اس اقتدار پر شک ہوتا ہوگا اور وہ ایک انقلاب کے خواہاں ہوتے ہوں گے۔ کبھی کبھی نور جہاں کا سرگرم اور تیز دماغ ضرور اپنے شوہر کو آزاد کرانے اور اپنے اقتدار کو بحال کرنے کے لیے کوئی نہ کوئی تدبیر سوچتا ہوگا۔ مہابت خاں اور راجپوتوں کا جو اثر و اقتدار تھا وہ دوسرے شاہی افسروں اور عوام و خواص کے لیے ایک خلش کی بنیاد تھی۔

اور بالکل اسی ذریعہ سے مہابت خاں کے اقتدار میں سب سے پہلا رخنہ پڑا۔ مسلم مورخین نے مہابت کے راجپوت ساتھیوں پر کابل کے لوگوں پر ظلم کرنے کا الزام لگایا جس سے نہ صرف عام عام لوگوں میں سخت ناراضی پیدا ہوئی بلکہ احدی اور مسلم سپاہی بھی ناراض ہو گئے۔ اس قسم کے الزامات کو قبول کرنے میں ہمیشہ ذرا تامل سے کام لینا چاہیے۔ یہ بالکل قرین قیاس ہے کہ اکاڈکا راجپوتوں نے اپنے اقتدار کے زعم میں اپنی حد سے بڑھ کر کام کیا ہو اور اپنے سے کمزور لوگوں سے بُرا سلوک کیا ہو۔ بہر حال جو بھی صورت ہو۔ راجپوتوں اور اُحدیوں میں جلد ہی ایک دوسرے سے سخت عناد اور نفرت کی صورت پیدا ہو گئی۔

راجپوتوں اور اُحدیوں میں جھگڑا

ایک دن بعض راجپوت قاعدہ کے خلاف اپنے گھوڑے شاہی چراگاہ میں لے گئے اور وہاں جو احدی پہرے پر تعینات تھے انہوں نے سختی سے باز پرس کی۔ دونوں میں پہلے زبانی گالی گفتہ ہوئی اور پھر تلواریں نکل آئیں۔ اس جھگڑے میں ایک احدی مارا گیا۔ اس کے ساتھیوں نے شاہی دربار میں یا یوں کہنا چاہیے کہ مہابت خاں کے دروازے پر فریاد کی اور مہابت خاں نے کہا کہ اگر وہ قصوروار کا نام بتائیں تو معاملے کی پوری جانچ کی جائے گی اور قصور ثابت ہونے پر قصوروار کو مناسب سزا دی جائے گی۔ اس جواب سے اُحدی سخت غیر مطمئن ہو کر چلے گئے اور انہوں نے اس معاملہ کو ٹالنے کی کوشش سمجھا۔ انہوں نے آپس میں مشورہ کیا اور راجپوتوں سے سخت انتقام لینے کا فیصلہ کیا اور سارے ملک میں راجپوتوں کے خلاف عام طور پر شورش کو منظم کیا۔ دوسرے دن وہ راجپوتوں کے ایک قریبی کیمپ میں ایک بڑی جماعت پر ٹوٹ پڑے۔ آٹھ نو سو راجپوت جن میں سے بعض مہابت کے بہترین دوست اور زبردست حامی تھے کاٹ کر ڈھیر کر دیے گئے۔ اسی کے ساتھ سارے ملک میں ایک عام شورش برپا ہو گئی اور بہت سے راجپوت مارے گئے اور تقریباً پانچ سو گرفتار کر کے ہندوکش پہاڑ کے اس طرف جا کر غلاموں کی طرح فروخت کر دیے گئے۔

مہابت خاں کو جب اس کی خبر ملی تو پہلے وہ اس خوف سے موقعہ واردات پر جانے کی ہمت نہ کر سکا کہیں اسے قتل نہ کر دیا جائے۔ جب اس کے فوجیوں نے شورش فرو کر دی تو اس نے کئی بلوائیوں کو سخت سزائیں دیں۔ جشنا خاں نے تحقیقات کی اور اس کے نتیجہ میں کوتوال خاں، جمال خاں، محمد خواص، بدیع الزماں، خواجہ قاسم برادران خواجہ ابوالحسن کو شورش برپا کرنے کا مجرم قرار دیا گیا اور مہابت خاں نے انہیں بلا کر ان سے جرح کی اور ان کی توجیہہ غیر تشفی بخش ثابت ہونے پر انہیں قید اور ضبطی جائداد کی سزا دی گئی۔

امن تو بحال ہو گیا لیکن مہابت کی فوج میں بہت کمی ہو گئی اور افغانستان کے لوگ اور بہت سے

شاہی فوج کے لوگ مہابت خاں دسے برگشتہ ہوگئے۔ اسی کے ساتھ اُمرا کی آپس کی رقابتوں اور خود مہابت خاں کی دن بدن بڑھتی ہوئی تحکم پسندی نے نور جہاں کی تیز ذہانت کو سازش اور سیاسی چالوں کا وافر موقع بہم پہنچایا۔(13)

نور جہاں کے منصوبے

نور جہاں کے منصوبے کے دو پہلو تھے۔ اول تو یہ کہ مہابت خاں کے شکوک کو رفع کیا جائے اور اُسے اپنی حفاظت سے غافل کر دیا جائے اور پھر اُمرا کو اپنا طرف دار بنایا جائے۔ اُمرا کو ملانے کا کام تو تقریباً سب اسی کو کرنا تھا۔ لیکن مہابت خاں کے شبہات کا ازالہ کے لیے جہانگیر کو اس کی ہدایت پر عمل کرنا ہوگا۔ نور جہاں کے سکھانے پر جہانگیر نے مہابت کو یہ یقین دلایا کہ وہ ہمیشہ سے مہابت کو ساتھ رکھنے اور اس کے مشوروں سے فائدہ اٹھانے کا شائق تھا مگر آصف خاں اور نور جہاں کی وجہ سے مجبور تھا۔ جہانگیر نے یہ بھی کہا کہ اسے بڑی خوشی ہوئی کہ اُس کے وفادار ملازم نے اسے آزادی دلادی اور اب وہ اپنی مرضی سے مہابت خاں کے مشورہ سے امورِ سلطنت کو انجام دے گا۔ اُس نے یہ ظاہر کیا کہ اُسے مہابت خاں پر پورا اعتماد ہے اور اس نے نور جہاں کی سکھائی ہوئی چند راز کی باتیں بھی اسے بتائیں۔ اپنے دوزخے پن کو وہ اس حد تک لے گیا کہ مہابت خاں کو تنبیہ کیا کہ نور جہاں اس کے خلاف سازش کر رہی ہے اور ابو طالب کی بیوی جو خان خاناں کی پوتی ہے وہ اسے قتل کرنے کے موقع کی منتظر ہے۔ بادشاہ نے بات چیت اور عمل سے یہ ظاہر کیا کہ وہ موجودہ صورتِ حال سے بہت خوش ہے اس نے دلی مسرت سے اپنی پہلے کی خوشیوں میں حصہ لینا شروع کر دیا۔ اگرچہ بادشاہ پر ہمیشہ راجپوتوں کا پہرہ رہتا تھا مگر وہ قریب قریب روز شکار کو جاتا تھا حتیٰ کہ اس نے قمر غاس کے انتظام کا بھی حکم دے دیا۔ نور جہاں اور دوسرے اہلِ خاندان کے ساتھ وہ درویشوں کے پاس جاتا تھا جس کا اسے ہمیشہ سے شوق تھا۔

مہابت خاں دھوکہ میں آگیا

مہابت خاں اپنی تمام تر ہوشیاری اور احتیاط کے باوجود دھوکہ میں آگیا۔ اس نے اپنے رجپوت پہرہ داروں میں تخفیف کر دی اور سب سے زیادہ بُری بات یہ کہ بادشاہ کی قیام گاہ پر جو پہرہ رہتا تھا اس میں بھی تخفیف کر دی۔(14)

نور جہاں کی چالیں

اس دوران میں نور جہاں بھی خاموشی سے نہیں بیٹھی رہی۔ اس نے اپنی ذہانت کے تمام وسائل سے کام لے کر جو اُمرا مہابت خاں کے مخالف تھے انہیں اور بھڑکا دیا جو اُمرا آمادہ نہ ہوئے ان کی خوشامد آمد در

(13) اقبال نامہ صفحات 267 تا 271 (الیٹ وڈاؤسن) جلد ششم صفحہ 428) گلیڈون صفحہ 184,85 انگلش فیکٹریز ان انڈیا 1624-29ء صفحہ 152۔ اس شورش میں مہابت خاں کے تقریباً دو ہزار سپاہی ہلاک ہوئے۔ مہابت خاں کا لڑکا امان اللہ خاں بھی نور جہاں کا طرف دار ہو گیا تھا۔ اس کے حالات کے لیے دیکھو مآثر الامرا (بیورتج) جلد اول صفحہ 212 تا 219۔

(14) اقبال نامہ صفحہ 274 تا 275 (الیٹ وڈاؤسن جلد ششم صفحات 429، 430) خافی خاں جلد اول صفحات 374 تا 376 گلیڈون صفحہ 86۔

آمد کی، لالچی امرا کو رشوتیں دیں، مذبذب لوگوں کو پکا کیا اور سب کو اُمیدیں دلائیں۔ بہت سے ادنیٰ درجہ کے لوگوں کی بھی تائید اس نے حاصل کر لی اور بہت بڑے پیمانہ پر سازش منظم کی۔

کابل سے لاہور روانگی

کئی ہفتہ کے قیام کے بعد شاہی لاؤ لشکر دوشنبہ یکم شہریور 1626ء کو کابل سے لاہور کی طرف روانہ ہوا۔ راستہ بھر جہانگیر پوری ہوشیاری سے اپنا کردار انجام دیتا رہا۔ جیسا کہ معتمد خاں کا بیان ہے۔ "اُس نے مہابت کے دل کو بالکل مطمئن کر دیا اور اس کے وہ تمام شکوک دُور کر دیے جو اس کے ذہن میں جہانگیر کے بارے میں تھے۔"

نور جہاں کی مزید سرگرمیاں

نور جہاں نے اب اپنی سرگرمیاں اور تیز کر دیں اور اسکے حامیوں میں روز بروز اضافہ ہوتا گیا۔ بادشاہ کے ہمراہیوں میں وہ اپنے آدمی بھرتی کرنے میں کامیاب ہو گئی۔ اپنے خواجہ سرا ہوشیار خاں کے ذریعہ سے اس نے لاہور میں دو ہزار آدمی بھرتی کر لیے اور شاہی کیمپ کی طرف روانہ ہوئی۔

جہانگیر کی رہائی

جب روہتاس کا ایک دن کا راستہ رہ گیا تو نور جہاں کا منصوبہ بروئے عمل لایا گیا۔ بادشاہ نے رسالہ کا معائنہ کا قصد کیا اور حکم دیا کہ تمام پرانے اور نئے سپاہی بادشاہ کی قیام گاہ سے لے کر جہاں تک پہنچ سکیں دو قطاروں میں کھڑے ہو جائیں۔ پھر نور جہاں نے اپنے ایک خدمت گار بلند خاں کو ہدایت کی کہ وہ مہابت خاں کے پاس جائے اور اس سے کہے کہ آج بادشاہ ملکہ کی فوج کا معائنہ کرنا چاہتا ہے اس لیے مناسب ہوگا کہ وہ پہلے دن کی پریڈ آج ملتوی کر دے تاکہ دونوں گروہوں میں بات چیت بڑھ کر جھگڑا نہ ہو جائے۔ بلند خاں کے بعد بادشاہ نے اپنی خواہش زیادہ واضح کرنے کے لیے اور مہابت خاں کو ایک منزل آگے جانے پر اصرار کرنے کے لیے خواجہ ابوالحسن کو روانہ کیا اور خواجہ نے مناسب دلائل سے اُسے آمادہ کر لیا۔ اگرچہ معتمد خاں نے ایسا نہیں کیا مگر یہ ظاہر ہے کہ خواجہ کے استدلال کو مہابت خاں کے اس یقین سے تقویت ملی کہ اب اس کے پیروں کے نیچے سے زمین تیزی کے ساتھ نکلی جا رہی ہے اور یہ کہ نور جہاں کو قطعی طور پر اس پر فتح حاصل ہو گئی اور اب حالات پر قابو پانا اُس کے اختیار میں نہیں رہا ہے۔ دراصل اُس کی سو دن کی حکومت ختم ہو گئی ہے۔

اس نے بظاہر ایک منزل چل کو شاہی حکم کی تعمیل کی مگر وہاں سے بھاگ کھڑا ہوا۔ اور اتنی تیزی سے روانہ ہوا کہ شاہی فوج جو اس کے تعاقب میں روانہ ہوئی وہ اس کی گرد نہ پا سکی لیکن اس نے یہ بڑی ہوشیاری کی کہ یرغمال کے طور پر آصف خاں اور اس کے لڑکے ابو طالب اور مرحوم شہزادہ دانیال کے لڑکوں طہمورس اور ہوشنگ کو اور مخلص خاں کے لڑکے لشکری کو جو اس کا ضامن تھا اپنے ساتھ لے لیا۔

بادشاہ خود رہتاس تک گیا جہاں ایک باضابطہ دربار منعقد ہوا چنانچہ جیسا مورخ کا بیان ہے۔ بادشاہ کو دریا کے کنارے آزادی حاصل ہوئی جہاں چند مہینے پہلے وہ مقید ہوا تھا۔(۱۵) لیکن اس وقت سب سے اہم

---

(15) اقبال نامہ صفحات 275 تا 276 (الیٹ وڈاؤسن جلد ششم (430) خافی خاں جلد اول صفحات 377 تا 378 گلیڈون صفحات 86 تا 87۔

مسئلہ مہابت خاں کو قابو میں کرنا تھا اور ان ممتاز شاہی اُمرا کی رہائی جو مہابت خاں کے ساتھ تھے۔

اس کے ایک معاملہ کے حل کو دوسرے معاملہ کے حل سے وابستہ کرنے کے لیے نور جہاں نے ایک شاہی فرمان افضل خاں کے ذریعہ سے مہابت خاں کو بھیجا جس میں اُسے حکم دیا گیا کہ وہ آصف خاں، ابو طالب، طہمورس، ہوشنگ اور لشکری کو رہا کر کے شاہجہاں سے لڑنے ٹھٹھہ جائے۔ ان شرطوں پر اسے مصالحت کی پیش کش نہ کی گئی۔ اسے آگاہ کیا گیا اگر اس نے آصف خاں کو فوراً رہا نہ کیا تو اس کے تعاقب میں فوج بھیجی جائے گی۔

آصف خاں وغیرہ کی رہائی

مہابت خاں نے شہزادہ دانیال کے لڑکوں کو تو چھوڑ دیا لیکن آصف خاں اور اس کے لڑکے کو اس وقت تک کے لیے بطور یرغمال روک لیا جب تک اسے خود اپنی سلامتی کا معقول طور پر یقین ہو جائے اس نے شاہی فرمان کے جواب میں لکھا کہ اسے نور جہاں کے متعلق یقین نہیں ہے کہ اگر وہ آصف خاں کو رہا کر دے تو اس کے تعاقب میں اُسے پکڑنے کے لیے فوج نہ بھیجی جائے۔ البتہ لاہور سے گذر جانے کے بعد وہ اسے چھوڑ دے گا۔ نور جہاں نے پھر افضل خاں کے ہاتھ جواب بھیجا کہ آصف خاں کو فوراً رہا کیا جائے اور یہ دھمکی دی کہ اگر اس میں دیر ہوئی تو معاملہ بہت سنگین ہو جائے گا۔ اس پر مہابت خاں نے آصف خاں سے وفاداری کا حلف لے کر اسے چھوڑ دیا۔ پھر بھی ابو طالب کو روک رکھا۔ ٹھٹھہ کی طرف چند منزلیں طے کرنے کے بعد اس نے ابو طالب کو بھی دربار روانہ کر دیا۔

نئے انتظامات

جب شاہی کیمپ لاہور پہنچا تو نظم و نسق کی از سر نو تنظیم شروع ہوئی۔ یہ اہم کام آصف خاں کو سپرد کیا گیا جسے وکیل اور گورنر پنجاب کا عہدہ دیا گیا اور ابو الحسن کو اس کا دیوان بنایا گیا۔ میر جملہ کو بخشی مقرر کیا گیا اور خانساماں کے منصب پر اس کی جگہ افضل خاں کو مقرر کیا گیا، جس نے حال کی مشکلات میں قابلِ قدر خدمات انجام دی تھیں۔ مقرب خاں کا کوچ بہار سے تبادلہ کر کے بنگال کا گورنر بنایا گیا لیکن چند ہی ماہ کے اندر جب وہ شاہی فرمان کو لینے ایک کشتی پر جا رہا تھا تو آندھی آنے پر اس کی کشتی اُلٹ گئی اور اس کی موت واقع ہو گئی۔ چنانچہ اس کی جگہ فدائی خاں کو گورنر بنایا گیا۔ اس صوبہ میں اس قدر شدید بد نظمی تھی کہ فدائی خاں صرف دس لاکھ روپیہ روانہ کر سکا۔ کچھ دن بعد مرزا رستم سفاری بہار کا گورنر مقرر ہوا۔ (16)

---

(16) اقبال نامہ صفحات 265 تا 279 (الیٹ وڈاؤسن جلد ششم صفحات 427 تا 431) خافی خاں جلد اول صفحہ 386۔ گلیڈون 84 تا 88 خلاصۃ التواریخ صفحات 474 تا 480 مآثر الامرا (بیورج) جلد اول صفحہ 562۔

محمد امین کی انفع الاخبار میں اس یورش کا مختصر حال ہے جس سے ہماری معلومات میں کوئی اضافہ نہیں ہوتا (الیٹ وڈاؤسن جلد ششم صفحات 248 تا 249) شورش کا حال افواہوں پر مبنی پٹیر منڈی جلد دوم صفحہ 204 میں ہے۔ اس روایت کی کوئی سند نہیں ہے کہ مہابت خاں نے آصف خاں کو جوتے مار کر اور زنجیروں میں کس کر رکھا۔

اکیسواں باب

دکن میں شاہجہاں کی نقل و حرکت

دکن کی صورت حال کا پس منظر

یہ بالکل قدرتی بات تھی کہ شمال میں جن سنسنی پیدا کرنے والے واقعات نے حکومت میں انتشار پیدا کر دیا تھا ان کا اثر یقینی طور پر دکن میں مغلوں کی حیثیت پر پڑتا۔ جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں۔ 1624ء میں شہزادہ پرویز اور مہابت خاں کی روانگی کے بعد نظام شاہی حکمران کو مسلسل کئی کامیابیاں ہوئیں۔ ملک عنبر نے بھرپور کوشش کر کے دریائے تاپتی کے جنوب میں سارے مغل علاقے کو تسخیر کر کے احمد نگر اور برہان پور کا محاصرہ کر لیا تھا۔ مہابت خاں کے دوبارہ موقعہ پر آجانے سے واقعات نے پلٹا کھایا۔ شاہجہاں کو زچ ہو کر برہان پور سے روانہ ہونا اور بادشاہ سے مصالحت کرنا پڑا تھا۔ ملک عنبر کو پیچھے ہٹنا پڑا۔ اسے شاید اور بھی زیادہ سنگین شکستیں ہوتیں اگر نور جہاں کی عداوت نے مہابت خاں کو واپس نہ بلایا ہوتا اور بعد کو اس نے یورش نہ کی ہوتی۔ خاں جہاں لودی جو اس کی جگہ دکن میں مغل اعلیٰ کماندار مقرر ہوا اس کی توجہ نہ صرف شمال کے واقعات سے ہٹ گئی بلکہ اس میں وہ مستعدی، حاضر دماغی اور کمانداری کی قابلیت نہ تھی جو مہابت خاں میں تھی جس نے ملک عنبر جیسے چھاپہ مار طریق جنگ کے ماہر کامل کے مقابلہ میں کامیابی حاصل کی تھی۔

ملک عنبر کا انتقال

اگر ملک عنبر کا 31 اردی بہشت (مئی 1626ء) کو اسی برس کی طویل عمر میں انتقال نہ ہو گیا ہوتا تو خان جہاں کو سخت ذلت کا سامنا کرنا پڑتا۔ ملک عنبر کی موت نے صورت حال بالکل بدل دی۔ ہر شخص کو یہ محسوس ہو رہا تھا کہ دکن کے مفاد کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا ہے حتیٰ کہ مغل مورخ معتمد خاں جو اس کالے کلوٹے بدشکل حبشی غلام کو گالیاں دیتے کبھی نہیں تھکتا تھا وہ بھی اس کی تعریف میں رطب اللسان تھا۔ معتمد خاں نے لکھا "لڑائی میں فوج کی سرداری میں سوجھ بوجھ اور انتظامی قابلیت میں کوئی اس کا نظیر یا ہمسر نہ تھا۔ وہ چھاپہ مار طریق جنگ کو خوب سمجھتا تھا جسے دکن میں برگی گیری کہتے تھے۔ اس ملک کے شورہ پشت عناصر کو اس نے قابو میں رکھا اور اپنے آخری دم تک اپنی ممتاز حیثیت قایم رکھی اور عزت کی موت مرا۔ تاریخ میں کسی حبشی غلام کی ایسی مثال نہیں ملتی جس نے اتنا عروج حاصل کیا ہو۔"(1)

---

(1) اقبال نامہ صفحات 271 تا 272 (الیٹ وڈاؤسن جلد ششم صفحات 428 تا 429) خافی خاں جلد اول صفحہ 376 گلیڈون صفحہ 85۔ گرانٹ ڈف جلد اول صفحہ 75 بیل کی اور ینٹیل بیاگر یفیکل ڈکشنری صفحات 237 تا 238۔

صلح

اس نے اپنے پیچھے دو لڑکے فتح خاں اور چنگیز خاں چھوڑے اور بحیثیت نائب شاہ کے فتح خاں اُس کا جانشین ہوا۔ لیکن نظم و نسق میں اس کے اختیارات اس کے خصوصی نائب یعقوب خاں نے سنبھالے جو اس کی طرح حبشی غلام اور فوج کا کماندار تھا۔ لیکن نائب شاہ یا کماندار دونوں میں سے کوئی بھی اس دوہرے فرض کو انجام دینے کا اہل نہ تھا جس سے خود ملک عنبر کے اعصاب پر بھی غیر معمولی بار پڑا تھا یعنی ملک عنبر کے اندر اختلافات کو دبائے رکھنا اور ملک سے مغلوں سے مقابلہ کرنا۔ یعقوب خاں جو جالنا پور میں تعینات تھا اس نے خود اپنی اور فتح خاں اور دیگر امرا کی طرف سے مغل شاہنشاہ کی اطاعت کیشی کی بنیاد پر سربلند رائے سے صلح کی گفت و شنید شروع کی۔ خان جہاں نے بڑے اشتیاق سے اس پیش کش کو قبول کیا اور گرم جوشی اور طمانیت دہی کے الفاظ میں یعقوب کو جواب لکھا اور امرا کو ہدایت کی کہ اسے پورے اعزاز و مہمان نوازی کے ساتھ برہان پور لے آئیں۔ (2)

لڑائی پھر چھڑ گئی

• خان جہاں نے اگر یہ خیال کیا ہو گا کہ یہ پائیدار صلح ہے تو یہ اس کی سخت غلطی تھی۔ احمد نگر کے ایک نئے انقلاب میں ایک اور حبشی غلام حامد خاں نمایاں ہو گیا جو اپنے دیگر ہم قوم افراد کی طرح قابل اور بے خوف تھا۔ بادشاہ اور نائب شاہ دونوں پس پشت ہو گئے تھے جیسے مرہٹوں کے آخر کے عہد میں راجہ اور پیشوا۔ اصل سیاسی اقتدار کماندار اعلیٰ کے ہاتھ میں تھا جس پر اب حامد خاں فائز تھا۔ (3) تھوڑے دن بعد اس نے مغلوں کے خلاف اعلان جنگ کر دیا خان جہان نے پوری طاقت اور قابلیت سے جنگ شروع کی اور برہان پور کا انتظام لشکر خاں کو سپرد کر کے وہ کھڑکی کی طرف روانہ ہوا لیکن اپنے پیشروؤں کی طرح رشوت کا شکار ہو گیا۔ اس نے حامد خاں سے تین لاکھ ہُن۔ (4) (تقریباً بارہ لاکھ روپیہ) کی رشوت قبول کر لی اور اس کے عوض بالا گھاٹ کا پورا علاقہ احمد نگر کے قلعہ تک حوالہ کر دیا اور اس علاقہ کے مغل کمانداروں کے نام فوراً احکام جاری کر دیے کہ اپنے اپنے علاقوں اور قلعوں کو نظام الملک کے آدمیوں کے حوالہ کر دیں۔ احمد نگر کے کماندار سپہدار خاں کے علاوہ سب نے اس کی تعمیل کی۔ سپہدار خاں نے دکن کے افسروں کو لکھا کہ سارے علاقہ پر وہ قبضہ کر لیں اس لیے کہ وہ انھیں کا ہے۔ "لیکن قلعہ میں بغیر شاہی حکم کے حوالہ نہ کروں گا۔"

محاصرہ کی تیاری

سپہ دار کسی دلیل یا التجا یا دھمکی سے رضامند نہ ہوا اور بڑے پیانہ پر رسد جمع کر کے طویل محاصرہ کی تیاری کی۔ (5)

---

(2) اقبال نامہ صفحات 280 (ایلیٹ و ڈاؤسن جلد ششم صفحہ 432) گرانٹ ڈف جلد اول صفحات 77 تا 78۔

(3) اقبال نامہ صفحہ 483 و 484 (ایلیٹ و ڈاؤسن جلد ششم صفحہ 433) حامد خاں کے اقتدار کو اس کی بیوی کی وجہ سے بڑی مدد ملی جو پہلے نظام الملک کے حرم میں ایک باندی تھی اور اپنے عیاش حکمراں کے لیے عورتیں اور لڑکیاں بہم پہنچاتی تھی۔ نظام الملک کی حالت ایک پنجرے میں بند پنچھی کی سی تھی اور باہر حامد خاں کی اور اندر اس کی بیوی کی حکومت تھی۔

(4) ہن ایک سونے کا سکہ تقریباً بارہ گرین وزن کا تھا جو اس وقت دکن میں رائج تھا اور چار روپیوں کے برابر تھا۔

(5) اقبال نامہ صفحات 273 تا 284 (ایلیٹ و ڈاؤسن جلد ششم صفحات 433 تا 434) خافی خاں جلد اول صفحات 383 تا 385۔

حالات کا جائزہ

دکن کی لڑائیوں کا جو تقریباً جہانگیر کے سارے عہدِ حکومت میں جاری رہیں یہ ذلت آمیز انجام ہوا۔ دو یا تین درمیانی وقفوں کے علاوہ جو شاہجہاں اور مہابت خاں سے منسوب ہیں۔ یہ لڑائیاں بحیثیت مجموعی نہایت بُری طرح بدانتظامی کا شکار رہیں۔ سب سے زیادہ تکلیف دہ اور ذلت آمیز صورت مغل افسران کی رشوت خوری اور آپس کی رنجشیں تھیں۔ اس جدوجہد میں ہزاروں جانوں اور کروڑوں روپیہ کا اتلاف ہوا اور سلطنت کی سرزمین یا وقار میں ذرہ برابر اضافہ نہیں ہوا۔ برعکس اس کے ایک زبردست طاقت کے عروج میں بہت بڑی مدد کی یعنی مراٹھے اور ان کا چھاپہ مار طریق جنگ جو اگلے دو بادشاہوں شاہجہاں اور اورنگ زیب کی فتوحات اور وسیع ملک کے الحاق کے باوجود بالآخر بڑی حد تک مغل سلطنت کی تباہی کا باعث ہوا۔ یہی دراصل اس دور میں دکن کی کارروائیوں کی سب سے زیادہ امتیازی خصوصیت تھی۔

شاہجہاں کی احمد نگر سے روانگی

اس دوران میں شاہجہاں کی قسمت نے ایک اور پلٹا کھایا۔ مارچ 1626ء کی مہابت خاں کی یورش کی خبر سن کر وہ 30/رمضان 1035ھ 7/جون 1626ء کو وہ احمد آباد کی سرحد سے روانہ ہوا۔ اور ناسک ترمبک درہ سے ہوتا ہوا شمال کا رُخ کیا۔ اس کے ساتھ ایک ہزار سواروں کا ایک دستہ تھا جن میں سے نصف راجہ کشن سنگھ نے فراہم کیے تھے اور وہی ان کا کماندار تھا۔ شاہجہاں کو امید تھی کہ وہ راستہ میں اور فوج بھرتی کرے گا اور بہتی گنگا میں ہاتھ دھونے روانہ ہو جائے گا۔ اس نے مشہور یہ کیا کہ وہ اپنے والد کو رہا کرانے جارہا ہے لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ خود اپنے بل بوتے پر جنگ کرنے جارہا تھا اور کسی فریق سے ملنے کا پہلے سے کوئی خیال نہ تھا۔ لیکن بدنصیبی نے اُسے گھیر لیا۔ اپنی فوج کو بڑھانے کا سوال تو الگ رہا اسے شدید مایوسی ہوئی کہ اس کا وفادار ساتھی اجمیر میں فوت ہو گیا اور اس کے پانچ سو سپاہی فوراً منتشر ہو گئے۔ اپنے باقی ماندہ ساتھیوں کے ساتھ ناگور کی سرحد اور جودھ پور، جیسلمیر ہوتا ہوا آگے بڑھا۔ راستہ میں اسے کوئی رنگروٹ نہیں ملے۔

قلعہ ٹھٹھہ کے دروازے پر

پرانے قلعہ ٹھٹھہ کو از سر نو مرمت شدہ پایا جس پر کئی توپیں چڑھی ہوئی تھیں اور مختلف مورچوں پر منتخب سپاہی تعینات تھے جو پورے طور دفاع کے لیے تیار تھے اور جن کی کمان پر ٹھٹھہ کا گورنر تھا جو نورجہاں کا عقیدت مند طرفدار تھا اور کسی التجا یا وعدہ وعید یا دھمکی سے قابو میں آنے والا نہ تھا۔ شاہجہاں کے اس قلعہ پر دھاوا کرنا یا اسے فاقوں مارنا ممکن نہ تھا۔ اسے اپنی قوت کا پورا اندازہ تھا اور اپنی مختصر سی فوج کو بے نتیجہ کوشش میں ضائع کرنا بالکل حماقت تھی۔ اس نے ایران جانے کا خیال کیا کہ وہ اپنے طاقتور دوست شاہ عباس سے مدد لے سکے جس سے اس نے گزشتہ برسوں میں دوستانہ خط و کتابت جاری رکھی تھی۔ ممکن ہے کہ اس کے ارادہ کو اس کے ہمراہیوں نے پسند نہ کیا ہو اور جلاوطنی کے مقابلہ میں بہادری سے لڑ کر جان دینے کو ترجیح دی ہو۔ بہر حال جو بھی صورت ہو احکام کی صریحی خلاف ورزی کر کے دو کوششیں بہادرانہ خودکشی کی گئیں۔

ٹھٹھہ پر بے نتیجہ حملے

سب سے پہلے چند بہادر ہمراہیوں کی ایک جماعت نے حملہ کیا مگر قلعہ بہت مضبوط تھا اور اندر سے گولیوں کی شدید بارش ہوئی جس کی وجہ سے وہ پسپا ہو گئے چند دن بعد ایک اور جماعت نے جو اپنے جوش کو ضبط نہ کر سکی تھی حملہ کیا مگر قلعہ کے چاروں طرف سطح میدان تھا۔ کہیں پناہ کے لیے کوئی پہاڑی یا دیوار یا درخت تک نہ تھا۔ چنانچہ انہوں نے اپنی ڈھالیں سامنے کیں اور دھاوا کر دیا۔ سامنے ایک چوڑی اور گہری خندق تھی جس میں پانی بھرا ہوا تھا۔ آگے بڑھنا ممکن نہ تھا اور پیچھے ہٹنا اس سے بھی زیادہ مشکل تھا۔ چنانچہ من بہ تقدیر وہ وہیں ٹھہر گئے۔ شاہجہاں نے انہیں واپس بلانے کے لیے آدمی بھیجا مگر وہ واپس نہ ہوئے۔ اس کے بعض بہت ہی وفادار ساتھی انہیں بلانے گئے مگر جو بھی اُدھر گیا اُنہیں میں مل گیا اور موت کو ترجیح دے کر واپس نہ آیا۔

شاہجہاں کی حالت

ممکن ہے کہ ان میں سے بعض ایک دور دراز غیر ملک کا خطرناک راستہ طے کرنے کے بجائے شاہجہاں کا ساتھ چھوڑنے پر آمادہ ہوں۔ خود شاہجہاں نے بھی جلد ہی ایران جانے کا ارادہ ترک کر دیا۔ اول تو اس لیے کہ ٹھٹھہ کے قلع کی تسخیر ممکن نہ تھی اور قلعہ بند فوج کا راستہ میں اس پر حملہ کرنے کا اندیشہ تھا دوسرے وہ خود بیمار پڑ گیا اور طویل سفر کی سکت نہ رہی۔ تیسرے اس نے سنا کہ شہزادہ پرویز سخت علیل ہے اور بچنے کی اُمید نہیں ہے اور اس طرح اس کا ایک اور رقیب راہ سے ہٹ گیا۔ چوتھے مہابت کی سودن کی حکومت ختم ہو گئی تھی اور یہ عظیم جنرل اب پناہ کی تلاش میں تھا اور شاہجہاں سے اتحاد کرنے میں تامل نہ کرے گا۔ چنانچہ شہزادہ نے یہ طے کیا کہ گجرات اور برار کے راستہ دکن کو واپس جائے اور گھوڑے پر سواری کی طاقت نہ ہونے کی وجہ سے اس نے پالکی پر سفر کیا۔(6)

گجرات پہنچکر اس نے یہ خبر سنی کہ دیگر افراد خاندان شاہی اور اہل دربار کی طرح پرویز کا کثرت شراب نوشی سے انتقال ہو گیا۔ جیسا کہ معتمد خاں نے لکھا ہے۔ اس نے کھانے پینے میں اپنے والد کی پوری پوری کی لیکن باپ کی جسمانی قوت اور برداشت کی سکت اس میں نہ تھی۔ اُس کی ساری قوتیں ختم ہو گئیں اور سنتیس سال کی قلیل عمر میں ہاتھ پیروں کی قوت سے معذور ہو گیا۔ اپنی زندگی کے آخری چند مہینے اس نے بڑی اذیت سے بسر کیے۔ پہلے اُسے درد قولنج کا دورہ ہوا اور پھر وہ بے ہوش ہو گیا۔ طبی علاج سے اس پر نیند کا غلبہ ہو گیا۔ طبیبوں نے اُس کے سر اور پیشانی پر پانچ جگہ داغ دیے جس سے وہ ہوش میں آیا مگر پھر بے ہوش ہو گیا۔

پرویز کا انتقال

بالآخر 6 / صفر 1036ھ 28 / اکتوبر 1626ء کو اڑتیس سال کی عمر میں اس کا انتقال ہو گیا۔(7) اس

قبال نامہ صفحات 273 تا 274، 280 تا 282 (ایلیٹ و ڈاؤسن جلد ششم صفحات 429، 432 تا 433) گلیڈون 185، 188۔ محمد ہادی (ایلیٹ و ڈاؤسن) جلد ششم 297۔

قبال نامہ 273، 275 تا 280 (ایلیٹ و ڈاؤسن جلد ششم صفحات 429 تا 433) خافی خاں جلد اول صفحہ 382۔ مآثر ہری (مخطوطہ خدا بخش) صفحہ 205 (الف) گلیڈون صفحہ 88 بیل کی اورینٹل بیاگرافیکل ڈکشنری صفحہ 310۔

کا جنازہ آگرہ لے جایا گیا اور اسی کے ایک باغ میں دفن کر دیا گیا۔ خان خاناں کو مامور کیا کہ وہ اس کے اہل خاندان کو دربار پہنچا دے اس کا انتقال ایسے موقع پر ہوا کہ عام طور پر یہ خیال کیا گیا کہ شاہجہاں نے زہر دلوا کر اُسے ختم کیا ہے۔(8)

شاہجہاں دکن کو روانہ

یہ واقعہ ہوا نہ ہو لیکن اس خبر سے شاہجہاں نے بیشک اپنی رفتار تیز کر دی کچھ دور تک وہ اسی راستہ پر چلا جس پر محمود غزنوی سومنات گیا تھا اور بالآخر دریائے نربدا کے کنارے پہنچ گیا جسے اس نے احمد آباد سے بیس کوس کے فاصلہ پر چمپانیر گھاٹ سے پار کیا۔ راجہ بگلانہ کی مملکت کے پہاڑی علاقہ کو طے کرتا ہوا اور راج پیلا سے ہوتا ہوا وہ ناسک ترمبک پہنچ گیا جہاں اس نے اپنی رسد کا سامان اور خیمہ ڈیرہ اور کچھ آدمی اُسکی حفاظت کے لیے چھوڑ دیے۔ چونکہ اس کے قیام کے لیے کوئی مناسب مکاں وہاں نہ تھا اس لیے اس نے کچھ فاصلہ پر خیبر کے مقام پر قیام کیا۔(9)

راستہ میں شہزادہ کو مہابت خاں کی طرف سے اتحاد کا پیام موصول ہوا جسے اُس نے بخوشی قبول کر لیا۔ مہابت نے ابو طالب کو رہا کرنے کے بعد ہی کچھ دور تک تو حسب وعدہ تحفہ کا راستہ اختیار کیا لیکن تعاقب کے خوف سے مشرق کی طرف رُخ کیا۔

مہابت خاں کا خزانہ

مہابت خاں کو بنگال سے بیس لاکھ روپے آنے کا انتظار تھا جس سے وہ اپنے ساتھ کے لیے ایک فوج بھرتی کر سکتا اور اپنی قسمت پھر سے سنوار سکتا۔ مگر اس کی بدقسمتی سے جب یہ خزانہ دہلی کے قریب پہنچا تو شاہی حکومت کو اس کی خبر مل گئی اور اسے قبضہ میں کرنے کے لیے ایک ہزار احدی اور رائے سنگھ دلان، صفدر خاں، سپہدار خاں، علی قلی درمن اور نورالدین کے ماتحت فوراً روانہ کر دی گئی۔ اس قافلہ نے تیزی سے کوچ کرتے ہوئے شاہ آباد کے قریب اسے پکڑ لیا۔ خزانہ بردار گاڑیوں کے محافظوں نے ایک سرائے میں پناہ لی اور اسے مورچہ بنا لیا اور ایسا معلوم ہوا کہ وہ آخر دم تک مزاحمت کریں گے۔

شاہی فوج

کافی دیر تک لڑنے کے بعد شاہی فوج نے سرائے میں آگ لگا دی اور خزانہ پر قبضہ کر لیا اور اس کے

---

(8) تاز (جلد اول صفحہ 94 جلد دوم صفحہ 33) نے پرویز کی موت کا خرم کو الزام دیا ہے اگرچہ اس نے زہر کا کوئی ذکر نہیں کیا ہے۔ انگلش فیکٹریز ان انڈیا 29-1624ء صفحہ 152۔ ریورینڈ ٹیری نے بھی یہی شبہ ظاہر کیا ہے۔ شہنشاہ اورنگ زیب نے اپنے قیدی باپ کو ایک خط میں لکھا "خسرو اور پرویز کی یاد کے متعلق آپ کا خیال ہے جنہیں آپ نے تخت نشیں کے قبل مار کر ختم کر دیا تھا اور جنہوں نے آپ کو کوئی نقصان پہنچانے کا ارادہ نہیں کیا تھا۔" سرکار کی ہسٹری آف اورنگ زیب جلد دوم صفحہ 155۔ اس شبہ کی یقیناً ایک وجہ بھی ہے۔ خصوصاً شاہجہاں کے اگلے اور پچھلے حالات زندگی کی بنا پر۔ لیکن اس خاص معاملہ میں شہادت اتنی کافی نہیں ہے کہ ہم قطعی طور پر یہ کہہ سکیں کہ پرویز نے اپنی صحت بالکل برباد کر دی تھی اور شاہجہاں بہت فاصلہ پر تھا اس کی بیماری کے حالات زہر خورانی سے زیادہ شراب نوشی کی کثرت ظاہر کرتے ہیں۔

(9) اقبال نامہ صفحات 280 تا 282 (ایلیٹ وڈاؤسن جلد ششم صفحات 432 تا 433) گلیڈون صفحہ 88۔

محافظین بھاگ کھڑے ہوئے۔ مہابت خاں نے اپنے جو ایجنٹ یہ ہدایت کر کے روانہ کیے تھے کہ یا تو خزانہ پر قبضہ کر لیں یا اسے شاہی علاقہ کی سرحد سے باہر نکال دیں وہ جب موقعہ پر پہنچے تو چڑیاں اُڑ گئی تھیں۔(10)

مہابت خاں اور شاہجہاں کا اتحاد

مہابت خاں اس خزانہ سے محروم ہو کر شاہی یرغمالوں بشمول ابو طالب کے اس کی گرفت سے آزاد ہونے پر جو زبردست فوج اس کے تعاقب میں روانہ کی تھی اس سے بچنے کے لیے اس نے میواڑ کی پہاڑیوں اور جنگلوں میں پناہ لی اور وہاں سے اپنے معتمد ہمراہیوں کے ہاتھ شاہجہاں کو کامل مصالحت اور اتحاد کی پیش کش کا پیام بھیجا گویا سرکاری اصطلاح میں یہ اعلان کہ پورے طور پر معافی مل جانے پر وہ شاہجہاں کی ملازمت میں شامل ہو جائے گا۔ شاہجہاں نے اس پیش کش کو دل و جان سے قبول کر لیا اور اُسے خود اپنے قلم سے شفقت آمیز الفاظ میں جواب لکھا۔ تھوڑے دن بعد مہابت راج پیلیاں اور بہار کے علاقہ سے ہوتا ہوا اور دو ہزار سواروں کے ساتھ خیبر (جونایئر) میں شاہجہاں سے مل گیا۔ اس نے شہزادہ کو ایک ہزار مہر، ایک بیس ہزار کا قیمتی ہیرا اور چند دیگر بیش قیمت تحفے دیے جس کے عوض اُسے شہزادہ سے ایک ہاتھی، ایک گھوڑا، ایک تلوار اور ایک جواہرات سے مرصع خنجر ملا۔ ان دو قابل افراد کے اتحاد سے نور جہاں کو سخت تشویش ہوئی اور اس نے خان جہاں کو شاہی افواج کا کماندار اعلیٰ مقرر کر کے انہیں زیر کرنے پر تعینات کیا۔(11)

---

(10) اقبال نامہ صفحات 277 تا 278 (الیٹ و ڈاؤسن جلد ششم صفحات 430 تا 434) گلیڈون صفحہ 89۔ انگلش فیکٹریز ان انڈیا 29-1624ء صفحہ ۱۴۸ رابرٹ کا خط سرہند سے لاہور کے شاہ جہاں کے نام مورخہ 8/نومبر 1626ء ی 228 ہربرٹ 1638ء صفحہ 11 ڈی لائٹ کے حوالہ سے اس خزانہ کی مقدار بائیس لاکھ روپیہ لکھی ہے۔

(11) اقبال نامہ صفحات 271 تا 275 (الیٹ و ڈاؤسن جلد ششم صفحات 431 تا 434) گلیڈون صفحات 89، 190 انگلش فیکٹریز ان انڈیا 29-1624ء صفحات 153، 204 گلیڈون صفحہ 80۔

بائیسواں باب

جہانگیر کے آخری ایام

جانشینی کے لیے جد و جہد

جہانگیر کی صحت۔ کشمیر کا سفر

جہانگیر جب مہابت خاں کی گرفت سے آزاد ہوا تو گرمی کا موسم قریب تھا اور چونکہ لاہور کی گرمی اس سے برداشت نہیں ہوتی تھی اس لیے مارچ 1625ء میں وہ نور جہاں، آصف خاں، شہریار، داور بخش اور دوسروں کے ساتھ کشمیر روانہ ہو گیا۔ مگر یہ جنت ارضی بھی اسے کچھ فائدہ نہ پہنچا سکی۔ اس کے دمہ نے شدید اور خطرناک صورت اختیار کر لی اور طبیعت اس کی زندگی سے مایوس ہو گئے۔ شاہی کیمپ میں کھل بلی پڑ گئی۔ اگرچہ اپنی فطری قوت کی وجہ سے وہ اس وقت سنبھل گیا مگر شکایت اندیشہ ناک صورت میں باقی رہی۔ وہ دن بدن کمزور ہوتا گیا۔ اس کی بھوک بالکل جاتی رہی حتیٰ کہ افیون بھی اس کے لیے گراں ہو گئی بس صرف چند پیالے انگوری شراب کے وہ ہضم کر سکتا تھا۔ گھوڑے کی سواری اس کے لیے ناممکن ہو گئی۔ صرف پالکی پر وہ سوار ہو سکتا تھا۔ (1)

شہریار کی علالت

اسی زمانہ میں شہریار پر داء الثعلب (بلی کی بیماری) ایک طرح کے کوڑھ کا دورہ پڑا۔ اس کے سارے بال جھڑ گئے صرف سر کے ہی نہیں بلکہ مونچھوں اور پلکوں کے بھی۔ طبیعت اس کے علاج سے قاصر

---

(1) اقبال نامہ صفحات 290 تا 291 (ایلیٹ و ڈاؤسن جلد ششم صفحہ 435) مآثر جہانگیری (مخطوطہ خدا بخش) صفحہ ۲۱۵ (ب) خانی خاں جلد اول صفحہ 388 گلیڈون صفحہ 90 خانی خاں جلد اول صفحہ 388۔ خلاصۃ التواریخ۔

(2) اقبال نامہ صفحات 291 تا 292 (ایلیٹ و ڈاؤسن جلد ششم صفحہ 435) خانی خاں جلد اول صفحہ 388 گلیڈون صفحات 90 تا 91۔

(3) اب اس جگہ کا نام بہرام کلا بہرام گلی ہے اور سر رچرڈ ٹمپل کی ڈائری میں (صفحہ 208 الف) میں کشمیر اور جموں کے راستہ کا جو نقشہ دیا ہے اس میں اس کا نام پرم کلا بتایا ہے۔ یہ ایک چھوٹا گاؤں ہے جس میں صرف چند مکان ہیں مگر یہ شاید جہانگیر کی شکار گاہ تھی جس میں آج بھی سیاحوں کے ٹھہرنے کی جگہ ہے۔ رچرڈ ٹمپل نے اپنی ڈائری میں لکھا ہے... "یہ بڑی خوبصورت جگہ ہے اور میں نے جہاں جہاں قیام کیا ان میں سب سے زیادہ اچھی ہے۔ اس کے قریب ایک پہاڑی سے آتا ہوا تیز دھار کا چشمہ ہے جسے چٹا پانی (سفید پانی) کہتے ہیں۔ اس کا دھارا بڑے زور کا ہے اور شور کرتا، ابلتا جھاگ اٹھاتا اور شروع سے آخر تک ہیجانی قوت سے ٹکریں مارتا ہے اس کا اتار سیدھا ڈھلوان ہے جو پیر پنجال پہاڑی سلسلہ سے نکلا ہے اور بہرام گلی سے تقریباً ایک میل نیچے بودھ گنگا سے مل جاتا ہے۔ کے جرطس حیدر آباد کشمیر، سکم اور نیپال میں محفوظ ہیں جلد دوم صفحہ 19۔ نیز دیکھو سفر نامہ صفحہ 1 پر۔ امپیریل گزیٹر 1620ء میں جہانگیر نے اسے دیکھ کر جو حال لکھا ہے وہ اس سے بہت ملتا ہے جہانگیر (راجرس و بیورج) جلد دوم صفحہ 1755۔

ہو گئے۔ بالآخر اسے کشمیر کی سردی سے لاہور کی گرمی میں جانے کا مشورہ دیا گیا اور وہ لاہور روانہ ہو گیا۔ (2)

تھوڑے دن بعد خود بادشاہ بھی لاہور روانہ ہو گیا۔ راستہ میں جب وہ بیرم کلا (3) پہنچا جو اس کی پرانی شکار گاہ تھی تو اس کا جی چاہا کہ وہاں ایک مرتبہ پھر شکار کھیلے اور جیسا کہ ثابت ہوا یہی اس کا آخری شکار تھا۔

ایک افسوسناک حادثہ

جہانگیر نے اپنی توڑے دار بندوق ایک دیوار سے لگا کر کھڑی کر دی جو اسی لیے بنی تھی اور ایک ہرن پر نشانہ لگایا جو گاؤں کے لوگ اسی طرف ہنکار ہے تھے۔ ایک پیادہ سپاہی جو بادشاہ کے لیے شکار مہیا کرتا تھا۔ ایک ڈھلوان پہاڑی کے سرے پر کھڑا تھا اس کا پیر پھسل گیا اور وہ پہاڑی کے نیچے گر پڑا اور اس کی ہڈی پسلیاں چور چور ہو گئیں۔ اس حادثہ سے بادشاہ کو سخت صدمہ ہوا۔ اس نے مرنے والے کی ماں کو بلا کر اس کی گزر بسر کے لیے روپیہ دیا مگر اس کی پشیمانی اور دکھ میں کسی طرح کمی نہ ہوئی اور اس نے خیال کیا یہ خود اس کی موت کی آمد کا پیش خیمہ ہے موت کا خیال برابر اس کے ذہن پر طاری رہا اور وہ مایوسی میں ڈوب گیا۔ اس کی بیماری نے ہمیشہ سے زیادہ سنگین صورت اختیار کر لی اسے نہ ایک لمحہ کے لیے نیند آئی نہ سکون ملتا تھا۔

اس حادثہ کے دوسرے دن شاہی خیمہ تھانہ (4) میں نصب ہوا۔ اگلی منزل راجوری (5) تھی۔

27/صفر 1037ھ کو وہ راجوری سے اگلی منزل بھیم بھار کے قریب چنگیز ہٹلی کی طرف روانہ ہو گیا۔

---

(4) گلیڈون (صفحہ 91) نے اسے تھمہ لکھا ہے ٹمپل کی ڈائری میں اس کا نام تھونہ یا تھون ہے جلد دوم صفحہ 14۔ نیز دیکھو سفر نامہ صفحہ ا جہانگیر جب 1620ء وہاں گیا تو اس کے اصلی نام سے اس کا ذکر کیا۔ اگرچہ بعض مخطوطات اور مطبوعہ نسخوں میں اسے بگاڑ کر تھمہ کر دیا گیا ہے۔ اس کے پہلے جب جہانگیر وہاں گیا تو کہا کہ یہ مقام موسم، زبان اور کلچر کے لحاظ سے کشمیر اور میدانی سر زمین کی درمیانی سرحد ہے۔ یہاں کے لوگ ہندی اور کشمیری دونوں زبانیں بولتے ہیں۔ (جہانگیر جلد دوم 418)

(5) عام طور پر اس نے فارسی کی اور نیز حال کی تاریخوں میں راجہ پور لکھا ہے۔ ٹمپل نے اس کی موجودہ حالت اور پرانی شاہی سرائے کا حال یہ لکھا ہے "دریا کے کنارے سیدھے دریا کی طرف دیکھنے پر ایک پرانا موسم گرما کا شاہی مکان ہے۔ اس کا پانی جب وہ اپنی اونچی نیچی تہ پر بہتا ہے تو اتنا خوشنما ہوتا ہے کہ تعریف نہیں ہو سکتی۔ گیروا سبز اور ارغوانی ہر رنگ ہے۔ پانی کا بہاؤ ایک مسلسل شور ہے۔ لیکن بہرحال کانوں کو خوشگوار ہے۔ دریا کے اس پار اجوری کا شہر بہت ہی خوبصورت جگہ پر ہے اور اس میں ایک پرانی سرائے اور زمانہ قدیم کے معزول شدہ حکمرانوں کے بلند مکانات ہیں"۔ جرنل جلد دوم صفحات 10 تا 11۔

(6) اقبال نامہ صفحات 292 تا 293 (الیٹ وڈاؤسن جلد ششم صفحہ 435) مآثر جہانگیری (مخطوطہ خدا بخش صفحہ 207 (ب) خافی خاں جلد اول صفحہ 338۔ گلیڈون صفحہ 91 بادشاہ نامہ عبدالحمید جلد اول صفحہ 69 (الیٹ وڈاؤسن) جلد ہفتم صفحہ 5۔ عجیب بات ہے کہ محمد ہادی نے چنگیز ہٹی کو چکر مٹی لکھا ہے۔ عالم آرائے سکندری میں چنگیز ہٹی کا نام جنگر ہٹلی دیا ہے اور شاہنواز خاں کی مآثر الامرا میں چنگلا ہٹی خافی خاں اور عبدالحمید لاہوری نے اس کا نام ہی نہیں لکھا ہے۔ آج کل اس کا نام چنگر سرائے ہے۔ 1620ء میں جہانگیر کے کشمیر سے واپسی کے سلسلہ میں مطبوعہ نسخہ جس کی عام ہے میں قیام گاہ کے کھنڈر اب بھی موجود ہیں۔ 1859ء میں سر رچرڈ ٹمپل نے لکھا تھا "اس کا پھاٹک پختہ اینٹوں کا ہے۔ اسے بید مجنوں کی بیل نے ڈھانک رکھا ہے اور ایک کائی شکل کی گھاس نے دیواروں پر بھی چاروں طرف گھاس اگی ہے اور پرانی اینٹوں اور جھاڑیوں کا تاثر بہت خوشگوار ہے۔ دوسری سراؤں کی طرح اس میں ایک پھاٹک اور دو صحن ہیں۔ عمارت بالکل کھنڈر ہے مگر تھوڑا سا حصہ یورپین سیاحوں کے لیے درست کر لیا گیا ہے۔

جلد دوم صفحہ 918 نیز دیکھو سفر نامہ صفحہ اپ۔ یہ سرائے جو اتنی شکستہ حالت میں ہے 1620ء میں شاہی حکم سے ایک چیلے کے لیے تعمیر کی تھی۔ شاہی قیام گاہ کے بیچ میں ایک نہایت خوبصورت شہ نشیں ہے جو دوسری قیام گاہوں سے بہت بہتر ہے۔ جہانگیر (راجرس و بیورج) جلد دوم صفحہ 181۔

جہانگیر کا انتقال

راستہ میں بادشاہ کا حال اور ابتر ہو گیا۔ اس نے شراب کا ایک جام مانگا جو اس کے منہ سے لگا دیا گیا مگر وہ اسے پی نہ سکا۔ رات کو طبیعت اور زیادہ خراب ہوئی اور 27/صفر 1037ھ، 29/اکتوبر 1627ء کو صبح کے اول وقت شمسی سال کے حساب سے اٹھاون سال کی عمر میں اور اپنی حکومت کے بائیسویں سال اس کا انتقال ہو گیا۔ (6)

جانشینی کی کشمکش

جانشینی کے لیے کشمکش اپنے انتہائی عروج پر پہنچ گئی۔ اس کا تفصیلی بیان تو شاہجہاں کی تاریخ سے متعلق ہے لیکن ہماری اس تاریخ کے تتمہ کے طور پر اس کا ایک عام خاکہ یہاں دیا جاتا ہے۔

آصف خاں کی چال

نور جہاں نے امرا کو ایک مجلس شوریٰ میں طلب کیا لیکن آصف خاں جو دل سے شاہجہاں کا طرف دار تھا۔ اس نے اس میں فریبانہ سازش کا شبہ کیا اور مجلس نہیں منعقد ہونے دی بلکہ نور جہاں کو بھی ایک طرح سے مقید کر دیا اور ایک تیز رو ہرکارہ بناری کو اپنی مہر کے ساتھ دور دراز دکن میں شاہجہاں کی طرف روانہ کیا اور چونکہ شاہجہاں کو شاہی اختیارات سنبھالنے میں کافی دیر لگتی اس لیے ارادت خاں کے مشورہ سے جو شہریار کی سفارش پر خان اعظم کا خطاب پا گیا تھا اور میانی وقفہ کے لیے قربانی کے بکرے کے طور پر داور بخش کی بادشاہی کا اعلان کر دیا۔ شاہی دربار کے تقریباً تمام امرا متفقہ طور پر شاہجہاں کے حامی تھے اس لیے آصف خاں کی اس چال پر پورے طور پر تائید کی کہ شاہجہاں کی جانشینی کے حصول کے لیے داور بخش کی بادشاہی کا اعلان کر دیا جائے۔ شاہجہاں کے لڑکوں کو نور جہاں کے محل سے الگ کرنے کی تدبیریں کی گئیں۔

یہ ساری کارروائیاں عین جہانگیر کے انتقال کے دن عمل میں آئیں۔ اگلے دن وہ بھیم بھار (7) پہنچے جو میدانی علاقہ کے قریب تھا اور وہاں داور بخش کے نام باضابطہ خطبہ پڑھا گیا اور مرحوم بادشاہ کی رسوم انجام دی گئیں اور جنازہ کو نور جہاں کے باغ شاہدرہ میں دفن کے لیے لاہور روانہ کیا گیا۔ (8)

جہانگیر کی تجہیز و تکفین

ان حالات میں تقریباً یہ ممکن نہ تھا کہ بادشاہ کی تجہیز و تکفین اس اہتمام سے ہوتی جو اس کے شایان شان تھا۔ اس کی محبوب ملکہ نے جو جگہ اس کے لیے تجویز کی تھی وہیں وہ خاموشی کے ساتھ دفن کر دیا گیا۔ یہیں کچھ دنوں بعد بیوہ ملکہ نے خود اپنے خرچ سے ایک شاندار مقبرہ تعمیر کر دیا جس کی تفصیل فرگوسن کے الفاظ میں یہ ہے۔

---

(7) بھیم بھار پنجاب کے موجودہ ضلع گجرات کی بالکل سرحد پر واقع ہے۔ اب یہ ایک چھوٹا سا گاؤں ہے۔ قدیم شاہی سرائے کے کھنڈر اب بھی موجود ہیں۔ ٹمپل کی ڈائری جلد دوم صفحات 3 تا 4۔ یہ بھی جہانگیر کی ایک شکار گاہ تھی (راجرس و بیورتج جلد دوم صفحہ 181)

(8) عمل صالح صفحہ 205۔ اقبال نامہ صفحات 294 تا 295 (الیٹ و ڈاؤسن جلد ششم صفحات 435 تا 436) (شاہ نامہ عبدالحمید) جلد اول صفحہ 69 (الیٹ و ڈاؤسن) جلد ہفتم صفحات 5، 6 گلیڈون صفحات 90، 91۔

"یہ مقبرہ ایک وسیع دیواروں سے گھرے ہوئے باغ میں ہے جو تقریباً 540 مربع گز وسیع ہے اور ساٹھ ایکڑ زمین میں ہے۔ پہلے اس کے چاروں طرف پھاٹک تھے۔ مغرب کی طرف سرائے کے احاطہ سے آنے کے لیے پھاٹک کی محراب سنگ مرمر کی ہے اور تقریباً پچاس فٹ بلند ہے۔ وسط میں قبر ایک نیچے سے چبوترے پر ہے جو 256 مربع فٹ کا ہے اور اس پر ایک ڈھلوان چبوترہ 209 مربع گز کا تقریباً ساڑھے بیس فٹ اونچا ہے جس کے چاروں طرف کونوں پر ہشت پہل مینار۔ ڈھلوان چھت سے تین تین منزل بلند ہیں جن کے اوپر سفید سنگ مرمر کے گنبد ہیں۔ بنیاد سے پچاس فٹ بلند۔ اس کے چاروں طرف محراب دار چھتے ہیں اور وسطی محراب کے کنارے ایک دروازہ ہے جس کے دونوں طرف محرابیں ہیں۔ چھتوں کے پیچھے چالیس کمرے ہیں جن میں سے ہر ایک سمت کے ایک کمرے سے دوسرے کمرے کو جاتے ہوئے دو بیضوی کمروں سے ہو کر قبر کو راستہ جاتا ہے۔ قبر چھپن فٹ چوڑی ہر طرف پختہ دیوار سے گھری ہے۔ تابوت سفید سنگ مرمر کا ہے جس پر سیپ کی پچی کاری ہے اور جو ایک ہشت پہل کمرہ ہو گیا ہے جس کا قطر چھبیس فٹ اور بلندی تقریباً اکیس فٹ ہے۔ اس کے اوپر کی چھت پر ایک ترپن مربع فٹ چوڑا اونچا چبوترہ ہے اور اوپر چار خانہ دار سنگ مرمر کا چبوترہ ہے۔ اس کی سنگ مرمر کی چھت رنجیت سنگھ اکھاڑ کر لے گیا تھا لیکن پھر بعد کو بحال کر دی گئی۔ عمارت سنگ سرخ کی ہے جس پر سنگ مرمر کی پچی کاری ہے اور نہایت اعلیٰ ذوق کے نقوش ہیں لیکن اسکے درمیان نیچے رو کار فن تعمیر کے لحاظ سے زیادہ جاذب نظر نہیں ہے۔ بادشاہ کی قبر کے اوپر کوئی گنبد نہیں تعمیر کیا گیا اس لیے کہ وہ ہمیشہ قدرتی حسن کا شیدائی تھا اور اس کی یہ خواہش تھی کہ اس کی قبر کھلی ہوئی رہے تاکہ بارش اور شبنم سے تر ہوتی رہے۔"(9)

جانشینی کی کشمکش

بادشاہ کی تجہیز و تکفین ابھی انجام بھی نہ پائی تھی کہ اقتدار میں اس کی جگہ لینے کی جدوجہد میں تلواریں نیام سے باہر آ گئیں۔ نور جہاں پر اگرچہ پہرہ بٹھا دیا گیا تھا کہ اور وہ بیرونی دنیا سے نامہ و پیام نہیں کر سکتی تھی لیکن اس نے پہلے ہی کسی ترکیب سے شہریار کو پیام بھیج دیا تھا وہ جتنی بھی فوج جمع کر سکے اُسے لے کر جلد سے جلد اس کے پاس پہنچ جائے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس کی سازشی بیوی نے بھی اُسے اُکسایا اور اس نے بلا توقف لاہور میں اپنی بادشاہی کا اعلان کر دیا۔

شاہی خزانے پر قبضہ

شہریار نے لاہور کے شاہی خزانے پر قبضہ کر لیا اور نئے اور پرانے امرا کی حمایت حاصل کرنے اور فوج بھرتی کرنے میں کم سے کم ستر لاکھ روپے تقسیم کر دیے۔ اس کے ساتھ مرحوم شہزادہ دانیال کا ایک لڑکا لیسانغر بھی مل گیا جس نے فوج کی کمان سنبھال لی۔

آصف خاں کا دھاوا

آصف خاں اور داور بخش نور جہاں کے پیام سے ایک دن پہلے ہی اپنی فوجوں کو جنگ کے لیے آراستہ

(9) فرگوسن جلد دوم صفحات 304 تا 305 عبد اللطیف کی لاہور صفحات 104 تا 108 عبد اللطیف نے کتبات و قطعات تاریخ بھی نقل کیے ہیں۔ خلاصۃ التواریخ (سرکار کی انڈیا آف اورنگ زیب میں ترجمہ صفحہ 82) امپیریل گزیٹر، لاہور

کر کے آگے بڑھے تو شہریار خود دو تین ہزار کی فوج کے ساتھ لاہور کے قرب و جوار میں رہا اور بالیسانغر کو باقی فوج کے ساتھ لڑائی کے لیے آگے بھیج دیا۔

شہریار کی فوج کو شکست

جیسی کہ توقع تھی بالیسانغر کی فوج جو بیشتر غیر تربیت یافتہ رنگروٹوں پر مشتمل تھی یہ خیال کر کے کہ وہ ایک بے نتیجہ مقصد کے لیے لڑ رہے ہیں حکومت کی باضابطہ تجربہ کار فوج کے پہلے ہی حملہ میں بھاگ کھڑی ہوئی۔

لاہور کا محاصرہ

شہریار نے جب ایک ترکی غلام سے اس شکست کی خبر سنی تو وہ حماقت سے قلعہ کے اندر جا کر محصور ہو گیا۔ شاہی فوج کو محاصرہ میں زیادہ دن نہیں ضائع کرنا پڑے اس لیے شہریار کے بعض ہمراہی باوجود روپیہ لینے اور اطاعت کا حلف لینے کے اس سے پھر گئے اور اسے دھوکہ دے کر اعظم خاں سے مل گئے اور رات کے وقت اسے قلعہ میں داخل کر لیا۔ دوسرے دن شاہی فوج پوری قوت سے قلعہ میں داخل ہو گئی۔

شہریار کا حشر

شہریار جو ذہنی طور پر ہمیشہ سے بزدل تھا اس نے زنان خانہ میں چھپ کر پناہ لی۔ مگر ایک خواجہ سرا اُسے پکڑ کر باہر لایا اور اسے آداب و تسلیم کی تمام رسمیں انجام دینی پڑیں اور پھر اسے قید خانہ میں ڈال دیا گیا اور کچھ دن بعد اندھا کر دیا گیا۔

اس مختصر سی جدوجہد کا یہ انجام ہوا۔ اگر نور جہاں کو آزادی سے کام کرنے کا موقع ملتا تو اس نے اس سلسلہ کو کچھ دن اور چلایا ہوتا مگر بالآخر اسے بھی کامیابی نہ ہو سکتی۔ (10)

شاہجہاں آگرہ کو روانہ

اس دوران میں آصف خاں کا پیامبر بنارسی اپنا طویل سفر بیس دن میں ختم کر کے 19/ربیع الاول 1037ھ کو خیبر میں شاہجہاں سے ملا اور اسے جہانگیر کے انتقال کی اطلاع ملی۔ شاہجہاں جو مہابت خاں کے مشورہ سے بنگال جانے کا ارادہ کر رہا تھا اس نے اب اپنا ارادہ بدل دیا اور چار دن سوگ میں گزار کر 23/ربیع

(10) عمل صالح صفحات 208 و 211 تا 212 ۔ اقبال نامہ صفحات 295 تا 297 (ایلیٹ وڈاؤسن) جلد ششم صفحات 436 تا 437) خافی خاں جلد اول صفحات 390 تا 395 بادشاہ نامہ جلد اول صفحات 69، 70، 2، 74 (ایلیٹ وڈاؤسن جلد ششم صفحات 5 تا 9 شہریار کے تقسیم کیے ہوئے۔ 70 لاکھ روپے میں سے 45 لاکھ اس کے بعد وصول ہو گئے۔ شاہجہاں کی ہر تاریخ میں اس جدوجہد کا حال درج ہے۔ سبحان رائے۔ خلاصۃ التواریخ اور بختاور خاں (مراۃ عالم) نے تقریباً خافی خاں کا لکھا ہے۔ مآثر الامرا جلد اول صفحہ 154 میں۔

(11) سترہویں صدی میں ایک یہ غلط روایت مشہور تھی کہ شاہجہاں کو بیجاپور بادشاہ نے روک رکھا اور اپنی موت کا بہانہ ہی کر کے اسے چھٹکارا ملا۔ دیکھو منڈی جلد دوم صفحات 212 تا 213 جلد اول صفحات 338 تا 339 (مرتبہ اردن) جلد اول صفحات 180، 181 صفحہ 32۔

الاول کو دکن کے شورہ پشت وائسرائے خان جہان لودی سے بچتا ہوا، گجرات کے راستہ سے آگرہ روانہ ہو گیا۔ (11)

راستہ ہی سے شاہجہاں نے آصف خاں کو فرمان بھیجا کہ مناسب ہوگا کہ داور بخش لڑکے اور خسرو کے ناکارہ بھائی (شہریار) اور شہزادہ دانیال کے لڑکے یہ سب دنیا سے ختم کر دیے جائیں۔ 2/ جمادی الاول (10 بہمن) کو شاہجہاں کی بادشاہی کا باضابطہ اعلان کر دیا اور لاہور میں اس کے نام کا خطبہ پڑھا گیا اور داور بخش کو جیل خانہ میں ڈال دیا گیا اور 22/ جمادی الاول (23/ جنوری 1628ء) کو شاہجہاں کے سنگدلانہ حکم کی تعمیل میں داور (12) اور اس کے بھائی گشتاسپ اور شہریار، طہمورس اور ہوشنگ کو ختم کر دیا گیا۔

شاہجہاں اجمیر میں

شاہجہاں میواڑ سے گذرتا ہوا جہاں گوگنڈہ کے مقام پر رانا کرن نے اس کا عقیدت مندانہ استقبال کیا اور جہاں اس نے دوبارہ حسب معمول شان و شکوہ سے اپنی اڑتیسویں سالگرہ منائی 19/ جمادی الاول کو وہ اجمیر پہنچا اور 26/ کو مضافات آگرہ میں پہنچ گیا۔

آگرہ میں شاہانہ ورود

دوسرے دن وہ شاہانہ شان و شکوہ سے شہر میں داخل ہوا اور سب نے اس کا بحیثیت بادشاہ کے استقبال کیا۔ (13)

جدید انتظامات

جہانگیر کے ممتاز افراد مان سنگھ، عزیز کوکا، عبدالرحیم خان خاناں، اسلام خاں اور جہانگیر قلی خاں فوت ہو چکے تھے۔ مہابت خاں کو اجمیر کا گورنر بنایا گیا اور خان خاناں اور سپہدار کا خطاب دیا گیا۔ وہ نو ہزار ذات و سوار دواسپہ وسہ اسپہ کے منصب تک پہنچنے تک زندہ رہا۔ آصف خاں کو بھی اپنے داماد کی جانشینی سے جو توقع تھی وہ اسے حاصل ہو گئی اور وہ وزیر بنایا گیا اور یمین الدولہ کا خطاب اور آٹھ ہزار ذات و سوار کا اور بعد کو نو ہزار ذات و سوار دواسپہ سہ اسپہ کا منصب دار بنایا گیا اور مختلف اعتماد اور ذمہ داری کے عہدوں پر مقرر

---

(12) اولیریس نے اپنے سفر نامہ سفارت میں لکھا ہے (صفحہ 190) کہ اسے خسرو کے لڑکے بلاقی کو دیکھا ہے۔ صفحہ 575) اس روایت پر یقین کیا نیز دیکھو انگلش فیکٹریز ان انڈیا 29-1624 صفحہ 33 لیکن یہ بالکل ناقابل یقین ہے اور فارسی مورخین کی بکثرت شہادت کے خلاف ہے۔ نام نہاد بلاقی محض فریبی تھا جسے ایرانی دربار نے کچھ دنوں کے لیے مان لیا تھا۔

(13) اقبال نامہ صفحات 298 تا 306 (الیٹ و ڈاؤسن جلد ششم صفحات 437 تا 438) بادشاہ نامہ عبدالحمید جلد اول صفحات 69 تا 84 (الیٹ و ڈاؤسن جلد ہفتم صفحات 5 و 6 خلاصۃ التواریخ (دہلی ایڈیشن) صفحہ 383۔

شاہجہاں دکن سے آگرہ تک کے سفر اور اس کی تاجپوشی کے حالات کے لیے دیکھو علاوہ اس کے عہد کی فارسی تواریخ کے انگلش فیکٹریز ان انڈیا 29-1624ء صفحات 160 و 191، 202، 203، 205 تا 207، 227 تا 228، 239 تا 242 ڈی جلد اول صفحات 181 تا 182۔ ہربرٹ صفحہ 108۔ فان ڈن بروکیک صفحہ 108 تا ڈ جلد اول صفحہ 296 نیر بیر نبود مختصر واضح حالات کے لئے دیکھو بلوکمان کا مضمون کلکتہ ریویو 1869ء صفحات 145 تا 152۔

کیا گیا۔ اس کا انتقال 1641ء میں ہوا اور وہ اپنے برادر نسبتی کی قبر کے پاس دفن کیا گیا جس کے عہد کی تاریخ میں اس نے نمایاں حصہ لیا تھا۔

نور جہاں کا انجام

نور جہاں نے آخری طور پر اس میدان عمل سے کنارہ کشی اختیار کی جہاں اس نے اتنے دن حکمرانی کی تھی۔ اس کی رومانی زندگی میں قسمت کا ایک اور موڑ ہوا۔ ایک مرتبہ یہ افواہ اڑی کہ وہ قتل کر دی گئی مگر صاحبان اختیار نے اسے زندہ رہنے دیا۔ اگرچہ اس کے اقتدار کی ساری نشانیاں مٹا دینے کی کوشش کی گئی۔ اس کے نام کے سکے فوراً رواج عام سے واپس لیے گئے وہ خود دو لاکھ سالانہ پنشن لینے پر قانع ہو گئی ایسے شخص کے ہاتھ سے جسے اس نے بام عروج پر پہنچا کر تحت الثریٰ میں گرا دیا تھا اور جس کو اب اس کے علی الرغم قسمت نے بلند ترین عروج پر پہنچا دیا تھا۔

نور جہاں کی وفات

نور جہاں نے اس کے بعد ہمیشہ سفید کپڑے پہنے اور خوشی کی محفلوں میں شرکت کرنے سے گریز کیا اور زیادہ تر اپنی لڑکی شہریار کی بیوہ کے ساتھ لاہور میں سوگ کی حالت میں رہی۔ اپنے شوہر کے انتقال کے بعد وہ پورے اٹھارہ سال زندہ رہی اور 29/ شوال 1015ھ کو انتقال کیا۔ اس کی تجہیز و تکفین سادگی سے ہوئی۔ اسے جہانگیر کی قبر کے پاس اُسی قبر میں دفن کیا گیا جو اس نے خود اپنے لیے تعمیر کی تھی۔ (14)

---

(14) بادشاہ نامہ عبد الحمید جلد دوم صفحہ 411 (الیٹ و ڈاؤسن جلد ہفتم صفحات 65 تا 70) انگلش فیکٹریز ان انڈیا 29-1624ء صفحات 240 تا 242۔

تیئسواں باب

خلاصہ

جہانگیر کے متعلق غلط خیال

جہانگیر کی سیرت کو مختصر بیان کرنا یا تاریخ میں اس کا مقام معین کرنا مشکل تو نہیں ہے لیکن جیسا ایک مدبر نے دوسرے مدبر کے بارے میں کہا تھا" اس کے لیے کافی مواد اور پیمانوں کی ضرورت ہے، بلا سوچے سمجھے اُسے سنگدل، متلون مزاج، ظالم، شراب اور عیاشی میں مست کہہ کر ٹال دینا جیسا کہ ایک سے زیادہ حال کے مورخین نے کہا ہے۔ غیر اصولی بات اور ناانصافی ہے۔ اس کی شہرت، اس کے باپ کی غیر معمولی سطوت اور اس کے لڑکے کی شان وشکوہ کی جگمگاہٹ کے مقابلہ میں ماند پڑ گئی ہے۔ تاریخ دسیسہ کاریوں اور سیاحوں کی جعل سازیوں نے اس کے حالات زندگی کو بگاڑ دیا ہے اور بے تعلق الفاظ اور جملوں سے اس کی زندگی کو پرکھا گیا ہے۔

اس کی سیرت

اس کی زندگی کا بحیثیت مجموعی جائزہ لینے پر وہ سمجھدار، نیک دل انسان معلوم ہوتا ہے جسے اپنے خاندان والوں سے گہری محبت اور سب کے لیے دل کی فراخی، ظلم سے شدید نفرت اور انصاف سے دلی لگاؤ تھا۔ شہزادگی اور نیز بادشاہی کے زمانہ میں ایک آدھ مرتبہ غیظ وغضب کے ہیجان میں اس سے انفرادی بربریت وظلم کی حرکات ضرور سرزد ہوئیں۔(1) مگر عام طور پر وہ انسانیت، ملنساری اور فیاضی میں یکتا تھا۔

مذہبی خیالات

جہانگیر کے مذہبی خیالات نے اس کے ہم عصروں اور نیز بعد کے لوگوں کو بھی الجھن میں ڈال دیا۔ کچھ لوگ اسے لامذہب سمجھتے تھے اور بعض نے اُسے دل سے سچا مسلمان یا سچا عیسائی خیال کرتے تھے جو توہمات میں مبتلا ہو یا مذہب کا مذاق اُڑاتا ہو، حقیقت یہ ہے کہ وہ دل سے راسخ العقیدہ مذہبی جذبات سے بیگانہ اور اتنا روشن خیال تھا کہ محض مقررہ مذہبی عقائد سے مطمئن نہ ہوتا تھا۔ تاہم اسے خدا پر پختہ اعتقاد تھا اور اولیاءاللہ پر بھی خواہ وہ ہندو ہوں یا مسلمان۔ عام ہندو مذہب اپنے خدائی اوتار کے اصول کے ساتھ اس

(1) چنانچہ خود جہانگیر کا بیان ہے 22 تاریخ کو عین اس وقت جبکہ این نیل گائے میرے نشانہ کی زد میں آگئی تھی اچانک ایک اور دو میر سے آگئے اور نیل گائے بھاگ گئی سخت طیش کی حالت میں میں نے حکم دیا کہ سائیں کو فوراً قتل کر دیا جائے بیرون کے پیر کاٹ کر اور گدھوں پر سوار کر کے کیمپ کا گشت کرایا جائے تاکہ پھر کوئی ایسی حرکت نہ کرے نیز دیکھو سفرنامہ ہاکس پرچہ جات دوم صفحات 34 تا 40 طامس رو صفحات 210، 303 تا 304، 448۔ ٹیری صفحہ 407 جورو صفحات 166 تا 167 ایسے ہی واقعات کی ٹیری جہانگیر کے مزاج کو مجموعہ اضداد کہتا ہے کہ کبھی وہ وحشیانہ طور پر ظالم بن جاتا تھا اور کبھی انتہائی نیک اور انصاف پسند۔

کی نظر میں ہیچ تھا۔ مسیح کی ولادت غربت اور مصلوب اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا۔(2)

(2) نیری صفحہ 389۔

"ہمارے آقا کا جسے وہ حضرت عیسیٰ کہتا ہے وہ بڑے احترام سے ذکر کرتا ہے جیسا کوئی مسلم حکمراں جو وہ کہلاتا ہے اگرچہ ہے نہیں ساری دنیا میں اتنا احترام نہیں کرتا چنانچہ اس کے ملک میں عیسائی اتنی آزادی سے رہتے ہیں جتنے کسی مسلمان بادشاہ کے ملک میں نہیں۔" سال، ہینک، خطوط موصولہ جلد ششم صفحہ 188۔

دوسرے سیاحوں کی شہادت بھی اسی قسم کی ہے۔ مثلاً کوریات کہتا ہے۔ "ہمارے نجات دہندہ اور تمام عیسائیوں خصوصاً انگریزوں کا ذکر وہ اتنے احترام اور کریم النفسی سے کرتا ہے کہ کوئی مسلم بادشاہ ایسا نہیں کرتا" کروڈی پیچڈ۔ پرچہ جات چہارم صفحہ ۴۷، ۴۔

ولیم فنچ نے جولائی ۱۶۱۰ء میں جو کچھ لکھا ہے اس میں بازاری گپ شامل معلوم ہوتی ہے اس مہینہ بھر بادشاہ کے مسیحیت کے بارے میں سخت ہنگامہ رہا۔ بادشاہ نے امراء کے سامنے اقرار کیا کہ مسیحیت معقول ترین مذہب ہے اور محمد کا مذہب بالکل جھوٹا اور افسانوی ہے۔ اس نے اپنے مرحوم بھائی کے تین لڑکوں کو پادریوں سے تعلیم دلانے کا حکم دیا اور اس کے لیے عیسائیوں جیسے کپڑے بنوائے جس کی سارے شہر میں بڑی تعریف ہوئی۔" پرچہ جات چہارم صفحہ 40۔

یہ بات کہ اس کا اعتقاد حضرت محمدؐ پر نہ تھا اسی سے ثابت ہے کہ اپنے طویل مفصل روزنامچہ میں جو خدا سے دعاؤں اور التجاؤں اور شکرانوں اور درویشوں اور جاگیروں کے ذکر سے بھرا ہے۔ اس میں وہ حضرت محمدؐ کا چند بار بھی ذکر نہیں کرتا۔ اس نے قرآن کے ترجمہ کا حکم دیا جو راسخ العقیدہ مسلم طریقہ کے خلاف ہے۔ وہ جانداروں اور خاص کر انسانوں کی تصویروں سے خوش ہوتا ہے اور یہ بھی راسخ العقیدہ مسلمانوں کے نزدیک ناجائز ہے اس نے نوروز کے جشن اور زمین بوسی کا طریقہ جاری رکھا اپنے روزنامچہ میں تاریخیں وہ ہجری سنہ کی نہیں بلکہ ایرانی سنہ کی لکھتا ہے۔ وہ عیسائیوں کو سور کا تحفہ دیتا ہے جو کوئی مسلمان خواب میں بھی خیال نہیں کر سکتا۔ خطوط موصولہ چہارم صفحہ ۱۰۔ اطالوی منوشی نے اس روایت کا ذکر کیا ہے جو سترہویں صدی کے ربع آخر میں زبان زد تھی جہانگیر مذہب اسلام کا دشمن ہے اور رمضان شریف کی بے ادبی کرتا ہے اور مسلمانوں کو چڑھانے کے لیے اس مہینے میں شراب پیتا اور سور کا گوشت کھاتا ہے اور سخت کٹر مسلمانوں کا روزہ تڑوا دیتا ہے۔ منوشی کا یہ بھی بیان ہے جو غلط اور مہمل ہے مگر معنی خیز کہ جہانگیر نے سوروں کے کئی بت بنا کر اپنے محل میں رکھے تھے اور خواب سے بیدار ہو کر انھیں دیکھتا ہے اور کہتا ہے کہ کسی مسلمان کی صورت دیکھنے کی بجائے ان سوروں کے بتوں کو دیکھنا بہتر ہے۔ جلد اول صفحات ۱۵۸ تا ۱۵۹۔

ہندو مذہب کے متعلق عام ہندو مذہب بھی اسے قابل قبول نہ تھا اور ہندو پنڈت علماء سے خدائی اوتار کے متعلق مباحثہ کے بعد اندازہ ہوا کہ مروجہ ہندو مذہب سے بھی اس کو تشفی نہ ہوئی اس کی دلیل یہ تھی کہ اس معترت رساں غلط خیال سے یہ لازم آتا ہے کہ علت جو تمام حدود اور قیود سے آزاد ہے وہ طول و عرض اور جسامت کی قید میں آجائے گا۔ اگر اس کا مقصد یہ ہے کہ ان افراد میں روشنی کا مظہر ہے تو یہ تمام مخلوق ہستیوں میں موجود ہے اور ان دس اوتاروں میں محدود نہیں ہے۔ اگر یہ مطلب کسی فرد کو انہی صفات سے متصف کیا جائے تو یہ خیال بھی صحیح نہیں ہے اس لیے کہ ہر مذہب کے ماننے والوں میں ایسے افراد کا وجود پایا جاتا ہے جو معجزات اور عجائبات پر قادر تھے اور عقل اور فصاحت میں اپنے عہد کے لوگوں سے ممتاز تھے۔ بہت بحث مباحثہ کے بعد پنڈتوں نے یہ دلیل پیش کی کہ اوتار ایک ایسے خدائے خدایان کا تصور قائم کرنے میں مدد دیتے ہیں جس کے نہ جسم ہے نہ جسامت۔ اس پر بھی بادشاہ مطمئن نہ ہوا اور سوال کیا کہ یہ اوتار کس طرح خدا تک پہنچنے کا وسیلہ ہو سکتے ہیں اور جب اس کے سامنے ایک بت آتا ہے جس کا جسم انسان اور سر سور کا ہے جو خدا کا ابتدائی تصور ہے تو وہ پھر بھی دلیل دہراتا ہے کہ اس سے ہندو مذہب کا ناکارہ ہونا ثابت ہوتا ہے۔ جہانگیر (راجرس و بیورتج) جلد اول صفحہ 32,33۔ پرایس (صفحہ 43) نے اس مباحثہ کی یوں تفصیل دی ہے۔ جہانگیر (راجرس و بیورتج) جلد اول صفحہ 254۔

آخر کار متنفر ہو کر اور کسی حد تک مسلم خدمات کا لحاظ کر کے جس میں سور کا ایک لعنتی چیز ہے اس نے حکم دیا کہ یہ بت توڑ کر پاس کے تالاب میں پھینک دیے جائیں۔ اس نے ایک جوگی کا آشرم بھی تڑوا دیا جو عوام کی جہالت سے سودا کرتا تھا اور اس کے بت تڑوا کر خود اسے بھی وہاں سے نکلوا دیا۔

1622ء میں جب وہ کانگڑہ گیا اور درگا دیوی کا مندر دیکھا تو کہا "یہاں ایک دنیا ایک گمراہی کے جنگل میں بھٹک رہی ہے"۔ ایک راجہ کے متعلق جو اس سیاہ پتھر کو واپس لے آیا جسے ایک مسلمان اٹھا لے گیا تھا، جہانگیر نے کہا کہا "راجہ پھر اسی گمراہی کا کاروبار کر رہا ہے"۔ جہانگیر (راجرس و بیورتج) جلد اول صفحات 254 تا 255 و جلد دوم صفحات 224 تا 225۔

اس کی سلطنت میں جو اصلاحی ہندو اور مسلم فرقے وجود میں آئے تھے ان کے متعلق وہ بہت کم جانتا تھا البتہ ایک خدائے واحد کا دھیان کرنے یا اولیاء اللہ کا احترام کرنے یا درویشوں کی صحبت میں جانے اور مذہبی رسوم انجام دینے میں اسے تشفی ہوئی تھی اور اس پر وہ قانع تھا۔ ذہنی طور پر اس کا عمدہ تصوف یا ویدانت تھا جس پر وہ جدا روپ یا دوسرے درویشوں سے گفتگو کر کے خوش ہوتا تھا۔(3)

مذہبی پالیسی

عام مبلغین اور مذہبی جنون والے سماجی اور سیاسی نظم کے استحکام کے لیے خطرناک تھے اس لیے ان سے سختی کا برتاؤ کیا جاتا تھا۔ چوتھے سکھ گرو ارجن کی سزائے موت کو مذہبی تشدد کہا جاتا ہے وجود کی بناء پر تھا ۔ جہانگیر کو سکھ مذہب سے تعصب تو ضرور تھا مگر وہ مذہبی تشدد سے پرہیز کرتا تھا۔ اس نے شیخ احمد سرہندی اور شیخ ابراہیم بابا کو چند سال تک گوالیار کے شاہی قید خانہ میں بند رکھا مگر اس کی وجہ یہ تھی کہ افغانوں اور دوسرے مسلم مریدوں پر ان کا جو اثر تھا وہ مخدوش تھا۔(4) گجرات کے سو تمر جینیوں کے تعزیر

---

(3) جہانگیر (راجرس و بیورتج) جلد اول صفحات 189، 246، 249، 267 تا 268، 329، 361، 381 جلد دوم صفحات 25، 94، 95، 100، 176 طامس رو نے لکھا ہے کہ کبھی کبھی وہ (جہانگیر) مور (مسلم) عقیدہ کا اظہار کرتا مگر ہمیشہ غیر مسلموں کے ساتھ بھی تمام تقریبات مناتا اور رسوم انجام دیتا۔ صفحہ 314، نیز صفحات 192، 291 ٹیری صفحہ 286۔
منجموں کی پیش گوئیوں کے متعلق دیکھو جہانگیر جلد اول صفحہ 149، جلد دوم صفحات 152، 160، 203 دیکھو برنیر صفحات 161، 244، 245۔
اس کی پیش گوئیوں کی کتاب معہ اس کے ہاتھ سے لکھے ہوئے حواشی کے خدا بخش لائبریری، بانکی پور میں محفوظ ہے۔
پروفیسر بلوکمین نے جہانگیر کے مذہبی رجحانات و احساسات کو مروجہ مذاہب کے ماتحت ایک نام دینے کی کوشش میں غلطی سے یہ خیال کر لیا کہ جہانگیر ذہن اور طبیعت کے لحاظ سے اتنا کمزور تھا کہ اس میں کسی ایک عقیدہ پر قائم رہنے کی استعداد ہی نہ تھی کبھی وہ تلون مزاجی سے پکا مسلمان ہو جاتا تھا اور کبھی اچھا ہندو اور کبھی پارسی اور اس کی تخت نشینی میں کوئی مذہبی عنصر نہ تھا بلکہ محض غیر مذہبی پالیسی کی بنا پر۔ اکبر کے دین الٰہی کا (جو کچھ بھی ہو وہ ہو) وہ کبھی پیرو نہ تھا۔ نہ ہی جیسا کہ ایک ماہر مشرقیات کا خیال ہے۔ وہ محض طفلانہ خوف سے ایک مذہب سے دوسرے مذہب کو اختیار کرتا تھا۔ اس کا جو بھی عقیدہ تھا۔ بے اصول یا روشن خیالات، وہ اس کی زندگی کے بیشتر حصہ میں ایک ہی ڈھنگ پر رہا۔ اور نہ جیسا ایک فاضل پروفیسر نے کہا ہے۔ اس کا مذہب توہم پرستانہ تھا۔ کلکتہ ریویو 1869ء جلد 98 صفحات 129 و 140۔
(4) شیخ احمد سرھندی 1679ء میں جہانگیر نے ایک مشہور مسلم مبلغ شیخ احمد سرہندی کو اپنے دربار میں طلب کیا جس نے مہدی موعود ہونے کا دعویٰ کیا تھا اور جس کے لیے مسلمانان اسلام کے پہلے ایک ہزار سال گذرنے پر منتظر تھے اور جس نے مذہب اور عبادات کا ایک انوکھا طریقہ رائج کیا تھا۔ جہانگیر نے باوجود اس کی جہالت کے اسے مغرور اور خود پسند پایا۔ اس کی کتاب مکتوبات جہانگیر کے نزدیک لغویات کا طومار تھی جس میں بہت سی غیر نفع بخش باتیں تھیں جو لوگوں کے بے وفائی اور لادینی کی طرف لے جانے والی تھی غریب شیخ کو انی رائے دلانی کے حوالہ کیا گیا کہ اسے قلعہ گوالیار میں قید رکھے جو عموماً سیاسی قیدیوں کے لیے تھا۔ شاید جہانگیر کو اس شیخ کے متعلق اندیشہ تھا کہ اس کی تعلیمات کی اشاعت سے مشکلات پیدا ہوں گی لیکن دو سال بعد جب اس نے پشیمانی ظاہر کی اور وفاداری کا اقرار کیا تو نہ صرف اسے رہا کیا گیا بلکہ خلعت بھی دی گئی اور کئی دفعہ معقول رقمیں بھی دی گئیں۔
شیخ ابراھیم بابا اسی طرح 1606ء میں لاہور کے قریب ایک مذہبی تحریک کو دبایا گیا اور اس کے بانی شیخ ابراہیم بابا افغانی کو گرفتار کر کے چنار میں قید کر دیا گیا۔ یہاں بھی خطرہ دراصل کسی حد تک سیاسی تھا۔ اس شیخ نے جس کی حرکات ناشائستہ اور احمقانہ تھیں اپنے گرد افغانوں کا ایک بڑا گروہ جمع کر لیا تھا۔ جہانگیر (راجرس و بیورتج) جلد اول صفحہ 77 جلد دوم صفحات 91 تا 93 و 161، 276۔
شیخ احمد کی کتاب میں نے تلاش کی مگر نہ مل سکی۔

کے متعلق اس نے جو حکم دیا اس کی وجہ یہ تھی کہ خسرو کی بغاوت شروع ہونے پر ان کے لیڈر مان سنگھ نے پیشگوئی کی تھی کہ جہانگیر کی حکومت دو سال کے اندر ختم ہو جائے گی اور نیز اس لیے کہ اس کا گھر بغاوت اور بداخلاقی کا سرگرم مرکز مشہور تھا اگرچہ یہ بات غلط تھی۔

اپنی تخت نشینی کے وقت اس نے اپنے حامیوں کے ایک طبقہ سے جو اسلام کی حمایت کا وعدہ کیا تھا اس کے لحاظ سے مجبوراً کچھ دنوں اس نے سختی کا برتاؤ کیا جو اس پالیسی کے خلاف تھے۔ کچھ دن تک وہ جزویٹ مشنریوں کی محبت سے الگ رہا اگرچہ جلد ہی اپنی عنایات اُن پر بحال کر دیں۔ اس نے دو آریئی نوجوان مسیحیوں کا جبراً ختنہ کرادیا اور جلد ہی انہیں مسیحی عقیدہ پر قایم رہنے کی اجازت دے دی اور ایک کو بلند درجہ پر فائز کر دیا۔ اپنی سلطنت میں اس نے عیسائی مشنریوں کو آزادی سے تبلیغ کرنے اور عیسائی بنانے کی اجازت دے دی تھی۔ اس نے اپنے سکوں پر اسلامی کلمہ پھر سے بحال کر دیا مگر صرف دو تین برسوں کے لئے۔ (5) چنانچہ مستثنیات کے علاوہ اس کی مذہبی پالیسی عموماً کامل رواداری کی تھی۔ اپنے روزنامچہ میں اس نے اپنے والد کی مقرر کردہ صلح کی پالیسی کی بہت تعریف کی اور اس کی پابندی بھی کی۔ (6)

سلطنت کا نظم و نسق

کچھ کم تعریف کی بات نہیں ہے کہ جہانگیر کا نظم مملکت اکبر اعظم ہی کے اصولوں پر تھا۔ اس سے بہتر کوئی اور طریقہ ہو بھی نہیں سکتا۔ سر ہنری الیٹ نے جہانگیر پر یہ اعتراض کیا ہے اور ثابت کیا ہے کہ اس کے شہرہ آفاق ادارے نہ ذہنی حیثیت سے نو ایجاد تھے اور نہ موثر (7) پہلے اعتراض کو تو فوراً مان لینا چاہئے مگر یہ بھی کوئی اعتراض ہے۔ انتظام مملکت میں تخلیق کا وجود شاذ و نادر ہے۔ یہ چیز زیادہ نہ اکبر میں تھی نہ شیر شاہ میں۔ مدبر کے معیار کو نئی ایجادوں کی بنیاد پر نہیں جانچا جاتا بلکہ خیالات اور دستور کو قبول کرنے

---

(5) جہانگیر (راجرس و بیورج) جلد اول صفحہ 438۔ نیز جلد دوم لین پول کی ہندوستانی سکوں کی فہرست پلیٹ نمبر 68 ذر جارک جلد 17 صفحات 147، 150 تا 157۔ پائی رارڈی لاول جلد دوم پلیٹ نمبر ا صفحہ 272۔ فارسی تواریخ میں چینیوں کے خلاف حکم کی منسوخی کا ذکر نہیں ہے مگر اس زمانہ کی چینیوں کی کتابوں میں یہ صاف لکھا ہے۔

مرزا ذوالقرنین کے پورے قصہ کا ترجمہ معہ تشریحات کے فادر ہوسٹن ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال جلد 5 نمبر صفحات 151 تا 194 میں دیا ہے اکثر یورپین سیاحوں نے اس کا نام لکھا ہے۔ ٹیری صفحات 224 تا 225 پٹر منڈی جلد دوم صفحہ 379۔ منوچی جلد اول صفحات 172 تا 173 وغیرہ۔ وہ سانبھر کی سرکاری نمک کی جھیل کا نگراں مقرر کیا گیا تھا۔ جہانگیر (راجرس و بیورج) جلد دوم صفحات 194، 195۔

(6) اس معاملہ میں یورپین سیاحوں کی شہادت جو ایسے ملک سے آئے تھے جہاں مذہبی آزادی مفقود تھی۔ بہت زوردار اور ہے۔ ٹیری کا بیان ہے "ہر مذہب سے رواداری برتی جاتی ہے اور ان کے مبلغین کا احترام کیا جاتا ہے۔ خود مجھے بادشاہ نے اکثر فادر کہہ کر مخاطب کیا اور بہت سے مہربانی کے الفاظ کہے اور بڑے سے بڑے امرا کے درمیان میں جگہ دی"۔

طامس رو کا بیان ہے کہ: وہ (جہانگیر) تمام مذاہب کا روادار ہے البتہ وہ مذہب کی تبدیلی کو پسند نہیں کرتا اگرچہ ہمیں ٹیری سے معلوم ہوا کہ مذہب کی تبدیلی سے شاہی مراعات میں فرق نہیں آتا۔ ڈیلاوال نے یہ دیکھا کہ ہندو مسلمان مل جل کر رہتے ہیں اس لیے کہ... مغل اعظم اگرچہ مسلمان ہے (گو کہ جیسا کہا جاتا ہے خالص مسلمان نہیں) اپنی سلطنت میں مذہبی تفریق نہیں کرتا اور دربار میں اور فوج میں حتی کہ بلند ترین درجوں میں بھی سب کے ساتھ برابری اور لحاظ کا برتاؤ ہوتا ہے۔ البتہ وہ کہتا ہے کہ مسلمانوں کو زیادہ امتیاز ہے۔ ٹیری پرچہ جات جلد 9 صفحہ 324 ڈیلاوال جلد اول صفحہ 20 ڈیلاوال کے ایرانی ملازم کے مضحکہ خیز واقعہ کے متعلق جس نے مغل پالیسی کی ناواقفیت کی وجہ سے بلا اجازت کے اپنا مذہب تبدیل کر دیا۔ دیکھو ڈیلاوال جلد اول صفحہ 126 تا 125 نیز صفحہ 52 پر جہانگیر کی یہ رائے کہ انسان ہر مذہب سے متمتع ہو سکتا ہے۔

(7) الیٹ و ڈاؤسن جلد ششم، نوٹ سی صفحات 493 تا 516۔

اور انہیں مناسب حال بنانے کی استعداد سے ہوتا ہے۔ یہ تو صحیح ہے کہ شاہی فرامین کی ہمیشہ پابندی نہیں ہوتی تھی مگر اس کی ذمہ داری حالات کی نوعیت پر ہے۔ قرون وسطیٰ کی کوئی سلطنت جس کے ذمہ اتنے وسیع ملک کا انتظام ہو سرحدی علاقوں میں اپنے احکام کو موثر نہیں کر سکتی۔ جب تک جہانگیر کی صحت نے جواب نہیں دیا اس نے بڑی جوانمردی سے اپنی رعایا کو حکام کے ظلم و ستم سے بچانے کی کوشش کی۔ (8)

جہانگیر کی شراب نوشی

جہانگیر کی شراب نوشی کے متعلق بہت کچھ لکھا گیا ہے۔ خود اس نے قلم سے نہایت صاف بیانی سے اس کی تفصیل لکھی ہے لیکن ہاکنس اور طامس رو نے اس کے متعلق جو کچھ لکھا اسے لفظ بہ لفظ مان لینا غلط ہوگا۔ مزید براں انصاف کی بات یہ ہے کہ اس زمانہ کی اور اس کے ماحول کا لحاظ کر کے اس پر رائے قایم کرنا چاہیے۔ یہ وہ زمانہ تھا جبکہ متعدد شہزادے اور امرا شراب کے عادی تھے منجملہ اوروں کے مرزا محمد حکیم اور مراد و دانیال و پرویز شہزادے اور شیر خاں، شاہ نواز خاں، جلال الدین مسعود یہ چند نام ہیں جو کثرت شراب نوشی سے فوت ہوئے۔ جہانگیر اگرچہ تھوڑی سی شراب کو عاقل دوست سمجھتا تھا مگر اس نے اپنی رعایا میں اس کی ہمت افزائی نہیں کی۔ حقہ بند کرنے کی اس کی کوشش بے نتیجہ رہی مگر اچھی نیت سے کی گئی تھی۔ (9)

انسانی ہمدردی کے احکام

تین سال پہلے اس نے اور انسانی ہمدردی کا فرمان مخنث کرنے اور فروخت کرنے کے وحشیانہ رواج کو موقوف کرنے کے لیے جاری کیا تھا۔ یہ رواج خاصکر بنگال کے ضلع سلہٹ (اب آسام) میں رائج تھا۔ اس کی خلاف ورزی کی سخت سزا مقرر کی گئی تھی۔ تھوڑے دن بعد جب افضل خاں گورنر بہار نے ایسے کئی ملزموں کو دربار روانہ کیا تو بادشاہ نے انہیں عمر قید کی سزا دی۔ لیکن اس قابل تعریف کوشش کو جاری نہیں رکھا۔ وہ خود برابر خواجہ سراؤں کو ملازم رکھتا رہا۔ اس کی خوش فہمی کی توقع کہ یہ رواج خود ہی ختم ہو جائے گا۔ پوری نہیں ہوئی یہ قبیح رسم جو بگڑے ہوئے دربار سے بنوامیہ کے دربار میں آئی تھی شاہی حرم کے خاتمہ ہی پر موقوف ہوگی جس نے اسے رائج کیا تھا۔ (10) جہانگیر کے دوسرے ایسے احکامات پر تبصرہ کی

---

(8) پچھلا جو تھا باب۔

(9) اکبر نامہ (بیورتج) جلد سوم صفحہ 703۔ بدایونی (لو) جلد دوم صفحہ 337۔ جہانگیر (راجرس و بیورتج) جلد اول صفحات 35 و 134 تا 141، 142 جلد دوم صفحہ 87 ایک اور بھی عجیب فرمان قابل ذکر ہے۔ تمباکو جو ہندوستان میں اکبر کے عہد میں آئی اور جلد ہی تمام شہروں اور دیہاتوں میں آبادی کے ہر طبقہ میں پھیل گئی۔ اس سے جہانگیر کے نزدیک ہر طبیعت اور جسمانی ساخت کو نقصان پہنچتا تھا اور اس کے استعمال کو ممنوع کیا گیا مگر لوگوں نے اس کی بہت کم پروا کی۔ جہانگیر (راجرس و بیورتج) جلد اول صفحات 370 تا 377 خلاصۃ التواریخ صفحہ 454۔ نیری صفحہ 96۔ حقہ نوشی کے متعلق دیکھو نیری صفحہ 96۔ فرایر جلد سوم صفحہ 149 تمباکو کے استعمال کے دوسرے طریقوں کے متعلق دیکھو مادری کی کنٹریز راونڈ دی بے آف بنگال صفحہ 97۔ نیز ریسیو مائی ایسٹ انڈیا کمپنی جلد اول صفحہ 300 اکبر کے عہد میں تمباکو کو رواج کے متعلق دیکھو وقائع اسد بیگ (الیٹ و ڈاؤسن) جلد ششم صفحات 165 تا 167۔ جہانگیر کے ایک ہمعصر حکمراں ایران کے شاہ عباس نے بھی تمباکو کی ممانعت کی تھی مگر اس کے دوسرے معاصر انگلستان کے جیمس اول نے اس ممانعت کے خلاف حکم جاری کیا۔

(10) جہانگیر (جہانگیر (راجرس و بیورتج) جلد دوم صفحات 150، 151، 168۔

اورنگ زیب (سرکار جلد سوم صفحات 90 تا 91) نے بھی کرنے کی ممانعت مگر وہ بھی جہانگیر کی طرح خواجہ سراؤں کو ملازم رکھتا رہا چنانچہ اس کی ممانعت بھی بے نتیجہ رہی۔

ضرورت نہیں جو انسانی ہمدردی اور روشن خیالی کے جذبات پر مبنی تھے اور ان کا جاری کرنے والا قابل ستائش ہے اور یہ بالکل بے نتیجہ نہیں رہے۔

صلح کل پالیسی

سیاست عالیہ میں جہانگیر کی مصالحانہ پالیسی بنگال اور میواڑ میں حق بجانب ثابت ہوئی لیکن دکن میں ناکام رہی۔ مگر یہ ناکامی قابل افسوس نہیں ہے اس لیے کہ اس کی کامیابی سلطنت کے لیے تباہ کن ہوتی۔

جہانگیر کی کمزوری

جہانگیر کی زندگی اور حکومت کی سب سے بڑی کمزوری یہ تھی کہ اسکے گردو پیش جو افراد اس سے محبت کرتے تھے اور وہ خود ان سے محبت کرتا تھا اور ان کے اثر میں آجاتا تھا۔ اکبر کے عہد حکومت میں اس پر اس کے دوستوں کا اثر رہا جنہوں نے اسے بغاوت پر اکسایا اور پھر دس سال تک نور جہاں کا گروہ اس پر حاوی رہا۔ انہوں نے جہانگیر کی داخلی اور خارجی اصولوں سے تو کبھی انحراف نہیں کیا مگر ان کی اقتدار پسندی نے سلطنت میں اختلال پیدا کر دیا۔ جہانگیر اس معاملہ میں اپنی ذمہ داری سے تو الگ نہیں ہو سکتا لیکن یہ ظاہر کر دینا قرین انصاف ہوگا کہ سب سے زیادہ خرابیاں اس وقت پیدا ہوئیں جب اس کی صحت نے جواب دے دیا۔ اگر اپنی زندگی کے آخری دس برسوں میں اس کی صحت برقرار رہی ہوتی تو وہ اپنا اثر استعمال کرتا اور دوہری خانہ جنگی درپیش نہ ہوتی۔

نتیجہ

بحیثیت مجموعی جہانگیر کی حکومت سلطنت کے امن وامان اور بہبودی کے لیے مفید رہی۔ اس کے عہد حکومت میں حرفت و تجارت کی ترقی ہوئی، فن تعمیر نے عروج حاصل کیا، مصوری اعلیٰ درجہ تک پہنچی اور ادب کو اتنا فروغ ہوا جتنا کبھی نہیں ہوا تھا۔ تلسی داس نے رامائن تصنیف کی جو شمالی ہند میں لوگوں کے لیے ہومر، انجیل شکسپیر اور ملٹن کی تخلیقات کا درجہ رکھتی ہے۔ ملک میں بکثرت فارسی اور دیسی زبانوں کے نامور شعرا نے مل کر اس عہد کو رومن سلطنت کے بہترین دور کا ہم پلہ بنا دیا۔ جہانگیر کے عہد کا سیاسی پہلو کافی دلچسپ ہے مگر اس کا شاندار ترین پہلو ذہنی ارتقا ہے۔

ضمیمہ (الف)

پہلے باب کے متعلق نوٹ

شیخ سلیم چشتی کے انتقال اور ان کی قبر پر مشہور قبہ کی تعمیر کے بعد شہنشاہ اکبر نے کئی گاؤں کی آمدنی مزار کی داشت اور مذہبی رسوم انجام دینے اور ان کی اولاد کے گزارہ کے لیے واقف کیے۔ 1846ء تک ان گاؤں کے مالی معاملات کا انصرام ان لوگوں نے کیا جنکے سپرد وقف کا انتظام تھا۔ لیکن 1846ء میں اس وقت کی انگریزی حکومت نے وقف کے انتظام کے متعلق نئے احکام جاری کیے جو سکریٹری صوبہ شمال مغربی کی حکومت کے مکتوب بنام سکریٹری صدر بورڈ آف ریونیو مورخہ 14/ اگست 1846ء میں درج ہیں اور جس کی نقل کاغذات سرکاری میں موجود ہے۔

"یہ طے کیا گیا کہ وقف کا موجودہ انتظام نہ قایم رہے گا اس لیے کہ حکومت نے مالکان اراضی سے بندوبست کر لیا ہے اور ہدایت کی جاتی ہے کہ آئندہ سے کل آمدنی سرکاری خزانہ میں داخل کی جائے گی اور کلکٹر کی نگرانی میں اس خط کی مندرجہ ہدایات کے مطابق خرچ ہوگی اس خط میں یہ طے کیا گیا ہے کہ حضرت شیخ کا مزار ایک قومی تعمیری یادگار ہے جسے قایم رکھنا اور مرمت کراتے رہنا حکومت کا فرض ہے اور اس کے لیے ایک رقم مخصوص کر دی گئی ہے۔"

اس کے بعد یہ ہدایات دی گئی ہیں کہ کل آمدنی میں سے ایک رقم مذہبی رسوم کی انجام دہی میں خرچ ہوگی جیسا کہ بادشاہ نے طے کیا ہے۔

"آخر میں مقررہ رقم شیخ کی اولاد کے گذارہ میں خرچ ہوگی اور یہ طے کیا گیا ہے کہ یہ لوگ سرکاری پنشنر سمجھے جائیں گے اور انہیں حق ہوگا کہ اپنی پنشن کی رقم ہمیشہ سرکاری خزانہ سے وصول کرتے رہیں۔ طے ہوا ہے کہ ان کا اندراج اسی صورت میں ہوگا اور ان کے ساتھ یہی طریقہ برتا جائے گا جو اب تک جاری ہے۔"

(الہ آباد ہائی کورٹ کے فیصلہ مجریہ فروری 1922ء کا ملخص جو شیخ سلیم چشتی کی اولاد میں سے ایک کی پنشن بارے میں فیصل ہوا تھا)

ضمیمہ (ب)

چوتھے باب کے متعلق نوٹ

شیخ مجدد ایک بزرگ تھے جن کا خاندان افغانستان سے نقل وطن کر کے سندھ میں آیا اور شہنشاہ جہانگیر کے سامنے زمین بوس ہونے سے انکار کیا۔ انہیں جیل خانہ میں ڈال دیا گیا مگر جلد ہی بادشاہ اپنی سخت گیری پر پشیمان ہوا اور حضرت شیخ کو رہا کر کے ان سے معذرت کی۔ ان کی صلبی اولاد اب بھی ان کے دس بارہ لاکھ مریدوں میں شمار ہوتی ہے۔

(دیکھو شیخ مجدد کے مقدمہ کی روئیداد بہ عدالت سیشن کراچی مورخہ 29/اکتوبر 1921ء)

ضمیمہ ج

اسناد

(1) معاصر فارسی تواریخ

ابوالفضل کا اکبر نامہ

شہرۂ آفاق شیخ ابوالفضل علامی کا اکبر نامہ جسے ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال کلکتہ نے تین جلدوں میں شائع کیا ہے۔ ہنری بیورج اس کا ترجمہ کر رہا ہے۔ ترجمہ قسطوں میں 1897ء سے ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال ببلیوں تھیکا انڈیکا کے سلسلہ شائع کر رہی ہے۔ پہلی اور دوسری جلدیں مکمل ہو گئی ہیں۔ تیسری جلد کی دس قسطیں شائع ہو چکی ہیں جو تین کے 637 ویں صفحہ تک اور حالات کے 1561ء تک پہنچ گئی ہیں۔ تینوں جلدوں کے منتخب حصوں کا ترجمہ الیٹ اینڈ ڈاوسن نے ہسٹری آف انڈیا" ایز ہولڈ بائی اس ہسٹورینس" کی جلد ششم صفحات (2 تا 46) میں شائع ہو چکا ہے۔ مدراس فوج کے لفٹنٹ سامرس کا ملخص ترجمہ مخطوطہ صورت میں رائل ایشیاٹک سوسائٹی لندن میں ہے۔ اس الیٹ اینڈ ڈاوسن، الفنسٹن، کاونٹ وان نوائر اور دیگر مورخین نے استفادہ کیا ہے۔ خود ابوالفضل کی تاریخ 1602ء تک پہنچتی ہے جو اس کے انتقال کی تاریخ ہے۔

شہزادہ سلیم اور اس کے بھائیوں کی پیدائش، تعلیم، بعض شادیوں، ان کے منصب اور ان کی ابتدائی زندگی کے متعلق بعض دیگر واقعات کے متعلق اکبر نامہ ہماری سند کا خاص ذریعہ ہے۔ اس کی تاریخیں خاص طور پر قابل قدر ہیں۔

تکمیل اکبر نامہ

عنایت اللہ کا تکمیل اکبر نامہ ابوالفضل کی معرکہ آرا تصنیف کا سلسلہ اکبر کے عہد حکومت کے آخر تک ہے۔ اسے ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال نے شائع کیا۔ کچھ حصہ کا انگریزی ترجمہ جو لفٹنٹ سامرس نے کیا ہے وہ بھی اصل کتاب کے ساتھ ہے۔ اس کی اہم عبارتوں کا ترجمہ الیٹ ڈاوسن نے جلد ششم صفحات 103 تا 115 میں اور بعض دیگر حصوں کا ترجمہ وان نوائر نے اپنی کتاب "اکبر" میں کیا ہے۔ سلیم کی بغاوت، ابوالفضل کے قتل، بنگال میں افغانوں کی شورش، شہزادہ دانیال کی موت، بیر سنگھ دیو کے تعاقب اور اکبر کی علالت اور انتقال کے حالات کے متعلق یہ کتاب ہماری معلومات کا خاص ذریعہ ہے لیکن اس میں بعض تفصیلات نظر انداز کر دی گئی ہیں۔

نظام الدین کی طبقات اکبری

خواجہ نظام الدین احمد کی "طبقات اکبر شاہی" جو طبقات اکبری کے نام سے مشہور ہے 94-1592ء تک کی تاریخ ہے۔1875ء میں نامی پریس لکھنؤ نے شائع کیا۔ اکبر کے تقریباً پورے عہد کا حال الیٹ اینڈ ڈاؤسن نے جلد ششم صفحات 247 تا 470 میں ترجمہ کیا ہے۔اس میں شہزادہ سلیم کی ابتدائی زندگی کی کچھ ایسی تفصیلات ہیں جو ابوالفضل کے اکبر نامہ میں نہیں ہیں لیکن اس تاریخوں کو قبول کرنے میں احتیاط کی ضرورت ہے۔ تاہم بحیثیت مجموعی یہ فارسی کی معتبر ترین تاریخوں میں ہے اور ہماری معلومات کا قابل قدر ذریعہ ہے اسے ببلیو تھیکا انڈیکا میں مدون کر کے شائع کیا جارہا ہے۔

منتخب التواریخ

عبدالقادر بدایونی کی "منتخب التواریخ" یا خلاصہ تاریخ کو ایشیاٹک آف سوسائٹی بنگال نے شائع کیا ہے۔ پہلے حصہ کا ترجمہ لفٹنٹ کرنیل۔ ریکنگ نے اور دوسرے حصہ کا ڈبلیو ایچ سونے کیا ہے جس کی ای جی کاویلی نے نظر ثانی کی ہے اور تیسرے حصہ کا ترجمہ جو لفٹنٹ کرنیل بیگ نے اور دوسرے حصہ کا ڈبلیو ایچ سوھے کیا ہے جس کی ای جی کاویلی نے نظر ثانی کی ہے اور تیسرے حصہ کا ترجمہ جو لفٹنٹ کرنیل بیگ نے کیا ہے وہ ابھی نامکمل ہے کتاب کے بعض حصوں کا ترجمہ الیٹ اینڈ ڈاؤسن نے جلد پنجم صفحات 483 تا 548 میں بھی کیا ہے۔ نیز بلوکمین کے ترجمہ آئین اکبری صفحات 168 تا 205 میں ہے،اس کے سیاسی حالات کی تفصیل بیشتر نظام الدین کی کتاب پر مبنی ہے لیکن بعض مزید حالات بھی ہیں۔اکبر کی 1591ء کی علالت کے حالات صرف بدایونی نے دیے ہیں۔ تیسرے حصہ میں بزرگوں اور اولیاؤں کے حالات زندگی ہیں جو اکبر اور جہانگیر دونوں تاریخ کے لیے قابل قدر ہیں۔

تاریخ فرشتہ

محمد قاسم ہندو شاہ جو فرشتہ کے نام سے مشہور ہے۔اس کی تاریخ 1612ء میں لکھی گئی تھی اور یہ ہندوستان کی مشہور ترین فارسی تاریخوں میں ہے اس کا ترجمہ جان برگس نے "ہسٹری آف دی رائز آف محمڈن پاور ان انڈیا" کے نام سے 1829ء میں کیا اور اسے دوبارہ کیمبرے اینڈ کو کلکتہ نے 1908ء میں شائع کیا۔اس کتاب میں اکبر کی حکومت کے آخر تک کی تاریخ ہے۔ شہزادہ سلیم کے ذاتی حالات کے متعلق اس میں محض دوسرے مورخوں کی دی ہوئی معلومات کی تصدیق کی گئی ہے،اکبر کے عہد کی دکن کی لڑائیوں کے حالات کے متعلق خاص طور پر مفید ہے۔

اسد بیگ کے وقائع

ابوالفضل کے مشہور ملازم اسد بیگ کی "وقائع" یا حالات ابوالفضل کے قتل اور قاتل بیر سنگھ کے تعاقب کے حالات کے متعلق یہ مستند ماخذ ہے۔ نیز اس میں خسرو کے مقابلہ میں سلیم کو محروم کرنے کی سازش اور اکبر کی وفات اور جہانگیر کی جانشینی کے مفصل حالات ہیں۔ اس کے اہم ترین حصوں کا ترجمہ الیٹ اینڈ ڈاؤسن نے جلد ششم صفحات 150 تا 174 میں کیا ہے۔

انفع الاخبار

محمد امیر کی "انفع الاخبار" یا مفید ترین حالات میں اکبر کے عہد کے آخری دنوں میں شہزادہ سلیم کے ساتھ برتاؤ کی بہت قابلِ قدر تفصیل ہے۔ اس کے بعض حصوں کا ترجمہ الیٹ وڈاؤسن نے جلد ششم صفحات 244تا250 میں کیا ہے۔

اکبر کے عہد کی دوسری تاریخیں جیسے نورالحق کی "زبدۃالتواریخ" مولانا احمد وغیرہ کی "تاریخ الفی" اور شیخ الہ داد فیضی سرہندی۔ ان میں کوئی مزید معلومات نہیں ہیں۔

آگے جن تاریخوں کا ذکر کیا جائے گا خصوصاً "مآثر جہانگیری" اس سے سلیم کی شہزادگی زندگی پر کچھ روشنی پڑتی ہے۔ اگرچہ وہ بیشتر اس حکومت سے متعلق ہے۔

آئینِ اکبری

ابوالفضل کی "آئینِ اکبری" جس کی تدوین بلوکمین نے کی اور جسے ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال نے بلیو تھیکا انڈیکا سیریز میں شائع کیا۔ اس کا نامکمل ترجمہ فرانسیسی گلیڈون نے کیا جسے 1800ء میں لندن میں شائع کیا گیا۔ مستند ترجمہ ایچ بلوکمین کی جلد اول میں ہے جو 1873ء شائع ہوئی اور ایس ایچ جارک کی جلد دوم وسوم میں جو ایشیاٹک سوسائٹی بنگال نے 1873ء 1894ء میں کلکتہ میں شائع کیں۔ مغل نظم ونسق کے مطالعہ کے لیے آئین ہمیشہ بنیادی مواد کا کام دے گی۔ بلوکمین کی تشریحات خاص طور پر مفید ہیں۔ دوسری جلد جغرافیائی اور معاشی معلومات کا خزانہ ہے۔

توزک جہانگیری

"توزک جہانگیری" یا خود جہانگیر کی یادداشتوں کے مختلف نام میں یعنی تاریخ سلیم شاہی، تاریخ جہانگیری، کارنامہ جہانگیری، واقعات جہانگیری، بیاض جہانگیری، اقبال نامہ اور مقالات جہانگیری۔ اس کا ایک اور نسخہ بھی ہے جس کا آگے ذکر کیا جائے گا اور جسے 1829ء میں میجر ڈیوڈ پرائس نے ترجمہ کیا۔ ان دونوں نسخوں کے مستند ہونے یا نہ ہونے پر مدتوں بحث چلتی رہی۔ جس میں سرہنری الیٹ، پروفیسر ڈاوسن، ڈی ساسی، ڈاکٹر ریو، مارے اور دوسرے نے حصہ لیا اور اب قطعی طور پر طے ہو گیا ہے کہ میجر پرائس کا نسخہ جعلی اور سرسید احمد خاں نے جو نسخہ شائع کیا ہے وہی جہانگیر کی اصلی یادداشت ہے۔

یہ کتاب ہندوستان میں عام ہے۔ سرسید احمد خاں نے اسے 1864ء میں غازی پور اور علی گڑھ سے شائع کیا۔ راجرس نے اس کا انگریزی میں ترجمہ کیا جس کی نظر ثانی تدوین میں حواشی کے ساتھ ہنری بیورتج نے کی۔

پہلے بارہ سال کے حالات کی یادداشتیں ختم ہونے پر خوبصورت جلدوں میں کر کے اس نے اپنے افسروں کو پیش کیں اور سب سے پہلی جلد شاہجہاں کو پیش کی گئی۔ اپنی حکومت کے سترہویں سال جب بادشاہ بیماری میں مبتلا ہو گیا اور روز بدن کمزور ہونے لگا تو یادداشت لکھنے کا کام معتمد خاں کو سپرد کر دیا گیا جس نے انیسویں سال کے حالات تک اسے پہنچایا۔ اس یادداشت کا سب سے پرانا نسخہ جو اگرچہ نامکمل ہے۔ خدا

بخش کی اورنٹیل لائبریری بانکی پور میں ہے جسے 1656ء میں اورنگ زیب کے بڑے لڑکے محمد سلطان نے گولکنڈہ کے قطب شاہی کتب خانہ سے حاصل کر لیا تھا۔

پہلے بارہ سال کی یادداشتوں کا ترجمہ 1909ء میں لندن کی رائل ایشیاٹک سوسائٹی نے شائع کیا اور بعد کی یادداشت کا 1914ء میں کچھ حصوں کا ترجمہ الیٹ اینڈ ڈاؤسن نے جلد ششم صفحات 276 تا 391 شائع کیا۔ کچھ حصہ کا ترجمہ اینڈرسن نے ایشیاٹک مسلیتی میں 1786ء میں شائع کیا۔

جہانگیر کے عہد حکومت اور اس کی شخصیت کے مطالعہ کے لیے یہ روزنامچہ معتبر ترین سند ہے۔ شورشوں، بغاوتوں اور فتوحات کے مفصل حالات اس میں ملتے ہیں۔ تمام اہم تقررات، ترقیوں اور برطرفیوں کا اس میں ذکر ہے۔ امرا اور حکام کے حالات جیتی جاگتی تصویر کی شکل میں بیان کیے گئے ہیں۔ وباؤں کا حال بھی وضاحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ سلطنت کے ہر حصہ کے غیر معمولی واقعات خبر رسانوں کے لیے لکھ کر بھیجے ہیں جو اس میں درج کیے گئے ہیں خود بادشاہ کی زندگی کے حالات نہایت وضاحت اور صاف گوئی کے ساتھ بیان کیے گئے ہیں، البتہ صرف بعض حالات جیسے خود اس کی اپنی والد سے بغاوت اور شہزادہ خسرو کی موت کے اسباب پر لیپ پوت کی گئی۔

تاریخ سلیم شاہی

"تاریخ سلیم شاہی" جس کا ترجمہ بمبئی کی فوج کے میجر ڈیوڈ پرائس نے لیا تھا رائل ایشیاٹک سوسائٹی کی اورنٹیل ٹرانسلیشن کمپنی نے "شہنشاہ جہانگیر کا خود نوشت روزنامچہ ایک فارسی مخطوطہ سے ترجمہ کیا ہوا" کے عنوان سے شائع کیا تھا۔ جس کی نقل 1906ء میں بنگباشی پریس کلکتہ نے شائع کی۔ اس کے مصنف کا نام نہیں معلوم اکثر حالات میں یہ اصل روزنامچہ سے زیادہ مفصل ہے مگر بحیثیت مجموعی یہ جعلی ہے۔ بدقسمتی سے الفنسٹن اور دیگر مورخین نے اسی سے استفادہ کیا اور جہانگیر کی سیرت کے متعلق جو بہت سے باتیں اس وقت رائج ہیں ان میں اس کتاب سے زیادہ کسی اور کا حصہ نہیں ہے۔ اس کے مخطوطہ نسخے خدا بخش کی اورینٹل لائبریری بانکی پور میں اور دوسری جگہوں پر موجود ہیں۔

معتمد خاں کا اقبال نامہ

معتمد خاں کا "اقبال نامہ" تین حصوں میں ہے۔ پہلے حصہ میں خاندان تیموریہ کی تاریخ ہمایوں کے انتقال کے وقت تک ہے، دوسرا حصہ اکبر کے عہد حکومت سے متعلق ہے اور تیسرا حصہ جہانگیر کے پورے عہد حکومت اور شاہجہاں کی تخت نشینی تک کے حالات پر مشتمل ہے۔ پہلے دو حصے نایاب ہیں مگر تیسرا حصہ "اقبال نامہ جہانگیری" کے نام سے عموماً ملتا ہے۔ اکثر اسے "توزک جہانگیری" سے خلط ملط کر دیا جاتا ہے۔ اس کی تدوین میجر ڈبلیو این لیز کی نگرانی میں مولوی عبدالحئی اور مولوی احمد علی نے کی اور اسے 1865ء میں ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کلکتہ نے ببلیوتھیکا انڈیکا سریز میں شائع کیا۔ خسرو کے ساتھیوں کی سزا، نور جہاں کے عروج 1618ء کی طاعون کی وبا اور آخری چار برسوں کے واقعات کے متعلق حصوں کا ترجمہ الیٹ اینڈ ڈاؤسن کی تاریخ کے صفحات 393 تا 438 میں ہے۔ اس ساری کتاب کے ترجمہ کی ضرورت ہے۔ تین مخطوطے جو مجھے ملے ان کا میں نے خوب غور سے مقابلہ کیا۔

محمد شریف معتمد خاں جو جہانگیر کے عہد میں بخشی کے عہدہ پر فائز تھا۔ وہ شاہجہاں کی بغاوت سے وابستہ رہا اور جب مہابت خاں نے بادشاہ کو گرفتار کیا تو وہ شاہی کیمپ میں موجود تھا۔ بادشاہ کی رہائی کے بعد جو کوشش ہوئی اس میں وہ شریک تھا۔ اکثر واقعات پر اس کی تحریر عینی شاہد کی سند رکھتی ہے۔ اس نے اپنی کتاب جہانگیر کے عہد کے بعد ختم کی چنانچہ بعد کے برسوں میں اس نے جو کچھ لکھا وہ شاہجہاں کے طرفدار کی طرح سے لکھا اور نور جہاں سے وہ سخت عداوت ظاہر کرتا ہے۔ بہر نوع جو زمانہ "توزک جہانگیری" کے اندر نہیں آتا اس کے لیے وہ ہماری بنیادی سند ہے۔ جہانگیر کے عہد کے اٹھارہ سال تک جو کچھ اس نے لکھا ہے وہ بیشتر "توزک جہانگیری" ہی کے مطابق ہے۔ معتمد خاں کے حالات زندگی کے لیے دیکھو مآثر الامرا جلد سوم صفحہ 430۔

کامگار خاں کی مآثر جہانگیری

خواجہ کامگار غیرت خاں کی "مآثر جہانگیری" شاہجہاں کے ایماء سے اس کی عہد حکومت تک کے تیسرے سال لکھی گئی۔ یہ کتاب ابھی تک چھپی نہیں ہے۔ میں نے خدا بخش کی اورینٹل لائبریری بانکی پور کا مخلوطہ استعمال کیا ہے۔ اس کے دو ملخص ابوالفضل کے قتل سے متعلق اور مہابت خاں کی یورش کے بعد شاہجہاں کے رویہ کے متعلق ترجمہ کر کے ایلیٹ اینڈ ڈاوسن نے صفحات 442 تا 445 میں شائع کیے ہیں۔ یہ گلیڈون کی "رین آف جہانگیر" مطبوعہ کلکتہ 1788ء کی بنیاد ہیں۔ "مآثر" کا چھٹا حصہ جہانگیر کی تخت نشینی سے پہلے کے حالات زندگی پر مشتمل ہے اور یہی کتاب کا اہم ترین حصہ ہے اس لیے کہ اس میں جو معلومات ہیں وہ "توزک" یا "اقبال نامہ" میں نہیں ہیں جیسی کہ توقع کی جا سکتی تھی۔ اس کی تحریر میں شاہجہاں کی طرفداری کی جھلک ہے جس کے عہد میں وہ ٹھٹھ کی گورنری اور تین ہزار کے منصب تک پہنچا تھا۔

انتخاب جہانگیر شاہی

"انتخاب جہانگیری" ایک غیر مصنف کی لکھی ہوئی ہے۔ اس کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ لکھنے والا جہانگیر کا ملازم تھا۔ اس کے کچھ حصوں کا ترجمہ ایلیٹ و ڈاوسن نے اپنی کتاب کی جلد ششم صفحات 447 تا 452 میں کیا ہے۔ اس میں جہانگیر کی فیاضیوں اور اس کے طرز زندگی، خسرو کی سزا کے متعلق نئی معلومات ہیں اور نور جہاں کے اقتدار کے خلاف مہابت خاں کے احتجاج کا ذکر ہے۔

پندنامہ جہانگیری

"پندنامہ جہانگیری" میں خانگی اور پبلک زندگی کے متعلق جہانگیر کے اصول و ضوابط ہیں۔ اس سے جہانگیر کی سیرت پر روشنی پڑتی ہے میں نے رامپور کے مخلوطہ سے استفادہ کیا۔ یہ خدا بخش کے مخلوطہ "تاریخ سلیم شاہی" میں بھی شامل ہے۔

نعمت اللہ کی مخزن افغانی

"مخزن افغانی" یا "تاریخ خان جہان لودی" مشہور فوجی کماندار خان جہاں کی ایما پر سمانہ کے ہیبت

خاں نے تقریباً 1612ء میں تصنیف کی۔ اس کا ترجمہ برن ہارڈ زورن نے "ہسٹری آف افغانس" کے نام سے کیا جسے اورینٹل ٹرانسلیشن فنڈ کی طرف سے شائع کیا گیا۔ اس کے کچھ حصے لودی سلاطین دہلی اور شیر کے بارے میں الیٹ اینڈ ڈاوسن نے ترجمہ کر کے اپنی کتاب کی جلد پنجم کے صفحات ۱۷ تا ۱۱۵ میں شائع کیے۔ حصہ اول کے آخر میں مصنف نے اکبر اور جہانگیر کے عہد میں بنگال میں افغانوں کی شورش کا حال لکھا ہے اور کتاب کا یہی حصہ جہانگیر کی تاریخ کے سلسلہ میں کار آمد ہے۔

محمد جلال طباطبائی کی فتح کانگڑہ

"شش فتح کانگڑہ" یا کانگڑہ کی چھ فتوحات شاہجہاں کے ایک منشی محمد جلال طباطبائی کی تصنیف ہے۔ یہ کتاب ابھی تک چھپی نہیں۔ میں نے الہ آباد یونیورسٹی کے مخطوطہ سے مدد لی جو نواب صاحب رامپور کے کتب خانہ کے مخطوطہ کی نقل ہے۔ ساری کتاب کا خلاصہ الیٹ اینڈ ڈاوسن نے اپنی کتاب کی جلد ششم صفحات ۳۱۸ تا ۳۳۱ میں دیا ہے۔ مصنف نے کانگڑہ کی فتح کا واقعہ چھ طریقوں سے بیان کیا ہے اور اپنے اس کارنامہ کو شاہجہاں کے سامنے پیش کیا۔ اس میں بعض ایسی تفصیلات ہیں جو اور کہیں نہیں ہیں۔

ماثر رحیمی

عبدالباقی نہاوندی کی "ماثر رحیمی" عظیم عبدالرحیم خان خاناں کے خاندان، حالاتِ زندگی اور کارناموں کا بیان ہے۔ خان خاناں کی گجرات، سندھ اور دکن کی مہمات کے سلسلہ میں یہ بہت قابل قدر ہے۔ مصنف نے اس میں اپنی طرح کے کئی شاعروں کے حالات زندگی اور ان کی تحقیقات کے بکثرت نمونے جو خان خاناں کی سرپرستی میں فروغ پا رہے تھے۔ اس کا پہلا حصہ ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال کلکتہ کی لائبریری میں محفوظ ہے۔

حسب ذیل دو کتابیں خاص کر شاہجہاں کی تاریخ سے متعلق ہیں مگر مذکورہ بالا کتابوں کی اس طرح تکمیل کرتی ہیں کہ ان میں شاہجہاں کے کارناموں کا اور جہانگیر کے عہد حکومت کے چند برسوں کے حالات کا تذکرہ ہے۔

بادشاہ نامہ عبدالحمید لاہوری

عبدالحمید لاہوری کا "بادشاہ نامہ" خاص کر شاہجہاں کی تاریخ سے متعلق ہے۔ اسے کلکتہ کی بنگال ایشیاٹک سوسائٹی نے دو جلدوں میں ببلیوتھیکا انڈیکا سیریز میں شائع کیا ہے۔ اس کا کچھ حصہ الیٹ اینڈ ڈاوسن نے اپنی کتاب کی جلد ہفتم صفحات 1 تا 72 میں ترجمہ کر کے شائع کیا ہے۔

محمد صالح کمبوہ کی عمل صالح

محمد صالح کمبوہ کی "عمل صالح" بنگال کی ایشیاٹک سوسائٹی ببلیوتھیکا انڈیکا سیریز میں شائع کیا ہے۔ یہ کتاب شاہجہاں کی تاریخ پیدائش سے وفات تک پر مشتمل ہے۔ اس کے عہد کے آخری چند برسوں کے حالات کا ترجمہ الیٹ اینڈ ڈاوسن نے اپنی کتاب جلد ہفتم صفحات 124 تا 132 میں کیا ہے۔ جہانگیر کے عہد

حکومت کے حالات میں مصنف نے خصوصاً مندرجہ بالا کتب سے استفادہ کیا ہے لیکن شروع سے آخر تک اپنے آقا کے نقطہ نظر سے۔

شاہجہاں کے اپنے عہد حکومت کے آخری دنوں کا ذکر ہے مگر کوئی نئی بات نہیں ہے۔

(2) بعد کی فارسی تاریخیں

سبحان رائے کی خلاصۃ التواریخ

پٹیالہ کے سبحان رائے کھتری کی خلاصۃ التواریخ ہندوستان کی عام تاریخ اورنگ زیب کی تخت نشینی تک جو 96-1695ء میں لکھی گئی۔ حال ہی میں اسے محمد ظفر حسن بی اے مدون کر کے دہلی سے شائع کیا ہے۔ اپنے مطبوعہ نسخہ کی اشاعت سے قبل جو مخطوطات حاصل کیے تھے۔ ان سے جہانگیر کے متعلق حالات کا اس سے بغور مقابلہ کیا۔ میں نے اس کے جو حوالے دیے ہیں وہ مطبوعہ نسخہ سے ہیں۔ اس کی بدولت عبارت کا ترجمہ الیٹ اینڈ ڈاؤسن نے اپنی کتاب کی جلد ہشتم کے صفحات 10 تا 12 میں دیا ہے۔

مصنف نے اکثر تقریباً لفظ بہ لفظ جہانگیر اور معتمد خاں کی نقل کی ہے۔ مگر کہیں کہیں نئی معلومات بھی دی ہیں۔ شاہجہاں کی بغاوت کا اس نے جو حال لکھا ہے وہ واضح اور بے لاگ ہے۔ مغل سلطنت کی جغرافیائی تشریح جو کئی پہلو سے کتاب کا اہم ترین حصہ ہے اس کا ترجمہ جادو ناتھ سرکار نے اپنی کتاب "انڈیا آف اورنگ زیب" میں دیا ہے۔

محمد بقا کی مرأت عالم

"مرأت عالم" جسے محمد بقا نے اورنگ زیب کے عہد کے درمیانی زمانہ میں تصنیف کی اور جسے عموماً اس کے سرپرست بختاور خاں سے منسوب کیا جاتا ہے۔ وہ عموماً دنیا کی تاریخ ہے جس میں خصوصاً ہندوستان کا بھی ذکر ہے۔ جس مخطوطہ سے میں نے استفادہ کیا اور میں تقریباً پچیس صفحے جہانگیر کے عہد حکومت کے متعلق ہیں۔ اس کے کچھ حصے جو اورنگ زیب کی فیاضی اور اس کی عادات و اطوار کے بارے میں ہیں ان کا ترجمہ الیٹ اینڈ ڈاؤسن نے اپنی کتاب کی جلد ہفتم کے صفحات 156 تا 165 میں دیا ہے۔ اس سے ہماری معلومات میں زیادہ اضافہ نہیں ہوتا۔

خافی خاں کی منتخب اللباب

محمد ہاشم خافی خاں کی "منتخب اللباب" اٹھارویں صدی کی چوتھی دہائی میں لکھی گئی۔ اس کے مخطوطے عام طور پر دستیاب ہیں۔ ساری کتاب کو مولوی کبیر الدین احمد نے مدون کیا اور بنگال کی ایشیاٹک سوسائٹی نے 1869ء میں ببلیو تھیکا انڈیکا سریز میں شائع کیا۔ خاندان تیموریہ کا مختصر حال لکھنے کے بعد مصنف نے بعد کے بادشاہوں کا تقریباً پورا پورا حال دیا ہے۔ جہانگیر کے عہد حکومت کا حال جو مطبوعہ نسخے کے صفحات 244 تا 394 میں ہے خاص کر جہانگیر، معتمد خاں کے بیانات پر مبنی ہے مگر جزواً دوسرے ماخذ سے بھی

استفادہ کیا گیا ہے جن میں سے بعض اب مفقود ہیں۔ خافی خاں کو جتنی بھی معلومات بہم پہنچ سکیں ان سے بڑی احتیاط سے کام لیا ہے وہ فارسی انشاء اور صاف شستہ بے لاگ انداز بیان کا ماہر معلوم ہوتا ہے۔ اورنگ زیب اور اس کے جانشینوں کے حالات کے متعلق جو حصہ ہے وہ تقریباً پورے کا پورا الیٹ اینڈ ڈاؤسن نے اپنی کتاب کی جلد ہفتم صفحات 261 تا 533 میں ترجمہ کیا ہے۔ الفنسٹن اور گرانٹ آف نے ایک ایسے مخطوطہ ترجمہ کیا ہے جو مدارس فوج کے میجر گارڈن نے کیا ہے اور جو تقریباً جہانگیر کے عہدِ حکومت کے آخری زمانہ تک ہے۔ یہ مسودہ شاید گم ہو گیا ہے۔ اس لیے اسے دوبارہ ترجمہ کرنے کی ضرورت ہے۔

محمد ہادی کی تتمہ جہانگیری

اٹھارویں صدی کے نصف اول میں محمد ہادی نے جہانگیر کے اٹھارہ سال کے روزنامچہ کی نقل کرنے کے بعد اس کا سلسلہ "تتمہ واقعات جہانگیری" کے نام سے لکھا جس میں جہانگیر کے انتقال کے وقت تک کے حالات درج کیے ہیں۔ یہ تقریباً بالکل معتمد خاں پر مبنی ہے۔ عموماً یہ "توزک جہانگیری" کے ساتھ شامل ہوتا ہے۔ اس کی بعض عبارتوں کا ترجمہ الیٹ اینڈ ڈاؤسن کی کہ کتاب جلد ششم کے صفحات 393 تا 399 میں ہے۔

تاریخ عالم آرائے عباسی

"تاریخ عالم آرائے عباسی" ایران کی ایک قابل قدر تاریخ ہے۔ یہ ابھی تک شائع نہیں ہوئی ہے لیکن مخطوطہ کی صورت میں یہ ہندوستان میں عام ہے۔ اس میں ہندوستان و ایران کے تعلقات کا ذکر ایرانی نقطہ نظر کے مطابق ہے۔

ماثرالامرا

"ماثرالامرا" بابر کے وقت سے لے کر آٹھارویں صدی کے آٹھویں دھائی تک کے مغل امرا کا بترتیب حروف تہجی نہایت قابل قدر سوانحی بیان ہے۔ جسے صمصام الدولہ، شاہ نواز خاں اور اس کے لڑکے عبدالحق نے تصنیف کیا اور بنگال کی ایشیاٹک سوسائٹی نے تین حصوں میں شائع کیا، ہر حصہ دو جلدوں پر مشتمل ہے۔ ہنری بیوریج نے اس کا انگریزی میں ترجمہ انگریزی حروف تہجی کی ترتیب سے شروع کیا۔ اب تک اس کے چھ جزو شائع ہو چکے ہیں۔

جہانگیر کے امرا کے حالات زندگی خاص کر اور کہیں کہیں لفظ بہ لفظ ابوالفضل، جہانگیر معتمد خاں، کامگار، خافی خاں اور عبدالحمید سے لیے گئے ہیں لیکن بعض زاید حالات ایسی کتابوں سے ماخوذ ہیں جو اب نایاب ہیں۔ مصنف نے بہت سے ایسے واقعات اور حالات لکھے ہیں جن سے اس وقت کے رسم و رواج پر روشنی پڑتی ہے۔ بلوکمین نے اکبر کے عہد کے امرا کے حالات بیشتر "ماثر" ہی سے لیے ہیں۔

بیل کی مفتاح التواریخ

طامس ولیم بیل کی "مفتاح التواریخ" جو 1819ء میں لیتھوگراف سے آگرہ میں شائع ہوئی اس میں

ایشیائی مسلم تاریخ کے تمام اہم واقعات تاریخ وار درج کیے گئے ہیں اور بادشاہوں، مدبروں، شاعروں وغیرہ کے مختصر حالات ہیں۔اس کی خاص اہمیت تاریخوں کے تعین میں ہے۔جہانگیر کے عہد کے حالات اور اہم اشخاص کا ذکر صفحات 308تا343 میں ہے۔

بہت سی بعد کی فارسی تاریخوں میں جہانگیر کے عہد حکومت کا حال ہے جو بیشتر قابل اعتنا ہے۔

(3) معاصر ہندی تواریخ

کیشو داس کی بیر سنگھ دیو چرتر

کیشو داس جس کا شمار ہندی ادب کے نورتنوں میں کیا جاتا ہے۔جہانگیر کے عہد میں نمایاں ہوا اور اپنے سرپرست بیر سنگھ بندیلہ ابوالفضل کے قاتل کے حالات زندگی تقریباً1664ء بکرمی یا1660ء میں لکھے۔اس کی زبان میں سنسکرت کی بہتات ہے اور آگرہ و متھرا کے گردونواح میں بولی جانے والی زبان اور جمنا کے کے جنوب کی بندیل کھنڈی بولی کے بیچ بیچ کی ہے۔مصنف کی "رام چندریکا" میں جو زور ہے یا "رسک پریا" جو شیرینی اور وقار ہے۔وہ اس کتاب میں نہیں ہے۔لیکن تاریخی نقطہ نظر سے یہ اہم تصنیف ہے جیسی کہ توقع کی جاسکتی تھی۔اس میں پرجوش تعریف کی بھرمار ہے مگر اس بندیلہ رئیس کے حالات زندگی اور کارناموں کے متعلق مفید معلومات ہیں یہ کتاب عموماً بندیل کھنڈ کے باہر غیر معروف ہے۔اس میں 194 صفحے ہیں۔

کیشو داس کی جہانگیر چندریکا

کیشو داس نے ایک اور بھی تعریف سے بھری ہوئی کتاب لکھی ہے جو اس کے سرپرست کے سرپرست شہنشاہ جہانگیر کے حالات زندگی پر مشتمل کہی جاتی ہے۔"جہانگیر چندریکا" زبان اور اسلوب کے لحاظ سے "بیر سنگھ دیو چرتر" سے ملتی جلتی ہے مگر اس میں فارسی تاریخوں میں مذکور معلومات کے علاوہ کوئی مزید معلومات نہیں ہیں لیکن یہ اس لحاظ سے اہم ہے کہ ایک ممتاز ہندو شاعر کا اپنے بادشاہ کے بارے میں کیا خیال تھا۔

امیر راجہ بنساولی

جے پور اور دوسری راجپوت ریاستوں کے اکثر خاندانوں کے پاس حکمراں خاندانوں کے شجرے اور تاریخیں اور مخلوطہ شکل میں موجود ہیں۔بظاہر یہ خشک اور ناکافی ہیں لیکن اکثر ان میں خلاف توقع روایات کے گرانقدر خزانے مل جاتے ہیں۔امیر کے متعلق میں نے "امیر راجہ بنساولی" کے مخطوطہ کے مطالعہ سے بہت فائدہ حاصل کیا جو پروہت ہری نرائین بی اے کے پاس ہیں۔

امیر (موجودہ جے پور) کی بکثرت کتابیں جو اکبر اور جہانگیر کے عہد میں تصنیف ہوئیں اب تک مخطوطہ کی شکل میں پرانے پروہتوں، شاعروں اور امرا کے یہاں محفوظ ہیں اور سب کے شروع میں راجہ

مان سنگھ کے کارنامے اس طرح درج ہیں جیسے یہ کسی خود مختار حکمراں کے ہوں۔ ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ مان سنگھ کے سپاہیانہ کارناموں سے امیر کے افتخار کو کتنی بلندی حاصل ہوئی تھی۔

نوٹ:- کہا جاتا ہے کہ مہاراجہ جے پور کے کتب خانہ میں راجہ مان سنگھ کا ایک نہایت ہی قیمتی روزنامچہ موجود ہے لیکن علم کے متلاشی کو اس کے دیکھنے کی اجازت نہیں ہے۔

جینی مخطوطات

اس زمانہ کی لکھی ہوئی متعدد دیسی زبانوں کی کتابیں بہار میں جین سدھانت بھون آرہ اور راجپوتانہ کی ریاستوں میں مخطوطات کی شکل میں موجود ہیں۔ مصنفین کا بیان ہے کہ جینی تعلیمات نے اکبر کے ذہن پر بہت برا اثر ڈالا تھا۔ ان کے مقدموں میں اکثر مصنفین نے جہانگیر کی انصاف پسندی اور اس کے عہد میں امن و فراغ بالی کی تعریف کی ہے۔ انہیں کتابوں سے ہمیں گجرات سے جینی پروہتوں کے اخراج کے حکم کی منسوخی کا علم ہوا۔

نین سنگھ کی کھیات

راجپوتانہ کے وافر شعری ادب میں سب سے زیادہ مشہور نین سنگھ کی کھیات ہے جو حسب معمول شاعرانہ اسلوب کی ہے۔ اس میں میواڑ کے بہادروں کے کارنامے بیان کیے گئے ہیں جنھوں نے مغلوں سے جنگ کی تھی۔ میں نے ایک نسخہ سے استفادہ کیا جو جودھ پور کے منشی دیبی داس کے پاس ہے۔

آدی گرنتھ

آدی گرنتھ سکھوں کی مذہبی کتاب جو خاص کر گورمکھی میں ہے اور جسے گروار جن نے مرتب کیا ہے۔ اس میں وافر سوانحی مواد ہے جو اکثر تاریخی اعتبار سے بہت زیادہ قابل قدر ہے۔ اس میں ۱۶۰۶ء میں گروار جن کی نام نہاد شہادت کا حال درج ہے۔ اس کا ہندی ترجمہ نولکشور پریس لکھنؤ نے شائع کیا ہے۔

(4) بعد کی ہندی تواریخ

لال کی چھتر پرکاش

ایک خوش گو ہندی شاعر گورے لال پروہت جو عموماً لال کے نام سے مشہور ہے اس نے اپنے سرپرست اپنا وسط ہند کے چھتر سال کی ایما سے تقریباً 1764ء بکری یا 1707ء میں اپنی کتاب "چھتر پرکاش" تصنیف کی۔ یہ کتاب کچھ بے ربط طور پر 1707ء پر ختم ہو جاتی ہے۔ اسے کاشی ناگری پرچارنی سبھا بنارس نے شائع کیا ہے۔ اس میں بظاہر ریاستی دستاویزات کی بنیاد پر اس خاندان کے شجرہ نسبی اور روایتی کارناموں کا ذکر ہے اور اس طرح اس کی حیثیت بنیادی مواد جیسی ہے۔ شاہجہاں اور اورنگ زیب کے عہد

تک پہنچ کر اس کے بیان میں کافی پھیلاؤ ہو جاتا ہے۔ بوگسن نے "اپنی ہسٹری آف نریلاز" بیشتر لال ہی سے استفادہ کیا ہے۔

بندیلیوں کی بنساولی

چھتر پور وسط ہند کے مہاراجہ کے کتب خانہ میں ایک ہندی مخطوطہ ہے جو کئی سال پہلے ایک اور مخطوطہ سے نقل کیا گیا ہے جس کا نام "بندیلیوں کی بنساولی" یا بندیلیوں کا شجرہ نسب ہے اور جو دو حصوں میں منقسم ہے۔ پہلے حصہ میں جو کچھ ہے اسے ابتدائی قسم کا فلسفہ سیاسی کہنا چاہئے لیکن دوسرے حصہ میں مختلف بندیلا قبیلوں کے حالات نسبی اور شادی کے تعلقات کا بیان ہے۔ اس میں تاریخیں بہت کم دی ہیں مگر تاریخی اعتبار سے وافر قابل بیانات ہیں۔

(5) معاصر جزویٹ تاریخیں

مانسیرات

فادر اینتھونی مانسیرات کی "منگولیکی لیگیشنز کمینسٹر بس" مانسیرات گوا کے جزویٹ مشن متعینہ مغل دربار میں ایک رکن تھا جو 1580ء سے 1582ء تک اکبر کے دربار میں رہا۔ یہ مخطوطہ کسی طرح پچھلی صدی کے شروع میں کلکتہ پہنچ گیا اور وہاں فورٹ ولیم کالج، مٹکاف ہال ہوتے ہوئے امپیریل لائبریری پہنچا اور 1906ء میں اسے سینٹ پال کی کیتھڈرل لائبریری میں ریورینڈ ڈبلیو کے فرلنگر کو ملا۔ اس کے متن کو فادر ہوسٹن نے مرتب کیا اور ایشیاٹک سوسائٹی بنگال نے 1914ء میں بطور یادداشت کے جلد سوم نمبر 9 صفحات 508 تا 704 میں شائع کیا۔ اس کا انگریزی ترجمہ جسے ایس ہوائے لینڈ کا کیا ہوا ایس این بنرجی کی تشریحات کے ساتھ آکسفورڈ یونیورسٹی پریس نے شائع کیا۔ یہ کتاب خاص کر اکبر کی تاریخ کے سلسلہ میں بہت کار آمد ہے۔ اس میں شہزادہ سلیم اور اس کے بھائیوں کے بچپن کے حالات اور اکبر نظام سلطنت کے متعلق جو جہانگیر کے عہد تک جاری رہا کچھ معلومات ہیں۔

ڈوجارک

فادر پیرے ڈوجارک آف ٹولوس کی "ہسٹوری ڈے چورے پلس سیمور ہبلسن، این آئی اسٹابلشمنٹ این بروگریز ڈی لافولے کرسٹین ایٹ کیتھولک ایٹ پرنسپلمنٹ ڈی سی کیولے ریلیجیس ڈی لا مپنی ڈی جیزس وانی اوٹ فایکٹ ایٹ انڈور پورلا منی ے فن ایٹ سزا" جو پہلے 1661ء میں فرانسیسی زبان میں بمقام اراس شائع ہوئی۔ تیسرا حصہ جو 1614ء میں شائع ہوا۔ اکبر کی حکومت کے آخری پانچ سال اور جہانگیر کی کے پہلے سال کے حالات پر مشتمل ہے۔

اس کتاب کا ایک لاطینی زبان کا نسخہ "تھیارس ایرم اینڈ مکرم" وغیرہ کے نام سے اصل کتاب کی اشاعت کے دو ہی سال کے اندر شائع ہوا۔ تھیارس کی تیسری جلد باب 16۔ سے باب 23 تک

صفحات 137 تا 201 میں جہانگیر کی تاریخ ہے۔ میں نے الہ آباد یونیورسٹی کے نسخہ سے استفادہ کیا جو حال میں بوڈلین لائبریری سے فوٹو کر کے اس غرض سے منگایا گیا ہے۔ ڈوجارک بعض تفصیلات میں فارسی تاریخوں کا تتمہ ہے۔ مگر اس میں کوئی نئی معلومات نہیں ہیں اور کبھی کبھی وہ تفصیلات میں غلطی کر جاتا ہے۔

میکلاگن

ای ڈی میکلاگن کے مضمون بعنوان "جزویٹ مشن ٹو اکبر" میں جو ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کے حصہ اول جلد 65، 1886 صفحات 38 تا 113 میں شائع ہوا۔ خاص خاص جزویٹ مشنریوں کے بیانات کا نہایت عمدہ ملخص ہے۔ 1605ء تک باستثنائے ماسیرات۔ شہزادہ سلیم کے مذہبی عقائد اور اس کے عیسائیوں سے برتاؤ کے متعلق اس کا مطالعہ لازمی ہے۔

ہوسٹن پنجاب ہسٹاریکل سوسائٹی کے جرنل فادر ہوسٹن نے شہزادہ خسرو کی بغاوت کے متعلق جزوٹ مشنریوں کے نقطہ نظر کا ترجمہ کیا ہے۔

(6) معاصر یورپین سیاح ملازم کمپنی

یورپین سیاحوں کی خاص اہمیت شہروں، دربار کے مناظر، دربار کی تقریبات، جلوسوں اور جن اشخاص سے ان کا واسطہ پڑا ان کے خاکوں کے بیان میں ہے جہاں کہیں وہ اپنے دائرہ سے باہر ہوئے ہیں وہاں وہ بری طرح بھٹک گئے ہیں۔ ملک اور اس کی سیاسیات سے ان کی اجنبیت فارسی سے ناواقفیت ان کے تعصب اور ضعیف الاعتقادی کی وجہ سے وہ جو کچھ دیکھتے تھے اس کی صحیح توجیہ نہیں کر سکتے تھے لیکن انہوں نے اپنے وقت کے حالات کے متعلق بہت سی افواہوں کو درج کر کے محفوظ کر دیا ہے۔

مختی ریورینڈ سیموئیل پرچاز (1625ء) نے پرچاز اور اس کی یاتراؤں میں جو مواد جمع کر دیا ہے۔ اس میں شروع سترہویں صدی کے بیشتر سیاحوں کے بیانات پورے یا جزوی طور پر دیکھے جا سکتے ہیں۔ نیز پہلے کی پرچاز اور اس کی یاتراؤں یا دنیا سے تعلقات وغیرہ میں (1613ء) میں نے اس کے بہترین ایڈیشن سے استفادہ کر کے حوالے دیے ہیں، جسے میکلوس یا ستھومس آر پرچاز ہر پلگرمس یا 1905ء کی میکلہوز نے پرچاز ہز پلگرمس میں شائع کیا۔

ہاکنس

کپتان ولیم ہاکنس کے متعلق میں نے دو ماخذ سے استفادہ کر کے حوالے دیے ہیں۔ ایک تو پرچاز ہز پلگرمس (مرتبہ میکلہوز) جلد دوم صفحات 1 تا 50 اور دوسرے ہاکنس واسحز عموماً آخر الذکر سے اور کبھی دونوں سے۔

ولیم ہاکنس ملمری سے 12/ مارچ 1607ء کو ایسٹ انڈیا کمپنی کے تیسرے سفر کے تین جہازوں میں سے ایک جہاز ہیکٹر کے کمانڈر کی حیثیت سے اور ۱۱/ نومبر 1607ء کو سورت میں اترا اور فوراً آگرہ روانہ ہو گیا۔ 18 جنوری 1612ء کو ہنری مڈلٹن کے بیڑے کے ایک جہاز پر ہندوستان سے روانہ ہو گیا۔ اس کے

جشن نوروز بادشاہ کے ملنے، شاہی دربار اور جہانگیر کی روزمرہ کی زندگی کے حالات کے چشم دید اور بحیثیت مجموعی نہایت ہی معتبر ذریعہ معلومات ہیں نظام سلطنت اور عوام کے حالات کے متعلق اس کے مشاہدات کو قبول کرنے میں احتیاط کی ضرورت ہے۔ بظاہر وہ سنسنی پیدا کرنے کا شائق تھا اور واقعات جو اس نے بیان کیے ہیں وہ بالکل ویسے ہی نہیں ہیں جیسے اس نے دیکھے بلکہ ان کی مضحکہ خیز نقالی ہے۔

سر ہنری مڈلٹن

سر ہنری مڈلٹن کی "اکانٹ آف دی سکستھ وی وتیج سیٹ فورتھ بائی ایسٹ انڈیا کمپنی ان تھری شیش" پرچاز جلد سوم صفحات 115 تا 194 ہندوستان کے معاملات پر تبصرے جو زیادہ نہیں ہیں۔ صفحات 170 تا 185 میں ہیں ان تبصروں کی خاص اہمیت یہ ہے کہ ان سے ہندوستان سے انگلستان کی تجارت اور انگریزوں اور پرتگالیوں کے تعلقات پر روشنی پڑتی۔ 24 /نومبر 1640ء کو مڈلٹن کی مقرب خاں گورنر گجرات سے ملاقات کا بیان دلچسپ ہے۔ (صفحہ 178)

ماسٹر جوزف سال بینک

ماسٹر جوزف سال بینک کی سیاحت ہندوستان، ایران اور ترکی کے کچھ حصے اور خلیج فارس اور عرب 1609ء 1610ء جو سر طامس اسمتھ کو لکھ کر بھیجا گیا۔ پرچاز جلد دوم صفحات 82 تا 89 میں ہے۔ سال بینک جو ایسٹ انڈیا کمپنی کا ایک حصہ دار تھا۔ تین مرتبہ ہندوستان آیا۔ اس کے جنرل کا ایک حصہ جو پرچاز میں نقل ہوا ہے، اس میں اس کے سورت سے آگرہ کا سفر اور وہاں سے افغانستان ایران اور بغداد کا ذکر ہے۔ جن مقامات کو اس نے دیکھا ان پر اس کے مشاہدات دلچسپ ہیں مگر مبہم اس کے خطوط جو ایسٹ انڈیا کمپنی کو موصول ہوئے زیادہ دلچسپ ہیں۔

ولیم فنچ

ولیم فنچ کا مشاہدات جو اس کے طویل جنرل سے پرچاز جلد چہارم صفحات ا تا ۷۷ میں اخذ کیے گئے۔ ہندوستان کے متعلق مشاہدات صفحات 19 تا 77 میں ہیں۔ فنچ جو ہاکنس کا ہم سفر تھا۔ کچھ دنوں سورت میں ٹھہر گیا تھا اور وہاں سے آگرہ گیا۔ شمالی ہند کا اس نے وسیع دورہ کیا۔ خشکی کے راستہ وطن واپس جاتے ہوئے وہ بغداد میں فوت ہو گیا۔ شہروں قصبوں، عمارتوں اور سڑکوں کا نہایت خوبصورت بیان خصوصاً قابل قدر ہے۔ ڈی لائٹ مغل سلطنت کا جغرافیہ اسی کے بیانات پر مبنی ہے۔

فنچ کی بابر اور ہمایوں (صفحہ 56) سلیم شاہ سور (صفحہ 35) کی تاریخیں ذرا قیاسی ہیں حال ہی کا واقعہ خسرو کی بغاوت کا بیان بہت سی غلطیوں کا حامل ہے۔ اس نے جہلا کی یہ بازاری گپ نقل کی ہے کہ قلعہ رنتھمبور کے قیدی دیوار کے اوپر لے جائے جاتے تھے اور انہیں دودھ کے پیالے پلا کر چٹانوں پر پٹخ دیا جاتا تھا۔ (صفحہ 38) وہ نہایت سنجیدگی سے لکھتا ہے کہ جہانگیر نے اپنے تمام امرا کی موجودگی میں اقرار کیا کہ مسیحیت معقول مذہب ہے اور محمدؐ کا مذہب جھوٹا اور افسانوی ہے۔ (صفحہ 40) اس نے بادشاہ کی روزمرہ کی زندگی اور روزانہ کے دربار کا ذکر کیا ہے (صفحات 73 تا 75) اور دکن کی جنگ کا (صفحات 29، 39)۔

نکولاس ویتھنگٹن

نکولاس ویتھنگٹن کے لکھے ہوئے پرچاز جلد چہارم صفحات 162، 174 کا ایک انتخاب قصہ کے طور پر میرے قبائل اور عوام کے اطوار اور ملک کی سراون کا حال قدر ہے۔ دوسرے سیاحوں کی ویتھنگٹن نے بھی انگریزوں اور پورتگالیوں کے تعلقات کا ذکر کیا ہے۔

حورڈین

حورڈین کا جرنل جسے ولیم فاسٹر نے مدون کیا اور ہیکلویت سوسائٹی نے نمبر 16 سکنڈ سیریز میں شائع کیا۔ مغربی ساحل پر انگریز تاجروں کے کاروبار، پورتگالیوں سے ان کے تعلقات، مقامی حکام کا ان سے برتاؤ اور سترہویں صدی کی دوسری دھائی میں وہ جن شہروں اور قصبوں سے ہو کر گزرا ان کے حالات کے لیے قابل قدر ہے۔

اسٹیل اینڈ کروتھر

رچرڈ اسٹیل اور جان کروتھر کا ایک جرنل پرچاز چہارم صفحات 266 تا 269 میں 16-1615ء میں اس کے طویل سفر اجمیر سے اصفہان تک کے مشاہدات و تاثرات سے بھرا ہے۔ شہروں، سڑکوں اور تجارت و حرفت کے متعلق تبصرے قابل قدر ہیں۔

سر طامس رو

سر طامس کا جرنل پرچاز چہارم صفحات 310 تا 468 میں اس سے بہت بہترین ایڈیشن "سر طامس رو کی سفارت مغل اعظم کے دربار میں" مرتبہ ولیم فاسٹر معہ ایک تنقیدی مقدمہ، مع حواشی اور ضمیمہ جات کے جسے ہکلویت سوسائٹی نے شائع کیا۔ میں نے حوالے اسی ایڈیشن سے دیے ہیں۔ رو 1580ء یا 1581ء میں ایسیکس کے سولنین میں پیدا ہوا اور جولائی 1598ء میں میگڈالن کالج آکسفورڈ میں داخل ہوا وہ ملکہ الزبتھ کے ذاتی پہرہ داروں میں اسکوائر بنادیا گیا اور 1605ء میں نائٹ کردیا۔ شہزادہ ہنری اور ملکہ الزبتھ سے قریبی تعلقات قائم کرلیے۔ فروری 1610 میں گنی کو جانے والی ایک سیاحوں کی جماعت کی سربراہی کی اور اسی طرف کوئی اور سیاحوں کی جماعتوں کی سربراہی کی۔ 1614ء میں ایڈلڈ پارلیمنٹ میں پہنچا۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کی تحریک پر وہ جہانگیر کے دربار میں جیمس اول کی نمایندگی کے لیے منتخب ہوا تاکہ وہاں کمپنی کی تحریک پر وہ جہانگیر کے دربار میں جیمس اول کی نمایندگی کے لیے منتخب ہوا تاکہ وہاں کمپنی کے لیے مزید مراعات حاصل کرلے۔ چنانچہ 2/ فروری 1615ء کو وہ لائن جہاز پر روانہ ہوا اور 18/ ستمبر 1615ء کو سورت کے قریب سوالی روڈ پر لنگرانداز ہوا۔ 23۔ دسمبر 1615ء کو وہ اجمیر پہنچا جو اس وقت مغل سلطنت کا مستقر تھا۔ بیماری سے صحت پاکر وہ 10/ جنوری 1616ء کو دربار میں حاضر ہوا۔ اگلے ماہ نومبر تک اجمیر کے دربار میں رہا اور بڑے امراسے روابط قائم کیے۔ مگر انگلستان اور سلطنت مغلیہ کے درمیان معاہدہ حاصل کرنے کی کوشش میں ناکام رہا۔ نومبر 1616ء میں وہ بادشاہ کے ساتھ مانڈو گیا اور

وہاں 1818ء کے آخر میں احمد آباد۔ اپنی ناکامی سے مایوس ہو کر 1618ء میں دربار سے رخصت ہوا جبکہ بادشاہ آگرہ واپس ہونے والا تھا۔

رو کا بیان برہانپور میں شہزادہ پرویز کے دربار، اجمیر کے شاہی دربار اور کونسل، نوروز کی تقریب، بادشاہ کے ملنے اور طریق زندگی اور اجمیر سے مانڈو کے سفر کے حالات بہت ہی شگفتہ اور واضح ہے۔ جہانگیر، نور جہاں، شاہجہاں، آصف خاں وغیرہ کے متعلق اس کے اظہار خیال میں تعصب کا رنگ ہے۔ شہزادہ خرم کا اس نے بڑا دلچسپ حال بیان کیا ہے۔ عبداللہ خاں فیروز جنگ کے متعلق اس کا بیان بہت واضح ہے اور یقیناً مبنی بر واقعہ ہے لیکن تفصیلات میں صحیح نہیں ہے۔ وہ دربار کے خیالات کی ترجمانی کرتا ہے۔ طاعون کے متعلق اس نے جو کچھ لکھا ہے وہ اس وقت فارسی تحریرات میں اضافہ ہے۔ یہ ظاہر کرنے کی ضرورت نہیں ہے کہ رو نے ہندوستان میں انگریزی تجارت کے مستقبل پر بہت روشنی ڈالی ہے اور انگریزوں کے پرتگالیوں کے تعلقات پر لیکن وہ اپنے ذاتی مشاہدات سے الگ جن معاملات پر تبصرہ کرتا ہے۔ وہ غیر معتبر ہے۔ تاریخ کے متعلق اس کے خیالات حتی کہ جہانگیر کی تخت نشینی سے پہلے کے بھی مضحکہ خیز ہیں۔

متفرق

ریورینڈ ایڈورڈ ٹیری کی سیاحت ہند کا حال جو بیشتر 1622ء میں لکھا گیا وہ 1655ء میں لندن میں شائع ہوا۔ اکثر بہت ہی اہم عبارتیں پرچاز (میک میہوز) جلد چہارم صفحات ۱ تا ۵۴ میں دی گئی ہیں۔ میں نے عموماً 1777ء کے مطبوعہ ایڈیشن سے حوالے دیے ہیں اور کبھی کبھی پرچاز بھی۔

ٹیری 1590ء میں کینٹ کے مقام لیہہ میں ہوا۔ یکم جولائی 1608ء کو اس نے کرائسٹ چرچ آکسفورڈ سے میٹریکولیشن کیا اور 26/ نومبر 1611ء کو بی اے اور 8/ جولائی 1614ء کو ایم اے کر کے فروری 1616ء میں پادری کی حیثیت سے ایسٹ انڈیا کمپنی کے جہاز چارلس پر سوار ہوا اور 25/ ستمبر 1616ء کو سوالی روڈ پہنچ گیا۔ اس کا تقرر متوفی ڈیوینڈر جان ہال کی جگہ انگریزی سفیر کے پادری کے عہدہ پر ہو گیا۔ اور جو مارچ 1617ء میں اس نے یہ عہدہ سنبھال لیا۔ 1618ء میں وہ اپنے آقا سفیر کے ہمراہ احمد آباد کے دربار شاہی میں حاضر ہوا۔ 1619ء کے شروع میں وہ انگلستان کے لیے جہاز پر روانہ ہوا اور 15/ ستمبر 1619ء کو ڈاونس پہنچ گیا۔ اس نے اپنے حالات سفر لکھ کر پرنس آف ویلز کو پیش کیے اور اسے 1655ء میں شائع کر دیا۔

ٹیری کا سفر نامہ ہماری معلومات کا نہایت ہی وسیلہ ہے وہ جہانگیر کے حالات زندگی، سیرت، پالیسی، دربار کونسل، کیمپ اور سفر کے متعلق رو کے بیانات کا ضمیمہ ہیں۔ 1618ء کے گجرات کی انفلوئنزا کی وبا اور دمدار ستارے کے متعلق اس کا بیان فارسی تواریخ کے ضمیمہ کا کام دیتا ہے۔ اسی طرح اس نے جزویٹ اور پرتگالیوں کے بھی کچھ حالات لکھے ہیں لیکن اس کے سفر نامہ کا اہم ترین پہلو یہ ہے کہ اس نے عوام کے رواج و دستور پر روشنی ڈالی ہے۔ بدقسمتی سے اس میں وہی عیوب ہیں جو سر طامس رو کے بیانات میں اور اپنے ذاتی مشاہدات سے الگ۔ اس نے جو کچھ لکھا وہ معتبر نہیں ہے۔ ہندوستانی آئین و ادارات کے متعلق اس کا بیان اگرچہ واضح اور پڑھنے کے قابل ہے لیکن بعض اوقات نہایت متعصبانہ اور غیر منصفانہ ہے۔

کوریات

ماسٹر طامس کی کروڈی نیز تین جلدوں میں ہیں اور تیسری جلد جس میں صفحات کی نشاندہی نہیں ہے۔ اس میں اس کے ہندوستان سے موصولہ خطوط میں پرچاز چہارم صفحات 469 تا 487 میں ایک اہم خط ہے۔ پرچاز دہم صفحات 389 تا 447 میں اس کا سفرنامہ ترکی، ایشیائے کوچک اور فسلطین کی سیاحت سے متعلق ہے۔ وہ سترہویں صدی کے ہندوستان کے سیاحوں میں ایک نہایت ہی خبطی انسان ہے اس کے سفرنامہ کے عنوان میں کوئی غلط منکسر مزاجی نہیں ہے لیکن جہانگیر کی سیرت کی اس نے بہت عمدہ تصویر کشی کی ہے۔

پی ڈیلا دیل

پئیر ڈیلا دیل کے سفرنامہ جسے ایڈورڈگرے نے تحقیق دیباچہ تشریحات اور اشاریہ کے ساتھ مرتب کیا اسے ہکلویت سوسائٹی نے دو جلدوں میں شائع کیا۔ ڈیلا وال نے 1614ء میں قسطنطنیہ کا دورہ کیا اور 1616ء میں ایشیائے کوچک اور مصر کا ایران ہوتے ہوئے سفر کیا۔ گبن کا بیان ہے کہ "کسی نے ایران کا حال پیرو ڈیلا ویل سے زیادہ نہیں جانا اور نہ بیان کیا۔ فروری 1623ء میں وہ کوکن پہنچا اور ساحل ملابار کا دورہ کیا اور 1624ء کے دسمبر میں ہندوستان سے رخصت ہوا۔ ہندوستان کے متعلق ساری معلومات جلد اول میں ہیں۔ ڈیلا ویل نے جن لوگوں کو دیکھا ان کے مذہبی رسوم اور رواج و دستور کو بیان کیا۔ کھمبایت میں جانوروں کے اسپتالوں کا حال اس نے بہت ہی واضح طور پر بیان کیا ہے۔ مغل تاریخ اور معاصر واقعات جیسے شاہجہاں کی بغاوت کا اس نے سرسری ذکر کیا ہے جو بازاری گپ پر مبنی ہے۔ مختصر اس نے دکن کے تین بادشاہوں نظام شاہ، قطب شاہ اور عادل شاہ کا ذکر کیا ہے۔ اس بات کا اظہار ضروری ہے کہ ڈیلا ویل نے جس ملک کا دورہ کیا وہیں کا لباس اختیار کیا۔

ڈی لائٹ

جان ڈی لائٹ کی کتاب "ڈی امپریو میگنی مگالیز سائن انڈیا و یرا کمنٹر لیس اے وریز او کتوری بس کنجیلس" سب سے پہلے 1631 میں الزپورنے لندن میں شائع کیا اس کا پہلا حصہ "ڈسکرپو انڈی" جو فتح، رو، پراز، ٹیر، تنکریزا وغیرہ کے بیانات پر مبنی ہے اس میں مغل سلطنت کا قابل قدر حال ہے۔ صوبوں اور شہروں کے حالات کا ترجمہ ای لیتھ برج نے اکتوبر 1870ء اور جنوری 1871 کے کلکتہ ریو میں کیا۔ میں نے اس ترجمہ سے حوالے دیے ہیں۔ دوسرا حصہ جس کا عنوان "فرلمنٹم" ہنساری انڈی" ہے۔ اب سترہویں صدی کے تیسری دہائی میں پرڈان بروک سورت کی ڈچ فیکٹری کے صدر نے شائع کیا۔ ڈی اے اسمتھ کا خیال ہے کہ فرلمنٹم بظاہر فارسی کی لکھی ہوئی مستند تاریخ پر مبنی ہے ہمایوں اور اکبر کے حالات کا ترمہ اس لیتھ برج نے جولائی 1873ء کے کلکتہ ریویو سے صفحات 170 تا 200 میں کیا ہے۔ جہانگیر کے عہد حکومت کا حال جو فرلمنٹم میں دیا ہے وہ در حقیقت فارسی تاریخوں کے مطابق ہے۔ خسرو کے قتل کے بارے میں اس نے جو حال لکھا ہے وہ فارسی تاریخوں میں نہیں ملتا ہے۔

جہانگیر کے عہد حکومت کے متعلق دوسرے یورپین سیاحوں نے جو حالات لکھے ہیں وہ تاریخی اعتبار سے قابل اعتنا نہیں ہیں۔ حسب ذیل سفر نامے صرف اس وقت کے انگریزوں اور پرتگالیوں کے تعلقات کے سلسلہ میں کار آمد ہیں۔

نکولاس ڈاونٹن

نکولاس ڈاونٹن ایک ڈھائی سو ٹن کے جہاز پرفون کا کپتان اور ایسٹ انڈیز کے چھٹے بحری سفر میں اسی کمپنی کے جہاز میں لفٹننٹ تھا۔ اس کے جرنل یا اس کے اقتباسات پرچاز سوم صفحات 194 تا 304 میں دیے ہیں۔

دوسرے بحری سفر میں اس کے لکھے ہوئے جرنل کے اقتباسات پرچاز چہارم صفحات 214 تا 215 میں دیے ہیں۔

سر جیمس لنکاسٹر

سر جیمس لنکاسٹر کے بحری سفروں میں سے چوتھے سفر میں ایک روزنامچہ تحریر کیا گیا تھا۔ سر جیمس لنکاسٹر کے چھٹے بحری سفر کا روزنامچہ اپریل 1610ء سے جنوری 1611ء تک ہے۔

طامس لو

ایک اور روزنامچہ اپریل 1610ء سے جنوری 1611ء تک طامس لو نے بھی لنکاسٹر کے ساتھ تحریر کیا۔

تھیلیل مارٹنس

تھیلیل مارٹنس کے ساتویں بحری سفر کا حال پرچاز سوم صفحات 304 تا 319 میں ہے۔

کپتان سارلیس

کپتان سارلیس کے آٹھویں بحری سفر کا حال اپریل 1611ء تا نومبر 1613ء پرچارز سوم صفحات 395 تا 319 میں ہے۔

ولیم نکولو

ولیم نکولو جو جہاز اسنش میں جہازی کارکن تھا اور براسپورٹ (برہانپور) سے مچھلی نیم وغیر تک سفر کیا۔ (1612ء) اس کی رپورٹ پرچاز سوم صفحات 72 تا 82 میں ہے۔

ماسٹر طامس بیسٹ

ماسٹر طامس بیسٹ کے ایسٹ انڈیا کے دسویں بحری سفر کا روزنامچہ پرچاز چہارم صفحات 119 تا 147 میں ہے۔

رالف کراس

ایک اور سفر نامہ کا روزنامچہ رالف کراس کا ہے جو 29/ اگست 1613ء تک ہے۔

ماسٹر کوپلنڈ

اسی بحر سفر کے چند مشاہدات ماسٹر کوپلنڈ مسز کے پرچاز چہارم صفحات 251 تا 263 میں ہیں۔

ماسٹر ایلکنس وماسٹر ڈازس ورتھ

ماسٹر ایلکنس وماسٹر ڈازس ورتھ کے بعض بیانات پرچاز چہارم صفحات 251 تا 263 میں ہے۔

کپتان والٹر پیٹن

کپتان والٹر پیٹن کے دوسرے سفر بحری کے حالات صفحات 289 تا 300 میں ہے۔

راجرہاز

راجرہاز کے جرنل سے ماخوذ یادداشتیں ایضا صفحات 495 تا 500 میں ہیں۔

الیگزینڈر چائلڈ

الیگزینڈر چائلڈ ایضا صفحات 502 تا 507۔

رچرڈ سوان

رچرڈ سوان کا روزنامچہ پرچاز پنجم صفحات 241 تا 261 میں۔

ماسٹر سیزر فریڈرک

ماسٹر سیزر فریڈرک کے اٹھارہ سال کے ہندوستانی مشاہدات پرچاز دہم صفحات 88 تا 142 میں۔

کاورٹے

رابرٹ کاورٹے کی "رپورٹ وغیرہ" واضح اور بے لاگ تجربات و مشاہدات کا جز ہے جن مقامات کا اس نے دورہ کیا۔ ان پر تبصرہ دلچسپ ہے پچھلے اور، معاصر سیاسی حالات کے بیان میں بہت سی غلطیاں ہیں۔

ڈی لاول

(فرنیکوائے) پائی راؤ ڈی لاول کا سفرنامہ جس کی جلد دوم حصہ اول کو البرٹ گرے نے مرتب کیا اور ہکلویت سوسائٹی نے شائع کیا۔ اس کا کچھ حصہ پرچاز نہم صفحات 503 تا 570 میں ہے۔ مشرق کے سارے یورپین سیاحوں میں اس کا بیان سب سے زیادہ قابل مطالعہ ہے۔ ہندوستان کے کاریگروں، صناعوں اور تاجروں کی اس نے کھل کر تعریف کی ہے (صفحات 48 تا 249) اس وقت کی پرتگالی ہندوستانی تاریخ کے لیے یہ خصوصاً قابل قدر ہے۔ ہندستان کے ان اندرونی حصوں کے متعلق جہاں وہ خود کبھی نہیں گیا۔ اس کا بیان بیشتر سنی سنائی باتوں پر مبنی ہے۔ اس لیے اکثر غیر معتبر ہے۔

ڈان دوارٹ دی بنسس

"ڈان دوارٹ دی بنسس وائسرائے پورتگالی ہند کی کتاب قوانین، رسم و رواج مالیہ تجربات اور دیگر قابل لحاظ معاملات کے متعلق" پرچاز نہم صفحات 118 تا 189 میں پورتگالی نظام حکومت کی بہت اچھی تفصیل ہے مگر مغل سلطنت کے متعلق اس کا بیان ناقابل اعتنا ہے۔

لنس کوٹن

جہانگیر کے عہد حکومت سے ذرا پیشتر جن سیاحوں نے ہندوستان کا دورہ کیا ان میں اولین مقام کا مدعی ہالینڈ کا باشندہ جان ہیوگن وان لنس کوٹن ہے وہ 1583ء ہندوستان اور یہاں کے اندرونی حصہ کے متعلق بہت کچھ سنا۔ ہالینڈ واپس جاکر اس نے "ایسٹ انڈیز کے بحری سفر" کے حالات شائع کیے جن سے یورپ میں ایک سنسنی پیدا ہو گئی۔ اس کی کتاب کا 1556ء میں ترجمہ ہوا۔ میں نے ہلکوت سوسائٹی کی اشاعت اول 70 اے، سے استفادہ کیا ہے اس کی کچھ عبارتیں پرچاز چہم صفحات 223 تا 317 میں ترجمہ ہوئی ہیں۔ لنس کوٹن کی براہ راست معلومات صرف گوا کے متعلق ہیں۔ ہندوستان کے متعلق جو اس نے لکھا وہ سنا سنایا ہے۔

رالف فنچ

ہندوستان برہما وغیرہ کے اولین سیاح رالف فنچ کا سفرنامہ جے رائلی نے مرتب کیا ہے۔ بعض عبارتوں کے اقتباس پرچاز میں ہیں۔ لیکن میں نے عموماً اول الذکر ہی کے حوالے دیے ہیں۔ فنچ 1585ء اکبر کے دربار میں حاضر ہوا۔ آگرہ اور فتحپور سیکری ہی اور ان کے درمیانی علاقہ کے متعلق اس کی تفصیلات دلچسپ ہیں دوسرے مقامات کے متعلق اس کا بیان ذرا تشنہ ہے۔

عہد جہانگیر کے دوسرے یورپین ہندوستانی سیاحوں کے روزنامچے پورے کے پورے یا جزواً پرچاز وغیرہ میں نقل ہوئے ہیں مگر وہ اتنے بیکار ہیں کہ ان کے ذکر کی بھی ضرورت نہیں ہے۔

ایسٹ انڈیا کمپنی کو موصولہ خطوط

ایسٹ انڈیا کمپنی کو مشرق میں ان کے ملازموں سے وصول شدہ خطوط انڈیا آفس کے رجسٹر مراسلات سے نقل کیے گئے اور وزیر ہند با جلاس کونسل کی سرپرستی میں چھ جلدوں میں شائع کیے گئے۔ یہ 17-1603ء میں موصول شدہ خطوط پر مشتمل ہیں۔

جلد نمبر	کس نے مرتب کیا	متعلق	سال اشاعت
1۔	فریڈرک چارلس ڈانورس	14-1604ء	1896ء
2۔	لیم فاسٹر	15-1613ء	1897ء
3۔	"	1615ء	1899ء
4۔	"	1616ء	1900ء
5۔	"	جنوری تا جون 1617ء	1901ء
6۔	"	جولائی تا دسمبر	1902ء

ہر جلد میں بہت اچھا مقدمہ اور اشاریہ ہے۔ انگلستان کی مشرقی تجارت کی ابتداء اور سترہویں صدی کے اوائل میں ہندوستان کی اقتصادی تاریخ کے سلسلہ میں بہت ہی قابل قدر ہیں۔ اس کے علاوہ ان سے معاصر اہم اشخاص، سیاسی اور فوجی حالات وبائی بیماریوں وغیرہ کے مسائل پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

انگلش فیکٹریز ان انڈیا

یہی صورت حسب ذیل تین جلدوں کی بھی ہے جنہیں فاسٹر نے مرتب کیا اور وزیر ہند کے زیر اختیار شائع ہوئیں۔ 21-1618ء۔ انگلش فیکٹریز ان انڈیا۔

1620ء انگلش فیکٹریز ان انڈیا 23-1622ء

29-1624ء انگلش فیکٹریز ان انڈیا 29-1624ء

بعد کی جلدوں میں اندراجات 1665ء تک آگئے ہیں اور اس طرح شاہجہاں کا پورا عہد حکومت آگیا ہے۔

سینس بری کا کلنڈر

مسٹر اور مس سینس بری کی ایسٹ انڈیا کے کاغذات کی فہرست ولیم فاسٹر کی مرتبہ سیریز سے منسوخ ہو گئی ہے۔

ولیم میتھولڈ

ولیم میتھولڈ جہانگیر کے عہد حکومت میں ہندوستان آیا مگر صرف جنوب کا دورہ کیا۔

(7) بعد کے یورپین سیاح اور فیکٹر

شاہجہاں (58-1627)ء اور اورنگ زیب (1717-1658)ء کے عہد حکومت میں جو یورپین سیاح ہندوستان آئے ان کے پیشرؤوں کی طرح شہروں، دربار کیمپ اور فوج کے حالات اور عوام کے رسم ورواج اور سماجی اور معاشی کے حالات کے لیے قابل قدر ہیں اور یہ جیسے شروع سترہویں صدی میں تھے ویسے ہی آخر صدی تک جہانگیر کے بعد سیاحوں نے جہانگیر کے وہ حالات لکھے ہیں جو اس وقت زبان زد تھے۔

ہربرٹ

سر طامس ہربرٹ کی ایرانی شاہی حکومت کے حالات جواب اور ینٹل انڈیز اور وسیع تر اینڈ افریک 1634ء میں شامل ہے۔ ہربرٹ کا سورت کا دورہ بہت ہی مختصر تھا مگر اس نے جہانگیر کا حال لکھا ہے جس کی حکومت ختم ہوئی تھی وہ بہت ہی ہوشمندانہ ہے۔

پٹر منڈی

پٹر منڈی کا سفر نامہ یورپ وایشیا 67-1608ء سر رجرڈ کارناک ٹمپل نے نہایت عمدہ تشریحات و اشاریہ کے ساتھ معقول نقشوں اور فہرست اسناد شامل کر کے مرتب کیا۔ اسے ہکلویت سوسائٹی نے جو شائع کیا ہے اس کی دوسری جلد میں جس کا عنوان "ایشیا کی سیاحت" ہے ہندوستان کا حال ہے۔ پٹر منڈی کو 1627ء کے آخر میں ایسٹ انڈیا کمپنی فیکٹر منتخب کیا اور 1628ء کے شروع میں وہ ہندوستان سے روانہ ہو کر ستمبر 1628ء میں سورت پہنچ گیا۔ سورت میں دو سال ملازمت کرنے کے بعد وہ کمپنی کے کام سے شمال کی طرف بھیجا گیا اور اس طرح اسے شمالی ہند کا وسیع دورہ کرنے کا موقع مل گیا۔ 1634ء میں وہ ہندوستان سے واپس ہوا۔ آگرہ فتح پور سیکری، برہان پور، پٹنہ، اجمیر وغیرہ کے جو حالات منڈی نے لکھے ہیں وہ قابل قدر ہیں۔ الہ آباد میں خسرو کی قبر کا اس نے بہترین چشم دید حال لکھا ہے۔ لیکن جہانگیر کے عہد حکومت کی سیاسی تاریخ جو اس نے لکھی ہے وہ بیشتر افسانوی ہے۔

اولیاریس

اولیاریس کا سفر نامہ اگرچہ بیشتر شاہجہاں کے عہد حکومت سے متعلق ہے لیکن اس میں جہانگیر کے عہد کے بعض واقعات کا ذکر ہے مگر یہ زیادہ قابل اعتنا نہیں ہے۔

منڈلسو

جاں البرٹ ڈی منڈلسو کے بحری سیاست اور ایسٹ انڈیز سیاحت جہانگیر کے عہد حکومت کے متعلق بہت کم کار آمد ہے۔

مانٹرک

"ایئی نیریوڈی لاس مشنز کوی ایل پادری سیاشین مانٹرک" سب سے پہلے 1649ء میں رومہ میں شائع ہوئی اور 1653ء میں دوبارہ چھپی۔ اصل ہسپانوی نسخہ بالکل نایاب ہے۔ مسزوی اے اسمتھ کا بیان ہے کہ دونوں نسخے برٹش میوزیم میں موجود ہیں اور اولین طباعت کا ایک بوڈلین میں اور دوسری اشاعت کا نسخہ آل سولس کالج لائبریری آکسفورڈ میں ہے۔ پنجاب کے متعلق ابواب کا میکلاگن نے جنرل آف پنجاب ہسٹاریکل سوسائٹی کی جلد اول صفحات 83 تا 106، 151 تا 661 میں کیا ہے۔ دوسرے ابواب کا ترجمہ بنگال پاسٹ اینڈ پریزنٹ کی جلد 12 و 13 میں ہے۔

برنیر

ایم فرانکوے برنیر کے سفر نامہ مغل سلطنت 68-1656ء کو آرچبالڈ کانسٹیبل نے اروِنگ براک کے ترجمہ کی بنیاد پر مرتب کیا ہے۔ یہ تمام سیاحوں کے بیانات سے جو کبھی ضبط تحریر میں آئے سب سے زیادہ قابل مطالعہ ہے۔ ہندوستانی نظم آئین کے متعلق برنیر کا تبصرہ اکثر متعصبانہ ہے۔ اسے جہانگیر کی سیرت، نورجہاں کے اس پر اثر اور بادشاہ کی جزوِیت مشنریوں پر نظر عنایت اور آگرہ و دہلی کا زور دار حال لکھا ہے۔

ٹیورنیر

جیں بیپ ٹائیر ٹیورنیر، آبون کے بیرون سفر نامہ اس کا بہترین نسخہ وہ ہے جسے وی بال نے ترجمہ کر کے مقدمہ تشریحات، ضمیمہ جات و اشاریہ کے ساتھ دو جلدوں میں مرتب کیا ہے۔ ٹیورنیر نے 34-1631ء میں مشرق کی طرف چھ بحری سفر کیے۔ ہندوستان کا اس نے پانچ مرتبہ دورہ کیا۔ یعنی 1641ء، 1645ء، 1651ء، 1657ء اور 1664ء میں اس کے سفر نامہ کی خاص اہمیت، قصبوں، شہروں اور تجارت کے معاصر حالات اور خاص کر ہیروں کی تجارت کے متعلق ہے۔ پہلی جلد کے دوسرے حصہ میں تاریخی حالات بیان کرنے کی کوشش کی گئی ہے جو ناکام رہی۔

تھیونات

موسیوڈی تھونات کالیوانٹ کا سفر نامہ تین حصوں میں جو 1686ء میں انگریزی میں ترجمہ کیا گیا پہلے اور دوسرے حصہ میں تھیونات کے یورپ، ترکی اور ایران کی سیاحت کا حال ہے۔ تیسرا حصہ جو 200 صفحات کا ہے۔ ایسٹ انڈیز کے حالات پر مشتمل ہے۔ تھیونات کا مقصد محض سیاحت تھا اور اس کے سفر میں کوئی خفیہ ارادہ نہیں شامل تھا۔ وہ اپنے حالات سفر 8/نومبر 1667ء تک لکھتا رہا جبکہ ایشیائے کوچک کے ٹارس سے تقریباً تیس لیگ کے فاصلہ پر میانا میں اس کا انتقال ہوا۔ مشرق کے یورپین سیاحوں میں اس کی تحریر سب سے زیادہ معلوماتی ہے اور خاص کر شہروں، قصبوں، بندرگاہوں، محاصل، نظم و نسق کے انتظامات اور مالیہ کے حالات کے بارے میں قابل قدر ہے۔

باورے

طامس باورے کے مصنف خلیج بنگال کے گرد کے ممالک جغرافیائی حالات 79-1669 اسے سر رچرڈ کارناک ٹمپل نے مقدمہ تشریحات اور اشاریہ کے ساتھ مرتب کیا۔ ہکلویت سوسائٹی نے شائع کیا۔ اس تصنیف کی نوعیت اور اہمیت اس کے عنوان سے ظاہر ہے۔

فرایر

جان فرائر کی نو سال 81-1672ء کی ایسٹ انڈیا اور ایران کی سیاحت کے جدید حالات اسے ولیم کروک نے مقدمہ تشریحات اور اشاریہ کے ساتھ مرتب کیا اور ہکلویت سوسائٹی نے شائع کیا۔ مقامات کے حالات کے سوا یہ کتاب جہانگیر کے عہد کے حالات کے سلسلہ میں ناکارہ ہے۔

منومشی

نکولا ومنومشی کی ڈوموگریا مغل سلطنت کی کہانی (1708-1653ء) اسے ولیم اروِن نے نہایت عمدہ اسلوب چار جلدوں میں ترجمہ اور ترتیب دیا اور جان مرے لندن نے انڈیا ٹکسٹ سیریز میں بہ نگرانی رائل ایشیاٹک سوسائٹی شائع کیا۔ اس ایڈیشن نے کاٹراو کے نامکمل اور خلط ملط تصنیف کی تنسیخ کردی۔

پہلی جلد میں شہزادہ سلیم کا حال ہے۔ (صفحہ 131) جہانگیر کی حکومت (صفحات 157) تا 178)، نورجہاں کا حال (صفحات 8، 161 تا 164 اور بلاقی کا صفحات (179 تا 181) تاریخی اعتبار سے یہ سب تقریباً بالکل ناکارہ ہے۔

(8) حال کی تواریخ

(الف) بنیادی اہمیت کی

1۔ انگریزی

میکالیف

میکس آرتھر میکالیف کی سکھ مذہب اس کے گرو اور کتب مقدسہ چھ جلدوں میں اس کتاب کا مقصد سکھ مذہب یا سکھ تاریخ کی تنقیدی تشریح نہیں ہے۔ اس میں صرف سکھ کتب مقدسہ اور روایات کا بہت عمدہ انگریزی بیان ہے۔ اس صورت میں اس کا شمار بنیادی سند کی حیثیت سے ہے۔ تیسری جلد ادی گرنتھ کے مصنف پانچویں گرو ارجن کے حالات زندگی اور تعلیمات پر مشتمل ہے۔ جہانگیر کے ہاتھ سے اس کی موت کا حال سکھوں کے نقطہ نظر سے بیان کیا ہے اور افسانوی رنگ کا ہے۔

ٹاڈ

لفٹنٹ کرنیل جیمس ٹاڈ کی اطلس اینڈ اینٹی کوی ٹیز آف راجستھان یا ہندوستان کی مرکزی راجپوت ریاست دو جلدوں میں۔ اس کا سب سے اچھا اور تازہ ترین نسخہ وہ ہے جسے جارج روٹلیج اینڈ سنز لمیٹیڈ لندن نے شائع کیا۔ میں نے اسی نسخہ سے حوالے دیے ہیں۔

ٹاڈ نے مبینہ طور پر اس تصنیف کو مستقبل کے مورخین کے لیے وافر مواد کے مجموعہ کی حیثیت سے پیش کیا۔ اس صورت میں اس کا شمار بنیادی سند کی حیثیت سے ہوگا۔ اس نے ہندوستان میں مسلمانوں کے عہد کے حالات واقعات کا راجپوت نقطہ نظر دیا ہے۔ اس کے واقعات اور تاریخیں اکثر غلط ہیں مگر بیشتر اس نے ایسی معلومات دی ہیں جو کہیں اور نہیں ملتی ہیں جہانگیر کی راجپوتوں سے لڑائیوں اور راجپوتوں سے تعلقات کے علاوہ اس نے خسرو کی بغاوت اور مہابت خاں کی یورش کا حال بھی لکھا ہے۔

ٹیسی ٹوری

ایل پی ٹیسی ٹوری کی رپورٹ آن سنہاریکل اینڈ بارڈک سروے آف راجپوتانہ میں ضمناً بعض قابل قدر تاریخی معلومات فراہم کی گئیں۔

جرنل آف بنگال ایشیاٹک سوسائٹی جلد 15، 1919ء نمبر ا میں اعلیٰ چلودی کھیات کی چھ عبارتیں معہ انگریزی ترجمہ کے دی گئی ہیں جن میں جہانگیر کی نورجہاں سے ابتدائی محبت شیر افگن کی موت کے حالات، خسرو کے قتل اور شاہجہاں کی بغاوت کے حالات دیے گئے ہیں۔

ڈف

جیمس گرانٹ ڈف کی ہسٹری آف مراٹھاز تین جلدوں میں۔ چونکہ مصنف نے جس اعلیٰ مخطوطہ سے مدد لی وہ گم ہو گیا ہے اس لیے اس کو جزوی طور پر بنیادی سند کی حیثیت حاصل ہے۔ میں نے آرکیمبرا اینڈ کو کلکتہ کا 1912ء کا مطبوعہ نسخہ استعمال کیا ہے۔ پہلی جلد کے دوسرے باب میں جہانگیر کے عہد کی دکن کی مختصر تاریخ دکنی نقطہ نظر سے دی گئی ہے۔

2۔ ہندی

بیرنبو

کویراج سایمل داس کی تاریخ راجپوتانہ فارسی تواریخ اور شعری ادب سے ماخوذ۔ اسے اودیپور دربار کے حکم سے تصنیف کیا گیا تھا اور پھر یہ ضبط بھی ہو گئی۔ یہ نہایت ہی گراں قدر اہمیت کی تصنیف ہے۔ میں نے ایک مخطوطہ نسخہ کو استعمال کیا جو مجھے جودھپور میں ملا۔ اس کا ایک نسخہ کاشی ناگری پرچارنی سبھا بنارس کی لائبریری میں محفوظ ہے۔ جہانگیر کے عہد حکومت کے حالات کے حصہ میں بہت سی نئی معلومات ہیں۔

جہانگیر نامہ

یہ منشی دیبی پرشاد جودھپوری کا توزک جہانگیری کا ہندی ترجمہ ہے۔اس کی خوبی یہ ہے کہ اس میں راجپوت ناموں اور مقاموں کی بعض غلطیوں کی اصلاح کی گئی ہے۔

(ب) عام

1۔انگریزی

گلیڈون

تاریخ ہندوستان بہ عہد جہانگیر، شاہجہاں واورنگ زیب مصنفہ فرانسیس گلیڈون جلد اول (صرف یہی جلد شائع ہوئی) کلکتہ 1788ء۔

یہ کتاب خاص کر مآثر جہانگیری پر مبنی ہے جس کا یہ دراصل معقول خلاصہ ہے۔ کچھ مدد جہانگیر روزنامچہ سے بھی لی گئی ہے۔ پہلے بارہ صفحات اکبر کے عہد میں سلطان سلیم کے متعلق خاص واقعات کے سلسلہ میں شہزادہ سلیم کی بغاوت کا مختصر حال ہے۔ کتاب کے باقی حصہ میں فارسی تواریخ کے بے ترتیب اور بے اصولی حالات جہانگیر کے عہد حکومت کے ہیں۔ بدقسمتی سے اب یہ نایاب ہیں۔

الفنسٹن

الفنسٹن کی ہسٹری آف انڈیا۔اس کی دسویں جلد میں جہانگیر کے متعلق باب خافی خاں، پراس کی جہانگیر کے عہد حکومت کا بہترین مختصر حال ہے۔ میں نے حوالے اس کے ساتویں ایڈیشن سے دیے ہیں جس میں ای بی کاویل کی تشریحات اور اضافے ہیں اس میں جہانگیر کے متعلق باب 550 تا 574 صفحات میں ہے۔

وی اے اسمتھ

وی اے اسمتھ کی آکسفورڈ ہسٹری آف انڈیا صفحات 375 تا 391۔ جامع مگر غیر ہمدردانہ

لین پول

اسٹینلی لین پول کی میڈیول انڈیا اسٹوری آف نیشنز سیریز میں صفحات 289 تا 320 شاندار مگر ناقص۔

کنیڈی

کنیڈی کی ہسٹری آف دی گریٹ مغل جلد دوم میں صفحات 1 تا 33 جہانگیر کے حالات پر مشتمل ہے۔ قابل مطالعہ مگر غیر علمی۔

کین

جی ایچ کین کی ہسٹری آف انڈیا۔ ترمیم شدہ ایڈیشن۔ کافی معقول مختصر حال۔

ہولڈن

ہولڈن کی مغل ایمپررس ہندوستان ۔ جہانگیر کا حال صفحات 207 تا 269 میں ہے۔ مبتدیانہ تصنیف ہے۔

داؤ

لفٹنٹ کرنیل الیگزینڈر داؤ کی ہسٹری آف ہندوستان میں جلد سوم کے صفحات ۱ تا ۱۱۲ میں جہانگیر کا حال ہے۔ افسانوی اور جھوٹی کہانیوں سے بھرا ہوا۔ مصنف نے جہانگیر سے شادی سے قبل کی نور جہاں کی زندگی کا بہت ہی شوخ مگر قطعی غیر معتبر حال ہے۔

لطیف

سید عبد اللطیف کی حسب ذیل تین کتابوں میں شہنشاہ جہانگیر کے عہد حکومت کا مختصر مگر غیر ماخذانہ حال دیا ہے۔

1۔ آگرہ، ہسٹاریکل اینڈ ڈسکرپٹو

2۔ دی ہسٹری آف دی پنجاب

3۔ لاہور، اٹس ہسٹری آرکی ٹیکچر، رمنیز اینڈ اینٹی کوی ٹیز

وھیلر

جے ٹالبوائیر، ہسٹری آف انڈیا جلد چہارم حصہ اول باب پنجم صفحات 191 تا 250 یورپین سیاحوں کی گپ بازیوں پر مبنی ہے۔ پوری کتاب انتہائی جہالت، غیر معقولیت، تعصب اور بے اصولی قیاسیات سے بھری ہے۔ مصنف میں ناقدانہ صلاحیت مطلق نہ تھی اور بااصول تاریخی تحقیق سے نابلد تھا۔

2۔ اردو

ذکاءاللہ

مولوی ذکاءاللہ کی تاریخ ہندوستان اردو آٹھ جلدوں میں چھپی۔ چھٹی جلد جہانگیر کے عہد حکومت کے حالات پر مشتمل ہے۔ اور 300 صفحات میں ہے۔ بد قسمتی سے مصنف نے جہانگیر کے روزنامچوں کے مختلف نسخوں میں کوئی امتیاز نہیں کیا ہے اور وافر یورپین ماخذ سے بہت کم مدد لی ہے۔

(ج) خاص

1۔ انگریزی

وان نویر

دی ایمپر ر اکبر۔ سولہویں صدی کی ہندوستان کی تاریخ میں ایک امدادی حصہ مصنفہ فریڈرک آکسٹس کاونٹ آف نویر جسے لینٹے ایس بیورتج نے ترجمہ کیا اور کچھ حصہ کی نظر ثانی کی۔ جلد دوم دفعہ 5 باب سوم صفحات 367 تا 404 سلیم کی بغاوت اور ابوالفضل کے قتل کے متعلق اور باب چہارم صفحات 405 تا 425 اکبر کے انتقال کے متعلق وان نویر نے (یا یہ کہنا چاہئے اس کے مدون ڈاکٹر بجولڈ نے) سلیم کی بغاوت کے جو اسباب لکھے ہیں وہ غلط ہیں۔

وی اے اسمتھ

وی اے اسمتھ کی اکبر دی گریٹ مغل کا گیارہواں باب صفحات 301 تا 325 سلیم کی بغاوت اور اکبر کی زندگی کے آخری دن اور انتقال کے متعلق مصنف نے جزویت وسائل شہادت کی تنقیدی جانچ کر کے استعمال کیا ہے۔ اکبر کے متعلق ہندوستان کی دوسری حال کی تاریخوں اور مضامین میں سلیم کی بغاوت کا حال اس قدر مختصر ہے کہ ذکر کے قابل نہیں ہے۔

کنکیڈ و پراسنیس

اے ہسٹری آف مراٹھا پیپل مصنفہ کنکڈ و پراسنیس جلد اول میں جہانگیر کے عہد کے دکن کی مختصر تاریخ ہے۔

راناڈے

ایم جی راناڈے کی رائز آف مراٹھا پاور جلد اول پوری شائع ہو گئی ہے سترہویں صدی میں مراٹھا اقتدار کے وسائل کا بڑا ہوشمندانہ اور عمیق مطالعہ ہے۔

گریبل

جے ڈی بی گریبل کی تاریخ دکن، مطبوعہ لوزک اینڈ کو 1896ء بیشتر الیٹ وڈاوسن کی تاریخ اور بمبئی گزیٹر پر مبنی ہے۔ جہانگیر کے عہد حکومت کے حالات دکنیوں کے نقطہ نظر سے لکھے گئے ہیں۔

ہیگ

ہیگ کی ہسٹاریکل لینڈ مارکس ان دی دکن میں قلعوں اور ان کی تاریخوں کا دلچسپ حال ہے۔

پوگسن

پوگسن کی ہسٹری آف دی بندیلاز بیشتر لال کی چھتر پرکاش پر مبنی ہے۔ یہ کتاب اب نایاب ہے۔

ہولڈچ

سر طامس ہولڈچ کی گنٹیش آف انڈیا شمال مشرقی سرحد کی شورشوں کے بارے میں قابل قدر ہے۔
اس میں افغانستان اور بلوچستان کا جغرافیائی نقشہ بھی ہے۔

راورٹی

میجر راورٹی کی نوٹس آن افغانستان جہانگیر کے عہد میں افغانستان کی تاریخ کے لیے قابل قدر ہے۔

مورلینڈ

مورلینڈ کی انڈیا ایٹ دی ڈیتھ آف اکبر ستر ہویں صدی میں ہندوستان کی معاشی حالت کا تنقیدی جائزہ ہے جو آئین اکبری اور معاصر یورپین تواریخ پر مبنی ہے۔ محلوں کے بارے میں اس کا رویہ ذرا متعصبانہ ہے۔ اس کی تفصیلی تنقید کیلئے دیکھو میرا مضمون ماڈرن ریویو جنوری 1931ء۔

لا

نریندر ناتھ لا کی پروموشن آف لرننگ ڈیورنگ محمڈن رول (بائی محمڈن) مطبوعہ لانگ مین گرین اینڈ کو 1916ء صفحات 173 تا 180 جہانگیر کی علوم کی قدر دانی اور ترقی کی کوششوں کا ذکر ہے۔

اروِن

ولیم اروِن کی آرمی انڈین مغلس اٹس آرگنائزیشن اینڈ ایڈمنسٹریشن (مطبوعہ لوزک 1903) آئین اکبری اور متعدد فارسی تواریخ پر مبنی ہے۔ جو عہد مغلیہ کے آخری زمانہ میں لکھی گئی۔ یہ بڑی عالمانہ کتاب ہے جس میں مغل فوج کا نہایت صحیح حال ہے۔ جہاں تک فارسی مستند تواریخ سے مل سکا۔

طامس

ہندوستان مغل سلطنت کے مالی وسائل 1593ء سے 1707ء تک یہ ایڈورڈ طامس کی تاریخ کا تتمہ ہے مصنف نے جو نتائج نکالے ہیں وہ ناقص اسناد پر مبنی ہیں۔

بلوکمین

بلوکمین کی لایوز آف گرینڈیز آف دی مغل ایمپائر ان اکبرس رین جو اس کے آئین اکبری کے انگریزی ترجمہ کے صفحات 358 تا 357 سے ماخوذ ہے اور بیشتر مآثر الامرا پر مبنی ہے۔ جہانگیر کے عہد کے

کئی امرا کا بھی مختصر تذکرہ ہے۔

بیل

ٹی ڈبلیو بیل کی اورینٹل بیاگرافیکل ڈکشنری مرتبہ ایچ جی کین مطبوعہ ایلین اینڈ کو 1894ء سند کی حیثیت سے یہ بہت کار آمد ہے لیکن حالات بہت ہی مختصر ہیں اور غلطیاں بہت ہیں۔

ہیمر

ہیمر کی ٹریلیو آف اے جرنی تھرو اپر پراونسز آف انڈیا فرام کلکتہ ٹو بمبئی 25-1824ء میں تین جلدوں میں۔ انیسویں صدی کے آغاز کے حالات اور باقی تاریخی یادگاروں کے حالات کے متعلق قابل قدر ہے۔

امپیریل گزیٹر

میں نے امپیریل پراونشل اور ڈسٹرکٹ گزیٹروں کا جغرافیائی حالات کے لیے آزادی سے استعمال کیا ہے جس کے لیے وہ بہت ہی بیش قیمت ہیں، گزیٹروں کے تاریخی حصوں کے مطالعہ میں احتیاط کی ضرورت ہے۔

کین

دیگر حال کی اسناد تاریخی میں سے آگرہ، دہلی الہ آباد، لکھنؤ بنارس وغیرہ کے متعلق کین کے کتابچوں سے استفادہ کیا ہے۔

مرے

مرے کی ہینڈ بک فار بنگال ایڈیشن 1882ء۔

ٹمپل

سر آر ٹمپل کی حیدر آباد، کشمیر اسکیم، اینڈ نیپال، دو جلدوں میں مطبوعہ امین اینڈ کو لندن 1887ء

الفنسٹن

الفنسٹن کی کابل

2۔ بنگالی

بنرجی

راکھیل داس بنرجی کی ہسٹری آف بنگال دو جلدوں میں بنگالی۔ اس میں بہت کم معلومات ہیں۔

رائے

چندر رائے کی ہسٹری آف مرشد آباد دو جلدوں میں بنگالی۔ اس میں بنگال میں عثمان کی شورش کے متعلق کچھ نئی معلومات ہیں۔

3۔ اردو

ذکاءاللہ

مولوی ذکاءاللہ کی تاریخ ہندوستان اردو جلد ہفتم شاہجہاں کے عہد کے متعلق ہے۔ اس میں شاہجہاں کے نقطہ نظر سے جہانگیر کے بعض واقعات پر تبصرہ ہے۔

آزاد

مولانا محمد حسین آزاد کی دربار اکبری میں بھی اکبر کے ممتاز امرا کے حالات زندگی ہیں جو جہانگیر کے عہد تک زندہ رہے تھے۔

4۔ ہندی

رام ناتھ رتنو

رام ناتھ رتنو نے اپنی راجپوتوں کی تاریخ میں بعض باتیں ٹاڈ سے زیادہ لکھی ہیں۔ یہ کتاب اب نایاب ہے۔ مصنف کی ناوقت وفات سے علمی دنیا کا بڑا نقصان ہوا۔

سوریہ مل

سوریہ مل کی نیشا بھاسکر جو بوندی کی دستاویز سے انیسویں صدی میں لکھی گئی اس میں جہانگیر کے عہد حکومت کے واقعات کا سرسری ذکر ہے۔

مجارام مہتہ

مجارام مہتہ کی پر کرمی مادارو میں بشتر بنشا بھاسکر سے مادا داد کے حالات زندگی دیے ہیں اس میں جہانگیر کے عہد کے خاص خاص واقعات کا بھی مختصر تذکرہ ہے۔

(9) فن تعمیر و نقاش

آرکیالوجیکل سروے آف انڈیا کی رپورٹیں

آرکیالوجیکل سروے آف انڈیا کی سالانہ رپورٹیں نیو سریز 87-1871ء۔
مرتبہ سر الیگزینڈر کننگھم

آرکیالوجیکل سروے آف انڈیا کی سالانہ رپورٹیں

آرکیالوجیکل سروے آف انڈیا کی سالانہ رپورٹیں۔ نیو سریز 3-1902ء سے آج تک
مرتبہ سر جے ایچ مارشل

ای ڈبلیو اسمتھ

ای ڈبلیو اسمتھ کی مغل آرکی ٹیکچر آف فتحپور سیکری چار جلدوں میں حالات و تصاویر، گورنمنٹ پریس الہ آباد۔ 8-1894ء۔

آگرہ کے قریب سکندرہ میں اکبر کا مقبرہ ای ڈبلیو اسمتھ کی تفصیل و تصویر مطبوعہ گورنمنٹ پریس الہ آباد 1909ء۔

فرگوسن

ہسٹری آف انڈین اینڈ ایسٹرن آرکی ٹیکچر مصنفہ جیمس فرگوسن جیمس برجس رپنی سپائر نے نظر ثانی کر کے مرتب کیا اور اضافے کیے۔ شائع کردہ جان مرے لندن 1910ء۔

ہاول

اے۔ جی ہاول کی انڈین

وی اے اسمتھ

وی اے اسمتھ کی اے ہسٹری آف فائن آرٹ ان انڈیا اینڈ سیلون مطبوعہ کلارنڈن پریس آکسفورڈ 1911ء۔

اوپر لکھی ہوئی کتابوں اور نیز جنرل آف انڈین آرٹ اینڈ انڈسٹری میں سترہویں صدی کے اہم

اشخاص کے حالات اور اہم واقعات کی تصویر کشی ہے۔ اس طرح کی بہت سی تصویریں مہاراجہ بنارس و جودھ پور کے کتب خانوں اور نیز خدا بخش کی اورینٹل لائبریری پٹنہ میں اور قلعہ دہلی کے عجائب خانہ میں دہلی کے لالہ سری رام کے پاس محفوظ ہیں اور یقیناً اکثر لوگوں کے ذاتی سرمایہ میں ہوں گی۔

(10) ادبی تصانیف

1۔ فارسی

جہانگیر کے عہد کے بہت سے شعرا کا کلام مخلوطہ شکل میں ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال کلکتہ میں محفوظ ہیں۔ ابھی تک ان کا عام جائزہ نہیں لیا گیا ہے۔ سلیم کی خوبصورتی کی تعریف میں عرفی کا قصیدہ جس کا جہانگیر پر بہت اثر ہوا چھپ گیا ہے۔ اسی سلسلہ میں یہ ظاہر کر دینا چاہئے کہ خدا بخش لائبریری بانکی پور میں ممتاز خطاط میر علی کا مصور نسخہ جامی کی یوسف زلیخا کا موجود ہے جس کے جہانگیر نے ایک ہزار مہر طلائی دیے تھے۔ اس لائبریری میں دیوان حافظ کا وہ نسخہ بھی ہے جس سے جہانگیر فال لیا کرتا اور اس کے حاشیہ پر جہانگیر کے ہاتھ سے لکھی ہوئی تشریحات ہیں۔

فرہنگ جہانگیری جو اعلیٰ درجہ کی فارسی لغت اور جہانگیر کے حکم سے تصنیف کی گئی تھی وہ نایاب نہیں ہے۔ اس کا نسخہ مہاراجہ بنارس کے کتب خانہ میں محفوظ ہے۔

مآثر رحیمی کے علاوہ جس کا ذکر کیا جا چکا ہے عبد النبی فخر الزمانی کا ذکر بھی ضروری ہے۔ جس نے اپنا میخانہ جہانگیر کے عہد میں لکھا۔ اس میں بعض معاصر شعرا کا نہایت دلچسپ حال ہے۔

جہانگیر ہی کے عہد میں ایمن رازی نے ہفت اقلیم سوانح تالیف کی۔ شعرا کے متعلق اس کے نوشتہ حالات قابل قدر اور معتبر ہیں۔

2۔ ہندی

شیو سنگھ سین گار

شیو سنگھ گار نے قرون وسطیٰ کے ہندی شعرا کا ایک جائزہ تصنیف کیا جس میں ان کے حالات زندگی اور نمونہ کلام ہیں۔ یہ کتاب اب نایاب ہے۔

گریرسن

سر جی گریرسن کی ورنیکلر لٹریچر آف ہندوستان میں بھی یہی حالات ہیں اگرچہ زیادہ ناقدانہ شکل میں۔

مصرا برادران

ان دونوں کتابوں کو مصرا برادران کے تین جلدوں میں ہندی لٹریچر کے جامع جائزہ نے منسوخ کردیا۔ اسے ہندی گرنتھ پرسارک نندلی کھنڈوا نے شائع کیا ہے۔

ہندی مخطوطات کی تلاش کی رپورٹیں

کاشی ناگری سبھا کی ہندی مخطوطات کی رپورٹوں میں بہت سا غیر استعمال شدہ ذخیرہ ہے۔

3۔ بنگالی

دنیش چندر سین

دنیش چندر سین کی ہسٹری آف بنگال لانگویج اینڈ لٹریچر۔ یہ مغل عہد میں بنگال کی ذہنی صورت حال پر انگریزی میں معیاری کتاب ہے۔